

گھر کے ہر فرد کے لئے

کراچی

پاکینہ

ماہنامہ

جنوری 2013

گلران اعلیٰ

معراج رسول

سال نو مبارک

رفعت سراج اپنے نئے ناول کے ساتھ.....

عینی جعفری سے پر لطف باتیں.....

اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں



مستقل عنوانات

- | | | | | |
|-----|--------------|---------------------|--------------|-----------------|
| 294 | آمنہ حماد | ادارہ 16 | میرزا انتخاب | دین کی باتیں |
| 297 | پاکیزہ بہنیں | مدیرہ 273 | سید اے | بہنوں کی محفل |
| 298 | پاکیزہ بہنیں | عظمیٰ آفاق سعید 286 | خوش ذائقہ | پاکیزہ ڈائری |
| 300 | ادارہ | انجم انصار 289 | جانی نشور | جلت رنگ |
| 302 | | صغریٰ زیدی 292 | ہومیو پیتھک | میرا شہر گنگائی |

شعبہ نیچر شہلات محمد زورخان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
استشارات نمائندہ لاہور فراز علی بٹ 0332-4214400 رانا حمید 0323-2895528
ماڈل: زارا گل میک اپ: روز بیوٹی پارلر فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
جلد 40 • شمارہ 10 • جنوری 2013 • ذریعہ 700 روپے • قیمت فی پرچہ پاکستان 60 روپے
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس: 35802551 (021) www.pdfbooksfree.pk



مدیرہ اعلیٰ
عذرا رسول
مدیرہ
انجم انصار
معادن
آمنہ حماد

اداریہ

مدیرہ 15 مجھے کچھ کہنا ہے

سلسلے وار ناول

رفعت سراج 18 اماں

ناہید سلطانہ اختر 138 زندگی

مکمل ناول

عنیقہ محمد بیگ 212 جانِ جاں

ناولٹ

کیسہ کیسہ 52 قصہ حیات

سفرِ زیارت 105 صائمہ قیصر

افسانے

شکیلہ رفیق 47 کچی مٹی کے رائے

- | | | |
|-----|-------------|-----------------|
| 89 | مدیحہ عدنان | انوار |
| 131 | رضوانہ پرنس | تجربہ کووشیننگ |
| 167 | سکینہ فرخ | ٹوٹا لڑک |
| 177 | عنیزہ سید | چیمپ لیڈر |
| 189 | نسرين خالد | ایک لڑکی کا سفر |
| 199 | نگہت سیما | امتحان |

خصوصی مضامین

- | | | |
|-----|-----------|--------------|
| 256 | نزہت اصغر | وہ آگے بڑھیں |
| 271 | شہناز | جیا دے محبت |

پبلشر و پریپرٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن: ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

مجھے کچھ کہنا ہے.....!

ہم کس قدر ناشکرے لوگ ہیں، اس کا اندازہ ہمیں کبھی نہیں ہوتا۔

زندگی میں کوئی بات، کوئی مرحلہ، ہماری پسند کے مطابق نہ ہو تو ہم اپنی بد قسمتی کا رونا لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے، میری قسمت میں سکھ لکھا ہی نہیں ہے۔ ہم کبھی یہ نہیں سوچتے، دشواری، حادثات، مشکلات سے کوئی بھی زندگی خالی نہیں ہوتی۔

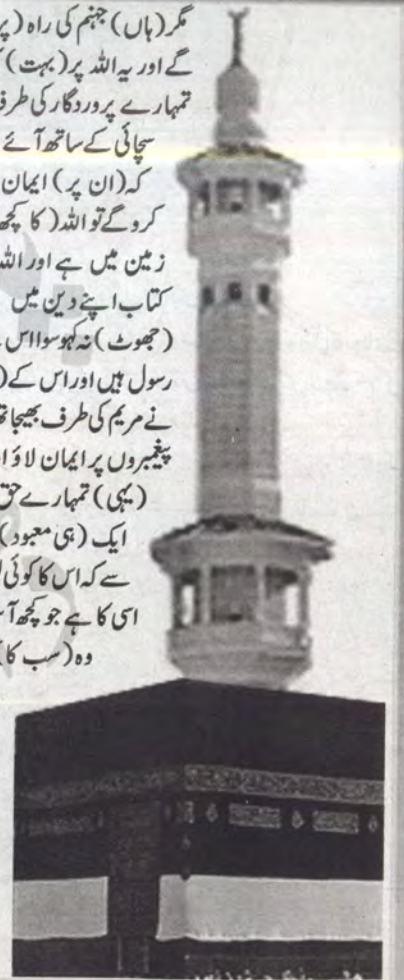
بعض لوگوں کو حادثات تباہ نہیں کرتے بلکہ وہ حادثے سے متاثر ہو کر جس رد عمل کا اظہار کرتے ہیں، وہ انہیں تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ کچھ لوگ حوادث سے الچھ کر مسکراتا جانتے ہیں۔ وہ بد نصیبی کے ہر تیر کے سامنے سینہ سپر ہو کر بھی مسکراتے ہیں جبکہ بعض کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کی تمام تر کامیابیاں اور خوشیاں پلیٹ میں رکھ کر ان کو پیش کر دی جائیں۔

اس کے لیے مجھے آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیے پھر دیکھیں کہ پریشانی کے بادل کس تیزی سے بٹتے ہیں اور مسائل کی رات کتنی جلدی ختم ہوتی ہے۔ شکر گزاری کا یہ واقعہ میں نے پڑھا آپ بھی پڑھیے ”ایک شخص کا پرس چوری ہو گیا۔ اس رات اس شخص نے اپنی ڈائری میں تحریر کیا۔ مجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے، پہلے تو اس بات پر کہ اس سے پہلے میرے یہاں کبھی چوری نہیں ہوئی، دوسرے اس لیے کہ چور نے صرف میرا پرس لیا، میری جان نہیں لی، تیسرے اس لیے کہ یہ میں تھا جس کے ہاں چوری ہوئی، اللہ کا شکر ہے میں نے کسی کے ہاں چوری نہیں کی اور سب سے بڑھ کر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امتحان کے لیے منتخب کیا اور ایک چھوٹی پریشانی دے کر بڑی مصیبت کو ٹال دیا۔“

کیا کبھی ہم نے اس انداز میں شکر ادا کیا ہے، نہیں، میں نے بھی نہیں کیا..... تو آئیں..... آج میں آپ اور ہم سب اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہر وقت اور ہر حالت میں ادا کریں گے..... کہ وہ کبھی برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیا کرتا..... اور شکر ادا کرنے والوں کو ہمیشہ زیادہ دیا کرتا ہے۔ جی ہاں اور یہی سال نو کا پیغام ہے، آپ سب کو نیا عیسوی سال مبارک ہو۔

گمر (ہاں) جہنم کی راہ (پر انہیں پہنچا دے گا) اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ پر (بہت) آسان ہے (۱۶۹) اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (اللہ کے سچے) رسول (محمد ﷺ) ہے سچائی کے ساتھ آئے ہیں پس (اب) تمہاری خیر (اسی میں) ہے کہ (ان پر) ایمان لے آؤ اور اگر (ان کی نبوت سے) انکار کرو گے تو اللہ (کا کچھ نقصان نہیں اسی) کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا اور حکمت والا ہے (۱۷۰) اے اہل کتاب اپنے دین میں (بے جا) زیادتی نہ کرو اور اللہ پر سواج کے (جھوٹ) نہ کہو سوا اس کے کہ تم (یعنی) عیسیٰ مریم کے بیٹے اللہ کے رسول ہیں اور اس کے (اس حکم سے پیدا ہوئے) ہیں جس کو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی روح ہیں پس اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور تین (اللہ) نہ کہو (اس کہنے سے) باز آؤ (یہی) تمہارے حق میں بہتر ہے سوا اس کے نہیں کہ اللہ (تو) ایک (بہی معبود) ہے اس کی پاکی (بیان کر دو) اس (نقص) سے کہ اس کا کوئی لڑکا ہو (اور اسے لڑکے کی کیا حاجت کیونکہ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ (سب کا) کار ساز بس ہے (۱۷۱) مسیح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتے اور نہ مقرب فرشتے (اس سے انکار کر سکتے ہیں) اور جو کوئی اس کے بندے ہونے سے انکار کرے اور غرور کرے تو (یہ سمجھ لے) اللہ ان سب کو اپنی طرف اٹھائے گا (اور ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا دے گا) (۱۷۲)

(سورہ نسا آیت نمبر ۱۶۹ تا ۱۷۲)



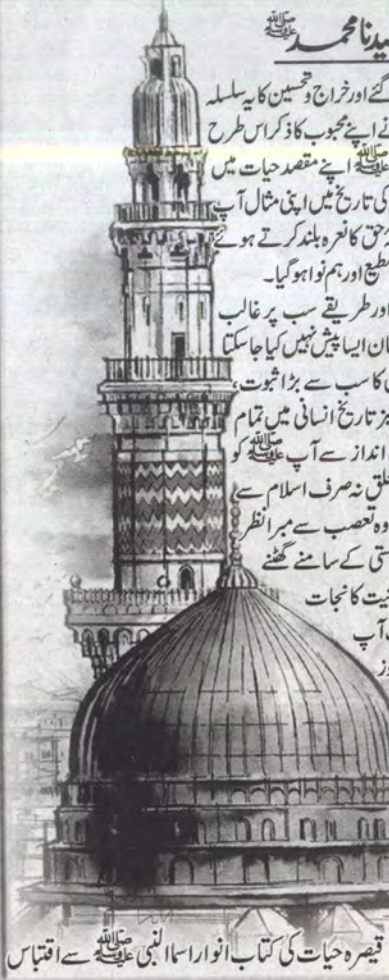
آنحضرت ﷺ کے اس لئے گرامی سیدنا محمد

دوست، دشمن سب آپ ﷺ کے معترف ہو گئے اور خراج و تحسین کا یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے اور قیامت تک رہے گا کیونکہ اللہ نے اپنے محبوب کا ذکر اس طرح بلند کیا ہے کہ اس ذکر میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ اپنے مقصد حیات میں جس احسن طریقے سے کامیاب ہوئے وہ دنیا کے عالم کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ ﷺ صرف اپنے چند احباب کے ساتھ مکہ، حجاز کا نعرہ بلند کرتے ہوئے اٹھے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے عرب و عجم آپ ﷺ کا مطیع اور ہم نوا ہو گیا۔

عدد ۲ کی خصوصیت: ”اس شخص کی صفات اور طریقے سب پر غالب رہیں گے۔“ دنیا کی پوری تاریخ میں سے کوئی بھی انسان ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا ہے جو اپنی ہستی و صفات میں اس قدر کامل ہو اور اس کا سب سے بڑا ثبوت، دی ہنڈرڈ میں آپ ﷺ کا سرفہرست ہونا ہے۔ نیز تاریخ انسانی میں تمام بلند پایہ افکار و خیالات کے حامل افراد بھی کسی نہ کسی انداز سے آپ ﷺ کو بھرپور خراج عقیدت پیش کرتے آ رہے ہیں جن کا تعلق نہ صرف اسلام سے ہے بلکہ دوسرے مذاہب عالم سے بھی ہے اور جب وہ تعصب سے مبرا نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو سب آپ ﷺ کی بلند پایہ ہستی کے سامنے گھٹنے ٹیکتے نظر آتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ سے بڑھ کر انسانیت کا نجات

دہندہ اور خیر خواہ انہیں نظر نہیں آتا۔ اس کا ثبوت آپ کی سیرت طیبہ پر بے شمار کتب کی تعداد میں روز بروز

اضافہ ہے۔ پوری دنیا میں ہر زمانے اور ہر صدی میں آپ ﷺ کی ذات اقدس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق جاری و ساری ہے اور ہر تحقیق کا حتمی نتیجہ آپ ﷺ کی سر بلند ذات کو زبردست خراج تحسین ہے کیونکہ آپ ﷺ نبی و پیغمبر و عظیم ترین انسانیت کی مثال ہیں اور ہر انسان کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔



قیصرہ حیات کی کتاب انوار السالین ﷺ سے اقتباس



امانت
 لبو سے سینچے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
 بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
 جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
 بدن پر سائے دیوار و در آسان کتنا ہے
 شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
 ذرا دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور..... چاند کی چاندنی امانت..... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کر دیتی ہیں۔

امانت و خیانت کو واضح کرتی ایک پُر درد مگر خوب صورت تحریر

ہوئے کہا۔

”نماز تو پڑھ لی..... رات دیر تک جاگ کر پڑھتا رہا..... امتحان بھی سر پر ہیں۔“ صابرہ نے پھر بیٹے کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔

”دنیا داری کے لیے جاگ سکتے ہیں، دین کی خاطر مٹھی نیند قربان نہیں کر سکتے۔“ جابر علی بڑبڑایا۔

”اب کیا دوبارہ سو گیا ہے..... ناشتا نہیں کرے گا..... یونیورسٹی کی بس نکل گئی تو زیادہ کرایہ دے کر رکشا لے لیں۔“ جیسے جیسے باتیں جاری ہو رہی تھیں، صابرہ نے کما کما ہوا حرام کا مال نہیں ہٹانے کے لیے..... اسی لمحے برہان ہاتھ میں فائل اور کتابیں لیے کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری تنہائی تھی۔ اس نے باپ کو نظر انداز کر کے ماں کو مخاطب کیا۔

”میں جا رہا ہوں امی..... خدا حافظ۔“

”ناشتا تو کرو بیٹا..... خالی پیٹ کیا خاک پڑھائی ہوگی.....“ صابرہ نے بڑے پیار سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے فکر مندی سے کہا۔

”میں ناشتا چھوڑ دیتا ہوں مگر پوائنٹ بس نہیں کرتا۔“ برہان نے انجانے میں جیسے باپ کو کچھ بتایا۔

”بہت احسان کرتے ہو ہم پر..... یونیورسٹی میں پچاس روپے والا برگر کھا لیتا ہوگا۔“ برہان نے گہری سانس لے کر جیسے خود کو پرسکون کیا اور خدا حافظ کہہ کر نکل گیا۔ ماں تڑپ کر رہ گئی۔ بیٹا بغیر ناشتائے چلا گیا تھا۔

”ایک پیالی گرم چائے لے آؤ..... بعد میں سوگ کر لینا.....“ جابر علی نے کم صم کھڑی صابرہ کو متوجہ کیا۔

”اللہ نہ کرے..... میں کیوں سوگ کرنے لگی..... اللہ میرے پیاروں کو جیتا رکھے۔“ وہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے کچن کی طرف بڑھی۔

”لڑکیاں کیا کر رہی ہیں؟ کیا آج کالج نہیں جائیں گی.....؟“ جابر علی نے صابرہ سے پوچھا۔

”تیار ہو رہی ہیں۔“

”اولاد کے اتنے غرے اٹھانے کی ضرورت نہیں..... نوکرانی کی طرح ایک، ایک کے سامنے ناشتا لگاتی ہو..... بڑی ہو چکی ہیں ان سے کچھ اٹھ کر تمہاری مدد کیا کریں..... پڑھ رہی ہیں تو کیا ہم پر احسان کر رہی ہیں؟“ صابرہ کے سینے سے ایک آہ سرد خارج ہوئی۔

”شبینہ، ستارہ..... بیٹا ناشتا کرلو۔“ صابرہ نے بیٹیوں کو آواز دی اور کچن میں چلی گئی۔

جابر علی نے ایک دھکے سے ٹیبل کو پیچھے دھکیلا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان اور ان کی چھوٹی بہن گل جان ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی تھیں دونوں اپنی اپنی جگہ کسی سوچ میں گم تھیں۔ مہر جان نے کانٹا پلٹ میں رکھ کر بہت غور سے گل جان کی طرف دیکھا تھا۔

”کیا سوچ رہی ہو گل جان! ٹھیک سے ناشتا کرو۔“ گل جان چونک بڑی پھر زبردستی مسکرائی۔

”جی بی بی جان کر رہی ہوں۔ آپ یہ خاکین لیں ناں میں نے آپ کی کھانسی آپ کے لیے بنایا ہے۔ آپ کو بہت پسند ہے ناں؟“ گل جان نے پلٹ مہر جان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تم خاکین بناتی ہی بہت اچھا ہو۔“ انہوں نے مشینی انداز میں بہن کی تعریف کی لیکن وہ بہن کے منہ سے تعریفی کلمات سن کر بھی خوش نظر نہیں آئی ہنوز کسی خیال کے حصار میں تھی۔

”یہ رابی اور روم کا کچن چلی گئی ہیں یا بڑی سوری ہیں؟“ مہر جان نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے ذرا

ڈاکٹر مہر جان شدید ڈپریشن میں اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ آنکھوں میں جیسے انگارے دھک رہے تھے۔ شدید غصے نے انہیں مضطرب کیا ہوا تھا..... وہ بار بار وال کلاک کی طرف دیکھتی جاتی تھیں۔ وال کلاک سے نظریں ہٹائیں تو دروازے پر جا چکیں۔ جیسے شدت سے کسی کا انتظار ہو۔ بالآخر دروازے پر دستک ہوئی۔

”آ جاؤ.....“ مہر جان کی آواز میں حکم تھا۔ ان کا ادھیڑ عمر ملازم امیل خان سر جھکائے اندر داخل ہوا۔

”دروازہ بند کر دو۔“ مہر جان نے سابقہ انداز میں کہا۔ امیل خان نے آنکھیں سے دروازہ بند کر دیا.....

اور اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ مہر جان جیسے چیل کی طرح اس پر چھٹیں..... اور امیل خان کا گریبان دبوچ لیا۔

”کتنی معصوم شکل ہے تمہاری..... لگتا ہے سب مر گئے ہیں ساری دنیا میں بس ایک ہی نیک آدمی زندہ بچا ہے۔“ مہر جان اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہنسنے لگی۔

”آپ نے دوا لی بیگم صاحبہ؟“ حیرت انگیز طور پر امیل خان کا لہجہ پرسکون تھا۔ جیسے مہر جان اس سے کوئی بہت خوشگوار بات کر رہی تھیں۔

”مجھے نیند نہیں آنے کی امیل خان..... ہاں زہر کھا کر ہمیشہ کی نیند سو سکتی ہوں۔“

”زہر کھائیں آپ کے دشمن۔“ امیل خان بہت مؤدبانہ انداز میں بولا۔

”ہاں تو پھر تم زہر کھا لو.....“ مہر جان نے اس کے گریبان کو زور سے جھکایا اور ہانپنے لگیں۔ امیل خان اب بھی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ اس نے ایک بار بھی نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

”رابی کی خود سری نے میرے اندر ایک آگ سی لگا دی ہے امیل خان۔“ مہر جان ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”سب کی اپنی، اپنی مجبوریاں ہیں بیگم صاحبہ.....“ وہ اسی طرح پرسکون انداز میں بات کر رہا تھا۔

مہر جان نے قہر برساتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اسے چھپتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔

”شکل دیکھو اپنی.....“ وہ غرائیں۔

”نہیں دیکھ سکتا بیگم صاحبہ..... مدت سے آئینہ نہیں دیکھا۔“ امیل خان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

”جنیٹ انسان.....“ مہر جان نے پاگلوں کی طرح اسے دوہرتا مارے اور زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا سا گیا مگر فوراً ہی سنبھل گیا۔ مہر جان نے پھر وحشت بھرے انداز میں اسے دوچار ہاتھ مارے اور نڈھال سی ہو کر ایک طرف گرنے لگیں۔ امیل خان نے لڑکھڑائی ہوئی مہر جان کو سنبھالا، انہیں بہ مشکل کھینچتا ہوا ہینڈ ٹیبل لایا اور آہستہ سے لٹا دیا..... وہ اب بے ہوش ہو چکی تھیں۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا مہر جان کے پیروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

سب انسپکٹر جابر علی یونیفارم میں ملیوں آف موڈ میں ناشتا کر رہا تھا۔ برآمدے میں ایک پلنگ کے سامنے چھوٹی سی پرانی لکڑی کی ٹیبل پر ناشتا لگا ہوا تھا۔

صابرہ کچن سے چائے لے کر اس کی طرف بڑھی تھی کہ جابر علی جیسے برس پڑا۔

”برہان کہاں ہے؟ آج صبح وہ مسجد میں بھی نظر نہیں آیا۔“

”اس نے گھر پر ہی نماز پڑھ لی تھی۔“ صابرہ نے دے دے لہجے میں جواب دیا۔

”وہ قدم پر تو مسجد ہے، جوانی میں یہ حال ہے۔“ جابر علی نے اسی طرح غصے میں صابرہ کو گھورتے

تجربہ پیش کیا۔

”کچھ.....! بہت پراؤڈ ہیں یا تمہاری ماما۔ تمہاری ہمت ہے جو ایسی ماں کے ساتھ رہتی ہو۔“ کاناز نے صاف گوئی سے کہا۔

”ماں تو ماں ہوتی ہے کاناز وہ جیسی بھی ہیں میری ماں ہیں، میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ ان کی وجہ سے سب لوگ ہم سے اچھا ٹریٹ کرتے ہیں۔ بہت عزت دیتے ہیں۔“ رومانے بھی سچائی کے ساتھ اپنی دوست کو دل کی بات کہہ دی۔

”تم تو ہو ہی اتنی اچھی، میں بھی تمہیں اتنا ہی پیار کرتی ہوں جتنا تم اپنی ماما سے کرتی ہو۔“ کاناز کھلکھلائی اور کٹے ہوئے سیب کی قاشیں رومانہ کو پیش کیں۔

”دیے ڈاکٹر صاحبہ کا نام مہر جان کے بجائے مہریان ہوتا تو اچھا تھا۔ سنا ہے نام کا شخصیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔“ کاناز نے سیب کی قاش اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا اور یوں ہنسی جیسے اپنی نگاہیں پر خود کو داد دے رہی ہو۔ رومانہ اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے مسکرانے لگی۔

☆☆☆

صابرہ نے کچن سے باہر آ کر ادھر ادھر دیکھا جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو پھر اسے سامنے شبینہ نظر آ گئی جو اپنے لمبے بال سلجھانے میں مصروف تھی۔

”شبینہ بیٹائیں تمہارے ابا جان کا یو نیفارم دھور رہی ہوں۔ ذرا ہانڈی دیکھتی رہنا کہیں جل نہ جائے اور ہاں ستارہ سے کہنا اپنے ابا کے دو جوڑے کپڑے استری کر دے۔“

”ای امی ابھی ہم کالج سے آئے ہیں، سانس تو لینے دیں۔“ ستارہ نے کمرے سے جھانک کر بڑی بیزاری سے کہا۔

”کپڑے استری نہ ہوئے تو بھی ابا جان نے غصہ کرنا ہے ہو گئے تو بھی..... انہیں تو بس برسنے کا بہانہ چاہیے۔“ ستارہ بڑبڑانے کے انداز میں کہہ کر پھر کمرے میں گھس گئی۔

”بہت زبان چلتی ہے..... اگر کسی دن انہوں نے تمہاری کٹر کٹر کرتی زبان سے کچھ سن لیا ناں تو گھر بٹھادیں گے۔ اتنی محنت کرتے ہیں، نوکری کرنا کوئی آسان ہے۔ افسروں کی الٹی سیدھی باتیں برداشت کرنا۔ بعض اوقات چوبیس چوبیس گھنٹے کی ڈیوٹی کرنا وہ بھی آخر انسان ہیں۔“ صابرہ نے ناراضی سے کہا اور ایک طرف رکھا ہوا چابڑ کا یو نیفارم اٹھا کر ہاتھ روم کی طرف چل پڑی۔

ستارہ پاؤں پچھتی باہر آ گئی۔ شبینہ برش سے ٹوٹے ہوئے بال نکال رہی تھی۔ اس نے دھپ دھپ کی آواز پر گردن موڑ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

”یہ تمہیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے؟“ وہ مالوں کو برش سے کھینچتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”بابا پرکٹی ہوں..... کوئی اُن سے بھی کسی دن ہمت کر کے پوچھ لے کہ انہیں اتنا غصہ کیوں آتا ہے؟“ یہ کہہ کر ستارہ کچن میں گھس گئی تھی۔ شبینہ نے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا جیسے بہن نے اسے لا جواب کر دیا ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کی بڑی بیٹی رابی (رابر) غصے میں بھری بیٹھی تھی اور گل جان اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے جتن کر رہی تھی۔

کی ذرا رک کر پوچھا۔

”چلی گئی ہیں بی بی جان۔“ گل جان نے ادب سے جواب دیا۔

”ہوں۔“ انہوں نے ہنکارا بھرا۔

”یہ رابی کسی لڑکے کے چکر میں تو نہیں پڑ گئی؟“ مہر جان کی آنکھوں میں شکوک کے سائے تھے وہ بہن سے پوچھ رہی تھیں۔

”نہیں، نہیں بی بی جان ایسی کوئی بات نہیں۔“ گل جان نے جلدی سے کہا۔

”پھر وہ سہراب خان کا رشتہ کیوں ٹھکرا رہی ہے؟“ ان کے لہجے میں غم و غصے کی کیفیت تھی۔

”ابھی کم عمر ہے، اچھے برے کی تمیز نہیں۔“ گل جان نے بہت آہستہ آواز میں کہا۔

”تم تو اس عمر میں حرفوں کی بن چکی تھیں۔ ویسے یہ بڑی خطرناک عمر ہوتی ہے۔ میں تو چاہتی تھی ان دونوں لڑکیوں کو سات پردوں میں چھپا کر پالوں مگر ایسا کر نہیں سکی۔ لوگ کیا کہتے اتنی بڑی نیوروسرجن ڈاکٹر مہر جان کی بیٹیاں جتنی ان پڑھ۔“ یہ کہہ کر مہر جان طنزیہ مسکرائیں۔ گل جان کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں تھے وہ خاموشی سے چائے بنا رہی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کی چھوٹی بیٹی رومانہ (رومانہ) اپنی عزیز از جان دوست اور پڑوسن کاناز کے گھر گئی ہوئی تھی

دونوں بچپن سے ہی ایک دوسرے کی گہری دوست تھیں۔ کاناز کے والدین حیات نہیں تھے اسے اس کے دادا شاہ عالم نے پالا تھا۔ جوانی کی کل کائنات تھی۔

”کاناز کل رات تم نے مجھے فون کیا نہ میری کال ریسپونڈ کی۔“ رومانہ شکوہ کر رہی تھی۔ ”تمہیں کیا پتا مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔“ رومانہ کے لہجے میں بہت دکھ تھا۔

”رومانہ! دادا جان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ میں ان کے ساتھ اسپتال میں تھی۔ جلدی میں اپنا سیل فون بھی گھر بھول گئی تھی۔“ کاناز نے فون نہ کرنے کی وجہ بتائی۔ ”اور تین بجے رات تو ہم اسپتال سے آئے تھے۔ اتنا تھک گئی تھی کہ آتے ہی سو گئی۔“ اس نے مزید وضاحت کی۔ ”اسی وجہ سے آج کالج بھی نہیں جاسکی۔“

”اور تمہاری وجہ سے میں نے بھی کالج کی چھٹی کی، تمہیں تو پتا ہے ناں ماما کسی قیمت پر چھٹی نہیں کرنے دیتیں مگر میں نے کہا میری بیک بون میں بہت درد ہو رہا ہے۔ پیٹ درد کا کہتی تو وہ جھٹ کوئی میڈیسن دے دیتیں۔“ رومانہ نے بڑی مصہومیت سے بتایا۔

”تو تمہیں ایکس رے کے لیے لے کر نہیں گئیں؟“ کاناز ہنستے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”تھینک گاڈ، آج ان کے اسپتال میں کوئی بہت سیریس Casualty آئی تھی وہ بہت بڑبڑاؤ میں گئی تھیں مگر کہہ کر گئی تھیں کہ درد زیادہ ہو تو ڈرائیور کے ساتھ اسپتال چلی آتا۔“

”یار 100 ڈیٹرممرے تھے تو تمہاری ماما پیدہ ہوئی تھیں..... چلو اتنا خیال تو رکھتی ہیں۔“ کاناز بولی اور سامنے رکھے ہوئے سب کاٹنے لگی۔

”خیال تو بہت رکھتی ہیں بہترین ڈریس، بہترین کھانا پینا، بہترین زندگی.....“

”لیکن بات اپنی ہی سنوا رہی ہیں۔“ کاناز رومانہ کی بات کاٹ کر برجستہ بولی۔

”وہ شہر کی بہت بڑی نیوروسرجن ہیں شاید اسی وجہ سے کچھ پراؤڈ ہیں۔“ رومانہ نے بڑی سادگی سے اپنا

”بیٹا بی بی جان آپ کی ماں ہیں، وہ آپ کے لیے اچھا ہی سوچیں گی۔“ گل جان نے پیار سے رابی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ اس وقت رابی کے بیڈروم میں اس کے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی اور اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

”بھئی ماں لگی ہی نہیں پتھر کا مجسمہ، ہونہ۔۔۔۔۔ اٹھارہ، بیس سال بڑا ہے سہراب خان مجھ سے۔ یہی رہ گیا ہے میرے لیے۔۔۔۔۔ اتنا ہی اچھا ہے تو خود کر لیں، بیس سال سے اکیلی ہیں۔ اس عمر میں تو کسی ساتھی کی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔“ گل جان نے دہل کر رابی کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”بس بیٹا بس، بری بات ہے، ماں کی بے عزتی نہیں کرتے۔ ماں پھر ماں ہوتی ہے۔“

”آپ اس ظلم میں ان کا ساتھ دیں گی؟ اگر آپ کی اپنی سگی بیٹی ہوئی اور اس کی شادی کسی بڑھے سے ہوتی تو آپ کیا محسوس کرتیں؟“

”وہ بڑھانہیں ہے اور ویسے بھی بہت بڑا خاندان ہے اس کا۔ بارہ پشتوں سے جاگیر دار ہیں۔“ گل جان نے اپنا کرب چھپاتے ہوئے رابی کو سمجھانے کی کوشش۔

”آخر ماں کو میری شادی کی اتنی جلدی کیا ہے؟“ رابی پڑ کر پوچھ رہی تھی۔

”تمہارے سر پر باپ کا سایہ نہیں، تمہارا کوئی بھائی نہیں، زندگی موت کا کیا بھر وسا بیٹا۔“ گل جان نے آنسو پیٹے ہوئے کہا۔

”آپ دونوں بہنوں کے سر پر بھی باپ کا سایہ نہیں ہے۔ آپ دونوں کا بھی کوئی بھائی نہیں، دونوں کے شوہر نہیں ہیں۔ سہراب خان سے آپ شادی کر لیں یا اماں کی کروادیں، صبح جوڑ ہے۔“ رابی غصے اور اشتعال میں جیسے پاٹھوں کی طرح بول رہی تھی۔ گل جان کتنے کی کیفیت میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی پھر بڑی مشکل سے خود کو سنہال کر بولی۔

”بیٹا عورت ذات کی جھگی نظر اور دھیمی آواز اس کا پردہ ہوتی ہے۔ اتنا اونچا نہیں بولتے۔ مردوں کی طرح غصہ نہیں کرتے۔“

”جب الٹی چھری سے ذبح ہوتے ہیں تو حلق سے ایسی ہی آوازیں نکلتی ہیں۔“ یہ کہہ کر رابی اپنی جگہ سے اٹھی دھپ دھپ کرتی آگے بڑھی اور واش روم میں گھس کر دھڑ سے دروازہ بند کر لیا۔ گل جان کے چہرے پر گویا ساری کائنات کا ملال سمٹ آیا تھا۔ کرب کی ایسی انتہائی کہ شاید نزع کی کیفیت سے کچھ کم۔

☆☆☆

جابر علی بھاری بوٹ اتار کر جیسے سکون کی سانس لے رہا تھا۔ شرٹ اتار کر دور پھینک دی تھی۔ بنیان پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔ صابرہ حسب معمول فوراً چائے بنا کر لے آئی تھی۔

”وہ تھوڑی دیر میں خالد انوری آپ سے بات کرنے آئیں گی، میں نے سوچا آپ کو پہلے سے بتا دوں۔“ صابرہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

”ارے بھئی وہ تو بیٹے میں تین چار مرتبہ آ جاتی ہیں۔ آج کوئی خاص بات ہے؟“ جابر علی نے صابرہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اپنے اسی اٹھارہ انداز میں پوچھا۔

”وہ میں نے آپ کو بتایا تو تھا۔۔۔۔۔ شبنم کے لیے کوئی رشتہ دیکھا ہے۔“

”لاٹری نکلنے کا انتظار کرو۔“ جابر علی نے ٹکڑا توڑ جواب دیا اور جلدی جلدی چائے کے دو تین گھونٹ بھرے۔

”کیا مطلب ہلکیوں کی شادی نہیں کریں گے۔ لڑکیوں کے رشتے آنے کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔“ صابرہ نے دبے لہجے میں سمجھانا چاہا۔

”ابھی عمر ہی کیا ہے، لوگوں کی تیس تیس سال کی بیٹی ہوتی ہیں۔ تمہیں آفت آرہی ہے۔“ جابر علی نے غصے سے اپنی سادہ و سلیکین سی بیوی کو گھورا۔

”جب اچھے، اچھے رشتے ٹھکرادیے جاتے ہیں تب یہ نوبت آتی ہے کہ لڑکیاں باپ کی دہلیز پر بڑھاپے کا استقبال کرتی ہیں۔“ صابرہ کو شوہر کی بے پروائی بھسم نہیں ہوئی۔

”ارے ابھی تو آنا شروع ہوئے ہیں۔ دو چار اور آنے دو، دیکھ لیں گے۔ فی الحال تو میرے پاس شادی بیاہ پر خرچ کرنے کے لیے کوئی پیسہ نہیں ہے اور قرض ادھار سے مجھے نفرت ہے۔“

”لیکن ایک دن شادی تو کرنا ہی ہے۔ لڑکیوں کی بہت فتنے داری ہوتی ہے۔ یہ جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائیں اچھا ہوتا ہے۔“ جابر علی نے زور سے چائے کا کپ نیل پر پنچا اور صابرہ کی طرف شعلہ بار نظروں سے دیکھا۔

”بھگیا جا رہی ہیں۔۔۔۔۔ تمہارے قابو میں نہیں ہیں؟ صاف صاف بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟“ جابر علی نے پولیس والوں کے خاص ٹکی انداز میں صابرہ کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔

”لاحول ولا قوۃ۔“ صابرہ نے گویا اپنا سر پیٹ لیا بات کہاں سے کہاں چلی گئی تھی۔ ”مجھے رشتے بھی قسمت سے ملتے ہیں۔ ماں کہتے ہی شادی تو نہیں ہو جاتی، ہم ان سے سال بھر کا وقت مانگ لیں گے۔“ صابرہ نے آنکھ سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”سال بعد چھپرے بچھے گا؟“ جابر علی نے گھورا۔

”برہان کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے۔ آخری امتحان رہتا ہے اس کے بعد وہ انجینئر بن جائے گا۔ اس کی پانچ چھ تھوڑا ہیں جمع کر کے شینہ کی شادی کر دوں گی۔“ صابرہ نے اپنی پلاننگ گوش گزار کی جسے سنتے ہی جابر علی اور بھڑک گیا اور مذاق اڑانے والے انداز میں بولا۔

”ہاں، تمہارے بیٹے کے لیے نوکری دروازے کے باہر ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ ارے دنیا ڈگریاں لے کر سالوں سے جو تہہ پتھا رہی ہے، تم شیخ علی بنی خواب دیکھتے رہو۔“

”دنیا کے بچوں کو نوکریاں ملتی بھی ہیں۔ سب کے سب بے روزگار تو نہیں ہیں۔ کیا خبر برہان بہت اچھے نمبرز سے پاس ہو جائے اور اسے بہت اچھی نوکری مل جائے۔ اتنی محنت تو کر رہا ہے میرا بچہ۔“ صابرہ نے مانتا بھرتے لہجے میں برہان کا قصور کرتے ہوئے جواب دیا۔

”جب اسے نوکری مل جائے گی تب شادی بیاہ کی باتیں کرنا۔ خیالی پلاؤ پکانے کی ضرورت نہیں۔ اب جاؤ اور فضول میرا دماغ نہ کھاؤ۔“ جابر علی نے پیڑاری سے کہا اور اٹھ کر باہر کی طرف چل دیا۔ صابرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور چائے کا خالی کپ اٹھا کر پین کی طرف چل دی۔

☆☆☆

شبنم پڑے استری کر رہی تھی کہ ستارہ بہت خاموشی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ شبنم اس کے غیر معمولی انداز اور شریک مگر اہٹ کو ابھن بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

”شکر ہے اس گھر میں مہنگائی سے ہٹ کر بھی کچھ اچھی اچھی باتیں ہونے لگیں۔“ ستارہ نے بستر پر دھپ سے بیٹھے ہوئے بڑے شریک لہجے میں کہا۔

”خدا کے لیے ستارہ منہ بند کرو۔“ اس نے ہلکا کر ٹوکا۔
 ”سنا ہے عشق کی آگ جلا کر خاک کر دیتی ہے اور بندے کو خاک ہونے میں بہت مزہ آتا ہے۔“ ستارہ کو
 گدگدی ہو رہی تھی۔ شبنم نے ایک جھٹکے سے استری کا پلگ نکالا اور استری لے کر ستارہ کی طرف بڑھی۔
 ”میں تمہیں اس گرم استری سے چھوٹی ہوں پھر مجھے بتانا جلنے میں کتنا مزہ آتا ہے۔“ اس نے
 استری لہرائی۔
 ”استری اور عشق کا فرق سمجھو آپا۔“ وہ خود کو بچاتے ہوئے لڑھک کر دوسری طرف ہو گئی۔ شبنم اپنی
 مسکراہٹ پہ مشکل روک رہی تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان اسپتال کے اپنے آراستہ و پیراستہ روم میں ایک کم عمر لڑکی کا چیک اپ کر رہی تھیں۔ لڑکی کی
 ماں قریب کھڑی تھی۔
 ”کب سے دورے پڑ رہے ہیں اسے؟“ مہر جان نے لڑکی کی ماں سے سوال کیا۔ لڑکی کی ماں کی
 آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے تو بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”جب سے وہ بد بخت روگ دے کر گیا ہے۔“
 ”طلاق ہو گئی ہے اسے؟“ مہر جان نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی نظر میں دکھ و
 تاسف کے تاثرات واضح تھے۔ ”لگتا ہے تم نے بہت چھوٹی عمر میں اس کی شادی کر دی تھی۔“ مہر جان اپنی
 کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
 ”اس کی شادی نہیں ہوئی ڈاکٹر صاحبہ۔“ لڑکی کی ماں نے مجرم کی طرح سر جھکا کر مہر جان کے سر پر گویا بم
 پھوڑا تھا۔

”مگر..... مگر یہ تو پریگنٹ ہے۔“ مہر جان بھونچکاسی اس کی ماں کو دیکھنے لگیں۔
 ”اسی وجہ سے تو اسے دورے پڑ رہے ہیں۔“ عورت نے نظر جھکا کر آہستہ سے جواب دیا۔ ”کھڑے
 کھڑے گر جاتی ہے، ہاتھ پیرمز جاتے ہیں۔“ وہ مزید بولی۔
 ”میرے خدایا۔“ ششدری مہر جان اس پندرہ سولہ سال کی لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔
 ”میں اسے دوسرے شہر لے جاؤں گی کیونکہ ڈاکٹر نے بچہ ضائع کرانے سے منع کیا ہے۔ وہ کہتی ہے چار
 مہینے کا حمل ہے، اس کی جان جانے کا خطرہ ہے۔“ لڑکی کی ماں کہہ رہی تھی اور مہر جان کی آنکھوں میں انگارے
 دبک رہے تھے۔

”صرف اس کی جان کو رو رہی ہو۔ دو جانیں جائیں گی ایک نہیں۔ تمہیں اپنی اولاد کا خیال ہے جو اس کی
 کوکھ میں ہے وہ اس کی اولاد ہے۔“ مہر جان نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”تم جیسی غیر ذمے دار عورتوں کو تو
 ماں ہی نہیں بننا چاہیے۔ شادی نئے کپڑے اور زیور کا نام نہیں ہوتی۔ یہ ایک ذمے داری کا نام ہے۔“
 ”جی ڈاکٹر صاحبہ، میں اپنا قصور مانتی ہوں۔ آپ اسے کوئی دوا دیں۔ میں اسے اس شہر سے دور
 لے جاؤں گی۔ سارا انتظام کر لیا ہے میں نے۔“ عورت بالکل مجرموں کے انداز میں بات کر رہی تھی جبکہ لڑکی
 ایک طرف آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

”اچھا..... سارا انتظام کر کے میرے پاس آئی ہو۔ ایک بے گناہ معصوم جان کو کچرے میں پھینک کر
 بیٹی کو واپس لے آؤ گی اور دنیا کو بتاؤ گی کہ یہ مریم ہے..... برائی پھیلنی ہے اس وجہ سے کہ ماں میں ایم کھا کر

”شکر ہے اس بات پر کہ آج تم خوش نظر آ رہی ہو ورنہ تو ہر وقت شکل پر بارہ ہی بکے رہتے ہیں۔“ اس
 نے کپڑے پر استری پھیرتے ہوئے ایک نظر ستارہ پر ڈال کر کہا۔
 ”تمہاری شادی کی باتیں ہو رہی ہیں آپا جو مجھے بھی کچھ اچھی امیدیں اور حوصلہ دے رہی ہیں۔“
 ”جس گھر میں لڑکیاں ہوتی ہیں وہاں شادی بیاہ کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ تو ایسی کوئی خاص
 بات نہیں۔“
 ”ہاں..... فی الحال تو کئی سال تک باتیں ہی ہوتی رہیں گی۔“ ستارہ نے بڑی ادا سے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا
 تو شبنم نے گردن موڑ کر ستارہ کی طرف دیکھا۔

”کیا مطلب.....؟ آج تو بڑی اچھی اچھی باتیں کر رہی ہو۔ ہر بار مطلب پوچھنا پڑ رہا ہے۔“
 ”مطلب یہ کہ جب تک برہان بھائی کو نوکری نہیں ملے گی کھر میں کسی کی شادی، منگنی ہونے کا امکان نہیں
 ہے۔ امی ابا جان سے کہہ رہی تھیں کہ اتنا اچھا رشتہ قسمت سے ملتا ہے۔ ابا جان بولے پیسے نہیں ہیں۔“ ستارہ
 متخرا نہ انداز میں مسکرائی۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔ ایک تنخواہ میں کیا کچھ ہو سکتا ہے۔ امی کو خود ہی سوچنا چاہیے کہ وہ کیوں ابا جان
 سے ایسی باتیں کرتی ہیں۔“ شبنم نے بڑی بزدلاری اور بچیدگی سے کہا۔
 ”مسئلہ لے کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ مسئلہ کا حل نکالنا چاہیے۔ ابا جان تو بس ایک دم گر جنے لگتے ہیں۔“

ستارہ نے برا سامنہ بنایا۔
 ”تو تم بتا دو کوئی حل..... بیٹھی ہر کسی میں کیڑے نکالتی رہتی ہو۔“ شبنم نے ستارہ پر تنقید کی اور استری شدہ
 کپڑا بہت احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا۔

”امی حل بتاتی رہی تھیں مگر ابا جان ان کا مذاق اڑانے لگے۔ امی نے کہا کہ رشتہ دیکھ لیتے ہیں شادی
 تب کریں گے جب برہان بھائی کو نوکری مل جائے گی۔ ابا جان تو یہ سنتے ہی پہلے سے زیادہ گرم ہو گئے۔“
 ستارہ نے بہت تلخ لہجے میں کہا اور بستر پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ شبنم نے ایک نظر بہن کی طرف ڈالی
 اور ایک شرٹ جھٹکتے ہوئے بولی۔

”امی کو پتا بھی ہے ابا جان اپنی کبھی ہوئی بات پر قائم رہتے ہیں۔ اُن کے منہ سے جو نکل جائے پتھر پر لیکر
 ہوتا ہے پھر ابا جان سے کیوں بحث کرتی ہیں۔“
 ”ہم سب سامعین نہیں ہیں جو صرف بیٹھے سنتے رہیں۔ ہمارے پاس بھی کہنے کو بہت کچھ ہے۔“ ستارہ

بڑبڑائی۔
 ”جلنے لڑھنے سے بھلا کچھ حاصل ہوتا ہے؟“ شبنم استری کپڑے پر پھیرتے ہوئے بولی۔

”کلیجا خنڈا ہوتا ہے..... دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے۔“
 ”حالات سے سمجھو تا کرنا کیسے ستارہ۔ جلنے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔“
 ”ہائے یہ جلن..... اس عمر میں تو کسی کے عشق میں جل مرنا چاہیے۔“ ستارہ نے شرارت سے خوفزدہ سی
 شبنم کو مزید بدھلایا۔

”منہ بند کرو اپنا ابا جان نے سن لیا تو.....“ شبنم نے سہمی ہوئی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔
 ”کیوں ڈر رہی ہو آئی۔ ہمارے ایسے نصیب کہاں کہ کوئی ہمیں چاہے اور ہم اس کی خاطر دنیا
 سے نکل لینے نکل کھڑے ہوں۔“ ستارہ کو سہمی ہوئی شبنم کو تنگ کرنے میں مزہ آنے لگا۔

سوئی رہتی ہیں۔ چلی جاؤ یہاں سے میں تم جیسے خالوں کے ساتھ ہمدردی نہیں کر سکتی کسی اور نیوروجن کو دکھاؤ نکل جاؤ یہاں سے۔ یہ میرا اسپتال ہے قاتلوں کی پناہ گاہ نہیں۔“ مہرجان اس بری طرح دباڑی کہ عورت تھر تھر کانپنے لگی اور جلدی سے اپنی بیٹی کو سہارنے کی بیڑے تارنے لگی۔ مہرجان غصے سے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

”دادا جان آپ کو اتنا بھی خیال نہیں کہ میں اکیلی ہوں کھٹ سے بیمار پڑ جاتے ہیں۔“ کانناز اپنے دادا شاہ عالم کے کندھے سے سر نکالے لاڈ کرتے ہوئے بولی۔ شاہ عالم کانناز کے سر پر بہت شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

”تمہارے اندر تو میری جان اٹکی ہوئی ہے ورنہ کب کی اڑان بھر لیتا۔ اس دنیا میں کیا رکھا ہے سوائے میری ایک پیاری سی پوتی کے۔“

”اچھا اب یہ اڑنے وڑنے کی باتیں نہ کیا کریں۔ میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے۔“ کانناز نے بڑے دلار سے کہا۔

”چلو پھر کوئی اور بات کرتے ہیں۔ ایسی بات جسے سن کر تم خوشی سے ناپٹے لگو۔“ شاہ عالم نے بہت محبت بھرے اور خوشگوار لہجے میں کہا۔

”میں ناچ چکی..... میرا مطلب ہے آدھے گھنٹے پہلے رومانے فون کیا تھا کہ وہ ابھی میرے پاس آنے والی ہے۔“ کانناز نے شاہ عالم کے کندھے سے سر اٹھا کر کلاک کی طرف دیکھا۔

”یقیناً رومان کی آمد، رومان کا ذکر اس سے بڑی تو کوئی خوشی ہو ہی نہیں سکتی۔“

”Obviously۔“ کانناز نے بڑے اسٹائل سے جواب دیا۔

”بے شک وہ تمہاری سلطنت رومان ہے۔ تین گھر چھوڑ کر اس کا گھر ہے اور تمہارا استقبال ایسا ہوتا کہ گویا وہ سمندر پار سے آ رہی ہو۔“

”سچی دادا جان جب وہ آتی ہے یا میں اس سے ملنے جاتی ہوں تو لگتا ہے پہلی بار مل رہے ہیں۔“ کانناز نے بڑی سادگی اور معصومیت سے اپنے دل کی بات کی۔

”اللہ آپ دونوں کی دوستی کو ہمیشہ قائم رکھے۔“ شاہ عالم نے پوتی کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وعدا دی۔

”حالانکہ دادا جان ہم روز کالج میں ملتے ہیں مگر وہاں مزہ نہیں آتا۔ بریک بھی بس چھوٹی سی ہوتی ہے اور کلاس میں لیکچرار ہمیں ساتھ بیٹھنے نہیں دیتیں کہ آپ دونوں بہت باتیں کرتی ہیں۔“

”ٹھیک تو کہتی ہیں ویسے بیٹا ایک بات تو بتاؤ..... یہ چند گھنٹوں میں اتنی ساری باتیں کہاں سے جمع ہو جاتی ہیں۔ اتنی خبریں تو اخبار کے رپورٹر کے پاس بھی نہیں ہوتیں۔“ شاہ عالم نے مذاق کیا اور کانناز نے بڑے دلار سے ان کے کندھے سے سر نکال دیا تھا۔

☆☆☆

”دماغی امراض کی ماہر ہیں ہماری اماں۔ دیکھ لینا ایک دن ہم بھی ان کے پیٹھٹ ہوں گے۔“ رابی ریپوٹ سے چینل تبدیل کرتے ہوئے رومان سے کہہ رہی تھی۔ جو جلدی جلدی کتابیں بیک میں رکھ رہی تھی۔

”میں جلدی میں ہوں آپا، واپس آ کر یہ درد بھری کہانی ضرور سنوں گی۔“

”طنز کر رہی ہو..... مگر یاد رکھنا رومان ایک دن تمہاری باری بھی آئے گی۔“

”ایک، ایک سیکنڈ قیقتی ہے آپا..... بڑی مشکل سے کمبائنڈ اسٹڈی کے بہانے کانناز کے گھر جانے کی اجازت ملتی ہے۔“

”بھئی بھئی مجھے خیال آتا ہے اماں نے ہمیں کچرے سے اٹھا کر تو نہیں پالا۔“ اس نے تلخ لہجے میں کہہ کر ٹی وی بند کیا اور ریپوٹ ایک طرف اچھال دیا۔ رومان اپنی اُصن میں تھی اس نے اپنے کپڑوں پر ایک نگاہ ڈالی۔

”آپا یہ ڈریس ٹھیک ہے نا؟“

”جہنم میں جاؤ۔“ رابی پھیل کر صوفے پر لیٹ گئی۔

”میں تو جنت میں جا رہی ہوں، اپنی دوست کانناز کے گھر۔“ رومان اشارت سے ہنسی۔

”تنگ جوتے پہنے ہوئے ہوئے ہیں ہم سب نے۔ ذرا دیر کو اتارتے ہیں تو سکون ملتا ہے۔ واپس تو اسی جہنم میں آؤ گی۔“ رابی زہریلے لہجے میں بولی اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ رومان نے ایک نظر بہن پر ڈالی اور بیک اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اصیل خان نظر کی عینک لگائے لاؤنج میں اخبار پڑھ رہا تھا۔ گل جان دور بیٹھی ایک کُرتے پر کڑھائی کر رہی تھی۔ ڈائننگ میں ملازمہ برتن وغیرہ اٹھا رہی تھی۔ خاموش ماحول میں برتنوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اسی وقت گھر کے مین گیٹ پر..... ہارن کی آواز سنائی دی تھی۔ اصیل خان نے چونک کر عینک اتاری اور کھڑا ہو گیا، جلدی جلدی اخبار لپیٹا اور آگے بڑھنے لگا۔ گل جان بدحواس ہو کر ایک طرف بڑھی پھر رک کر بڑی ناگواری سے اصیل خان کو مخاطب کیا۔

”اصیل خان۔“

”جی گل جان بی بی؟“ اصیل خان باہر جاتے جاتے رک گیا اور بہت مؤدبانہ انداز میں گویا ہوا۔

”کتنی بار کہا ہے یہاں لاؤنج میں مت بیٹھا کرو..... کسی دن بی بی جان نے دیکھ لیا تو..... پہلے ہی زندگی کے عذاب کیا کم ہیں۔ رحم کرو خود پر۔“ یہ کہہ کر وہ ایک طرف بڑھ گئی۔ اصیل خان سر جھکائے مخالف سمت جا رہا تھا۔

☆☆☆

مہرجان لاؤنج میں داخل ہوئیں، انداز میں شانمانہ پن اور ملاؤں جیسا کر دھر تھا۔ ان کا باوردی ڈرائیور بیک اٹھائے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ مہرجان نے لاؤنج میں رک کر ادھر ادھر نظر دوڑائی وہ بنظر غائر جائزہ لے رہی تھیں۔ ڈرائیور نے ان کا بیک ٹیبل پر رکھ اور سر جھکا کر اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

”تم جاؤ ریٹ کرو۔ رات آٹھ بجے مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے۔ گاڑی تیار رکھنا۔“ مہرجان نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ ڈرائیور لاؤنج سے چلا گیا۔ اسی وقت مہرجان کی نظر صوفے پر پڑے ایک فیشن میگزین پر پڑی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر میگزین اٹھایا اور الٹ پلٹ کر دیکھنے لگیں۔ چہرے پر غم وغصے کے تاثرات واضح ہونے لگے۔

”گل جان۔“ انہوں نے بلند آواز میں گل جان کو گویا طلب کیا۔ گل جان ایک جانب سے میسج گرتی پڑتی آئی تھی وہ بہن کے لہجے کے سارے موسموں سے آگاہ ہی رکھتی تھی۔ ہنسنا سوال جواب کے وہ سمجھ گئی تھی کہ پھر عدالت کی ہے۔

”جی بی بی جان؟“ اس نے بہت شائستہ لہجے میں مسئلہ جاننے کی کوشش کی۔
 ”یہ کون لے کر آیا ہے؟“ مہر جان نے میگزین گل جان کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔
 ”مجھے علم نہیں۔“ وہ پریشان نظر آنے لگی۔

”تمہیں تو آج تک اپنے سینے سے فرصت نہیں ملی..... گھر کا کوئی ہوش ہے؟“
 ”شاید رومال لائی ہوئی کالج سے۔“ گل جان نے دبے دبے لہجے میں بات کی۔
 ”کالج میں یہ فیشن میگزین پڑھائے جاتے ہیں۔ تم نے بھی اندر سے کالج کی شکل دیکھی ہوتی تو کچھ پتا ہوتا۔ پرائیوٹ انٹر پاس وہ بھی تھرڈ کلاس میں۔“ مہر جان کے انداز میں بیزاری اور بے سروتی تھی۔ چالیس پینتالیس سال کی گل جان اس طرح سر جھکائے بہن کی حق شناسی سن رہی تھی جیسے کوئی آٹھ دس سال کی بچی ہو۔
 ”لڑکیاں اس طرح کے میگزین پڑھنا شروع کر دیں تو پھر تمہارے جیسے ہی ہو جائیں گی۔“
 ”میں نے کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا شاید کوئی نوکر لایا ہو۔“ گل جان نے بڑے صبر و سکون سے جواب دیا۔
 ”ہاں، نوکر کو یہ انگلش میگزین بہت اچھی طرح پڑھنا آتے ہیں۔“ مہر جان نے طنزیہ مسکرا کر کہا۔
 ”میرا مطلب ہے تصویریں دیکھنے کے لیے۔“ گل جان نے جھٹ وضاحت کی۔
 ”پتا کرو اس گھر میں کس کو شوق ہے یہ بہودہ تصویریں دیکھنے کا۔“ مہر جان نے میگزین ایک طرف دے مارا اور اپنے بیڈروم کی طرف قدم بڑھا دیے گل جان نے دیر سے رکی سانس سینے سے آزاد کی اور آگے بڑھ کر میگزین اٹھالیا۔

☆☆☆

”اللہ تمہارے گھر آکر تو اپنے گھر جانے کو جی ہی نہیں چاہتا۔“ رومانے کتاب بند کر کے بڑی بیزاری سے ایک طرف رکھی پھر گہری سانس لے کر شرارت سے کاناز کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”کاش کوئی جادو کے زور سے ان گھڑیوں کی ٹک ٹک روک دے۔“
 ”حالانکہ تمہارا گھر تو میرے گھر سے زیادہ خوب صورت ہے اور اس گھر میں رہنے والے سارے کے سارے لوگ بھی خوب صورت ہیں۔“ کاناز نے مسکرا کر رومانی طرف دیکھا جیسے اس کے چہرے پر اپنی بات کا تاثر بھی نوٹ کر رہی ہو۔
 ”اور وہ سارے کے سارے خوب صورت لوگ ہماری اماں جان کے خوف سے تھر تھر کانپتے رہتے ہیں۔“ رومانے کے ہونٹوں پر بڑی اداسی مسکراہٹ ابھری تھی۔ کاناز نے بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

”تمہاری اماں سب کو اتنا ڈراتی کیوں ہیں؟“ کاناز نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”کاش پتا چل جائے۔“ رومانے اسی طرح اداسی سے جواب دیا۔
 ”مگر لگتا ہے رابی آپا ان سے بالکل نہیں ڈرتیں۔ تم بھی رابی آپا جیسی بن جاؤ ورنہ ڈر ڈر کر بد صورت ہو جاؤ گی۔“

”مجھے اس وجہ سے بھی بہت ڈر لگتا ہے کہ رابی آپا اماں جان سے کیوں نہیں ڈرتیں۔“ اس نے سبے ہوئے انداز میں کہا۔
 ”اس لیے کہ وہ تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں ناں جو ڈر گیا وہ مر گیا۔“ کاناز نے لالبا لی پن سے بات کی۔

”اتنا آسان نہیں ہے، خالہ تو ان سے بس تھوڑی سی چھوٹی ہیں۔ وہ تک ڈرتی ہیں اور ہمیں بھی ڈرانی رہتی ہیں۔“
 ”اس کا مطلب ہے خالہ نے ہی بیڑا غرق کیا ہے۔“ کاناز نے بے ساختگی سے کہا اور پیشانی پر زور سے ہاتھ مارا۔

”خالہ کو کچھ نہ کہو وہ بہت اچھی ہیں۔ اتنی اچھی ہیں کہ کسی کو آج تک اتنی اچھی خالہ نہیں ملی ہوگی۔“ رومانے گل جان کے تصور میں کھوکھرات کی۔

”ویسے یہ بات تو ہے، خالہ سر سے پاؤں تک محبت ہیں۔ تمہاری ڈکٹیٹر اماں جان سے تو بالکل مختلف ہیں۔“ کاناز نے اتفاق کیا۔

”ان کی وجہ سے تو وہ گھر گھر لگتا ہے ہر وقت مصروف رہتی ہیں۔ بہترین کو لنگ کرتی ہیں۔ ہر وقت گھر کو سجاتی بناتی رہتی ہیں۔ اماں جان کے دوست وغیرہ اچانک آ جاتے ہیں۔ ذرا سی دیر میں اتنا سارا کھانا تیار کر لیتی ہیں۔“ رومانے بولی رہی تھی اس کے لہجے میں خالہ کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

”ایک بات سمجھ نہیں آتی، خالہ اتنی پیاری ہیں۔ سب کام کر سکتی ہیں پھر ان کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟“ کاناز نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

”میں نے ایک مرتبہ اماں جان سے پوچھا تھا کہ آپ نے خالہ کی شادی کیوں نہیں کی بس اماں جان کا پارا ایک دم ہانی ہو گیا بولیں..... ضروری تو نہیں ہر لڑکی کی شادی ہو۔ فضول باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں۔“ رومانے برا سامنہ بنا کر بتایا۔

”اگر خالہ کی شادی ہو جاتی تو وہ آئینڈیل بیوی ہوتیں۔“ کاناز بولی۔
 ”ہوں..... اپنے گھر کی ملکہ ہوتیں ہمارے گھر میں تو وہ نوکرانی بنی ہوئی ہیں۔“ رومانے دکھ سے کہا۔
 ”چلو چھوڑو ڈپریشنڈ ہونے کی ضرورت نہیں۔ آؤ ٹینس کھیلتے ہیں۔“ کاناز اٹھتے ہوئے بولی۔ رومانہ بھی فوراً کھڑی ہو گئی جیسے وہ اپنے محسوسات سے پیچھا چھڑانے کے لیے کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھی۔

☆☆☆

”میں عمر کی اس منزل پر آ پہنچی ہوں کہ خود کشی کر کے حرام موت نہیں مرنا چاہتی۔“ گل جان کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے، حلق میں پھندے لگ رہے تھے۔

”مجھے تم پر کبھی رحم نہیں آیا گل جان۔“ مہر جان نے گل جان کو ایک طرف دھکا دیا اور وارڈروب کی طرف بڑھیں۔ گل جان لڑکھرائی تھی مگر فوراً سنبھل گئی۔

”مجھے تمہارے آنسوؤں سے نفرت ہے۔ ہزار بار کہا ہے میرے سامنے آنسو مت بہایا کرو۔“ مہر جان نے وارڈروب سے اپنا ایک ڈریس نکالتے ہوئے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”میں کونش تو کرتی ہوں اتنے آنسو بہا چکی ہوں مگر یہ دیر یا اترتا ہی نہیں۔“ وہ بھیگی آواز میں بڑے کرب سے بولی۔

”آؤنی (Operation theatre) میں کھڑے کھڑے میرے پاؤں سو ج گئے۔“ مہر جان اپنے کپڑے بیڈ پر پھینک کر اپنے پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی بیزاری سے کہہ رہی تھیں۔

”میں ٹب میں گرم پانی لانی ہوں۔ آپ پندرہ بیس منٹ پاؤں گرم پانی میں ڈبو کر رکھیں۔ تھکاوٹ اتر جائے گی۔“ یہ کہہ کر گل جان واش روم کی طرف بڑھی جہاں اس نے مہر جان کو آرام دینے والی ہر شے رکھی

مہر جان نے پاؤں ٹب سے باہر نکالے تو گل جان جلدی سے اس کے پاؤں تو لیے سے خشک کرنے لگی۔
”پتا کرو و ما گھر آگئی یا ابھی تک وہیں جمی بیٹھی ہے۔ گھر میں تو دل ہی نہیں لگتا۔“ وہ بڑبڑانے کے انداز میں بولیں۔

”میں پتا کرتی ہوں، آپ کے لیے چائے لاؤں بی بی جان؟“ اس نے آہستہ آواز میں سر جھکا کر پوچھا۔
”اتنی چائے پی ہے آج کمرہ بدل رہا ہے۔ دل تو کم بخت جلتا ہی رہتا ہے۔“ گل جان کے دل میں درد کی ٹپیں اٹھنے لگیں اس نے بڑی ہمدردی اور دکھ سے مہر جان کی طرف دیکھا۔
”جب سے میں آئی ہوں رابی کو نہیں دیکھا..... کیا کر رہی ہے؟“ مہر جان کو اب اچانک رابی کا خیال آیا، گل جان کے چہرے پر پسینے کے قطرے چپکنے لگے۔

”جی میں دیکھتی ہوں۔“ اس نے کمزوری آواز میں کہا اور باہر کی طرف بڑھی۔
”ہاں..... اسے میرے کمرے میں بھیج دو اللہ کا عذاب ہے میرے سر پر۔ چلتی کیسے ہے جیسے زمین بھاڑ ڈالے گی۔“ مہر جان بڑبڑا میں۔ ”اور ہاں سنو.....“ انہوں نے جانی ہوئی گل جان کو روکا۔ گل جان رک گئی مگر پلٹی نہیں۔

”اسے یاد دلاتی رہا کرو کہ وہ ڈاکٹر مہر جان کی بیٹی ہے۔ ماں کے بغیر اس کی کوئی حیثیت ہے نہ شناخت۔“

”جی میں اکثر اسے یاد دلاتی ہوں۔“ گل جان کے لہجے میں بلا کی مظلومیت تھی۔

”دادا جان دعا کریں ہم دونوں کبھی جدا نہ ہوں۔“ کا نیاز کے انداز میں بلا کا پچھنا اور تپا پن تھا۔ وہ روما کو خدا حافظ کہنے گیٹ تک جا رہی تھی۔ شاہ عالم مغرب کی نماز کے لیے مسجد جا رہے تھے اس لیے ان کے ہمراہ چل رہے تھے۔ کا نیاز کی احمقانہ فرمائش پر بہت لطف اندوز ہوئے اور مسکرانے لگے۔
”ارے بھئی اب تم دونوں بڑی ہو چکی ہوں کچھ دنوں بعد تم دونوں کی شادیاں ہو جائیں گی، دونوں اپنے اپنے گھر میں..... خدا معلوم کس کا گھر مشرق میں کس کا مغرب میں۔“

”ہائے اللہ، آپ وضو سے ہیں بد دعا تو نہ کریں۔ اللہ نہ کرے کہ ہم ایک دوسرے سے دور ہوں۔“
”تو پھر تم دعا مانگو کہ شادی کے بعد بھی تم بڑو سنیں بن جاؤ۔ ایک گلی میں تم دونوں کے گھر ہوں۔“ شاہ عالم نے مسئلہ حل کیا۔

”آخر ہم دونوں کا ایک ہی گھر کیوں نہیں ہو سکتا۔“ کا نیاز جھکی، روما مسکرانے لگی۔

”ایسا کر لیتے ہیں۔“ شاہ عالم نے اسی طرح پُر سکون انداز میں جواب دیا۔

”کیا کر لیتے ہیں؟“ کا نیاز ہونٹ سی ہو کر پوچھنے لگی۔ روما خاموش رہ کر دادا پوتی کی گفتگو انجوائے کر رہی تھی۔

”بھئی ایسا گھر دیکھ لیتے ہیں جہاں دو بھائی شادی کے لیے تیار بیٹھے ہوں، ایک سے تمہاری کر دیں گے دوسرے سے روما کی۔“ شاہ عالم دل ہی دل میں دونوں لڑکیوں کی معصومیت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لڑکی ذرا سی میچور ہو جائے تو شادی کے ذکر پر شرماتے لگتی ہے۔ کا شمس ہو جاتی ہے مگر کا نیاز تو یوں بولے چلی جا رہی تھی جیسے موسم پر اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہو۔

ہوئی تھی۔ مہر جان نے گل جان کی پشت کی طرف بڑی بیزاری سے دیکھا۔ اس کے ٹیک عمل کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔

”یہ دونوں لڑکیاں نظر نہیں آرہیں؟“ جابر علی گھر آچکا تھا اور اپنے معمول کے مطابق مخصوص جگہ پر بیٹھ کر شام کی چائے پی رہا تھا۔

”شبیبہ کی پہلی فائزہ کی سالگرہ ہے، دونوں وہیں گئی ہیں۔“ صابرہ نے ہاتھ میں تھال پکڑی ہوئی تھی وہ بڑی تندہی سے چاول صاف کر رہی تھی۔

”یہ جو لڑکیاں دوستانے پاتنی ہیں نا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ یہ دوستیاں ہی لے ڈوبتی ہیں۔“ جابر علی نے چائے کا کھونٹ بھر کر بد مزاجی سے کہا۔

”بھئی کبھی گھر سے نکلتی ہیں۔“ صابرہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

”زمانہ خراب ہے، ہوش کی دوا کرو صابرہ۔“ جابر علی نے سابقہ انداز میں کہا۔

”اگر میں نے کسی سے کوئی اٹنی سیدھی بات سنی تو یاد رکھنا ایک منٹ تمہیں اس گھر میں نہیں رکھوں گا۔ اپنی ذمہ داری محسوس کرو میں نے کہا تھا کہ بیٹیوں کی ماں بن۔“

”بیٹیاں جہیز میں لے کر نہیں آئی تھی اب بس بھی کریں۔ آجائیں گی تھوڑی دیر میں۔“

”ہاں..... بہت جہیز لائی تھی۔ گھر بھر گیا تھا میرا۔ چار چیزیں لے کر آئی تھی آج تک خرچہ دکھاتی ہے۔ میرے گھر سے نکل کر اپنی اوقات دیکھ لے ایک پولیس آفسر کی بیوی ہے تو چار لوگ سلام کر لیتے ہیں۔“ اسی وقت برہان کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر کوفت و بیزاری کی لکیریں چھپی ہوئی تھیں۔

”جب آپ کو ان کی اوقات پتا تھی تو کیوں شادی کی، کسی سیٹھ کی بیٹی سے کر لیتے۔“ لگتا تھا آج برہان کی برداشت جواب دے گئی۔ جابر علی نے اپنے خاموش طبع بیٹے کے منہ سے پہلی بار جرات مندانہ کلمہ سنا تو جیسے بھونچکا رہ گیا پھر بڑے ضبط سے گویا ہوا۔

”باپ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے؟“

”اللہ کے سامنے بھی پانچ وقت کھڑا ہوتا ہوں اور اس سے دل کی باتیں کرتا ہوں۔“ برہان نے عجیدگی سے کہا۔

”جانتا ہوں بڑا نیک پرہیزگار ہے۔ بڑا آیا ماں کا حمایتی۔“ جابر علی اندر غصے کی آگ سے بھستم ہو رہا تھا مگر بظاہر بہت ضبط کر رہا تھا۔ جوان بیٹا سامنے کھڑا ہو جائے تو پھر بہت سوچنا پڑتا ہے۔ ”حرام نہیں بکھلاتا ہوں دن رات جان خطرے میں ڈال کر رزق حلال کماتا ہوں تب ہی آج یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہو۔“ جابر علی ٹھیل وکیل کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ کا احسان مانتا ہوں اب جان مگر کوئی بھی انسان اپنی ماں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ شاید یہ آپ کے بھلائے ہوئے رزق حلال کا ہی اثر ہے۔ میرے ایگزام ہو رہے ہیں تھوڑی سی خاموشی چاہیے۔“ برہان بڑی جرات سے اپنی بات کر کے واپس کمرے میں چلا گیا۔ جابر علی نے آگ برساتی نظروں سے صابرہ کی طرف دیکھا اور بڑبڑانے لگا۔

”ایک ہی بیٹا پیدا کیا ہے۔ پانچ چھ بیٹوں کی ماں بن جاتی تو پوری آرمی تیار کرتی میرے خلاف۔“ صابرہ نے اب کوئی جواب نہیں دیا۔ ابھی ابھی خاموش سی بچن کی طرف بڑھ گئی۔

”دادا جان ہم ایک بندے سے بھی شادی کر سکتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی دو بیویاں ہوتی ہیں بلکہ میں نے تو سنا ہے تین بھی ہوتی ہیں۔“ کاناز کے انداز میں بڑھکتی ہی البتہ رومانا قدرے جھینپ گئی تھی۔ اسے کاناز کی یہ بات واقعی احمقانہ لگی تھی۔

”لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔“ شاہ عالم نے بڑے زور شور سے لاحول پڑھی۔
 ”آپ لاحول کیوں پڑھ رہے ہیں دادا جان۔ یہ تو گدھے کی آواز سن کر پڑھتے ہیں۔“ کاناز نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

”گدھے کی آواز سن کر ہی نہیں گدھی کی باتیں سن کر بھی پڑھ لیتے ہیں۔“ شاہ عالم نے ہلکی سی چپٹ کاناز کے سر پر لگائی۔ رومانا ہنس کر بے حال ہو گئی۔ کاناز نے برا سامنہ بنایا تھا۔



”جب ابا جان کی طبیعت کا پتا ہے تو کیوں امی کو امتحان میں ڈالتی ہو۔“ برہان، شبنہ اور ستارہ سے آف موڈ میں بات کر رہا تھا جو سالگرہ کی تقریب سے بہت خوش خوش واپس آئی تھیں اور اپنے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی تقریب پر تبصرہ کر رہی تھیں کہ برہان نے ایک دم آکر سارا مزہ کر کر اکر دیا۔

”بھائی ہم روز روز تو کہیں نہیں جاتے۔ پورے تین مہینے بعد ہم کسی دوست کے گھر گئے تھے وہ بھی انویشن پر۔“ ستارہ نے منہ بنایا۔

”پورے دو مہینے میں نے پیسے جمع کیے تھے گفٹ کے لیے۔“ شبنہ بھی بولی۔
 ”اتنا زور لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ تحفے تحائف اپنی حیثیت کے مطابق ہی دینا چاہیے۔“ صابرہ بھی بہن بھائی کی آواز سن کر کمرے میں آگئی تھی۔

”امی حیثیت تو ہماری بہت اونچی ہے۔ میری کلاس فیلوئٹا کے ابو بھی پولیس افسر ہیں، یہ بڑی سی کار میں بیٹھ کر کالج آتی ہے۔“ ستارہ نے برا سامنہ بنا کر ماں کو جواب دیا۔

”ہماری حیثیت وہ ہوتی ہے جو ہمارے ماں باپ طے کرتے ہیں۔ کیوں دیکھتی ہو... لوگوں کی کاریں، کوٹھیاں... تمہیں تو فخر ہونا چاہیے کہ تمہارا باپ رشوت خور نہیں ہے۔“ برہان نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔
 ”امی دیکھیں بھائی جان ابا جان کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔“ ستارہ بسوری، شبنہ البتہ سنجیدگی سے ادھر ادھر پڑی چیزیں اٹھا کر قریب سے رکھنے لگی تھی۔

”ٹھیک کہہ رہا ہے۔ شکر ہے تمہارا باپ گھر میں وہ کمائی لاتا ہے جس میں کسی کی مجبوری اور آہیں نہیں ہوتیں۔ پاک صاف روزی..... یہ بھی خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے۔“ صابرہ نے سمجھایا۔

”ہم ابا جان کی ہر سختی اسی لیے برداشت کر لیتے ہیں کہ وہ رشوت کی دنیا میں خود کو بچانے کے لیے بہت مشکلات سے گزرتے ہیں۔ پتا نہیں کس کس سے کیا کیا کچھ سنتے ہوں گے۔“ برہان نے بہنوں کو نصیحت کی جس کی اس ماحول میں سخت ضرورت تھی کیونکہ حد سے زیادہ سختی بغاوت کے جذبات ابھارتی ہے۔ برہان ایک کنٹرول لائن ہر صورت قائم رکھنا چاہتا تھا۔ باپ کی سخت مزاجی کو جیسی فائی کرنا اس کی محتاط طبیعت کا تقاضا تھا۔ وقت کی مجبوری تھی۔ ستارہ کو تو بھائی کے خیالات سن کر سخت مایوسی ہوئی وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گئی۔
 ”ایک اور ابا جان۔“ صابرہ نے پریشان ہو کر برہان کی طرف دیکھا۔



صابرہ صحن میں شوہر کا بستر بچھا کر جگ میں پانی بھرنے پچن میں چلی گئی۔ واپس آئی تو وہ اپنے بستر پر

لیٹ چکا تھا۔ وہ شروع سے ہی کھلے گھنٹن میں سوئے کا عادی تھا۔ بارشوں کے موسم میں دگنا چڑچڑاہو جاتا تھا کہ بند کروں میں اس کام گھنٹا تھا۔ خود پر جبر یا کوئی قدغن تو اسے لمبے بھر کو برداشت نہیں تھی۔
 ”تو بخدا کا لقا فاش میں نے تمہارے تنکے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ سنبھال کر رکھ دینا۔“ اس نے قدرتی ہوا اور پیدل فین کی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بہت نرم اور اچھے موڈ میں صابرہ سے کہا۔ ویسے بھی صرف تنخواہ پر گزارہ کرنے والوں کا موڈ مینے میں ایک دن ضرور بہت اچھا ہوتا ہے جس دن انہیں تنخواہ ملتی ہے۔
 ”کتنے ہیں؟“ صابرہ کو بھی یہ بابائے خبر خوشخبری کی طرح محسوس ہوتی تھی۔
 ”تیس ہزار، دو ہزار میں نے رکھ لیے ہیں اپنے خرچے کے۔“ جابر علی نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔
 صابرہ اس کے پاؤں دبانے لگی۔

”ستارہ کہتی ہے اس کی سبیلی کا باپ بھی پولیس افسر ہے اس کے ہاں بقرعید پر چھ بکرے ذبح ہوتے ہیں۔“
 ”ہاں سارا سال دو ٹانگوں والے بکرے کاٹنا ہوگا اسی لیے عید پر چار ٹانگوں والے بکرے کاٹنا ہے۔ ارے ہم خود کتنے کو تیار ہیں مگر حرام کھانے کو تیار نہیں۔ سمجھایا کرو اپنی اولاد کو۔“
 ”اللہ کا شکر ہے بچے سمجھ دار ہیں سب سمجھتے ہیں اور بچوں کی طرح آئے دن فرمائشیں نہیں کرتے۔“
 صابرہ نے جابر علی کو اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی سعی کی۔

”انسان چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے تو سکون سے رہتا ہے۔ حریتیں پالنے سے امیدیں پوری نہیں ہوتیں۔“ جابر علی نے یہ کہہ کر دث بدلی۔ ”اب تم بھی جا کر سو جاؤ آج کل امیر غنسی چل رہی ہے، جانے کس وقت فون کی ٹھنڈی بج جائے۔ ہم تو چیس گھنٹے ڈیوٹی پر ہوتے ہیں۔“ جابر علی کہہ رہا تھا۔ صابرہ چارپائی سے اتر گئی اور ایک وفادار، ہمدرد بیوی کی طرح اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی جو دن میں کئی مرتبہ یاد دلاتا تھا کہ وہ ان کی خاطر بڑی مشکلیں اٹھا کر رزق حلال کماتا ہے۔

☆☆☆

اصیل خان لان کی ہلکی روشنی میں بہت خضوع و خشوع سے عشا کی نماز پڑھتا نظر آ رہا تھا۔ مہر جان کافی دیر سے اپنے کمرے کے اطالوی طرز کے درتچے سے ایک تک اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے ان کی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔ ان کا جسم بید کی طرح لرزنے لگا یوں لگا جیسے اب وہ پاٹھوں کی طرح چیخ پڑیں گی۔ وہ چند لمبے اپنی سانسوں کو کنٹرول کرتی رہیں پھر درتچے سے ہٹ گئیں۔
 وہ نماز مکمل کر کے دعا مانگ رہا تھا اس کے خاموش آنسو اس کی داڑھی کو بگھور رہے تھے۔ مہر جان دبے پاؤں اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔ اصیل خان کا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ وہ چند لمبے اس کی طرف دیکھتی رہیں پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ دیا۔

اصیل خان کو جیسے زبردست کرنٹ لگا تھا۔ یہ کون اس کی تنہائی میں غل جوا تھا۔ وہ اپنا آنسوؤں سے بھیجا چہرہ ہاس کھڑے ہوئے جس کو دکھانا نہیں چاہتا تھا اسی طرح بیٹھے بیٹھے اس نے ہتھیلیوں سے آنسو صاف کیے مگر اب بھی آنکھیں تو بھیگی ہوئی تھیں اور بھیگی ہوئی آنکھیں بہت بولتی ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اس کے مجید کھولیں۔ مہر جان کا ہاتھ ہنوز اس کے کندھے پر تھا۔

”اصیل خان سات مرتبہ پیدا ہو کر مر جاؤ تمہارے آنسوؤں میں اتنا دم نہیں ہے کہ قرض اتار سکیں۔ اچھا یہ تو بتاؤ کیوں رو رہے ہو؟“ مہر جان کے انداز میں مسخر تھا۔

”رو کہاں رہا ہوں بیگم صاحبہ، اپنے اوپر ہنس رہا ہوں۔“ مہر جان نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

اصلی اور نقلی کا فرق

کہتے ہیں ہٹلر نے اپنی کئی نقلیں تیار کر رکھی تھیں یعنی ہو بہو ہٹلر سے ملتے جلتے ہم شکل افراد اکٹھے کر رکھے تھے۔ ایک جرمن آفیسر کو پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ اصل ہٹلر سے ہم کلام ہے یا نقلی سے تو اس نے کہا ”سرا! آج میں نے ایک ہزار یہودی قتل کیے۔“ تو ہٹلر نے بے ساختہ کہا۔ ”شاباش!“ تو جرمن افسر فوراً بولا۔ ”آپ اصلی ہٹلر نہیں ہیں کیونکہ صرف ایک ہزار یہودیوں کو قتل کرنے پر ہٹلر شاباشی نہیں دے سکتا۔“ دہنی آزمائش کے امتحان میں طلبہ کو ایک تصویر دی گئی جس میں ایک شخص پولیس کی وردی پہنے چند آدمیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ یہ پتا کرنا تھا کہ وہ اصلی پولیس والا ہے یا نقلی۔ ایک لڑکے نے تصویر دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ نقلی ہے۔“ لیکن نے پوچھا۔ ”کیسے؟“ لڑکے نے کہا۔ ”سرا! اگر یہ اصلی ہوتا تو اس کا ہاتھ بھی اپنی جیب میں نہ ہوتا۔“

مرسلہ: جنیں نیاز، ملتان۔ اقتباس: مزاحیات، ڈاکٹر پولس برٹ

”تم کتنی دلچسپ باتیں کرتے ہو اصل خان۔ اچھا چلو بعد میں جائے نماز پڑھ کر خود پر ہنس لینا میرے لیے بڑے مگ میں اچھی سی کافی بنا کر لاؤ۔۔۔۔۔ مجھے بہت کام کرنا ہے، کل پانچ بڑے میجر آپریشنز ہیں۔“
 ”جی، آپ چلیں میں ابھی لایا۔“ اصیل خان نے اٹھ کر جائے نماز کرنا شروع کر دی۔ مہر جان بڑے کدو فرسے چلتے ہوئے اندر کوشی میں جا رہی تھیں۔

☆☆☆

رابی اپنے بستر پر چپ لیٹی ہوئی تھی گل جان بہت محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہی تھی۔
 ”خالہ، اماں شروع ہی سے ایسی ہیں؟“ رابی سوچتے سوچتے گل جان کی طرف دیکھنے لگی۔ گل جان رابی کے سوال پر شیشا لگی گئی پھر زبردستی مسکرائی۔

”وہ بہت اچھی ہیں بیٹا۔۔۔۔۔ اصل میں شروع ہی سے ان پر بہت ڈنٹے داریاں رہیں اسی لیے وہ بہت سنجیدہ ہیں مگر میری بہن دل کی بہت اچھی ہیں۔“ گل جان نے ایک سر آدھ دل میں دبانے کی کوشش کی۔
 ”کمال ہے آپ اماں کی تعریف کرتی ہیں۔۔۔۔۔ آپ؟“ رابی نے مسخرانہ کہا۔
 ”کیوں نہ کروں میری سگی بہن ہے۔“ گل جان نے نظر جھٹکا کر ہنسی سے کہا تھا۔
 ”آپ انہیں اپنی بہن سمجھتی ہیں مگر وہ تو آپ کو اپنی ملازمہ سمجھتی ہیں۔“ اس نے صاف گوئی بلکہ بڑے مہکھو پین سے کہا۔

”چھوڑو بیٹا کوئی اور بات کرو۔“ گل جان نے گویا اپنی جان بچانے کی کوشش کی۔
 ”میرے پاس نہیں ہے کوئی اور بات۔۔۔۔۔ مجھے بتائیں وہ بہن کس طرح اچھی ہو سکتی ہے جو اپنی بہن کی مجبوری اور بے بسی سے فائدہ اٹھا رہی ہو۔ پوری ایک نوکرانی کی تنخواہ کی بچت ہے۔“

”شاید وہ مجھ سے زیادہ مجبور ہوں۔“ گل جان کے ڈھیروں آنسو دل پر گرے۔ ”بیٹا اب تم ادھر ادھر اپنا ذہن نہ الجھاؤ۔ شادی کر کے اپنے گھر جاؤ اور اپنی مرضی کی زندگی گزارو۔“

”شادی کر لوں۔۔۔۔۔ اس بڑھے سہراب خان سے؟“ رابی نے غصے سے گل جان کی طرف دیکھا۔

”ڈاکٹر صاحبہ ہرگز میری ماں نہیں ہو سکتیں۔ کوئی ماں چار مرتبہ کے شادی شدہ سے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کر سکتی چاہے اس کی بیٹی بوڑھی ہو جائے۔“ رابی نے غصے سے مٹھیاں پیچ کر کہا۔ ”میں سہراب خان سے شادی نہیں کروں گی۔ وہ میری لاش لے کر جائے گا۔“ رابی اپنی بے قابو سانسوں کو کنٹرول کرتے ہوئے بہ مشکل بولی۔ انہوں نے پریشان ہو کر اسے چکارنا چاہا تو رابی نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”آپ چلی جائیں میرے کمرے سے..... ظالم کا ساتھ دینے والا ظالم ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی بہن سے اتنی ہمدردی ہے تو خود کر لیں سہراب خان سے شادی یا اماں کی گردادیں۔“ رابی پر پاگل پن سوار ہو گیا تھا وہ بستر سے اتر کر گل جان کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کر رہی تھی۔ گل جان آنسو پختی ہوئی کمرے سے باہر چلی آئی۔

☆☆☆

اصل خان صبح صبح تازہ سبزی لے کر آیا تھا۔ وہ سبزی کے شا پرچکن میں رکھ کر لاؤنج میں واپس آیا تو دیکھا مہرجان دونوں پاؤں نیپل پر رکھ کر نیل فائل سے اپنے ناخن بنارہی تھی۔ اصل خان سر جھکا کر باہر کی طرف جانے لگا تو مہرجان نے اسے روکا۔

”اصل خان ادھر آؤ تم گھر کے سینئر سرفنٹ ہو، تمہیں ایک خوشخبری سنانی ہے۔“ اصل خان ہنپا کچھ بولے مژدبانہ کھڑا ہو گیا۔

”میں رابی کی شادی کر رہی ہوں۔“ اب اصل خان چونک پڑا تھا۔ اس کا وجود جیسے آندھیوں کی زد میں تھا۔ اس نے بے پناہ حیرت سے مہرجان کی طرف دیکھا۔

”بہت اچھا رشتہ ہے۔ رابی کو پھولوں کی طرح رکھے گا۔“ مہرجان معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بول رہی تھیں۔ اب اصل خان کے چہرے پر قدرے سکون دکھائی دیا۔

”سہراب خان کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرے سب سے بڑے ماموں کا سب سے بڑا بیٹا ہائی فائی کو ایلفنڈ، رئیس امین رئیس۔ تم ہی کہو رابی کو اس سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے؟“ مہرجان کی مسکراہٹ بہت پُر اسرار تھی۔ اصل خان سنائے میں کھڑا مہرجان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آنکھیں پٹی کرو تمہاری اتنی ہمت کہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔“ اصل خان نے گہرا کر نظریں جھکا لیں۔

Be-Belle®
INNERWEAR

Splendor of Silk &
Comfort of Cotton

”بڑھائیں ہے البتہ عمر میں تم سے کافی بڑا ہے کچی عمر کے مردوں میں تنگیدگی ہوتی ہے۔ کم عمر بیوی کو بہت اچھی طرح سنبھال لیتے ہیں۔ اصل بات تو پُر خلوص سہمی ملنا ہے اور جس عورت کو پُر خلوص سہمی مل جائے وہ بہت نصیبوں والی ہوتی ہے۔“

”ہاں، مجھے پہلے ہی پتا ہے آپ کو اماں نے میرے پیچھے لگا دیا ہے مگر آپ اچھی طرح جان لیں میں کسی صورت سہراب خان سے شادی نہیں کروں گی۔ چاہے اماں مجھے گولی مار دیں۔“ رابی کے لہجے میں اٹل پن تھا۔

”بیٹا پھر تمہاری شادی کہاں کریں؟“ گل جان نے ڈرتے ڈرتے پوچھا جیسے وہ انجانے اندیشے سے کانپ رہی تھی۔

”میں اس وجہ سے تو انکار نہیں کر رہی کہ مجھے اپنی پسند سے شادی کرنی ہے مگر ایسی کیا مصیبت آئی ہے کہ میں ایک بڑھے سے شادی کروں۔ شادی کے بغیر بھی زندگی گزر جاتی ہے جیسے آپ کی گزر رہی ہے۔“ رابی جھلا کر بولی۔

”بیٹا تم دونوں بہنوں کے لیے رشتے ڈھونڈنا بہت کٹھن کام ہے۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کی شادیاں غیر خاندان میں نہیں ہوتیں۔ بڑھا ہو، جوان ہو جو بھی ہو خاندان کا ہی ہونا چاہیے اور اس وقت خاندان میں تمہارے جوڑ کا کوئی لڑکا نہیں ہے۔“ گل جان نے بہت سادہ طریقے سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”خاندان..... ہمارا کون سا خاندان ہے۔ ایک آپ، ایک اماں، ایک بہن پھر آپ کس خاندان کی بات کر رہی ہیں؟ ہم نے تو آج تک اپنا کوئی رشتہ دار نہیں دیکھا۔“

”ایسی بات نہیں ہے بیٹا۔ ہمارا بہت بڑا خاندان ہے۔ ہم زمیندار لوگ ہیں۔ بس بی بی جان کو پڑھا ہی کا بہت شوق تھا۔ بابا نے ان کی خواہش یہ سوچ کر پوری کر دی کہ ہمارا کوئی بھائی نہیں تھا۔ بابا، بی بی جان کو ایک وارث کی طرح تیار کر رہے تھے وہ کہتے تھے یہ میرا بیٹا ہے۔ میری پگڑی اور بیشک اس کے پاس میری امانت ہوگی۔“ گل جان بول رہی تھی اور رابی بڑی جھجکت سے سن رہی تھی۔

”یہ جو تمہاری اماں کا اسپتال ہے ناں اس کا نقشہ ہمارے مرحوم بابا ہی نے بنوایا تھا۔“

”تو خاندان کے لوگ ہم سے کیوں نہیں ملتے؟“ رابی اپنی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

”ہم اُن سے نہیں ملتے۔“ گل جان نے آہستگی سے کہا۔

”کیوں؟“ رابی کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

”بی بی جان کو پسند نہیں ہے، وہ دیہاتی لوگ ہیں بی بی جان کا مزاج نہیں ملتا۔“ گل جان نے جواب دیا۔

”اور یہ سہراب خان کیا پیرس میں رہتا ہے۔ یہ خاندان کا ہے تو دیہاتی بھی ہوگا۔“ رابی نے لہجے سے کہا۔

”وہ باہر سے پڑھا ہے۔ بہت پڑھا لکھا ہے اس نے پہلی شادی کسی میم سے کی تھی پھر بعد میں اسے

چھوڑ دیا تھا۔ اس کی اب تین بیویاں دیہاتی ہیں اس کی رشتے دار ہیں۔“ گل جان روانی میں بول رہی تھی۔

رابی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”تین، تین بیویاں..... اماں تین بیویوں کے شوہر سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔“ رابی ہڈیانی انداز

میں چلائی۔ گل جان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور گہرا کر دروازے کی طرف دیکھا۔

”وہ ان بیویوں سے خوش نہیں ہے۔ پڑھی لکھی بیوی چاہتا ہے۔ ہماری بجوری یہ ہے کہ خاندان میں کوئی

لڑکا نہیں ہے، وہ ہمیں بہت خوش رکھے گا۔ گاؤں لے کر نہیں جائے گا بات ہوگئی ہے۔“ گل جان نے آہستہ آواز میں کہا۔

طرف بڑھی۔

”خالہ“ رابی نے اسے آواز دی۔ اب اس کی پشت رابی کی طرف تھی وہ وہیں رک کر گردن موڑ کر رابی کی طرف دیکھنے لگی۔

”وہ کون تھا؟“ رابی کے لہجے میں کچھ خاص تھا۔

”کون.....؟“ گل جان بری طرح چونک گئی۔

”وہ جو آپ کو راتوں کو یاد آتا ہے۔“ اس نے بڑے اعتماد سے پوچھا تھا۔ گل جان شیشا سی گئی اور پھر مسکرا دی۔

”ارے بیٹا ایسی کوئی بات نہیں، ہمارے گھر میں ہی چار دیواری نہیں ہوتی۔ ہماری سوچ بھی چار دیواری کی قید میں ہوتی ہے۔“ یہ کہہ کر گل جان تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

برہان ٹیبل لیپ کی روشنی میں اسٹڈی کر رہا تھا۔ بہت توجہ دینا تھا کہ اس سے کسی نوٹ پر پین سے نشان لگا رہا تھا کہ صابروہ دودھ کا گلاس لیے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

”امی آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں؟“ برہان نے چونک کر سر اٹھایا۔

”تم بھی تو جاگ رہے ہو بیٹا۔ میں نے سوچا آٹھ بجے کا کھانا کھایا ہوا ہے، کیا خبر بھوک لگ گئی ہو جو ان بچے ہے۔“ ماں نے گلاس اس کے سامنے رکھ کر پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ”دماغ کا... کام زیادہ ہو تو دماغ میں خشکی ہو جاتی ہے۔“

”پہلے ہی اتنی مہنگائی ہے۔ خرچے کم کرنے کی ضرورت ہے پھر سب سے زیادہ خرچ میرا ہی ہے۔ ابا جان کا موڈ اسی وجہ سے تو خراب رہتا ہے۔“ برہان نے بنجیدگی سے کہا۔

”ارے نہیں بیٹا، وہ تو تمہاری طرف سے بہت اُمید ہیں۔ اپنی خوشی سے تمہیں انجینئرنگ پڑھارہے ہیں۔ بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے ہی ماں باپ محنت کرتے ہیں۔ انسان کی ساری بھلائی دوڑاؤ لاد کے لیے ہوتی ہے۔ تم اپنے ابا جان کی باتیں دل پر نہ لیا کرو۔“ وہ بڑی نیک دلی سے بیٹے کو سمجھانے لگی۔ برہان ماں کی سادگی پر مسکرا دیا۔

”میں کیوں اُن کی باتیں دل پر لوں گا۔ باپ ہیں وہ میرے..... مجھے تو ان پر رحم آتا ہے۔ مجھے احساس

Be-Belle®
INNERWEAR

Pakistan's First
2-Layer Fabric Bra!

”معاف کر دیں بیگم صاحبہ۔“ اس نے کانپتی آواز میں معذرت چاہی۔

”اب تم جا سکتے ہو جو خبر ہم نے تمہیں سنانا چاہی۔ امید ہے تم یہ خوشخبری سن کر باغ باغ ہو رہے ہو گے۔“ یہ کہہ کر مہر جان ہنس پڑیں۔ اصل خان یوں چل رہا تھا جیسے خود کو کھیت رہا ہو۔

☆☆☆

رابی گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ گل جان کے ہاتھ میں شیش تھی۔ وہ شیش کے دانے گر رہی تھی دانوں کے ساتھ اس کی آنکھوں سے آنسو گلوں پر پھل رہے تھے۔ وہ کچھ بڑھتی تھی پھر رابی پر پھونک مارتی تھی۔ اس کی آنکھیں رابی پر ٹکی ہوئی تھیں پھر جیسے اسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔ اس نے جھک کر رابی کی پیشانی پر چوم لی۔ گرم گرم چند آنسو رابی کے چہرے پر گرے تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور نیند بھری آنکھوں سے جن میں حیرت کی انتہائی گل جان کی طرف دیکھنے لگی۔ گل جان بھی اپنی بے اختیار ری پر جل سی کھڑی آنسو صاف کر رہی تھی۔

”آپ سوئی نہیں خالہ؟“ رابی نے نیند سے بوجھل آواز میں پوچھا، لہجے میں نظر تھا۔

گل جان خاموش رہی۔

”خالہ آپ کیوں رو رہی ہیں، بتائیں ناں؟“ رابی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”کچھ نہیں بیٹا بس ویسے ہی۔“ گل جان کے حلق میں آنسوؤں کے پھندے تھے۔

”آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔ بتائیں مجھے..... اتنی رات کو میرے کمرے میں آ کر کیوں رو رہی ہیں؟ اس وقت ساری دنیا سو رہی ہے آپ کیوں جاگ رہی ہیں؟“ رابی اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور گل جان کے کندھوں کو پکڑ کر ہلا رہی تھی۔

”کچھ نہیں بیٹا۔ وہ تمہارے کمرے کی کھڑکیاں کھلی دیکھ کر آ گئی تھی۔ سوچا بند کر دوں۔ آج کل مجھ پر بھی بہت ہو رہے ہیں۔“ گل جان اب کافی حد تک خود پر کنٹرول کر چکی تھی۔ بہت صاف اور پُر اعتماد لہجے میں بات کر رہی تھی۔

”میرے کمرے کی کھڑکیاں بند نہ کیا کریں۔ مجھے کھڑکیاں کھول کر سونے کی عادت ہے۔ بند کرے اور کھڑکیوں سے مجھے وحشت ہوتی ہے، ڈر لگتا ہے۔“ رابی جھنجھلا کر کہہ رہی تھی۔

”تمہیں ڈر لگتا ہے؟“ گل جان نے چونک کر رابی کی طرف دیکھا۔

”ہاں، پتا نہیں کیوں مجھے محسوس ہوتا ہے بند کھڑکیوں کے پیچھے سے کوئی جھانک رہا ہے۔ کئی آنکھیں مجھے گھور رہی ہیں۔“ رابی بول رہی تھی اور گل جان اسے ایک ننگ دیکھے جارہی تھی۔

”آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟“ اسے گل جان کی نظروں میں غیر معمولی پن محسوس ہوا۔

”آں ہاں۔“ گل جان اپنے دھیان سے چونک گئی۔

”میں سمجھ گئی کہ آپ کیوں جاگ رہی ہیں اور کیوں رو رہی ہیں۔ یقیناً آپ نے اماں تک میری بات پہنچائی ہوگی اور پھر انہوں نے بہت کچھ کہا ہوگا۔“ رابی نے جیسے اپنے طور پر دل کا حال جان لیا۔

”نہیں..... نہیں انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ میری بڑی بہن ہیں اگر کچھ بھی کہیں تو میں برا نہیں مانتی۔“ گل جان نے آہستہ سے رابی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”اچھا ہوا میں جاگ گئی، اس بہانے پتا چل گیا کہ آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتی ہیں۔“ رابی یہ کہہ کر اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گئی۔ گل جان نے سر پر اپنا دو پٹا درست کیا اور مغموں چہرے کے ساتھ پلٹ کر دروازے کی

ہے وہ بہت محنت اور ایمان داری سے ڈیوٹی کرتے ہیں۔“ اس نے ماں کے سکون کی خاطر دودھ پینا شروع کر دیا تاکہ ماں آرام سے سو جائے۔

”تم انجینئر بن جاؤ گے..... اچھی نوکری مل جائے گی تو میں پہلی فرصت میں تمہاری بہنوں کو اپنے گھر کا کرنے کی کوشش کروں گی۔“ انہوں نے بیٹے کی ادھر ادھر پھرنے والی کتابوں کو سمیٹ کر ایک جگہ رکھتے ہوئے کہا۔
 ”ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہیں امی۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔“ برہان علی دیتے ہوئے بولا۔
 ”جوان لڑکی چھوٹی نہیں ہوتی، یہ بس ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔ بیٹی ذات جتنی جلدی اپنے گھر جائے اچھا ہوتا ہے۔“ صابرہ نے سمجھایا۔

”آپ پریشان نہ ہوا کریں امی۔ میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں۔“ اس نے یہ کہہ کر دودھ پیا اور گلاس ماں کو دکھا دیا۔
 بیٹے نے گرم دودھ پیا ماں کی روح میں خشک اتر گئی۔ ”اللہ تم جیسی نیک اولاد سب کو دے، آمین ثم آمین۔“ صابرہ دعا دے کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

روما حسب معمول لیٹ آرز میں کاناز سے بات کر رہی تھی۔ برسوں کا معمول تھا دونوں سونے سے پہلے گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا ضرور بات کرتی تھیں۔
 ”گھر میں بڑی ٹینشن ہے کیا بتاؤں۔“ روما کہہ رہی تھی۔
 ”کوئی نئی بات کرو۔“ کاناز نے شرارت سے کہا۔
 ”میں سیریس ہوں کاناز، رابی آپا کی شامت آئی ہوئی ہے۔ اماں ان کی شادی زبردستی کر رہی ہیں ایک اور رات بچ بندے سے۔“ روما نے بہت دکھ بھرے لہجے میں اطلاع دی۔
 ”تو رابی آپا انکار کر دیں ناں۔ وہ کر سکتی ہیں تمہاری طرح ڈرپورک نہیں ہیں۔“ کاناز یہ دھماکا سن کر ذرا پریشان نہ ہوئی بڑے آرام سے حل بتا دیا۔
 ”اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔“ روما نے دل شکستہ لہجے میں کہا۔
 ”گلتا ہے لوگوں کے دماغ ٹھک کرتے کرتے تمہاری اماں کا دماغ الجھ گیا ہے۔ اگر وہ بندہ نیگ ہوتا تو ہم دونوں مل کر اس سے شادی کر لیتے۔“
 ”کیوں کر لیتے؟“ روما ہنسنے لگی۔ کاناز کھلکھلا کر ہنس دی۔
 ”ارے بھئی فرض کرو رابی آپا شادی سے انکار کر دے۔ تب تو ہم دونوں مل کر اس بندے سے شادی کر لیتے..... آئی خوش ہو جاؤ۔ رابی آپا کی جان چھوٹ جاتی۔“
 ”بالکل احمق ہو تم۔ اماں کے سامنے کبھی مذاق میں بھی ایسی بات نہ کرنا تم سے ملنے پر پابندی لگا دیں گی۔“ روما نے بڑے بزرگانہ انداز میں نصیحت کی۔
 ”ہائے..... میں تو تمہیں ملے بغیر ایک دن نہیں رہ سکتی۔“ کاناز نے بڑے انداز سے کہا۔

”مجھے بھی بس ہر وقت تمہاری کمپنی چاہیے۔ میرا بس چلے تو ایک پل تم سے جدا نہ ہوں۔“ روما بہت پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ باہر دروازے سے کان لگائے کسی نے اس کے یہ آخری جملے سن لیے ہیں۔

(باقی آئندہ)



کچی مٹی چمکے راہبرؔ

شکیلہ رفیق

”بیٹا! کتنی بار میں نے تم سے کہا ہے کہ جھوٹ نہ بولا کرو، اب دیکھو تمہاری پیشانی پر لکھا ہوا آگیا ہے کہ یہ بچہ جھوٹا ہے۔“
 ”سچ امی؟“ آسیہ کے پیار سے سمجھانے پر وہ بولا۔
 ”ہاں، ہاں یہ دیکھو صاف لکھا ہے۔ چلو اب جلدی سے سچ بولو۔“ آسیہ نے پچکار کر کہا۔
 ”میں نے ہوم ورک نہیں کیا۔“ دانش نے سچ بول دیا۔

میں زیادہ تر انگلش پڑھائی جاتی ہے اور جو کچھ اور بھی پڑھایا جاتا ہے تو اسے بھی اذہان تک پہنچانے کا ذریعہ انگریزی ہی ہوتی ہے۔ اس لیے آسیرے دانش کو گھر پر عربی اور اردو بھی پڑھایا کرتی تھی۔ اسے اپنی قومی زبان سے بے حد لگاؤ تھا اور نہ جانے وہ اس معاملے میں کیوں اتنی جذباتی تھی، اس کی یہی خواہش تھی کہ انگریزی کے ساتھ ساتھ دانش اردو میں بھی ماہر ہو اور وہ اس دن کی شدت سے غمگین تھی جب دانش اردو کا کوئی لفظ خود بخود پڑھے۔ عزیز اس بات پر اس کا مذاق بھی اڑاتا کہ اس سلسلے میں آسیرے بچوں کی طرح جلد باز ہے مگر وہ واقعی بچہ بنی ہوئی تھی۔ شاید وہ چاہتی تھی کہ وہ آنکھیں بند کر کے جب

طریقے کہتا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا کہ یہ ایسے دھتے ہیں جنہیں وہ جب چاہے دھو سکتا ہے اور آسیرے اس دن کی منتظر تھی جب یہ دھتے دھل جائیں اور عزیز صاف ستھری شخصیت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا جگمگا رہا ہو۔ ابتدا میں تو ان کی گفتگو کا موضوع یہی باتیں ہوتیں جو کبھی کبھی نئی اختیار کر جاتیں لیکن جب دانش پیدا ہوا تو آسیرے کی توجہ بٹ گئی اور پھر بعد میں تو اس نے عزیز سے اس موضوع پر بات ہی کرنا چھوڑ دی کہ وہ برہم ہو جاتا تھا اور اب چونکہ مصروفیت بھی زیادہ ہو گئی تھی لہذا وہ اپنا زیادہ وقت اور توجہ دانش پر صرف کرنے لگی اور اپنے نظریات اور خیالات کا عکس اس پر اتار کر کرتی کہ یہ مشکل بھی نہیں تھا۔ کچی مٹی سے جیسا چاہو برتن بنا لو البتہ بنی بنائی چیز کو تو توڑنا پڑتا ہے اور عزیز ٹوٹنے کو ہرگز تیار نہیں تھا لہذا اس نے اپنی توجہ اس نرم سوندھی پٹی مٹی پر مرکوز کر دی تاکہ وقت پر ایک مکمل اور خوب صورت برتن تیار ہو سکے جو سب کی توجہ کا مرکز بن جائے اور خوب فائدہ مند بھی ہو۔

چونکہ ان کی مالی حیثیت بھی زیادہ مستحکم نہیں تھی لہذا کوئی ملازم نہ ہونے کے سبب تقریباً سارا کام آسیرے خود کرتی تھی پھر دانش کی پیدائش کے بعد تو وہ مشین کے مانند مصروف ہو گئی۔ وہ تو اس کی اچھی عادت پابندی و دقت کا کام آگئی ورنہ یہی کام جنہیں وہ خوش اسلوبی سے انجام دے لیتی تھی اس کے لیے عذاب بھی بن سکتے تھے مگر اس نے اپنے ہر کام کا وقت مقرر کر لیا تھا۔ اس لیے سہولت سے ہر کام مکمل ہو جاتا تھا۔ دانش کی آمد کے بعد اس نے اپنے کام کے اوقات تبدیل کر لیے تو شب و روز آسان بھی ہو گئے اور خوشگوار بھی لیکن مصروفیت بہر حال بڑھ گئی اور اس طرح وہ روز بھی آن پہنچا جب وہ دانش کی انگلی تھامے اسے اسکول میں داخلے کے لیے لے گئی۔ دانش اسکول جانے لگا۔ مائیموری اسکولوں

کی کوشش کرنے لگتی تب وہ دکھائی سے کہتا۔ آسیرے جب ہو جاتی اور دل ہی دل میں سوچتی کہ کیا واقعی یہ عقیم نہیں ہے کہ عزیز مجھ پر جبر نہیں کرتے بلکہ مجھے اپنے نظریات کے مطابق رہنے کی آزادی دی ہے۔ اگر وہ آمرانہ ذہنیت کے مالک ہوتے اور مجھے سونے کے پنجرے میں بند کر دیتے تب..... اس وقت میں کیا کرتی؟ کڑو میں کچھ بھی نہیں سکتی تھی یا اس کے حکم کی تعمیل کرتی یا پھر اسے چھوڑ دیتی۔ طلاق ہمارے معاشرے میں معیوب اور دشوار ہے لہذا اس کا کہنا ماننے میں ہی عافیت ہوتی، خواہ وہ سب کچھ میرے لیے ناپسندیدہ ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس صورت حال میں یہ سب کچھ کیا بہتر نہیں ہے؟ وہ سوچتی..... سوچتی رہتی اور پھر خود ہی دل کو سلی دے لیتی کہ وہ آہستہ آہستہ عزیز کو بھی اپنی راہ چلا لے گی اور اسے اپنی کامیابی کا یقین یوں بھی تھا کہ عزیز کی ایک دو باتیں ہی تو تھیں جو اسے ناپسند تھیں اور ایک دو بری عادتیں چھڑا دینا ناممکن تو نہیں تھا۔ شاید مشکل ضرور تھا مثلاً خواہ کم ہونے کے سبب عزیز برائیاں سمجھتا تھا کہ کسی کا کام کر دے اور اس سے کمیشن کے طور پر دو چار سو روپے اس سے وصول کر لے جب کہ آسیرے رشوت سمجھتی تھی۔ عزیز سے یہ بات دبے لفظوں میں کہی بھی تھی لیکن اس کے نزدیک یہ رشوت نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس مہنگائی کے دور میں جب کام کرنے کی اجرت کم ملے گی تو اتنی رعایت تو ہونی چاہیے کہ اپنی ذہنی اور جسمانی محنت کے نتیجے میں مزید رقم کما سکے اور وہ اسے اپنی محنت کا صلہ کہتا تھا۔ آسیرے کو یہ عادت بے حد کھلتی مگر وہ ایسی ہی مجبور تھی جس طرح عزیز خود..... اسی طرح عزیز کی سگریٹ نوشی اور مہینہ پندرہ دن میں تاش کی بازی جمانا، یہ چند ایسی عادتیں تھیں جنہیں آسیرے عزیز کی شخصیت کے دھتے کہا کرتی تھی مگر عزیز اسے سمجھنے کے بعد سکون کے خوب صورت

”دیکھا سچ بولتے ہی جھوٹا لکھا ہوا غائب ہو گیا نا!“ آسیرے نے اس کی پیشانی چوم کر کہا۔ ”سچ؟“ دانش نے پھر اسی اداسے پوچھا اور آسیرے نے اثبات میں سر ہلادیا۔ دراصل چند منٹ قبل جب آسیرے نے اپنے پانچ سالہ بیٹے دانش سے پوچھا کہ اس نے ہوم ورک کر لیا ہے تب دانش کے اثبات میں سر ہلاتے ہی جھوٹ اس کی آنکھوں میں ٹوٹے تارے کی طرح چمک اٹھا اور آسیرے نے بہت خوب صورتی سے اسے سچ بولنے کی ترغیب دی۔ وہ دانش کو کم عمری سے ہی اچھے برے کی پہچان کراتی رہتی تھی جتنا اور جس طریقے سے اس کا نھاذا بن قبول کر سکتا تھا وہ اسے سمجھا دیا کرتی۔ خود اس کی پرورش بھی چونکہ ایسے ہی ماحول میں ہوئی تھی جہاں زندگی کو اپنے مذہب اور معاشرے کے اصولوں کے مطابق گزارنے پر ترجیح دی جاتی تھی لہذا اس کا ذہن بھی چمکتی دھوپ کی طرح روشن اور وسیع تھا۔ گو کہ اس طرح زندگی گزارنا بے حد دشوار تھا مگر اس کے باوجود اس کی کوشش یہی ہوتی کہ اگر روز و شب دیانت داری سے گزریں تو بہتر ہے۔ یہی وہ تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو اچھائیوں اور برائیوں سے آگاہ کرنا اپنا فرض اولین سمجھتی تھی۔ اس کا شوہر عزیز بھی بہت اچھا تھا اور دونوں کی ازدواجی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ کبھی کبھی عزیز سے کسی بات پر اختلاف بھی ہو جاتا۔

”تمہاری مرضی تم جیسا چاہو کرو مگر مجھے مجبور نہ کیا کرو۔“ کیونکہ اس کے اصول عزیز کو اکثر سخت محسوس ہوتے اور وہ صاف کہہ دیتا۔

”دیکھو آسیرے! تمہارے لیے یہ عقیم نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنے خیالات پر چلنے پر مجبور نہیں کرتا گو کہ میں ایسا کرنے کا حق رکھتا ہوں مگر نہیں کرتا لہذا بہتر یہی ہے کہ تم بھی مجھے مجبور نہ کرو اور جس زندگی کو ہم گزار رہے ہیں اسے تنہا نہ بناؤ۔“ جب آسیرے سے زیادہ قائل کرنے

دنیا بھر میں

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی مطبوعات

سپیشل ایڈیشن جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

منگوانے کیلئے ہمارے مقرر کردہ ایکسپورٹرز

ویلکم ٹریڈرز

سے رابطہ کریں

WELCOME TRADERS

189-E, Block-2, P.E.C.H.S, Karachi,

Pakistan

Tel: (92-21) 34545513, 34520214.

Fax (92-21) 3454885.

Cell # 0333-4315950

Email: zaidi@welcome.com.pk

Website: www.welcome.com.pk

باہر جاتے وقت اس کی پیشانی پر جوتا گواہی کی لکیریں تھیں واپسی پر وہ خوشگوار لہروں میں بدل چکی تھیں، وہ مسکراتا ہوا آیا اور انکٹھی کے پاس بیٹھ کر ہاتھ میں دبے نوٹ گنتے لگا۔

”کیا ہے یہ؟“ آسیہ اس کے نزدیک آکر بولی مگر وہ نوٹ گنتا رہا اور سر اٹھا کر بولا۔

”پونے پانچ ہزار ہیں۔“ وہ مسکرایا۔

”کیسے پانچ ہزار اور کہاں سے آئے؟“ آسیہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ سمجھ کر بولی۔

”جی ہاں اصل یہ شخص صبح دفتر آیا تھا، ایک کام کروانا چاہتا تھا اور دو ہزار سے زیادہ دینے پر رضامند نہیں تھا، میں نے انکار کر دیا کیونکہ میرا مطالبہ پانچ کا تھا۔ آخر کو گھر پر رقم پہنچا گیا، ضرورت مند جو تھا۔ بس اب اس کا کام ہو جائے گا۔“ وہ بہت خوش تھا۔ آسیہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ انکار کیوں کر کرے؟ اپنی ناگواری کو کیسے بیان کرے؟ غم کے سبب آنکھوں کے آگے اندھیرا اچھا ہوا تھا کہ دانش اس اندھیرے میں جگنو بن کر دوڑتا ہوا آیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ نظر عزیز کے پہلو میں رکھے نوٹوں پر پڑی اور اس نے ایک نوٹ اٹھا لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آسیہ کا جی چاہا کہ چیخ کر دانش سے کہے کہ اس نوٹ کو ہاتھ نہ لگاؤ کہ یہ تمہارے چھوٹے کے لائق نہیں کہ اس سے پہلے دانش چیخ اٹھا۔

”ابو جی! ابو جی، دیکھیں میں نے اُردو کا ایک جملہ پڑھ لیا۔“

”کیا پڑھا میرے بچے نے؟“ عزیز نے بڑھ کر پوچھا۔

”حصولِ رزقِ حلال۔۔۔ عبادت ہے۔“ وہ رک رک کر بولا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے ہیرے چمک رہے تھے اور عزیز نے اپنا سر جھکا لیا کہ اس کی آنکھوں کے آنسوؤں پر کسی کی نظر نہ پڑے۔

جہاں عزیز گھر آئے تو وہ اسے بھی بتائے۔ اگر عزیز گھر پر ہی ہوتا تو وہ دانش کی انگلی پکڑ کر بھاگتی ہوئی عزیز کے پاس جاتی اور اسے بھی اپنی خوشی میں شریک کرتی اور وہ بھی اسے خوب پیار کرتا۔ اسی پیار ڈالر اور خوشگوار دنوں کے درمیان وہ تاریخ بھی آچکی جب دانش پیدا ہوا تھا۔ عجب اتفاق تھا کہ دانش کی سالگرہ اور ان کی شادی کی تاریخ ایک تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس روز وہ اپنی شادی کی خوشی بھی منالیتے تھے۔ بس تینوں اکیلے ہوتے اور جی بھر کر خوش ہوتے۔

مگر عزیز اس دہری خوشی کو اس بار زیادہ بہتر طریقے سے منانے کا خواہش مند تھا اور دانش کے ساتھ ساتھ آسیہ کو بھی کوئی اچھا ساتھ دینا چاہتا تھا اور یہ دونوں خواہشات پوری کرنے کی ایک ہی صورت تھی یعنی..... کمیشن!

عزیز میں ایک عادت بہر حال اچھی تھی کہ وہ اپنے ہر ارادے کو عملی جامہ پہناتے وقت جلد یا بدیر آسیہ کو اس میں ضرور شریک کرتا تھا اور کوئی کام بھی آسیہ سے چھپ کر کرنے کا قائل نہ تھا۔ اسی لیے جب اس نے آسیہ کو اپنی خواہش اور پھر اس کی تکمیل کے طریقے سے آگاہ کیا تو وہ بولی۔

”مجھے کسی تحفے کی ضرورت نہیں ہے عزیز البتہ دانش کے لیے آپ کچھ ضرور خریدیں مگر اس کے لیے بھی میں یہی کہوں گی کہ وہ آپ کی محنت کی کمائی کا تحفہ ہو تو کتنا اچھا ہو۔“

عزیز نے کوئی جواب نہ دیا غالباً اس خوشی کے موقع کو ناخوشگوار نہیں بنانا چاہتا تھا۔ چند روز ہی گزرے تھے جبکہ سالگرہ میں اب صرف تین روز باقی تھے کہ کوئی شخص عزیز سے ملنے اس کے گھر آیا، سخت سردی کا موسم تھا اور عزیز نوٹوں کی انکٹھی کے پاس بیٹھا تھا پاؤں سینک رہا تھا۔ ایسے موقع پر اجنبی کی آمد سخت گلنے کے باوجود اسے اٹھ کر باہر جانا پڑا۔

”کیا مطلب؟“ آسیہ نے پوچھا اور پھر گھر آتے آتے اس نے آسیہ کو اس کا مطلب سمجھایا تو آج پھر بہت عرصے کے بعد ان میں تلخ کلامی ہوئی۔

”میں نے تم سے کئی بار کہا ہے کہ میں قناعت پسند ہوں جو کچھ تم کماتے ہو اس میں ہنسی خوشی گزارہ کر لوں گی پھر تم کیوں..... آخر کیوں؟“

”قناعت کے معانی تمہیں معلوم ہیں نا؟“ عزیز نے اس کی طرف انگلی اٹھا کر پوچھا۔

”ہاں بہت اچھی طرح۔“

”مگر دانش کو نہیں معلوم۔“ عزیز نے کہا تو آسیہ اس کا منہ نکلتی رہ گئی تو وہ بولا۔

”آج دکان پر دانش کا منہ اترا ہوا دیکھ کر میرا کیجیا کٹ گیا۔ میں اتنا تپی داماں ہوں کہ اپنے بیٹے کی ایک چھوٹی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکتا۔“ عزیز کے چہرے پر دکھ کے سائے لہرائے۔

”تم جی داماں نہیں ہو عزیز، جی داماں تو وہ ہوتے ہیں جن کا دامن نیکیوں اور اچھائیوں سے خالی ہوتا ہے جو.....“ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

”مجھے اس وقت تقریر کی نہیں بیبیوں کی ضرورت ہے جس سے میں اپنے معصوم بچے کی خواہش پوری کر سکوں۔“ وہ اس کی بات کاٹ کر زچ ہوتے ہوئے انداز میں بولا۔ تب وہ خاموش ہو گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ بحث و مباحثہ اس خواہش کو ضد میں تبدیل کر دے گا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ جہاز خریدنے کا یہ چھوٹا سا معاملہ عزیز کی انا کا مسئلہ بن جائے۔ اس لیے وہ خاموشی کو بہتر جانتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

اب آسیہ کے خواب پورے ہونے والے تھے کہ دانش اب کوشش کر کے اُردو کے الفاظ پڑھ لیتا تھا بشرطیکہ لفظ آسان ہو۔ لفظ پڑھ کر جب وہ معصومیت سے سوالیہ انداز میں آسیہ کی طرف دیکھتا تو وہ خوشی سے بے حال ہو کر بیٹے کو چوم لیتی اور منتظر ہوتی کہ

کھولے تو دانش اُردو فر فر پڑھتا نظر آئے مگر چونکہ ہر کام کا وقت مقرر ہوتا ہے اس لیے وقت کا انتظار تو لازمی تھا۔

جب سے دانش اسکول جانے لگا تھا اخراجات میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ شاید اسی سبب عزیز نے بھی اپنے کمیشن میں اضافہ کر لیا تھا مگر آسیہ کو اس بات کا ابھی علم نہیں ہوا تھا ورنہ وہ عزیز سے اس سلسلے میں ضرور بات کرتی۔ راز تو جب کھلا جب ایک روز یہ لوگ صدر میں گھوم رہے تھے۔ دانش کی آنکھیں کھلونوں کو دیکھ کر پھٹی ہوئی تھیں۔ عزیز اسے ایک دکان پر لے گیا اور اس وقت بیروں تلے سے زمین نکل گئی جب دانش نے ایک بہت قیمتی کھلونا لینے کی ضد کی۔

”کیا قیمت ہے بھئی؟“ اس نے دکاندار سے یوں پوچھا جیسے صرف معلومات میں اضافہ ہی مطلوب ہو۔

”صرف پندرہ سو روپے۔“ دکاندار نے اطمینان سے کہا۔

”کیا پندرہ سو..... اور وہ بھی صرف؟“ اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر دکاندار مسکرایا پھر بولا۔

”جی جناب۔“ تب عزیز نے بے بسی سے آسیہ کو دیکھا۔

”وہ دیکھو کتنا پیارا بھالو ہے۔“ آسیہ نے دانش کو ایک اور کونے میں متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں بھالو مجھے گندا لگتا ہے۔“ دانش نے ہونٹ لٹکا کر کہا۔

”اگلی دفعہ جب آئیں گے تو وہ جہاز بھی دلا دیں گے۔“ آسیہ نے سمجھایا مگر وہ مسلسل اسی جہاز کے لیے ضد کرتا رہا۔ تب عزیز نے آسیہ سے سرگوشی میں کہا۔

”یوں لگتا ہے کمیشن میں مزید اضافہ کرنا پڑے گا۔“

کہیں دُپّ کجے کہیں دل

قصہ حیات

چوتھا حصہ



محسن رضانے اپنی ہر ممکن کوشش کی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے یحییٰ کو ٹریس آؤٹ کر لے مگر کسی طرح بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے اپنے خفیہ بریف کیس میں سے یحییٰ کا موبائل نکال کر دیکھتا۔

اسے بار بار چھو کر اس کا لمس محسوس کرتا اور اس لمس کے احساس کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا۔ نہ جانے کیسے اسے یحییٰ سے شدید محبت محسوس ہونے لگی تھی۔ صرف ایک ملاقات کے بدلے میں اس نے اپنا

فیثی جذبہ اس کے نام کر دیا تھا۔ اور وہ ملاقات بھی کتنی ادھوری ملاقات تھی..... بھلا ایسی ملاقات میں کسی سے محبت ہو سکتی ہے؟ یہ تو اس کے دل کی نادانی تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا مگر وہ کتنی بے وقوفی کر رہا تھا۔ ایک ہیو لے..... اس کی یاد سے محبت کرتا چلا جا رہا تھا۔ طیبہ کا رشتہ اس کے دور کے رشتے داروں میں طے ہو گیا تھا۔ لڑکا سعودی عرب میں مقیم تھا۔ بی اے پاس تھا اور کسی کنسٹرکشن کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ خالہ صابرہ تو بے حد خوش تھیں کہ اچانک اتنا اچھا رشتہ آیا اور تمام معاملات طے بھی ہو گئے۔

☆☆☆

مگنی کی رسم کے بعد طیبہ، محسن کے پاس آ کر بہت روئی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ”تم میرا نصیب نہیں تھیں..... جس کا نصیب تھیں وہ تمہیں مل گیا۔“ محسن نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اور جو مل کر بھی نہ ملے تو..... اسے تم کیا کہو گے؟“ طیبہ نے روتے ہوئے پوچھا تو محسن رضا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟“ محسن نے چونک کر پوچھا۔

”تمہارا دل مجھے قبول نہیں کرتا..... اور اب میرا دل کسی اور کو قبول نہیں کر رہا..... یہ مگنی میں نے اماں کی بے بسی اور گھر کی غربت دیکھ کر کی ہے۔“ طیبہ نے آہ بھر کر کہا۔

”پلیز..... تم اپنی سوچ کو بدلو..... ورنہ.....“ محسن ہونٹ چبانے لگا۔

”ورنہ کیا ہوگا.....؟“ طیبہ نے سوال کیا۔

”ورنہ..... زندگی بہت مشکل ہو جائے گی۔“ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

”زندگی تو پہلے ہی مشکل ہو گئی ہے۔ اب مزید اور کیا ہوگی؟“ طیبہ نے جواب دیا۔

”تم یوں مجھے اذیت میں ڈال رہی ہو.....“ محسن نے آہ بھر کر کہا۔

”اور کاش تم میری اذیت کو سمجھ بھی سکتے۔“ وہ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”میں سب سمجھتا ہوں..... مگر مجبور ہوں۔“ وہ بولا۔

”اور میں بس ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”تم بے بس نہیں ہو۔“ محسن نے خفگی سے کہا۔

”اور..... مجبور تو تم بھی نہیں.....“ وہ بھی غصے سے بولی۔

”پلیز..... چلی جاؤ.....“ وہ اس کی طرف پشت کرتے ہوئے بولا۔

”جانے کے لیے ہی تو..... آئی ہوں.....“ وہ آہ بھر کر بولی۔

”خدا حافظ!“ محسن نے جلدی سے کہا۔

”میں بھی ہمیشہ کے لیے یہی کہنے آئی ہوں۔“ اور طیبہ روتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

کمرے کی لائٹ آف تھی اور تو قیر ایزی چیز پر نیم دراز سگریٹ کے گہرے کش لگائے میں مصروف تھا۔ اس کی سوجھیں روا پر ہی انکی ہوئی تھیں، وہ تنہائی میں اپنے رب سے مجازی محبت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

”یا اللہ! کسی انسان کے دل میں کسی دوسرے انسان کے لیے محبت اور نفرت صرف تو ہی ڈالتا ہے۔ کیا میں اتنا برا انسان ہوں..... میری محبت اتنی ناقابل قبول کہ تو نے ردا کے دل میں اسے داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ اس کا دل میری محبت کو قبول ہی نہیں کر رہا۔“ اسی سوچ میں کم اب وہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا اور پھر کھڑکی کے پاس کھڑا ہو کر باہر دیکھنے لگا۔

”چاند کو پانے کی تمنا میں ہم بے تاب تو رہے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اس کے قابل ہیں بھی

یا نہیں۔ شاید میں بھی ردا کے قابل نہیں۔“ تو قیر نے جھپٹتے چاند کی طرف دیکھ کر سوچا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھا کہ نجمہ اس کے کمرے کی طرف آئیں۔ اندھیرا دیکھ کر انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ جلائی تو تو قیر بری طرح ہڑبوا گیا۔ اور جلدی سے اپنے ہاتھ سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا۔

”کیا تم رورہے تھے؟“ نجمہ نے پریشان ہو کر اس کے قریب آ کر پوچھا۔

”ن..... نن..... نہیں۔“ تو قیر نے گھبرا کر کہا۔

”سچ، سچ بتاؤ کیا بات ہے؟“ نجمہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”بس یونہی..... افس میں کام کا بوجھ ہے..... بس اسی کی تھکن ہے۔“ تو قیر نے بات بناتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! تھکاوٹ اور ڈپریشن میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں تمہاری ماں ہوں، تمہارا چہرہ دیکھ کر بتا سکتی ہوں کہ اس وقت تمہارے اندر کیا ہے، بولو، کون ہے وہ؟“ نجمہ نے یک دم بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”وہ جو بھی تھی، اب نہیں ہے۔“ تو قیر نے اصل بات کا اقرار کیا۔

”ٹھیک ہے اگر وہ تمہاری دسترس میں نہیں تو اس کا ذکر کرنا بیکار ہے مگر زندگی اس کی وجہ سے نہ تو ختم ہوگی اور نہ ہی بے سکون.....“ نجمہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مما..... آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟“ تو قیر حیرت سے بولا۔

”رشنا کے پیپر ز کے بعد اس کی سرال والے اس کے نکاح کی بات کرنے آرہے ہیں۔ ہو سکتا ہے جلد ہی اس کی رخصتی کرنا پڑے۔ تمہارے ڈیڈی چاہتے ہیں کہ رشنا کے ساتھ تمہاری شادی بھی کر دی جائے۔“ نجمہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ..... یہ ناممکن ہے۔“ تو قیر نے بری طرح چونک کر کہا۔

کھیں دیپ جلے کھیں دل

”کیوں..... ناممکن ہے..... وہ جو تمہاری زندگی سے نکل چکی ہے کیا اس کے غم میں ساری زندگی گزارو گے؟“ نجمہ خفگی سے بولیں۔

”میں ہائر اسٹڈیز کے لیے آسٹریلیا جا رہا ہوں۔“ تو قیر نے گویا انہیں اپنا فیصلہ سنایا۔

”یہ..... یہ..... تم کیا کہہ رہے ہو؟“ نجمہ یک دم حیرت سے چلاتے ہوئے کہنے لگیں۔

”میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے، چند روز تک کال آجائے گی۔“ تو قیر ٹھوس لہجے میں بولا۔

”اور تم نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔“ نجمہ قدرے خفگی سے بولیں۔

”آپ کو بتائے بغیر کیسے جاسکتا تھا ممما۔“ تو قیر ان کی خفگی کے پیش نظر فوراً بولا۔

”ٹھیک ہے، جانا چاہتے ہو تو جاؤ مگر شادی کر کے۔“ انہوں نے بھی گویا اپنا فیصلہ سنایا۔

”نہیں..... ممما! مجھے نہیں معلوم کہ میرا فیوچر کیا ہوگا اور مجھے وہاں ایڈجسٹ ہونے میں کتنے سال لگیں گے۔ میں شادی کر کے کسی اور کو خوار نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ قدرے جھنجھلا کر بولا۔

”تو قیر تم نے مجھے بہت مشکل میں ڈال دیا ہے۔“ ان کے ماتھے پر ٹخنیں ٹھیں۔

”ممما! جو باتیں اور فیصلے بعد میں اذیت کا باعث بنیں..... ان کی وجہ سے وقتی طور پر مشکل میں پڑ جانا زیادہ بہتر ہے۔“ تو قیر تاسف سے بولا تو نجمہ نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

☆☆☆

خدیجہ کی ٹانگوں میں بہت درد تھا۔ ردا ان کے پاس بیڈ پر بیٹھی ان کی ٹانگیں دبانے میں مصروف تھی۔ وہ بالکل خاموش چھت کو گھور رہی تھیں۔ ردا بار بار بار ماں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ممما! آپ کیوں اتنی خاموش رہنے لگی ہیں۔“

ماہنامہ پاکیزہ 55 جنوری 2013

ماہنامہ پاکیزہ 54 جنوری 2013

www.pdfbooksfree.pk

”ہیلو..... اوہ..... تم؟“ ردا نے مسکرا کر کہا اور وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تو حاتم کو شک سا ہوا۔ ردا بات کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی حاتم بھی کچھ سوچتے ہوئے آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے کے دروازے کے باہر جا کھڑا ہوا۔

”اوہ..... رنکی، اتنا بڑا سر پرانز..... لگتا ہے تم نے پہلے سے پلان کر رکھا تھا۔“ ردا مسکراتے ہوئے بولی۔ ”نہیں یار، مجھے تو خود ابھی پتا چلا ہے اور فراز بھی اتنا گھٹا نکلا کہ مجھے کچھ بتایا تک نہیں۔“ دوسری طرف سے رشنا تھی۔

”اچھا تو تم کب ہماری جان چھوڑ رہی ہو؟“ ردا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بہت جلد.....“ رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”رشنا تمہارے جانے کے بعد میں بہت اکیلی ہو جاؤں گی۔ تمہیں بہت مہم کروں گی۔“ ردا ایک دم افسردگی سے بولی تو حاتم نے اس کی بات سن کر گہری سانس لی۔

”اوہ..... اچھا یہ رشنا سے بات کر رہی ہے، میں ردا کے بارے میں کیوں اتنا مشکوک ہو رہا ہوں اور ویسے بھی اب کئی روز سے کوئی ایسا منج بھی نہیں آیا۔ مجھے اپنی بہن پر مکمل اعتبار کرنا چاہیے۔“ حاتم نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا اور وہاں سے چلا گیا۔

”میرے جانے سے ماما بھی بہت اکیلی ہو جائیں گی کیونکہ تو قیر بھائی بھی آسٹریلیا جا رہے ہیں۔“ رشنا افسردگی سے بولی۔

”کیوں؟“ ردا نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

”شاید ہارز اسٹنڈیز کے لیے لیکن ردا آج کل وہ بہت زیادہ اپ سیٹ ہیں۔ ان کے چہرے پر عجیب سی اداسی اور ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ نہ کسی سے بات کرتے ہیں بس ہر وقت سوچوں میں گم رہتے ہیں۔ نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔“ رشنا بھائی

”مگر..... ماما! اتنی جلدی، ابھی تو میرا گریجویشن بھی کمپلیٹ نہیں ہوا، زلزل کا انتظار ہے اور.....“ رشنا حیرت سے بولی۔

”وہ بھی ہو جائے گا۔ اور بیٹا سال دو سال بعد بھی شادی تو کرنی ہے نا پھر ابھی کیوں نہیں۔“ نجمہ نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن آپ کو اکیلے چھوڑ کر کیسے جاؤں یا تو پھر آپ تو قیر بھائی کی بھی شادی کر دیں۔“ رشنا نے ماں کے ساتھ لپٹ کر کہا۔

”وہ تو آسٹریلیا جانے کی تیاری کر رہا ہے۔“ انہوں نے انکشاف کیا۔

”کیا..... آسٹریلیا..... مگر کیوں؟“ نجمہ حیرت سے چونک کر بولی۔

”پڑھنے کے لیے۔“ نجمہ نے کہا۔

”اور آپ نے اجازت دے دی۔“ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

”وہ فیصلہ کر چکا ہے۔“ نجمہ نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”یہ کیا بات ہوئی ہے، میں ڈیڈی سے بات کرتی ہوں، ہم دونوں چلے گئے تو آپ یہاں اکیلی رہ جائیں گی۔“ رشنا خفگی سے بولی۔

”اللہ مالک ہے۔“ نجمہ آہ بھر کر بولیں۔

”نہیں..... ماما! ایسے نہیں چلے گا۔“ رشنا تیزی سے بولی۔

”بس آپ انہیں روکیں۔“ ”کوشش کر چکی ہوں۔“ وہ بہت ہار کر بولیں۔

”ٹھیک ہے پھر میں ہی کچھ کرتی ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆

حاتم لاؤنچ میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر بزی تھا اور ردا پاس بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ شبل پر بڑا ردا کا موبائل بجنے لگا تو حاتم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”بجھتی۔“ شبلہ نے مسکرا کر ان کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”ارے..... تم تو میری پیاری سی بیٹی بھی ہو اور بہو بھی۔“ خدیجہ نے خوش ہو کر اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو ردا نے حیرت سے شبلہ کی طرف دیکھا اور پھر زبردستی مسکرائے مگر..... خدیجہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

رشنا واش روم سے منہ دھو کر اپنے چہرے کو ٹاول سے صاف کرتے ہوئے کمرے میں آئی..... اور اپنے آپ کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اچھی طرح دیکھ کر مسکرائے مگر..... ابھی لوشن پکڑ کر وہ چہرے پر لگا رہی تھی کہ نجمہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”ماما! آپ.....؟“ رشنا نے مسکرا کر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... تمہیں بتانے آئی ہوں کہ آج شام تمہاری سسرال والے آرہے ہیں۔“ نجمہ نے مسکرا کر اس کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اور وہ بھی تمہاری شادی کی ڈیٹ فکس کرنے۔“ نجمہ نے اسے آگاہ کیا۔

”کیا میری شادی.....؟ لیکن فراز نے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔“ وہ لوشن لگاتے ہوئے رک کر حیرت سے کہنے لگی۔

”وہ تمہیں سر پرانز دینا چاہ رہا ہوگا۔“ ماما مسکرا کر بولیں۔

”ٹھہریں..... میں ابھی اس سے پوچھتی ہوں..... یہ کیا ڈراما ہے۔“ رشنا خفگی کے سے انداز میں بولی۔

”بیٹا! یہ ڈراما نہیں حقیقت ہے۔ تمہارے ڈاکو منسٹ..... تیار کرنے کے لیے نکاح ضروری ہے۔ اس میں خفگی کی کیا بات ہے۔“ نجمہ نے موبائل اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے کہا۔

کیا فہم بھائی اور شبلہ بھائی کی وجہ سے؟“ ردا ماں کی خاموشی سے کافی پریشان رہنے لگی تھی جبھی آج پوچھ بیٹھی۔

”نہیں.....“ انہوں نے فوراً ایک گہری سانس لے کر کہا۔

”ماما! کیا آپ کو لگتا ہے، فہم بھائی بدل جائیں گے؟“ ردا نے ان کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔

”تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ وہ ایک دم چونک کر بولیں۔

”ماما! گریسا ہو گیا تو.....؟“ ردا نے خدشے کا اظہار کیا تو خدیجہ نے پریشان ہو کر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس کے سر پر پیار کیا اور اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہنے لگیں۔

”نہیں بیٹا..... ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا تو شبلہ ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئی۔ جس میں سوپ کا پیالہ رکھا تھا۔

”خالہ جان آپ کی ٹانگوں میں بہت درد ہے، میں نے آپ کے لیے سوپ بنایا ہے۔“ شبلہ نے مسکرا کر ان کی سائڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو دونوں ماں بیٹی اسے دیکھنے لگیں۔

”بیٹا! تم نے کیوں تکلف کیا۔ ابھی تم نئی نوہلی دہن ہو، کام کیوں کرنے لگیں؟“ وہ پیار بھرے لہجے میں اس سے بولیں۔

”خالہ جان! یہ کون سا بڑا کام میں نے کر دیا..... ردا تم پیچھے ہٹو، میں خالہ جان کی ٹانگیں دہانی ہوں۔“ شبلہ نے مسکرا کر ردا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں، نہیں بیٹا..... نئی نوہلی دہن سے اب میں ٹانگیں دہانی اچھی نہیں لگتی۔“ انہوں نے گھبرا کر اس کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب ہے، آپ مجھے اپنی بیٹی نہیں

”وہ تو ہیں لیکن یہ میری طرف سے..... رکھو شایاش۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا نے مسکراتے ہوئے انہیں اپنے بیگ میں رکھ لیا۔
”آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ فہام نے جاتے ہوئے کہا۔
”نہیں، نہیں میں ماما کے ساتھ جا رہی ہوں۔“ ردا جلدی سے بولی۔

”تو شہیلہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے شہیلہ کی طرف دیکھ کر کہا تو شہیلہ نے پھر دونوں کو خفگی سے دیکھا۔
”ہاں، ہاں..... شہیلہ آپ بھی چلیں۔ بہت مزہ آئے گا۔“ ردا نے مسکرا کر شہیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں، تم اور خالہ جان جاؤ۔ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، سر میں درد ہے، میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔“ شہیلہ نے اس کے قریب آ کر زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔
”کیوں..... کیا ہوا؟“ فہام نے پریشانی سے پوچھا۔

”سر میں درد ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا ابھی ٹیبلٹ لے کر ریٹ کرتی ہوں۔“ شہیلہ نے منہ بنا کر کہا۔

”اوکے، اپنا خیال رکھنا اور اگر کوئی پرالیم ہو تو فون کر دینا..... اچھا ابھی خدا حافظ۔“ فہام نے اس کی طرف دیکھ کر کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

خدیجہ، نجمہ کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ نیبل پر چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات رکھے تھے اور نجمہ بہت محبت سے نیلیں اٹھا اٹھا کر ان کے آگے کر رہی تھیں مگر خدیجہ مسکرا مسکرا کر انکار کیے جا رہی تھیں۔

”میں کئی روز سے آپ کی طرف آنا چاہ رہی

کہ کون ٹھیک ہے اور کون غلطی پر۔“ شہیلہ نے طنزیہ انداز میں فہام کو دیکھ کر سوچا۔
☆☆☆

ردا تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئی تو شہیلہ لالچ میں صوفے پر بیٹھی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ خدیجہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے کمرے سے باہر نکلی تھیں۔

”ماما آپ کو پتا ہے رشنا کی شادی ہو رہی ہے اور مجھے اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا ہے۔“ ردا نے ماں کے قریب آ کر جلدی سے کہا۔
”ہاں تو چلی جاؤ بلکہ یوں کرتی ہوں، میں بھی چلتی ہوں۔ اس کی ماما کو مبارک دے آتی ہوں..... آج طبیعت کچھ ٹھیک لگ رہی ہے۔“ خدیجہ نے کہا تبھی فہام فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے نکلا تھا۔

”ارے واہ..... آج تو میری سوئٹ ڈول بہت کیوٹ لگ رہی ہے۔“ فہام نے مسکرا کر ردا کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو شہیلہ نے دونوں کو اس طرح دیکھ کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”فہام بھائی..... رشنا کی شادی ہو رہی ہے۔ میں اس کی طرف جا رہی ہوں۔ آج ہم دونوں کا شاپنگ کا ارادہ ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”رشنا کی شادی ہو رہی ہے، تم نے بتایا ہی نہیں..... چلو اس کی چوائس کے اچھے، اچھے لکھنے لے لیا۔ وہ ہمیں تمہاری طرح ہی عزیز ہے۔“ فہام نے مسکرا کر کہا اور اپنی جیب سے والٹ نکالا اور اس میں سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر ردا کو دینے لگا۔

”یہ رکھو اور اگر کم ہوں گے تو مجھے بتا دینا.....“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو شہیلہ نے گھور کر دونوں کو دیکھا۔

”نہیں..... نہیں، فہام بھائی میرے پاس پیسے ہیں۔“ ردا مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہے؟“ فہام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”اب آپ کے سب کام میں کیا کروں گی۔“ شہیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”کیوں.....؟“ وہ چونک کر بولا۔

”بس مجھے آپ کے کام کر کے خوشی ہو جاتی ہے۔“ شہیلہ نے مسکرا کر محبت سے کہا۔
”آج ماما کی طبیعت کیسی رہی..... میں ان کے روم میں گیا تو وہ سو رہی تھیں۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آج میں سارا دن انہی کے پاس رہی ہوں۔ پہلے سوپ بنا کر دیا پھر ٹانگیں دباتی رہی۔“ شہیلہ نے مسکرا کر جلدی سے کہا۔
”رینی.....“ فہام خوش ہو کر بولا۔
”اس میں حیرت کی کیا بات ہے بھلا؟“ شہیلہ چونک کر بولی۔

”میں بس یہی چاہتا ہوں کہ تم انہیں خوش رکھو اور ان کی خدمت کرو۔“ فہام نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ کہنے کی بات ہے..... وہ میری خالہ بھی ہیں جناب اور مجھے ان سے بہت محبت ہے۔“ شہیلہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

”بس پہلے روز جو بد مزگی ہوئی اس کی وجہ سے سب کے دل پریشان ہو گئے۔“ فہام نے گہری سانس لے کر پانی پیتے ہوئے کہا۔

”آئی ایم سوری..... بس مجھ سے غلطی ہو گئی تھی.....“ شہیلہ منہ بنا کر افسردگی سے کہنے لگی۔

”اچھا ہے تم نے جلد ہی اپنی غلطی کو مان لیا۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو شہیلہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ فہام کا موبائل بجنے لگا تو وہ بات کرتے ہوئے کھڑکی کے پاس چلا گیا۔

”غلطی.....؟“ شہیلہ نے منہ بناتے ہوئے سوچا۔ ”جس دن میں نے تمہیں پالیا تو پھر بتاؤں گی

کے لیے واقعی پریشان تھی۔“
”تم نے ان سے کچھ پوچھا نہیں؟“ ردا ایک دم بوکھلا کر بولی۔

”نہیں..... انہیں دیکھ کر میں بھی پریشان ہو جاتی ہوں پھر کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔“ اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”پلیز رشنا! حوصلہ کرو اور انہیں سمجھانے کی کوشش کرو..... بلکہ میں تو کہتی ہوں، آسٹریلیا جانے سے پہلے ان کی زبردستی کسی سے شادی کروادو۔“ ردا نے اپنی رائے دی۔

”یار! ہمارے ماموں کی بیٹی جو یہ ان میں بہت انٹرسٹ ہے مگر تو قیر بھائی مائیں تب ناں..... نہ جانے کس کجنت سے دل لگا بیٹھے۔ جس نے ان کو گھاس نہیں ڈالی..... مگر یہ اس کے غم میں بری طرح بے تاب ہیں۔ دیس نکالا لے رہے ہیں اور جو ان کی حالت ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اپنی جان کو ہی کوئی روگ نہ لگا بیٹھیں۔“ رشنا نے ایک آہ بھر کر تفصیل سے بتایا۔

”اللہ نہ کرے.....“ ردا کے منہ سے نادانستہ نکلا تو رشنا چونک پڑی۔

”تمہارے منہ سے یہ الفاظ سن کر مجھے تم پر پیار آنے لگا ہے کہ تم میرے بھائی سے میری طرح ہی پیار کرتی ہو۔ محبت کا رشتہ بھی کتنا عجیب ہوتا ہے۔

ایک سے محبت ہوتی ہے تو اس سے وابستہ سب رشتوں سے پیار ہونے لگتا ہے۔ میری وجہ سے تم تو قیر بھائی کو بھی چاہنے لگی ہو۔“ رشنا نے مسکرا کر کہا تو ردا بوکھلا گئی اور بہانہ بنا کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

فہام آفس سے لوٹا اور اپنے کمرے میں تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر نیم دراز چھت کو گھور رہا تھا۔ شہیلہ ٹرے میں چائے کے کپ اور پانی کا گلاس رکھ کر لائی اور مسکرا کر اس کے قریب نیبل پر رکھا۔

”ارے..... تم کیوں چائے لائیں زائدہ کہاں

جنگی کہاںوں آپ بیتوں جگ بیتوں کا مثال مجموعہ

سرگزشت

ماہنامہ

جنوری 2013ء

کی جھلکیاں

سمندر کے مکین

ایک حیرت انگیز اطوار کے حامل قبیلہ کا تذکرہ

زور اور

عشق میں ڈوبے پہلوان کی دلچسپ سرگزشت

سیف علی

امریکا میں آئے طوفان کی حقیقت کا پر لطف جائزہ

میں اضم اضم ہوں

عبرت بھری جگ بیانی کہ لے اپنوں نے ہی زخم دیا

لکھنے کے علاوہ

فلمی الف لیلا، سرباب اور دنیا بھر

سے سچے واقعات دلچسپ رودادیں

ہر شمارہ خاص شمارہ جسے آپ محفوظ رکھنا ضروری سمجھیں گے

آج ہی نزدیکی یک لسلال پر اپنا شمارہ مختص کرالیں

خاص شمارہ..... ہر شمارہ، خاص شمارہ..... ہر شمارہ، خاص شمارہ

ہوں۔ رشنا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے..... سر میں درد ہونے لگا ہے۔ چنانچہ ایک دم سے کیا ہونے لگا ہے۔“ رونا نے کچھ پریشانی کے عالم میں اٹھتے ہوئے کہا۔

”لیکن رونا.....“ رشنا نے شدید حیرت سے کہا۔ ”آئی ایم سوری..... پلیز۔“ رونا نے معذرت کی۔ ”اوکے.....“ رشنا نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

”چلیں ماما.....“ رونا نے کہا اور خدیجہ کے ساتھ وہاں سے چلی آئی۔

☆☆☆

حسن کی رگ و پے میں اک درد سا بھر گیا تھا۔ طبیعت کی بے بسی، اس کی ناکام محبت کا قلق، اس کی برستی آنکھیں، اس کا ٹوٹا دل، اس کے کرجی کرجی ہوتے جذبات نے اس کے دل میں درد کی ایسی ٹیئیں پیدا کر دی تھیں کہ وہ خود بھی بے بس ہو کر مایہ بے آب کی طرح تر پنے لگا..... طبیعت کی محبت نے اس کے دل کو اس درد سے آشنا کر دیا تھا۔ یہ محبت کتنا زلاتی ہے، کتنا دکھ دیتی ہے، کیسے کیسے تڑپاتی ہے، دل کو چھلنی اور روح کو بچو کے لگاتی ہے۔

”یعنی کاش، تم مجھے نہ ملی ہو تیں..... اگر ملی تھیں تو یوں گم نہ ہوئی ہو تیں۔ میں تمہیں کہاں تلاش کروں، تمہیں ایسا نہ ہو کہ جب تم مجھے ملو تو مجھے پہچاننے سے انکار کر دو۔ کہیں تم بھی مجھے یونہی انکار نہ کر دو جیسے آج میں نے طیبہ کو کیا ہے۔“ اس کے دل میں دوسو سے پیدا ہونے لگے۔

”ایسا نہیں ہوگا۔ میری محبت اتنی کمزور نہیں ہو سکتی۔“ اس نے اپنے دل کو تسلی دی۔

”اگر وہ اس وقت ملے جب وہ کسی اور کی ہو چکی ہو تو پھر..... تم کیا کرو گے؟“ اس کے دل نے سوال کیا۔

”نہیں..... ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ وہ مضطرب

”وہ آسٹریلیا جا رہا ہے۔“ نجمہ نے انہیں بتایا۔ ”ارے..... تو آپ اسے شادی کر کے بھیج دیں، وہاں جا کر اگر کسی میم سے شادی کر لی تو پھر ساری زندگی اس کی شکل کو ہی ترسیں گی۔ میں تو کہتی ہوں اگر کوئی لڑکی نظر میں ہے تو فوراً اس کی بھی شادی کر دیں۔“ خدیجہ نے انہیں اپنی طرف سے مخلصانہ مشورہ دیا۔

”ارے..... میری تو اپنی بیٹی گھر میں موجود ہے مگر تو قیر شادی کے لیے ہی نہیں مان رہا، کہتا ہے وہاں جا کر کیا حالات ہوں، وہ کیوں اسے بھی پریشان کرے۔“ نجمہ نے ان کی بات پر بتایا۔

”ہاں، کہتا تو وہ ٹھیک ہے..... بچہ تو آپ کا کافی سمجھدار ہے۔“ نجمہ نے کہا۔

”ہاں..... نہ جانے کس منوں کی اس کو نظر لگ گئی ہے کہ وہ تو شادی کے لیے مان ہی نہیں رہا۔“ نجمہ آہ بھر کر بولیں تو رونا نے ایک دم چونک کر انہیں دیکھا۔ ”اوہ..... تو یہ بات ہے۔“ خدیجہ آہ بھر کر بولیں۔

”معلوم نہیں..... اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن جس نے بھی اس کے ساتھ برا کیا ہے میں اسے بددعا دیتی ہوں کہ وہ بھی کبھی سکون سے نہ رہے۔“ نجمہ کے یہ کہنے پر روایک دم بوکھلا گئی اس کے چہرے پر ایک دم پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”آئی ایم سوری رونا تمہیں انتظار کرنا پڑا۔“ رشنا تیار ہو کر آئی اور اس نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کوئی بات نہیں۔“ رونا نے زبردستی مسکرا کر کہا۔ ”اوہ..... آج تو آئی بھی آئی ہوئی ہیں۔“ رشنا نے خدیجہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دونوں گلے ملنے لگیں۔

”ہمیشہ خوش رہو۔ تمہاری مبارک دینے آئی ہوں۔ اچھا اب تم لوگ جاؤ، مجھے جانا ہوگا تو ڈرائیور کو بلا لوں گی۔“ خدیجہ بیٹی کی طرف دیکھ کر بولیں۔

”نہیں ماما..... میں آپ کے ساتھ ہی چلتی

تھی کہ آپ اور رشنا کا شکریہ ادا کر کے آؤں۔ رشنا نے فہام کی شادی میں ردا کے ساتھ بہت کام کیا۔“ انہوں نے نجمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ارے شکریے کی کوئی بات نہیں..... دونوں بہنوں کی طرح ہیں۔“ نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اب ماشاء اللہ رشنا کی بھی شادی ہو رہی ہے۔ بہت مبارک ہو آپ کو۔“ خدیجہ نے دل سے مبارک باد دی۔

”جی..... بہت شکریہ، بس جلدی میں رکھنا پڑی۔“ نجمہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”آئی، رشنا کہا ہے؟ آج ہمارا شاپنگ کا پروگرام ہے۔“ رونا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”واش روم میں ہے..... بس تیار ہو کر ابھی آتی ہے۔ وہ بھی ناراض ہو رہی تھی کہ میں اس کی اتنی جلدی شادی کیوں کر رہی ہوں لیکن ڈاکو میٹس کا مسئلہ ہے، فراز بس ایک ویک کے لیے پاکستان آ رہا ہے۔“ نجمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”پھر تو واقعی آپ کو بہت جلدی میں تیاری کرنا پڑ رہی ہے۔“ خدیجہ نے فکرمند لہجے میں کہا۔

”ہاں، بس کر رہی ہوں۔ اللہ اس کا نصیب اچھا کرے..... اتنی دور چلی جائے گی میری بیٹی..... یہ سوچ کر دیکھی ہو جاتی ہوں۔“ نجمہ نے ایک دم ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

”رشنا! شادی کے بعد انشاء اللہ کینیڈا چلی جائے گی پھر تو آپ بہت تنہا ہو جائیں گی۔“ خدیجہ نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

”ہاں، سوچا تھا کہ رشنا کے ساتھ تو قیر کی شادی کر دوں گی کہ رشنا کی کمی محسوس نہیں ہوگی مگر اب تو قیر ہے کہ شادی کے لیے مان ہی نہیں رہا۔“ نجمہ نے مایوسی سے کہا۔

”کیوں.....؟“ خدیجہ ایک دم چونک کر پوچھنے لگیں۔

ہو کر اٹھا۔

”ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ اس نے تم سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا۔“ دل نے پھر سوال کیا۔

”اے خدا! ایسا کچھ نہ کرنا..... ورنہ میں مر جاؤں گا۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُدھر طیبہ اس کے چھین جانے پر رو رہی تھی۔ اور وہ کس لیے رو رہا تھا اس کے نہ ملنے پر..... نہ چھپنے پر..... وہ تو شاید محبت کی متوقع ناکامی پر رو رہا تھا اس کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر اس کے دل کی کسک میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

☆☆☆

طیبہ شادی کے بعد سعودی عرب چلی گئی تھی۔ مکتی کے بعد وہ بھی حسن رضا کے گھر نہیں آئی۔ حسن رضا نے ایم بی اے میں ٹاپ کیا تھا اور اس نے ہائر اسٹڈیز کے لیے انگلینڈ کا ویزا پلائی کیا ہوا تھا۔ اسے اسکا لرشپ پر باہر بھیجا جا رہا تھا اور اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ سیرانے بھی میٹرک کر لیا تھا اور اب وہ کانج جانی تھی۔ حسن اور احسن نويس، دسویں میں تھے۔ حسن جہاں خوش تھا وہاں ہر وقت اسے یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ بچوں کے پاس کس کو چھوڑے۔ دن رات اسی ٹینشن میں گزر رہے تھے۔ بھی وہ سب کو ہاسٹل میں داخل کرانے کا سوچتا..... تو کبھی باہر جا کر پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیتا۔ مگر ایسا سنہری موقع روز روز نہیں ملتا، وہ اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ جب وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹے گا تو اچھی نوکریوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور اس کے بہن بھائی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں گے مگر مسئلہ بچوں کی سرپرستی کا تھا۔ خالہ صابرہ ان کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھیں مگر کسی غیر کے سہارے وہ انہیں چھوڑ کر نہیں جاسکتا تھا۔ کوئی سبیل نظر نہیں آرہی تھی وہ رات رات بھر جاگتا رہتا..... اور اسی سوچ میں گم رہتا۔

چھٹی کے دن وہ صبح سویرے فجر کی نماز کے لیے اٹھا تو اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے حیرت سے موبائل دیکھا۔

”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟“ اس نے حیرت سے سوچا اور بات کرنے لگا۔

”اوہ..... نو.....“ وہ بے ساختہ بولا اور موبائل آف کر کے پریشانی سے سیرا اور احسن کو اٹھایا۔ ”پچھو حلیمہ کے شو ہر فوٹ ہو گئے ہیں۔ جلدی اٹھو..... ہم سب کو حیدر آباد جانا ہے۔“ حسن نے بہن بھائیوں کو جگایا تو وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے اور جلدی جلدی تیار ہونے لگے۔

کفن، دفن کے بعد حسن پچھو حلیمہ کے پاس بیٹھ کر تعزیت کرنے لگا۔ پچھو حلیمہ شوہر کی خدمت کر کے کافی کمزور اور بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ ایک عرصے سے بیمار تھے۔

”پچھو آپ میرے ساتھ کراچی چلیں..... اب یہاں کس کے سہارے بیٹھی رہیں گی۔“ حسن نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

”مگر عدت تو مجھے یہیں کرنا ہوگی۔“ پچھو حلیمہ جانے پر مضامند ہو گئیں مگر عدت کا مسئلہ تھا۔

”پچھو! مجبوری ہے، میں انگلینڈ پڑھنے جا رہا ہوں۔ گھر میں سیرا، حسن اور احسن اکیلے ہیں۔ آپ ان کے پاس رہیں گی تو میں مطمئن ہو کر جاسکوں گا۔ آپ کراچی چل کر عدت پوری کر لیں۔ اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں۔“ حلیمہ سوچ میں پڑ گئیں۔

”ٹھیک ہے..... جیسا تم کہتے ہو..... اب ایک تم ہی تو میرا آسرا ہو..... سسرال میں کوئی ہے اور نہ میکے میں جو میرا سہارا بنے۔“ وہ روتے ہوئے بولیں۔

”آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنی ماں سمجھا ہے۔ ہم چاروں آپ کے بچوں کی طرح ہیں، بس آپ چلنے کی تیاری کریں۔ اگر پچھو پاؤں زندہ ہوئے تو شاید میں بھی آپ کو ساتھ

چلنے کو نہ کہتا..... مگر..... اب نہ تو میں آپ کو اکیلا چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہم آپ کے بغیر رہ سکتے ہیں۔“ حسن نے انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ رونے لگیں اور اسے دعائیں دینے لگیں۔

پچھو حلیمہ کے گھر میں آنے سے اس کی بہت بڑی ٹینشن ختم ہو گئی تھی۔ اسے قدرت کی منصوبہ بندی پر رشک آنے لگا۔ وہ انسان کی سوچوں سے بالافصلے کرتا ہے۔

پچھو حلیمہ کے گھر میں آنے سے گھر کے کسی حد تک مکمل ہونے کا احساس نمایاں ہو گیا تھا۔ انہوں نے سیرا کی ساری ذمے داریاں خود اٹھالی تھیں۔ حسن ان کی صحت کا خاص خیال رکھتا، ان کا میڈیکل چیک اپ بھی کروایا۔ اس نے پس انداز کی ہوئی رقم میں سے کچھ پچھو کو اخراجات کے لیے دی اور کچھ اپنے لیے رکھی۔

زندگی کیسے رخ بدلتی ہے، انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی قسمت کا ستارہ اسے کہاں سے کہاں لے جائے گا۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی انگلینڈ جانے کا نہیں سوچا تھا اور قدرت اسے کہاں پہنچانے والی تھی اور خود بخود اس کے راستے کی انجمنیں اور رکاوٹیں دور ہو رہی تھیں۔ وہ جہاز میں بیٹھا گہری سوچ میں گم تھا اور حیرانی سے زمین و آسمان کے درمیان پرواز کرتے جہاز کی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یقینی بہت یاد آرہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اچانک وہ اس کے ساتھ نہیں سے آکر بیٹھ گئی تھی اور اس کے ساتھ سرگوشیاں کر رہی تھی۔ وہ اسپتال میں یعنی سے ملاقات اور باتوں کا ایک، ایک لمحہ یاد کر رہا تھا۔ اس کا مسکرانا، اسے تسلی دینا، اس کے لیے بھاگ دوڑ کرنا، اس کے بہن بھائیوں کو تسلی دینا، اسپتال کے ڈیوڑ دینا اور اس کی ہمت افزا باتیں۔

”پلیز..... بی..... اسٹرونگ اینڈ بریو۔ آپ اپنے بہن بھائیوں کے لیے جتنی جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس ریلی امیزنگ..... آپ ہمت نہ ہاریں، جو دوسروں کے لیے زندہ رہتے ہیں اور ان کے لیے کوشش کرتے ہیں ان کو ہمیشہ اسٹرونگ ہونا چاہیے۔“ وہ اس کی باتوں کو بار بار دہراتا رہا۔ اس کی باتوں سے حوصلہ پاتا رہا۔ اپنی نم آنکھوں سے اس کو تازہ کرتا رہا۔

”کاش! ہمیں کبھی معلوم ہو سکے کہ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں، تم سے کتنی محبت کرتا ہوں اور تمہیں کتنا یاد کرتا ہوں..... کاش میں کسی طرح تمہیں بتا سکتا.....“ وہ آہ بھر کر سوچنے لگا۔

وہ محبت کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ جو یک طرفہ ہوتی ہے۔ جس میں دوسرے کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کے لیے کیسے جذبات رکھتا ہے۔ اسے کتنا چاہتا ہے اور وہ اپنی جلائی ہوئی آگ میں لمحہ بہ لمحہ خود ہی سلکتا رہتا ہے۔ خود ہی تڑپتا رہتا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی۔

”معلوم نہیں..... ہم تم..... بھی مل پائیں گے بھی یا..... نہیں اگر پروردگار ملانے پر آئے تو کائنات کی کوئی قوت ہمیں مجھ سے ملنے پر روک نہیں سکتی۔ اے میرے رب میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتا..... سوائے اپنی محبت کے..... اپنی چاہت کے..... میری محبت کو مجھ سے ملا دے۔“ اس کی آنکھوں سے دوا آنوکل کر اس کی دعا کی بنیادگی اور خلوص پر مہر ثبت کرنے لگے۔

☆☆☆

یعنی صحت یاب ہو کر اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل ہو گئی تھی اور جمال صاحب کے لیے یہ بات انتہائی خوشی کی تھی۔ اس کی صحت یابی کے سلسلے میں انہوں نے غریبوں میں کھانا تقسیم کیا۔ خیرات کی، دوست احباب کو پارٹی دی لیکن یعنی کے لیے بیماری

دیکھا۔ ٹائٹا اور فاضل بھی اس کی بے ہودہ گفتگو سن کر حیران رہ گئیں۔

”اگر..... تم کہتے ہو تو چگاڈ کو مار بھگاتے ہیں مگر اب ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔“ دوسرے لڑکے نے جواب دیا۔

”اور اگر چگاڈ نے تمہارے سینے کے ساتھ چمٹ کر تمہارا خون چوس لیا تو تم وہیں مر جاؤ گے۔“ پہلے لڑکے نے ہنستے ہوئے کہا۔ یعنی کوا انتہائی غصہ آیا اور کھانا وہیں چھوڑ کر وہ لڑکوں کی طرف گئی اور پہلے لڑکے کو تراخ سے زوردار تھپڑ لگایا۔ لڑکے بھونچکے رہ گئے۔ اس لڑکے نے بھی اس کو مارنے کی کوشش کی مگر یعنی نے ایک اور تھپڑ اسے لگایا۔

”اگر سوسائٹی میں موو کرنے کے میز نہیں آتے تو گھر سے باہر مت نکلا کرو..... اور چگاڈ تم کس کو کہہ رہے تھے؟“ یعنی نے اسے کالر سے پکڑ کر غصے سے پوچھا۔

”آپ کو تو نہیں.....“ وہ لڑکا اس کے تیز دیکھ کر ہکلائے لگا۔

”بس..... نکل گئی..... تمہاری ہوا..... دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ ابھی پولیس کو بلاواتی ہوں۔“ یعنی نے اسے دھکی دیتے ہوئے کہا۔

”میڈم..... پلیز چھوڑ دیں..... ریٹورنٹ کا ماحول ڈسٹرب ہو رہا ہے۔ آئی ریگسٹریو۔“ ہوٹل کے منیجر نے آکر اس درخواست کی۔

”اور آپ بھی ایسے بے ہودہ لوگوں کی لوز ٹاک خاموشی سے سنتے رہتے ہیں کوئی ایکشن نہیں لیتے۔“ یعنی نے منیجر کو اٹھا۔

”سوری..... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“ منیجر نے کہا۔

”چلو..... اب ہم یہاں نہیں ٹھہریں گے۔“ یعنی نے دوستوں سے کہا اور سب باہر نکل گئیں۔

”بس آج اتنا ہی کافی ہے۔ میرا موڈ خراب ہو گیا ہے پھر کبھی باہر چلیں گے۔ میں تم لوگوں کو

خیال ذہن سے نکال دیا۔

یعنی اپنی پرانی فرینڈز کے ساتھ آؤٹنگ پر نکلے تھی۔ ٹائٹا اور فاضل اس کی اسکول فیلو تھیں۔ تینوں انتہائی خوب صورت اور ماڈ اسکاڈ لڑکیاں تھیں۔ ان سب میں یعنی سب سے زیادہ معمولی شکل، صورت اور اپنی سیاہ رنگت کی وجہ سے بد صورت دکھائی دیتی تھی مگر چاروں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ یعنی کئی ماہ گھر میں قید رہی تھی اور کہیں باہر نہیں نکل سکی تھی۔ گھر میں اس کی صحت یابی کی خوشی میں دی جانے والی پارٹی میں انہیں انوائٹ نہیں کر پائی تھی اب سب نے مل کر آؤٹنگ کا پروگرام..... بنالیا۔ ان کا پروگرام سارا دن گھومنے اور چوڑی باہر کرنے کا تھا۔ یعنی ڈرائیونگ کر رہی تھی اور تینوں اس کے ساتھ بیٹھی خوب انجوائے کر رہی تھیں۔

”یار بہت بھوک لگی ہے..... پہلے لंच کرتے ہیں۔“ انیتا نے کہا۔

”رائٹ..... میم۔“ یعنی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور چاروں ایک ریٹورنٹ میں لंच کرنے چلی گئیں۔

لंच کے دوران ہی چار پانچ لڑکوں کا ایک ٹولا ریٹورنٹ میں داخل ہوا۔ سب لڑکے شکل صورت اور وضع قطع سے امیر گھرانوں کے لگ رہے تھے، پانچوں ان سے اگلی ٹیبل پر بیٹھ گئے مگر ان کی نظریں یعنی اور اس کی دوستوں پر تھیں۔ وہ بیڑے ہوئے بد تہذیب ریس زادے لگ رہے تھے اور انتہائی فضول کم کی گفتگو کر رہے تھے۔

”یار..... ریٹورنٹ کا ماحول کتنا خوب صورت اور رومینک ہے مگر ایک چگاڈ نے اس کی ساری بونی کو خراب کر دیا ہے۔ کم آن یا یہاں سے چلو.....“ ایک لڑکے نے قدرے اونچی آواز میں یعنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یعنی نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے رکی اور اس نے اس لڑکے کی طرف

تھا۔ اس نے جلدی سے میگزین کھولا اور اس شخص کی مختلف تصویروں کے پوز دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ محسن رضا تھا۔ ایم بی بیس ٹاپ کرنے پر اس کا انٹرویو شائع ہوا تھا۔ یعنی کی خوشی اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس کا کوئی انتہائی قریبی دوست ہو۔ جس کی خوشی اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ اس نے جلدی سے انٹرویو پڑھا۔ ایک جگہ محسن نے اس کے کہے ہوئے الفاظ quote کیے تھے۔

”بی بریو اینڈ اسٹرونگ..... جو دوسروں کے لیے کوشش کرتے ہیں انہیں بہت اسٹرونگ ہونا چاہیے۔“ محسن نے اس کا بلا واسطہ انداز میں ایک ٹکس دوست کے حوالے سے ذکر کیا تھا..... اور محسن نے التجا کی تھی کہ اگر اس کا کھویا ہوا دوست اس کا یہ انٹرویو پڑھے تو اس سے ضرور رابطہ کرے۔ یعنی اسے تقریباً بھول چکی تھی۔ اس نے اپنے ایک پرانے موبائل میں اس کا نمبر شاید save کیا تھا۔ اس نے موبائل دیکھا مگر شاید وہ خود ہی اسے delete کر چکی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی اور پھر میگزین کے آفس فون کر کے بہت مشکل سے محسن رضا کا نمبر لے لیا مگر بار بار فون کرنے پر اس کا موبائل آف ملتا۔

”اس کا موبائل کیوں آف ہے..... کہیں پھر تو کسی نے چھین نہیں لیا..... وہ اپنا موبائل کیسے آف کر سکتا ہے۔ یقیناً کوئی پرابلم ہوئی ہوگی۔“ وہ ہزار باتیں سوچتی مگر اس کا دل بے چین ہونے لگا۔ محسن رضا سے بات کرنے کو ترپنے لگا۔ وہ سارا وقت اس کا نمبر ٹرائی کرتی رہتی مگر وہ نہ ملا۔ اس نے بڑی دقتوں سے انٹرویو کرنے والے صحافی کے ذریعے پتا کر لیا تو معلوم ہوا کہ محسن رضا بچنے کے لیے انگلینڈ جا چکا ہے۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اسے خوشی بھی تھی محسن کو اس کی محنت کا صلہ..... مل رہا تھا مگر یہ افسوس تھا کہ وہ اسے اس کی کامیابی پر مبارکبادیں نہیں دے سکی تھی۔ اس کے بعد اس نے رفتہ رفتہ اس کا

کا یہ عرصہ ایک خاص مقصد لیے ہوئے تھا۔ اس عرصے میں اس نے جتنا قدرت کے بارے میں سوچا تھا اتنا ہی انسان کی بے بسی اور محتاجی پر غور و خوض کیا تھا۔ اس کی سوچ کافی حد تک بدل چکی تھی۔ اس کے رویے میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔ اس کے اندر کا ضدی پن، کھنڈر اپن اور سرکشی کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی خاص سفر سے واپس آئی ہو اور اس سفر کی ٹھن راہوں نے اس کی خاص تربیت کی ہو، اس کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں وہ ڈیڈی اور مہما کے ہزار بار سمجھانے کے باوجود بھی رونما نہیں ہو سکی تھیں۔ اب ایمین کو بھی اس سے کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔ وہ بغیر کسی بحث و تکرار کے ایمین کی ہر بات مان لیتی۔ ایمین بھی اکثر اس کے رویے پر حیران ہوتیں مگر اسے کسی بھی بات کا احساس نہ دلاتیں۔

جمال نے یعنی کو نئے کالج کا وزٹ کرایا تھا اور یعنی کو کالج پسند آیا تھا۔ اس نے وہاں خوشی، خوشی داخلہ لے لیا تھا۔ کلاس شروع ہونے میں کچھ روز باقی تھے اور اس کا دل ایک بار پھر گاؤں جانے کو چاہنے لگا تھا مگر جمال احمد اور ایمین نے اسے جانے نہ دیا کیونکہ پچھلی بار اسے وہاں بھیجنے سے جو کچھ ہوا تھا اس سے وہ ڈر گئے تھے۔

یعنی فارغ تھی اور ان دنوں اسے کتابیں پڑھنے کا جنون ہو گیا تھا۔ جمال احمد بھی کتابیں پڑھنے کے بہت شوقین تھے اور ان کی اسٹڈی میں ہر طرح کی اور ہر موضوع پر تحقیق شدہ کتب موجود تھیں۔ یعنی کا زیادہ تر وقت جمال کے اسٹڈی روم میں گزرتا۔ تمام ویلکی میگزینز بھی وہیں رکھے ہوتے تھے۔ وہ ایک روز یونی میگزینز کو کھول کر دیکھنے لگی تھی دو ماہ قبل کے ایک میگزین کا سرورق دیکھ کر چونک گئی۔ اس کے ایک کونے میں ایک جانی پہچانی شخصیت کی تصویر چھپی تھی اور اس کا انٹرویو اندر کے صفحات میں

کے لیے مجبور مت کریں۔“ ردا گہری سانس لے کر بولی اور موبائل آف کر دیا تو قیر پریشان ہو گیا۔

☆☆☆

حاتم اپنے آفس میں لیپ ٹاپ پر کچھ میلو چیک کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات تھے۔ اس کے موبائل پر بیچ ٹون آئی۔ اس نے چونک کر بیچ پڑھا اور اس کے چہرے پر انتہائی غصے کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ وہ لیپ ٹاپ وہیں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا ایک اور بیچ آیا تو اس نے نمبری ڈائل کیا مگر اب کے نمبر آف ملا۔ فہام ایک فائل پکڑے اس کے کمرے میں آیا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں دیکھ کر چونکا۔

”کیا تم ابھی تک ان میسجز کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہو؟“ فہام نے حاتم کے قریب آ کر گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جو کوئی بھی ہے، مجھے کیوں میسج کر رہا ہے۔ آپ کو عاصم کو یا پھر کسی اور کو کیوں نہیں کرتا۔“ حاتم نے غصے سے کہا۔

”اس لیے تم ایمو شل ہو اور جلدی غصے میں آجاتے ہو۔ میں ایسی باتوں کو نوٹس نہیں کرتا اور عاصم lightly لیتا ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے ردا اور تم میں دراڑ ڈال کر ہمارے گھر میں لڑائی جھگڑا ڈالنا چاہتا ہے۔“ فہام گہری سانس لے کر بولا۔

”کیا مطلب.....؟“ حاتم نے یک دم چونک کر کہا۔

”ہم سب اپنی بہن سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ سارے خاندان کو معلوم ہے..... اس محبت سے کون..... کتنا جلیس ہو رہا ہے، ہمیں کیا معلوم۔“ فہام نے گہری سانس لے کر کہا تو حاتم نے اسے چونک کر دیکھا۔

”حاتم! اپنے اندر یقین کو مضبوط کرو..... اپنے

افردگی سے پوچھا۔
”آپ کی ماما کی خواہش ہے۔“ ردا نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”اور آپ کی خواہش کیا ہے؟“ تو قیر نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

”آپ اپنی ماما کی خواہش پوری کریں۔“ ردا آہ بھر کر بولی۔

”یہ جانے بغیر کہ میری خواہش کیا ہے..... میں آپ کی خواہش کیسے پوری کر دوں۔“ تو قیر آہ بھر کر بولا۔

”آپ کیوں الجھ رہے ہیں اور مجھے بھی الجھا رہے ہیں۔“ ردا نے جھنجھلا کر کہا۔

”جب ہم دونوں ہی الجھ گئے ہیں تو کیوں نہ ایک دوسرے کو سمجھا دیں۔ ردا اب بھی وقت ہے آپ اپنے دل کو.....“ تو قیر نے التجائی انداز میں کہا۔

”دل ہی تو نہیں مانتا۔“ ردا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”میری کوئی غلطی..... خامی، خطا، گناہ کچھ تو بتائیں۔“ تو قیر نے قدرے جذباتی انداز میں کہا۔

”معلوم نہیں..... مگر میرا دل آپ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ تو میں کیا کروں؟“ ردا نے آہ بھر کر شکستہ لہجے میں کہا۔

”پلیز اپنے دل کو سمجھائیں۔“ تو قیر نے افسردگی سے زور دے کر کہا۔

”کیا آپ اپنے دل کو کسی اور محبت کے لیے فورس کر سکتے ہیں؟“ ردا گہری سانس لے کر بولی۔

”نہیں.....“ تو قیر آہ بھر کر بولا۔

”میں بھی نہیں کر سکتی۔“ ردا گہری سانس لے کر بولی۔

”کیا آپ کسی اور سے؟“ تو قیر نے چونک کر پوچھا۔

”بالکل بھی نہیں اور پلیز..... مجھے کسی بھی بات

نہ ہی اماں بشریاں کی خواہش..... وہ تو اپنے آپ میں کہیں گم ہو کر بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ زندگی کا ایک باب ختم ہونے پر اس کے اندر سوچ کا ایک نیا درخشاں اور محبت کا ایک نیا رنگ اس پر آشکار ہوا تھا۔

☆☆☆

ردا اپنے کمرے میں پریشان کھڑکی کی طرف منہ کر کے کھڑی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ غم آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔

”یا خدا..... مجھے کس بات کی اتنی سزا مل رہی ہے۔ اگر میرا دل اس کی طرف مائل نہیں ہو رہا تو میں کیا کروں؟“ ردا نے سسکی بھر کر سوچتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے وہ بھی مجھے سکون سے نہ رہے۔“ تجھ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ ہونٹ بھیج بھیج کر سسکنے لگی اور کچھ سوچتے ہوئے تو قیر کا نمبر ملایا۔ پھر کال ڈراپ کر دی۔

”کیا کروں.....؟“ مجھے اس سے بات کرنی چاہیے یا نہیں۔“ ردا نے پریشانی سے سوچا اور پھر تو قیر کا نمبر ملایا۔

”ردا..... آپ.....؟“ تو قیر نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔ مجھے آپ کی وجہ سے نہ جانے کیا کچھ سننے کو مل رہا ہے۔“ ردا نے سسکی بھر کر ایک دم شکایتی لہجے میں کہا۔

”لیکن..... میں نے تو آپ کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا.....“ تو قیر چونک کر بولا۔

”مگر سب یہ تو جانتے ہیں کہ آپ کس وجہ سے شادی نہیں کر رہے۔“ ردا نے غم آنکھوں سے آہ بھر کر کہا۔

”اب آپ کیا چاہتی ہیں؟“ تو قیر نے گہری سانس لے کر کہا۔

”آپ جویریہ سے شادی کر لیں۔“ ردا گہری سانس لے کر بولی۔

”یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ.....؟“ تو قیر نے

ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ یعنی نے کہا تو سب خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

گھر آ کر وہ بہت مضطرب رہی اور سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہی۔ اسے بار بار ان لڑکوں کے کہے ہوئے جملے یاد آتے تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگتیں۔

”یا اللہ تو نے مجھے ایسا کیوں بنایا ہے۔ میں جہاں بھی جاتی ہوں لوگ میرا مذاق اڑاتے ہیں۔“ وہ سسکنے لگی اور خدا سے ڈھیروں شکوے کرتی سو گئی۔ اس نے خواب میں اپنے آپ کو گاؤں کی حویلی میں اماں بشریاں کے پاس دیکھا جو اس کے ماتھے کو محبت سے چوم رہی تھیں۔

”بیٹا..... رو کیوں رہی ہو؟ ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔“ اماں بشریاں کی بات پر وہ مسکرا دی اور اچانک اماں بشریاں کو دل کا دورہ پڑا اور وہ وہیں تڑپنے لگیں اور مر گئیں۔ یعنی ایک دم گھبرا کر اٹھ گئی۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی فجر کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اذانیں شروع ہو گئی تھیں لاؤنج میں رکھے فون کی بیل بجنے لگی۔ بیلز مسلسل ہو رہی تھیں، یعنی اٹھ کر لاؤنج میں گئی اور ریسیور کان سے لگایا۔

”ہیلو.....“ یعنی بہ مشکل بولی۔

”ہیلو..... یعنی بیٹا! جمال احمد کو اور ایمن کو بتادو کہ اماں بشریاں فوت ہو گئی ہے۔ ظہر کے بعد جنازہ ہے۔ جلد گاؤں پہنچ جائیں اور تم بھی ضرور آنا۔ بشریاں مرتے ہوئے تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔ کہنے لگی۔ بیٹا کو کہنا..... رونا نہ مت، ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔“ ماں جی نے کہہ کر فون بند کر دیا اور یعنی کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”یہ..... یہ سب کیا ہے؟“ مجھے کیا بتایا جا رہا ہے..... مجھ سے کون کون محبت کرتا ہے۔“ وہ سوچنے لگی اس نے ماں، باپ کو خبر سنائی مگر نہ خواب بتایا اور

بات کرتے ہوئے فہام، حاتم کو بغور دیکھ رہا تھا۔
 ”اوکے..... شہزاد صاحب..... میں یہ ساری باتیں آپ سے میٹنگ میں کروں گا، جھینک یو۔“
 فہام نے مسکرا کر بات ختم کرتے ہوئے کہا۔
 ”حاتم میں اس بار بزنس ٹور پر نہیں جرمی بھیج رہا ہوں۔“ فہام نے گہری سانس لے کر کہا۔
 ”مجھے..... کیوں؟“ حاتم نے حیرت سے پوچھا۔
 ”میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی بزنس کا زیادہ سے زیادہ معلوم ہو۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
 ”لیکن..... میں؟“ حاتم پریشانی سے بولا۔
 ”میں اچھی طرح جانتا ہوں، تم کیوں اپ سیٹ ہو۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ روز کے لیے آؤٹ آف دی اسکرین ہو جاؤ، اپنی ساری توجہ بزنس کی طرف دو، وہاں تمہارا موبائل نمبر چنچ ہوگا، جو صرف میرے پاس ہوگا۔ اس کے بعد کیا پچویشن بنے گی اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ فی الحال تم جانے کی تیاری کرو۔“
 ”اوکے.....“ حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔
 ”پرسکون ذہن کے ساتھ جاؤ۔ میں ہوں ناں تمہارے پیچھے..... گھبرانے کی کوئی بات نہیں..... اور سنو صرف بزنس ہی نہیں کرنا..... وہاں گھومنا پھرنا بھی ہے، اوکے۔“ فہام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو حاتم بھی مسکرانے لگا۔

☆☆☆

ریحانہ کے چہرے پر قدرے سنجیدگی چھائی تھی۔ وہ بہت دنوں بعد بہن کی طرف آئی تھیں اور انہیں دل ہی دل میں ڈرتا تھا کہ آیا ضرور شہیلہ کی شکایتیں کریں گی کیونکہ بیٹی کی حرکتوں سے وہ خود بھی اچھی طرح واقف تھیں۔
 ”شہیلہ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسے ہر وقت میرے کھانے پینے اور دوائیوں کی فکر رہتی

اور میک اپ کے ساتھ وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔
 ”تھکے تھکے انداز میں وہ صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔
 ”آج تو قیر نے شادی پر مجھے بالکل avoid کیا جیسے مجھے جانتا ہی نہ ہو۔“ روانے سوچا۔
 ”اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ میرے راستے میں نہیں آئے گا۔“ روانے سوچا۔
 ”وہ ہمیشہ مجھ سے بہت اچھے طریقے سے بات کرتا رہا ہے اور میں بھی اس کی عزت کرتی تھی۔ اس نے اجا تک محبت کا اظہار کیا تو اس سے ناراض کیوں ہونے لگی۔ شاید میرا دل اس کی محبت کو قبول نہیں کر رہا۔ نہ جانے کیوں..... وہ اچھا ہے، ڈیسنٹ ہے، ویل ایجوکیٹڈ ہے پھر بھی..... میرا دل؟“ روانے اپنے آپ سے پوچھا وہ جھنجھلا کر بھی اور ڈرینگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنی جیولری اتارنے لگی۔ خدیجہ کمرے میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے داخل ہوئیں۔
 ”رشنا کی شادی ٹھیک سے ہوگئی بیٹا؟“ خدیجہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں..... بہت اچھی..... دو لہا بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔“ روانے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”اللہ رشنا کا نصیب اچھا کرے..... بہت خواہش تھی کہ میں بھی شادی میں جاؤں مگر..... اپنی طبیعت کی وجہ سے ہمت نہ کر پائی۔“
 ”ہاں..... میں نے آئی کو بتا دیا تھا کہ آپ گھنٹوں کے درد کی وجہ سے نہیں آسکیں۔“ روانے جلدی سے کہا۔
 ”اچھا بیٹا اب تم آرام کرو۔“ وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

☆☆☆

فہام اپنے ویل فرنڈ آفس میں چیز پر بیٹھا موبائل پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ حاتم آفس میں داخل ہوا تو فہام نے اشارے سے اپنے سامنے چیز پر بیٹھنے کو کہا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

ہوئے کہا۔ ”تمہاری اس خاموشی کی وجہ بھی مجھے معلوم ہے۔“ فہام نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ غم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا اور سسکی بھر کر اس کے ساتھ لپٹ کر رونے لگا۔
 ”ارے میری جان، کیوں رو رہے ہو..... یار میں نے تمہیں باپ کی feeling کے ساتھ پالا ہے۔ کوئی جو کچھ بھی کہے یا مانڈ کرے، ہمارا رشتہ ہمیشہ مضبوط ہی رہے گا۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے۔“ فہام نے اس کا ہاتھ چوم کر چپ کرواتے ہوئے کہا تو خدیجہ نے غم آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور زیر لب مسکرانے لگیں۔
 ”فہام بیٹا تم اس گھر اور میرے ان بچوں کے لیے ڈھال ہو، کبھی انہیں کمزور نہ ہونے دینا۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”مما یہ آپ کیا بات کر رہی ہیں، آپ کے ذہن میں یہ سوچ کبھی نہیں آئی، فہام تو صرف زندہ ہی آپ لوگوں کے لیے ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ماں کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ شہیلہ ایک دم اپنے کمرے سے باہر نکلی تو اس نے فہام کو ماں اور بھائی کو اپنے ساتھ لگاتے دیکھ کر گہری سانس لی اور معنی خیز انداز میں آنکھیں گھمانے لگی۔

”آئی ایم سوری عاصم..... تم میری وجہ سے ہرٹ ہوئے ہو، پلیز مجھے معاف کر دو۔“ شہیلہ نے عاصم کے قریب آ کر شرمندگی سے کہا۔

”بھائی! آپ..... میں تو آپ سے بالکل ناراض نہیں۔“ عاصم نے بوکھلا کر جواب دیا۔
 ”تو پھر جلدی سے مسکرا دو۔ تم مسکراتے ہوئے اچھے لگتے ہو۔“ شہیلہ مسکراتے ہوئے بولی تو عاصم بھی مسکرانے لگا۔ فہام نے مسکرا کر سب کو دیکھا۔

☆☆☆

روا بھی رشنا کی شادی سے لوثی تھی۔ جدید ڈیزائننگ کے خوب صورت جوڑے میں میچنگ جیولری

رشتوں اور محبت پر اعتبار کرو..... جب انسان میں یقین کمزور پڑتا ہے تو وہ مٹی کے ڈرے سے بھی ہلکا ہو جاتا ہے پھر کسی پر اعتبار نہیں رہتا۔ نہ اپنے آپ پر، نہ دوسروں پر۔“ فہام نے اس کے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تو اس نے گہری سانس لے کر اوکے کہا تو فہام مسکرا دیا۔

خدیجہ بہت پریشان صوفے پر بیٹھی تھیں اور عاصم بھی ان کے ہمراہ دوسرے صوفے پر بیٹھا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹی وی دیکھ رہا تھا مگر خدیجہ بار بار عاصم کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”عاصم بیٹا! کیوں اتنے خاموش رہتے ہو..... بیٹا پہلے کی طرح بات چیت کیوں نہیں کرتے.....؟“ خدیجہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”کوئی بات نہیں ممما، میں تو بس یونہی.....“ اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

اسی وقت فہام سلام کرتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا۔ وہ فیکٹری سے لوٹا تھا۔ اپنا بیگ سائڈ ٹیبل پر رکھ اس نے دونوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

”ماں، بیٹے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کچھ نہیں۔“ خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں تو عاصم خاموشی سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

”عاصم آج تم فیکٹری بھی نہیں آئے..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ فہام نے اس کی طرف بغور دیکھ کر کہا۔

”ہاں.....“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔
 ”لیکن میں آبزور کر رہا ہوں کہ تم کچھ اپ سیٹ ہو..... کیا بات ہے؟“ فہام نے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں.....“ عاصم نے ہلکی آواز میں جواب دیا۔ فہام اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”جو کچھ تمہارے دل میں ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔“ فہام نے اسے اپنے ساتھ لگاتے

کے واپس آچکی تھیں۔

”میں مسز احمد کو بھی بتا رہی تھی کہ میری بہولا کھوں میں ایک ہے۔ اس نے تو ایسا میرے دل میں گھر کر لیا ہے، کیا بتاؤں؟“ خدیجہ نے بہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ریحانہ گھبرا کر شمیلہ کی طرف دیکھنے لگیں اور ایک گہری سانس لے کر زبردستی مسکراتے لگیں۔ شمیلہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی اور ریحانہ فکر مندی سے اسے دیکھنے لگیں۔

☆☆☆

بیڈ پر ایک بیگ کھلا پڑا ہوا تھا تو قیر اپنی وارڈ روپ کھول کر اس میں سے کپڑے نکال کر اس میں رکھ رہا تھا۔ سائنڈ ٹیبل کی دراز سے بھی۔ اپنی چیزیں نکال کر وہ اس میں رکھنے لگا جیسی نجمہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

”تو قیر یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ انہوں نے اسے چیزیں رکھتے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔
”جانے کی تیاری.....“ تو قیر نے گہری سانس لے کر کہا۔

”کیا مطلب..... کب.....؟“ نجمہ نے ایک دم گھبرا کر پوچھا۔

”صبح.....“ تو قیر نے نم آنکھوں سے کہا۔

”اتنی جلدی..... ابھی تو رشنا کی شادی کو چار دن ہوئے ہیں اور تم بھی جا رہے ہو۔ میں گھر میں بالکل اکیلی کیا کروں گی بے؟“ نجمہ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

”میں نے ڈیڈی سے بات کر لی ہے۔ وہ

بہت جلد پاکستان آرہے ہیں آپ کے پاس..... پھر

آپ اکیلی نہیں ہوں گی۔ ویسے بھی رشنا کی شادی

اتنی جلدی میں رہی گئی کہ وہ نہیں آئے۔“ تو قیر نے

مسکرا کر ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”مگر..... تم تو نہیں ہو گے ناں۔“ نجمہ نے مسکری

بھر کر اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

ہے۔“ خدیجہ نے بہو کی طرف دیکھ کر تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”آپا..... میں نے تو اسے یہی سمجھا کر بھیجا ہے کہ مجھ سے زیادہ میری آپا کی عزت اور خدمت کرنا۔“ ریحانہ نے مسکرا کر شمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور ماشاء اللہ وہ ویسے ہی کر رہی ہے۔ میرا تو دل خوش ہو کر اسے بہت دعائیں دیتا ہے۔“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”آپا! جب بیٹی کی سسرال والے اس کی تعریف کرتے ہیں تو ماں، باپ کا سرخسر سے بلند ہو جاتا ہے۔“ ریحانہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ریحانہ! کیا تم اس گھر کو شمیلہ کی سسرال سمجھ رہی ہو؟“ بھی یہ تو اس کا اپنا گھر ہے۔“ خدیجہ مصنوعی خشکی سے بولیں تو شمیلہ مسکرا دی۔ لاؤنج میں رکھا ٹیلیفون بجنے لگا تو وہ اٹھ کر فون سننے لگی۔

”خالہ جان آپ کا فون ہے..... کوئی مسز احمد آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں۔“ شمیلہ نے واپس آ کر خدیجہ سے کہا۔

”اوہ..... ہاں، مجھے ان کے فون کا انتظار تھا۔ ریحانہ تم چائے پیو..... میں ابھی آتی ہوں۔“ خدیجہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”بیٹا! شکر ہے کہ تم یہاں ایڈجسٹ ہو گئی ہو..... مجھے تمہاری بہت فکر تھی۔ میں کتنی خوش ہو رہی ہوں یہ جان کر کہ تم آپا کی اتنی خدمت کر رہی ہو۔“ ریحانہ نے مسکرا کر شمیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”فہم کو اپنی سٹی میں کرنے کے لیے سب کچھ

کرنا پڑ رہا ہے۔“ شمیلہ نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں

کہا تو ریحانہ نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

”تو..... کیا..... تم یہ سب کچھ دل سے نہیں

کر رہیں۔“ ریحانہ نے ایک دم گھبرا کر کہا تو اس کے

چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ خدیجہ فون بند کر

”ہاں..... اس کا ڈریس بہت اچھا ہے ناں۔“
شمیلہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔
”ڈریس نہیں..... میری ڈول زیادہ کیوٹ ہے۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا۔
”اب چلو بھی..... دیر ہو رہی ہے۔“ خدیجہ نے جلدی سے کہا تو سب باہر نکل گئے۔
☆☆☆

ردا، شمیلہ اور خدیجہ شادی ہال میں سچی چیر زپر بیٹھی ادھر ادھر لوگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ فہام، خاور اور دوسرے دوستوں کے ساتھ بڑی تھا۔ خاور کی فعلی میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا تھا اور شمیلہ کو اس بات پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ منہ چلائے کبھی موبائل نکال کر چیک کرنے لگتی تو کبھی اسے آف کر کے ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ اس کا موڈ خاصا آف ہو رہا تھا۔

”یہ اچھی شادی ہے۔ جس میں میزبان مہمانوں کو ڈھنگ سے پوچھ گچھ نہیں رہے۔ ہم لوگ جب سے آئے ہیں کوئی ایک بھی ہمارے پاس نہیں آیا۔“ شمیلہ نے شکایتی لہجے میں خدیجہ سے کہا۔
”بیٹا! شادی بیاہ میں ایسے ہی ہوتا ہے اور خاص طور پر لڑکی کی شادی پر گھر والوں کو کوئی ہوش نہیں ہوتا۔ ویسے بھی جب ہم آئے تو فوراً ہی بارات آگئی۔“ خدیجہ مسکرا کر بولیں تو ردا کا موبائل بجا اور وہ بات کرنے میں مصروف ہو گئی۔

”خاور کی ماما آپ کو پوچھ رہی ہیں۔ آئیں میں آپ کو ان سے ملواتا ہوں۔ ردا بڑی ہے اسے یہیں رہنے دیں۔“ فہام نے ان کے قریب آ کر کہا اور شمیلہ، خدیجہ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔
روحیل اپنی بوڑھی ماں جی کا ہاتھ پکڑے آہستہ آہستہ چلتا ہوا ردا کے قریب والی ٹیبل کے پاس آیا۔
روحیل بلیک پنٹ کوٹ پہنے اپنی سفید رنگت، گلین شیو کے ساتھ انتہائی بینڈم اور اسمارٹ لک رہا تھا۔
”بیٹا! میں یہیں بیٹھ جاتی ہوں۔ اب مجھ سے

مسکرانے لگے لیکن ردا کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔
☆☆☆
ردا سفید گھیر دار فراک، چوڑی دار پاجامے لائٹ میک اپ اور جیولری کے ساتھ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ تیار ہو کر لاؤنج میں آئی تو خدیجہ بھی بہت ڈینٹ لگ رہی تھیں۔

”ماشاء اللہ..... میری بیٹی تو آج پری لگ رہی ہے۔“ خدیجہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ردا دھیسے سے مسکرائی پھر یک دم سنجیدہ ہو گئی۔
شمیلہ بھی اپنے کمرے سے تیار ہو کر باہر نکلی اور لاؤنج میں آتے ہوئے... دونوں کی باتیں سننے لگی۔
”کیا بات ہے، تم چہرے سے کچھ اداس لگ رہی ہو۔“ خدیجہ نے چونک کر پوچھا۔
”نہیں..... ماما ایسی کوئی بات نہیں۔“ ردا نے بڑبڑا کر کہا تو شمیلہ معنی خیز انداز میں تجسس ہو کر آنکھیں گھمانے لگی۔

”تمہارے چہرے پر چھائی اداسی مجھے کچھ اور ہی بتا رہی ہے، کیا بات ہے؟“ خدیجہ نے ردا کے قریب آ کر بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”نہیں..... ماما ایسی کوئی بات نہیں۔“ ردا زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔
”بھئی، آپ لوگ تیار ہیں نا؟“ فہام نے اندر آتے ہوئے جلدی سے پوچھا۔ وہ تیار ہو کر گاڑی نکالنے باہر گیا تھا۔

”واؤ..... آج تو میری سوئٹ ڈول فیری لگ رہی ہے۔“ فہام نے انتہائی خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر اس کی پیشانی چومنے لگا تو شمیلہ جلدی سے لاؤنج میں داخل ہو گئی۔
”بھئی..... آج تو سب بہت زبردست لگ رہے ہیں لیکن میری ڈول تو سب سے پیاری لگ رہی ہے۔“ فہام نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔

کو بغور بڑھتی رہی اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔
”تمہارا اور میرا کیسا رشتہ ہے۔ تمہارے ہونے سے میں irritate ہوتی تھی اور اب جانے سے ڈھی ہو رہی ہوں۔“ ردا نے آہ بھر کر سوچا شاید میں نے اسے جھٹلا کر اس کا دل توڑا ہے۔ اس کی محبت کی ناقدری کی ہے لیکن میں نے تو اسے اپنے دل کی بات صاف، صاف بتائی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ میں اسے کسی فریب میں نہیں رکھنا چاہتی تھی، وہ آہ بھر کر سوچنے لگی اور سارا دن مضطرب رہی۔ نہ اس سے ڈھنگ سے کھانا کھایا گیا۔ سارا وقت مضطرب اور بے چین رہی۔ رات کو سب کھانا کھانے لگے تو تنہا بھی وہ بہت خاموشی تھی۔
”ردا گریا..... کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہیں؟ کیا کوئی پرالیم ہے؟“ فہام نے اس کی طرف بغور دیکھ کر پوچھا۔
”نہیں..... نہیں۔“ ردا نے یک دم بوکھلا کر جواب دیا۔

”شاید گھر میں فارغ بیٹھ کر بور ہو رہی ہے۔“ شمیلہ نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”بیجے! اب رزلٹ تک تو انتظار کرنا پڑے گا پھر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کرادوں گا، ٹینشن کی کیا بات ہے؟“ فہام نے مسکرا کر بڑی محبت سے کہا۔
”یار..... عاصم اسے گھماؤ، پھراؤ، انجوائے کراؤ۔ ہاں یاد آیا۔ میرے دوست خاور کی بہن کی کل شادی ہے آپ سب کو بھی جانا ہے۔“ فہام نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔
”نہیں..... میں نہیں۔“ ردا نے گھبرا کر کہا۔
”نو..... ایکسپوز..... ماما، شمیلہ، عاصم آپ سب کو جانا ہے۔ خاور میرا بہت کلوز فرینڈ ہے، اوکے؟“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب

”آپ فکر نہیں کریں، میں جلد آ جاؤں گا.....“
توقیر نے آہستہ سے کہا۔
”توقیر..... خدا کے لیے مت جاؤ۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گی۔“ نجمہ نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
”میرا جانا ہی بہتر ہے۔“ اس نے انہیں اپنے ساتھ لگا کر تقریباً روتے ہوئے کہا۔
”تم اس کی وجہ سے جا رہے ہو ناں خدا کرے..... وہ بھی خوش نہ رہے۔“ نجمہ غصے سے چلاتے ہوئے بولیں۔
”نہیں..... ماما، کوئی بددعا نہیں دیں۔ جو لوگ قسمت میں نہ ہوں اس میں ان کا نہیں بلکہ قسمت کا قصور ہوتا ہے۔ کسی لڑکی کے لیے آپ ایسے مت کہیں کیا پتا اس کی بھی کوئی مجبوری ہو۔“ اس نے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
”تم..... تم اس سے اب بھی.....“ نجمہ نے غصے سے کہا۔
”ہاں..... بہت محبت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔“ توقیر نے بات کاٹتے ہوئے زنجی مسکراہٹ سے کہا۔

☆☆☆
ردا ایک گہری نیند لے کر ابھی تو اس نے اپنا موبائل آن کیا۔ اس میں مس کالز تھیں اور ساتھ ہی میسجز وہ ان باکس کھول کر پڑھنے لگی۔
”آج میں آسٹریلیا جا رہا ہوں..... تمہاری محبت کا زخم لیے اور شاید کبھی نہ آنے کے لیے..... اپنا بہت خیال رکھنا! good bye forever“
ردا کے چہرے پر یک دم اداسی سی چھانے لگی اور دل بھی مضطرب ہونے لگا۔ وہ توقیر کا میسج تھا اور کالز بھی اس کی تھیں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی کوئی قیمتی چیز اس سے چھین گئی ہو۔ وہ موبائل ہاتھ میں پکڑے میسج

”ماں جی..... آپ گھر سے باہر نہیں جاتیں ناں..... اسی لیے بہت تھک جاتی ہیں۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے ان کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا! یہ سانس کا مسئلہ کچھ چین لینے دے تو کہیں جاؤں ناں!“ ماں جی نے منہ بنا کر افسردگی سے کہا۔

”روچیل بیٹا آج شادی پر مجھے وہ لڑکی بہت پسند آئی ہے۔“ ماں جی نے یک دم موڈ بدل کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اب وہ اپنے بستر پر آرام سے بیٹھ چکی تھیں۔

”کون سی لڑکی.....؟“ روچیل نے چونک کر بھویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

”وہی جس نے مجھے پانی پلایا تھا۔ اور جس کی فیملی سے میں اور تم ملے تھے۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو روچیل کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”کیوں..... اس میں کیا خاص بات تھی۔“ مجھے تو وہ بس ایک عام سی لڑکی لگی تھی۔“ روچیل نے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... وہ عام نہیں تھی۔ اس میں نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ میرے دل میں ہی اتر گئی ہے۔ وہ اتنے پیار سے باتیں کر رہی تھی اور مسکرا رہی تھی کہ مجھے اس پر بہت پیار آیا۔“ ماں جی نے مصنوعی حُکلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور یقیناً آپ نے اسے اپنی بہو بنانے کا سوچا ہوگا۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

”تمہیں کیسے پتا چلا؟“ ماں جی نے ایک دم خوش ہو کر کہا۔

”بیٹا کس کا ہوں؟ آپ کا اور آپ کیا سوچتی ہیں مجھے فوراً پتا چل جاتا ہے۔“ روچیل نے ایک دم مسکرا کر کہا۔

”ویسے بیٹا تمہارا کیا خیال ہے، کیا میں غلط

”یہ میرا بیٹا روچیل ہے۔“ ماں جی نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا تو فہام نے بھی اس کے قریب آ کر ہاتھ ملایا۔

”میں یاور کا فریڈ ہوں۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور میں فہام..... یاور کے بڑے بھائی خاور کا فریڈ۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”پھر تو حسن اتفاق کیسے کہ دونوں بھائیوں کے فریڈز آپس میں مل رہے ہیں۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”nice to meet you“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا تو روچیل نے بھی مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

”اللہ آپ کی بیٹی کا نصیب اتنا ہی اچھا کرے۔ جتنی اچھی وہ خود ہے۔“ ماں جی نے خدیجہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آمین.....“ خدیجہ مسکراتے ہوئے بولیں تو شمیلہ نے بھی زبردستی مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور سب ایک دوسرے کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆

رات کافی زیادہ گزر چکی تھی اور بہت دیر سے رخصتی ہوئی۔ لوگ بہت زیادہ تھک گئے تھے اور اکثریت کے چہروں پر تھکاوٹ اور ناگواری کے تاثرات تھے۔ ماں جی کا تھکاوٹ سے برا حال ہو رہا تھا مگر روچیل دوست کی محبت میں مجبوراً نہیں بار بار بیٹھنے کو کہہ رہا تھا۔ جیسے ہی رخصتی ہوئی وہ ماں جی کو لے کر فوراً گھر آ گیا۔ وہ بری طرح تھک چکی تھیں، روچیل انہیں ان کے کمرے میں لے گیا۔

”آف شادی نے تو بہت ہی تھکا دیا ہے۔“ ماں جی نے منہ بنا کر گھٹنوں کو ہاتھ سے سہلاتے ہوئے کہا۔

فیملی فنکشن میں پہلی بار آئے ہیں اور میں اپنے دوست کے علاوہ کسی کو نہیں جانتا۔“ روچیل نے جلدی سے کہا۔

”اور ہم بھی پہلی بار ہی آئے ہیں۔ آئی مین..... میں خاور بھائی کے فریڈ فہام کی سسٹر ہوں اس لیے میں بھی کسی کو زیادہ نہیں جانتی۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”آئی سی پلیز آپ تعریف رکھیں میں ماں جی کو ہی دیکھنے آیا تھا لیکن لگتا ہے ماں جی آپ کے ساتھ بہت comfortable ہیں۔ ماں جی میں یاور کے ساتھ بڑی ہوں۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے ماں جی سے کہا اور ان سے اجازت لے کر وہاں سے چلا گیا۔

”بیٹا! اگر تم ہائٹ نہ کرو تو میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ، تم مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ ماں جی نے مسکرا کر ردا سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے ان کے پاس بیٹھ گئی اور ماں جی بہت محبت بھرے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔

☆☆☆

کافی دیر بعد خدیجہ اور شمیلہ فہام کے ساتھ سب لوگوں سے ملاقات کر کے لوٹیں تو شمیلہ کے چہرے پر اب بھی ناگواری کے تاثرات تھے۔

”یہ لوگ کچھ زیادہ ہی بڑی ہیں۔ کسی نے ایک بار بھی ہمیں اسٹیج پر بیٹھنے کو نہیں کہا۔“ شمیلہ نے شکوہ کیا مگر خدیجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ دونوں چلتی ہوئی اپنی ٹیبل پر آئیں تو ردا کو کسی عورت کے پاس بیٹھنے دیکھ کر چونگیں۔

”یہ میری ماما..... اور بھابی ہیں۔“ ردا نے ماں جی سے ان کا تعارف کرایا۔

”آپ کی بیٹی بہت اچھی اور پیاری ہے۔“ ماں جی نے خدیجہ کی طرف دیکھ کر کہا اتنے میں روچیل بھی ان کے پاس آ گیا۔

زیادہ چلا نہیں جاتا پھر سانس پھولنے لگی ہے۔“ ماں جی نے خالی ٹیبل کو دیکھ کر قدرے کانپتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے، آپ یہاں بیٹھیں..... میں یاور کو دیکھ کر آتا ہوں۔“ روچیل نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ ماں جی ٹیبل پر بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔ ردا نے فون پر بات کرتے ہوئے قہقہہ لگایا، ماں جی نے اس کی طرف چونک کر دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ردا کو دیکھ کر نہ جانے انہیں کیوں عجیب سی خوشی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ انہیں بہت پیاری اور اچھی لگ رہی تھی۔ ردا نے موبائل پر بات ختم کی تو ماں جی نے اس کی طرف بغور دیکھا اور مسکرا کر گویا ہوئیں۔

”بیٹا! آپ کی ٹیبل پر پانی کی بوتل ہے، مجھے اس میں سے ایک گلاس پانی تو دینا۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے ردا سے کہا تو ردا نے مسکراتے ہوئے گلاس میں پانی ڈال کر ان کے سامنے رکھا اور ان کے قریب کھڑی ہو گئی۔

”شکریہ..... بیٹا اللہ آپ کو خوش رکھے۔ کیا نام ہے آپ کا؟“ ماں جی نے پانی پی کر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”ردا.....“ ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ماشاء اللہ بہت پیارا نام ہے تمہاری طرح۔“ ماں جی مسکراتے ہوئے بولیں۔

”آپ کو اور پانی چاہیے؟“ ردا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں بیٹا.....“ ماں جی مسکراتے ہوئے بولیں۔ ردا وہاں سے جانے لگی تو روچیل وہاں آ گیا۔

”آپ.....؟“ روچیل نے انتہائی حیرت سے ردا کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بیٹا! مجھے پیاس لگ رہی تھی۔ ان سے پانی مانگا تو مجھے پانی دینے آئی تھیں۔“ ماں جی جلدی سے بولیں۔

”آئی..... ایم سوری، اکیچو نیلی..... ہم اس

صورت تھی۔ لیکچر ختم ہوتے ہی سب اسٹوڈنٹس باہر جانا شروع ہو گئے۔ جیسے ہی یکنی باہر جانے کے لیے اپنی سیٹ سے اٹھی اور چند قدم چلی تو آزر نے جان بوجھ کر اپنی ٹانگ اس کے آگے کر دی۔ یکنی بے خیالی میں اس کے ساتھ ٹکراتے ہوئے گر گئی۔

”اوہ..... سوری..... اچانک لائٹ آف ہونے سے کچھ دکھائی ہی نہیں دیا۔“ آزر نے مسکرا کر کہا تو سب لڑکے قہقہے لگانے لگے۔

یکنی نے ہنسی کرا سے ایک زور سے تھپڑ لگایا۔

”اب لائٹ آن ہوئی یا نہیں.....؟“ یکنی نے غصے سے کہا تو سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

آزر کو بھی ایسی توقع نہیں تھی۔

”یو..... وہ غصے سے چلا یا۔“

”شٹ اپ..... مسٹر.....“ اس نے اپنی ٹانگ لہرا کر اتنی تیزی کے ساتھ اس کے گھٹنے پر باری کہ وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل گرا۔ اس کے ساتھی لڑکے پریشان ہو گئے۔ یکنی اسے غصے سے گھورتی ہوئی کلاس روم سے باہر چلی گئی اور ہر طرف اک

افرا تفری سی پھیل گئی، حمہ بھی حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ آزر اٹھا اور بے انتہا بے عزتی محسوس کرتے ہوئے کلاس روم سے باہر نکل گیا۔

”آزر نے بھی تو ہد کر دی..... کیا ضرورت تھی خواہ مخواہ اسے اتنا tease کرنے کی۔“ اس کے دوست جو اد نے کہا۔

”تم نے اسے پہلے کیوں نہ منع کیا۔ پہلے تو اس کے ساتھ قہقہے لگاتے رہے تھے۔ شکر کرو، تم بچ گئے ہو۔“ فرخ نے جو اد سے کہا۔

”یار..... ہم نے اسے خواہ مخواہ underestimate کیا..... چلو اب آزر کو دیکھتے ہیں۔“ واصف نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... چلو۔“ اور سب لڑکے باہر نکل گئے۔

لڑکوں نے اسے اپنی طرف بلایا۔ آزر نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا اور ان کے ہمراہ بیٹھ گیا۔ ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے اس کی نظر یکنی پر پڑ گئی۔ وہ قدرے طنزیہ مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا۔

”یار..... اتنا حسن تو آج تک میں نے پورے ورلڈ میں نہیں دیکھا۔ جو آج اس کلاس روم میں دیکھ رہا ہوں۔ پورا روم چمک رہا ہے۔ میری تو آنکھیں چندھیا رہی ہیں۔“ آزر نے کہا۔

”کہاں ہے حسن؟“ اس کے ساتھی لڑکے نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

”یار تمہیں واقعی کچھ دکھائی نہیں دے رہا..... یا پھر تمہاری آنکھوں میں بھی اسے دیکھ کر سیاہی بھر گئی ہے۔“ آزر نے یکنی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

یکنی ان کی باتیں سنتی رہی مگر خاموشی سے اپنے موبائل کے ساتھ بڑی رہی۔ اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی بھی وہ سب باتیں سن رہی تھی۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“ نقاب پوش لڑکی نے پوچھا۔

”یمنی جمال.....“ وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”میں حسنہ عابد ہوں.....“ اس نے اپنا تعارف کرایا مگر یمنی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے موبائل کے ساتھ بدستور مصروف رہی۔

نیل بختے ہی پروفیسر راضیہ کلاس روم میں داخل ہوئیں تو سب اسٹوڈنٹس بہت ڈپلن سے اپنی چیئر سے اٹھ کھڑے ہو گئے۔ ”Sitdown“ کہہ کر تعارف کا مرحلہ طے ہوا پھر وہ ابتدائی لیکچر دینا شروع ہوئیں تو یمنی بہت توجہ سے انہیں سنتی رہی اور اپنی نوٹ بک میں پوائنٹس لکھتی رہی۔ حمہ بھی لکھتے ہوئے بار بار اس کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ بہت روانی سے لکھ رہی تھی۔ اور اس کی ہینڈ رائٹنگ بہت خوب

”ڈرائیور کیوں..... میں اور تمہاری مما خود تمہیں کالج ڈراپ کرنے جائیں گے۔ کیوں امین.....؟“ جمال صاحب نے یمنی سے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں۔ ہماری بیٹی کا آج کالج میں پہلا دن ہے۔“ امین نے بھی مسکرا کر یمنی کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے محبت سے کہا۔

”ڈیڈی میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔ کالج ہی تو جانا ہے۔ یہ کون سی اہم بات ہے۔“ یمنی نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”تمہارے لیے نہیں مگر ہمارے لیے یہ بہت اہم اور خوشی کی بات ہے۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر کہا اور دونوں اس کو کالج ڈراپ کرنے چلے گئے۔

وہ کالج میں داخل ہوئی تو اس کے لیے سب کچھ بہت عجیب اور نیا تھا..... وہ کلاس روم ڈھونڈتی ہوئی مطلوبہ روم میں داخل ہو گئی۔ وہ بہت اعتماد کے ساتھ دوسری روم میں ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ایک نقاب پوش لڑکی بیٹھی تھی جس کے ہاتھ

اور پاؤں اس قدر سفید تھے کہ یمنی نے ایک دم چونک کر اس کے سفید خوب صورت ہاتھوں کو ہنر پور نظروں سے دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر لڑکوں کا ایک

گروپ بیٹھا تھا جو بار بار اسے دیکھتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں قہقہے لگا رہے تھے۔ ابھی لیکچر شروع ہونے میں کچھ ٹائم تھا۔ اسٹوڈنٹس کلاس روم تلاش کرتے ادھر آ رہے تھے کیونکہ سب کا کالج میں

فرسٹ ڈے تھا۔ اس لیے چہروں پر خوشی بھی تھی اور آنکھوں میں حیرانی بھی کہ وہ ہر شے اور ہر چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے۔ ایک انتہائی خوب صورت،

اسمارٹ سرخ و سفید رنگت والا لڑکا اسٹائش ڈریس پہنے اور براؤن ڈگلسز لگائے کلاس روم میں داخل ہوا۔ لڑکوں کے گروپ نے ہاتھ ہلا کر اس کا استقبال کرتے ہوئے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”ہائے..... آزر come here“

سوچ رہی ہوں۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا کر راز دارانہ انداز میں پوچھا۔

”کچھ ایسا غلط بھی نہیں سوچا۔“ روہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر میں بات چلاؤں۔“ ماں جی نے خوش ہو کر کہا۔

”آپ کی مرضی ہے لیکن یہ بات اچھی طرح کنفرم کر لیجئے گا کہ وہ واقعی ہی اچھی لڑکی ہے، آئی میں اس کا کسی کے ساتھ کوئی افیئر نہ ہو، مجھے ایسی لڑکیاں ہرگز پسند نہیں۔“ روہیل نے مسکرا کر کہا۔

”فضول باتیں مت کرو، وہ دیکھنے سے ہی اچھی لڑکی لگی ہے۔“ ماں جی نے منہ بنا کر کہا۔

”ٹھیک ہے..... آپ اپنی لڑکی کے بارے میں سوچیں، میں تو سونے جا رہا ہوں۔“ وہ ماں جی کو کبل اوڑھا کر بیڈ کے نیچے درست کر کے کمرے سے نکل گیا۔

یمنی کا کالج میں پہلا دن تھا۔ جمال صاحب نے اس کا ایڈمیشن شہر کے سب سے بہترین اور مشہور کالج میں کروا دیا تھا۔ اس کالج میں ان کا اپنا بھی بہت زیادہ اثر و رسوخ تھا کیونکہ وہ اس کے سب سے بڑے ڈونر تھے۔ یمنی تیار ہو کر ڈائمنڈ ٹیبل کے پاس آئی۔ جمال صاحب اور امین ناشتا کرنے میں مصروف تھے۔ جمال صاحب نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”آج میرے بیٹے کا کالج میں فرسٹ ڈے ہے۔ آئی وٹ یو بیسٹ آف لک.....“ انہوں نے کھڑے ہو کر محبت سے اس کو اپنے ساتھ لگا کر چومتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو ڈیڈی..... آپ ڈرائیور سے کہیں مجھے کالج ڈراپ کر دے۔“ یمنی نے بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے کہا۔

”یعنی بیٹے، آج کالج میں پہلا دن کیسا گزرا؟“ جمال صاحب نے شام کو اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

”فائن۔“ اس نے اپنی نوٹ بک پر کچھ لکھتے ہوئے جواب دیا۔

”کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی؟“ جمال صاحب نے دوبارہ پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے لکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اس کا مطلب ہے تمہیں کالج اچھا لگا ہے۔“ انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

”اٹس اوکے.....“ اس نے پھر بے پروائی سے جواب دیا۔

”اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے ضرور بتانا۔“ جمال صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیوں..... کیا آپ میرا کالج بدل دیں گے؟“ اس نے معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

”نہیں..... لیکن میں کالج کا ایک ڈونر ہوں اور مینجمنٹ میری ہر بات مانتی ہے۔“ جمال صاحب نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

”لیکن مجھے undue favour لینا پسند نہیں۔“ اس نے پُر اعتماد لہجے میں باپ کو جواب دیا۔

”I'm proud of you my dear“

کہ تمہاری ایسی سوچ ہے۔“ جمال صاحب نے مسکرا کر فخریہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا

اور وہ کمرے سے باہر چلے گئے۔

یعنی نوٹ بک پر کچھ لکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا موبائل بجنے لگا اس نے موبائل کان سے لگایا تو

دوسری جانب ایک لڑکے کی آواز تھی۔ یعنی نے جیلو کہا تو لڑکے نے فوراً موبائل آف کر دیا۔ وہ چونک کر موبائل کو دیکھنے لگی اور سوچ میں پڑ گئی مگر پھر لکھنے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

آزرقا غصہ اپنے عروج پر تھا۔ اسے کسی پل چھین نہیں آ رہا تھا۔ کبھی وہ بیٹھتا اور کبھی کھڑا ہوتا..... یعنی کا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اس کے لگائے ہوئے تھپڑ کی جلن وہ ابھی تک اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا اور غصے سے کھول رہا تھا۔

”شی.....؟“ وہ دانت کچکچا کر انتقامی انداز میں اپنے ہونٹ بھینچتا اور اپنی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے بھی ان کا مکا بناتا اور اسے دیوار پر مارتا۔

جواد اور اس کے دوسرے دوست مسلسل اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

”یار اب بھول بھی جاؤ۔“ جواد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بھولوں، اپنی انسلٹ؟ وہ تھپڑ یا پھر..... اسے؟“ آزر نے غصے سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”سب کچھ بعد میں سوچنا، پہلے اپنے مائنڈ کو ریلیکس کرو۔“ فرخ نے گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور اس کے گلاس کے ساتھ اپنا

گلاس چیئر زکر کے پینے لگا۔ آزر بھی آہستہ آہستہ ڈرنک کرنے لگا۔ ڈرنک ختم کرنے کے بعد وہ ایک

دم ہائپر ہونے لگا اور یعنی اس کی آنکھوں کے سامنے ایک چڑیل بن کر گھومنے لگی۔

”وہ..... وہ چڑیل، بھتی، ڈریکولا..... میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ وہ ایسے نہ جانے کتنی

گالیاں دیتا رہا اور پھر یک دم جذباتی ہو کر دروازے کی طرف جانے لگا۔

”یار تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“ جواد نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اسے روکنا چاہا۔

”اس کا مرڈر کرنے۔“ آزر نے لڑکھڑاتے ہوئے کانپتی آواز کے ساتھ جواب دیا۔

”یہ کیا حماقت ہے؟“ فرخ غصے سے بولا۔

”حماقت نہیں انتقام..... میں اسے زندہ نہیں

لفظوں کے موتی

☆ کسی کو بھی معلوم نہیں اس کا اگلا شکار کون ہوگا۔

☆ جب آپ پہلا قدم اٹھاتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا بے شک کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔

☆ موت ایک بہت بڑے صبر کی مالک ہے اور وہ کبھی بے صبری نہیں ہوتی۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبار ہے جیسی ہوتی ہے۔ ذرا ناموافق بات کی سوئی چھپی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

☆ یہ دنیا مکافات عمل کا نام ہے آج کسی کی راہ میں تم پتھر رکھو گے تو آنے والا وقت تمہاری راہ میں پہاڑ بن جائے گا۔

☆ خاموشی ایسے پردے کا نام ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی ہو سکتی ہے۔

☆ وہ بات اکثر بہت انمول ہوتی ہے جس میں الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں۔

☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔

مرسلہ: نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدرمرجان

چھوڑ کر ایک فلیٹ کرایہ پر لے کر رہ رہا تھا۔ کیونکہ اس کا باپ اپنی غیر موجودگی میں اس کے دادا کو اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا اور اس کا دادا اکبر علی کافی سخت مزاج انسان تھا۔ اور وہ آزر پر کافی سختی کرتا۔ بہت زیادہ روک ٹوک اور بوجھ گچھ سے آزر کو چڑھنے لگی تھی اور دادا سے جھگڑ کر اس نے ایک فلیٹ کرایہ پر لے لیا۔ جہاں وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ بھرپور عیش اور مستیاں کرتا۔ رات گئے تک وہ

چھوڑوں گا۔“ وہ انہیں دھکا دے کر اپنی وارڈروب میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ ایک خانے سے ریوا اور نکال کر اس نے اسے پینٹ کی جیب میں ڈالنا چاہا۔ تو جواد نے آگے بڑھ کر اس سے ریوا اور چھیننے کی کوشش کی اور اسی کوشش میں ریوا اور سے گولی جل کر اس کے پاؤں میں لگ گئی۔ سب گھبرا گئے۔ آزر بری طرح تڑپنے لگا۔

”جلدی سے اسے اسپتال لے چلو۔“ فرخ نے کہا اور وہ دونوں اسے جلدی سے اٹھا کر فلیٹ سے باہر لے گئے۔

آزر اپنے ماں، باپ کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے انتہائی خود سر، ضدی اور مغرور تھا۔ ماں ایک معمولی تعلیم یافتہ عورت تھی۔ اور باپ بھی معمولی بزنس سے ہیرا پھیریاں اور دو نمبر کام کر کے اب ایک امیر اور کامیاب بزنس مین بن چکا تھا۔ زندگی کی اچھی روایات اور اخلاقی قدروں کا لحاظ یا کسی قسم کا کوئی تصور بھی ان کے خاندان میں ناپید تھا۔ ماں، باپ کی اپنی دنیا تھی اور آزر کی دنیا میں دخل دینے کا حق اس نے کسی کو نہیں دیا تھا۔ نہ تو اس کی تربیت اخلاقی اقدار پر ہوئی تھی اور نہ ہی مذہبی..... ماں شیم اختر سے سرسٹری عظیم بن کر قیمتی اور ماڈرن ڈریسز، میک اپ اور جیولری پہنے یا تو پارلرز کے چکر لگانی یا پھر ایسی پارٹیز میں جانی جہاں نو دولت خواتین اپنے ملبوسات اور زیورات کی بھرپور نمود و نمائش کرتیں۔ آزر کیا کرتا ہے، کہاں جاتا اور اس کی کیا سرگرمیاں ہیں۔ نہ ماں کو کچھ علم ہوتا اور نہ ہی باپ کو۔ باپ آئے روز بزنس ٹورز کے سلسلے میں بیرون ممالک کے چکر لگاتا رہتا اور آزر کو کھلے پیسے دے کر اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتا۔ اب گزشتہ چھ ماہ سے اس کی ماں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ امریکا سیٹلڈ ہو گئی تھی تاکہ وہ آزر کو بھی فیوچر میں امریکا ہی میں سیٹ کر دے۔ آزر ڈیفنس میں اپنا تین کنال کا بنگلا

کی بات کاٹتے ہوئے بولی تو دونوں کھلا کر ہنسنے لگیں۔

☆☆☆

آزاد کو ہوش آچکا تھا اور آپریشن کر کے اس کے پاؤں سے گولی نکال دی گئی تھی۔ اس کے دوست وہیں تھے۔ وہ سب اس کا دل بہلانے کو اس سے ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے مگر آزاد کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی تھی۔

”یاد رہتا ہے آپریشن بالکل ٹھیک ہو چکا ہے اور اب چند دنوں میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ گے..... پھر اداس کیوں ہو رہے ہو؟“ جواد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں.....“ آزاد نے برا سامنہ بنا کر جواب دیا۔

”اگر تم چاہتے ہو تو تمہارے پیرئش کو انفارم کریں؟“ فرخ نے پوچھا۔

”نہیں، وہ کیا کریں گے سوائے بار بار مجھے کال کرنے کے۔“ آزاد نے بیزار سی جواب دیا۔

”پھر تمہارے چہرے پر اتنی افسردگی کیوں چھائی ہوئی ہے۔ کیا وہ یاد آ رہی ہے؟“ اسامہ نے مذاق کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

”شٹ اپ.....“ آزاد نے غصے سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو سب خاموش ہو گئے اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

”آئی ایم سوری۔“ آزاد قدرے توقف کے بعد بولا..... مگر پھر بھی سب خاموش رہے۔

”تم لوگ بار بار اس کا ذکر کر کے مجھے نارچ کرنے کی کوشش کرتے ہو اور مجھے اس سے اپنی انسٹ فیل ہوتی ہے۔“ آزاد نے گہری سانس لیتے ہوئے گلو کی آواز میں کہا۔

”آئی ایم سوری یار..... تم نے تو اس کو بہت سیرسلی لیا ہے۔“ just leave it now

اسامہ نے لائٹ موڈ میں کہا۔

”کاش میں بھی اس بات کو تمہاری طرح بہت لالچی لے سکتا۔“ آزاد نے غصے سے جواب دیا۔

”تم کب سے اتنے sensitive ہونے لگے؟“ جواد نے حیرت سے پوچھا۔

”جب سے میری انسٹ ہوئی ہے میرے اندر اک آگ سی بھڑک رہی ہے۔“ آزاد نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

”یار اب ہم تمہیں یہ مشورہ تو نہیں دیں گے کہ تم بھی جا کر اسے ایک پتھر لگا دو، اس لیے ایسی انتقامی باتیں سوچنے کا کیا فائدہ، پلیز کول ڈاؤن ناؤ۔“ فرخ نے اپنی رائے دی۔

”ہاں..... یار اب چھوڑو بھی اس بات کو..... کیوں سر پر سوار کر کے بیٹھے ہو۔ بھی موقع ملا تو بدل لے لینا۔ be brave“ جواد نے کہا جو اس کا سب سے قریبی دوست تھا۔

”cheer up now“ اسامہ نے کہا..... تو آزاد نے زیر لب مسکرا کر سب دوستوں کی طرف دیکھا۔

”یہ ہوئی نا بات.....“ فرخ نے کہا اور سب مسکرا کر آزادی کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆

فہام پینٹ کوٹ میں ملبوس آفس جانے کے لیے تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو خدیجہ صوفی پر بیٹھی موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ ردا انتہائی خوش

میں کمرے سے بھاگتے ہوئے لاؤنج میں آئی۔

”فہام بھائی! میں پاس ہو گئی اور میرا “A” گریڈ آیا ہے۔ میں ابھی انجی کمپیوٹر پر رزلٹ دیکھ کر آئی ہوں۔“ ردا نے خوشی سے چلاتے ہوئے کہا تو

فہام نے خوشی سے اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے محبت سے چوما۔

”مبارک ہو..... واہ..... آج تو میری گڑبا گریجیوٹ ہو گئی۔“ فہام نے خوشی سے کہا تو شمیمہ،

فہام کا آفس بیگ لے کر کمرے سے باہر نکلی اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لگے دیکھ کر چوکی۔

”فہام..... آپ آفس سے لیٹ ہو رہے ہیں۔“ شمیمہ نے بیگ پکڑاتے ہوئے کہا۔

”بھئی..... اب تو میں آفس نہیں جا رہا..... میری گڑبا پاس ہوئی ہے۔ آج میں اسے خوب گھماؤں گا، پھراؤں گا..... شاپنگ کراؤں گا اور رات کو ہم سب ڈنر کے لیے باہر جائیں گے۔“

فہام نے ردا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو شمیمہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

”رات کو تو ہم نے.....؟“ شمیمہ نے آہستہ آواز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”تمہارے سارے پروگرام کینسل..... آج صرف ردا کی success celebrate

ہوگی۔“ فہام نے ایک دم اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا تو شمیمہ نے چونک کر اسے دیکھا اور گہری سانس لے کر ردا کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں..... ہاں کیوں نہیں..... ردا کی خوشی سے بڑے کر نہیں کچھ عزیز نہیں۔“ شمیمہ نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

”that's good“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مبارک ہو..... خدا تمہیں ہمیشہ کامیابیاں دے..... اور تمہیں بہت خوش رکھے“ خدیجہ نے محبت سے نیکی کو چومتے ہوئے کہا۔

”آمین.....“ فہام نے جلدی سے کہا تو سب مسکراتے ہوئے لگے۔

☆☆☆

ماں جی لاؤنج میں صوفی پر بیٹھی تھیں پڑھنے میں مصروف تھیں۔ ردا آفس سے تھکا ہوا آیا اور

ماں جی کے قریب خاموشی سے صوفی پر بیٹھ گیا اور صوفی کی پشت کے ساتھ سر دکا دیا کیونکہ ماں جی

کھیں دیپ جلے کھیں دل

آنکھیں بند کیے ورد پڑھنے میں مصروف تھیں۔ انہوں نے جیسے ہی آنکھیں کھولیں تو وہ مسکرا رہا تھا۔

”السلام علیکم..... ماں جی!“ ردا نے قد رے بلند آواز میں کہا۔

”وعلیکم السلام بیٹا!“ ماں جی نے مسکرا کر اسے جواب دیا اور اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر دعائیں دے لگیں۔

”اللہ تمہیں لمبی زندگی، خوشیاں اور محبت دے۔“ ماں جی نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔

ردا کی طرف سے پھر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

”بیٹا کھانا لاؤں؟“ ماں جی نے ردا کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... ابھی مجھے ہجوک نہیں ہے، پہلے فریش ہو جاؤں پھر بعد میں کھاؤں گا۔“ ردا نے انگریزی لیتے ہوئے جواب دیا۔

”بیٹا! آج میں نے یاد کی امی کو فون کیا تھا۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے ردا سے کہا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔

”کیوں.....؟“ ردا نے یک دم چونک کر پوچھا۔

”وہ اس لڑکی ردا کے لیے..... نہیں یاد ہے ناں؟“ ماں جی نے مسکرا کر کہا۔

”ماں جی..... آپ کو کیا ہو گیا ہے، مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ ردا نے حیرت سے کہا۔

”بیٹا! میں نے ان سے کہا ہے..... کہ وہ تمہاری اور ردا کی بات چلائیں۔“ ماں جی نے خوش ہو کر ردا کو انداز میں کہا تو وہ چونکا۔

”ماں جی! آپ تو واقعی سیریس ہو گئی ہیں۔“ ردا نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... وہ لڑکی ایسی میرے دل میں سمائی ہے، وہ مجھے بھوتی ہی نہیں۔ دل چاہتا ہے کہ ابھی جا کر تمہارے رشتے کی بات کہی کر آؤں۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ان کے چہرے پر خوشی

رفعت نے کونے والا کمر امہان کے لیے تیار کر دیا تھا جو صرف خاص الخاص مہمانوں کے لیے وقف تھا۔ ضرور کوئی بہت خاص مہمان آرہا تھا ورنہ شہباز جیسے بے دید، کنجوس اور موقع پرست شخص سے کسی کی مہمان نوازی کی امید ہی عبث تھی۔ اس نے تو کبھی اپنے سنگے رشتے داروں کو منہ نہیں لگایا، ہمسایوں سے سلام دعا کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ”ضرور ہی سردار سائیں کا کوئی خاص مہمان



ہے، فہام نے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تھینک یو فہام بھائی۔“ ردا نے مسکرا کر فہام کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مائی ڈیئر..... تم مجھے تھینکس نہیں صرف آرڈر کیا کرو۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا مسکرانے لگی۔ ”مائی ڈیئر..... تم مجھے تھینکس نہیں صرف آرڈر کیا کرو۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا مسکرانے لگی۔ ”مائی ڈیئر..... تم مجھے تھینکس نہیں صرف آرڈر کیا کرو۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا مسکرانے لگی۔ ”مائی ڈیئر..... تم مجھے تھینکس نہیں صرف آرڈر کیا کرو۔“ فہام مسکراتے ہوئے بولا تو ردا مسکرانے لگی۔

”یار..... حاتم..... بہت مبارک ہو، آج ہماری سوئٹ ڈول نے بہت اچھے مارکس سے بی اے پاس کر لیا ہے۔“ فہام نے قدرے بلند آواز میں خوش ہو کر کہا۔ ”رنی..... یہ تو بہت بڑی خبر ہے۔“ حاتم خوش ہو کر بولا۔ ”لو..... تم ردا سے بات کرو۔“ فہام نے ردا کو موبائل پکڑاتے ہوئے حاتم سے کہا اور حاتم ردا سے گفٹ کے متعلق پوچھنے لگا۔ وہ چاکلیٹس کی فرمائش کرنے لگی۔ ”اچھا ذرا فہام بھائی کو فون دو۔“ حاتم نے ہنستے ہوئے کہا تو ردا نے موبائل فہام کو دے دیا۔ ”فہام بھائی..... وہ میجر پرائیلم؟“ حاتم نے رازدارانہ انداز میں فہام سے پوچھا۔ ”نہیں..... نہیں یار..... ایسا کوئی مسئلہ نہیں..... سب ٹھیک ہے، تم فکر نہیں کرو۔“ فہام نے مسکرا کر تسلی دیتے ہوئے کہا، خدیجہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو فہام اٹھ کر ایک طرف جا کر باتیں کرنے لگا اور خدیجہ کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

(باقی آئندہ)

کے رنگ نمایاں ہونے لگے۔ ”اوہ..... مائی جان آپ تو حد کر رہی ہیں۔ بھلا اتنی جلدی اور وہ بھی لڑکی کو جانچنے بغیر۔“ روہیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”میرادل کہتا ہے کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اس لیے مجھے اس کے بارے میں کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔ یاور کی امی کہہ رہی تھیں کہ وہ کل ردا کی امی سے بات کریں گی۔“ ماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا تو روہیل اک گہری سانس لے کر ماں جی کی طرف دیکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

ساری فیملی ایک چائینز ریسٹورنٹ میں ڈنر کرنے میں مصروف تھی۔ ردا خاص طور پر تیار ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ٹیبل پر کافی زیادہ گفٹس رکھے تھے اور وہ چہرے سے بہت زیادہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ”ہاں..... بھی فہام بھائی کی گریجویٹ ڈولی! اب کیا ارادے ہیں؟“ عاصم نے مسکرا کر ردا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ تو فہام بھائی کو ہی پتا ہے کہ میرا کس یونیورسٹی میں ایڈمیشن کراتا ہے۔“ ردا نے مسکراتے ہوئے فہام کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ہاں..... میں کل ہی تمام یونیورسٹیز کے بارے میں انفارمیشن لیتا ہوں اور جس سبکیٹ میں ردا ماسٹر زکرتا چاہے اس میں ایڈمیشن کرا دوں گا۔“ فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں تو کہتی ہوں..... یہ I.T کا زمانہ ہے کوئی کمپیوٹر کورس کرا دیں۔“ خدیجہ نے منہ بنا کر بیزار سے کہا۔ ”نہیں، نہیں میری گزیا ماسٹر ز کرے گی۔ یہ میری خواہش ہے اور ردا کا خواب۔ اور اسے معمولی کورسز کرنے کی ضرورت نہیں اتنا تو وہ جانتی

ہوگا جس کا یوں شاندار استقبال کیا جا رہا ہے۔“ یہ ان تینوں کا خیال تھا کیونکہ سردار ہی ایسی شخصیت تھا جس سے شہباز دہتا تھا ورنہ تو وہ کسی کو خاطر میں لانے والا بندہ نہیں تھا اور اس اکثر ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سردار سائیں کا کم دار تھا۔ علاقے میں اس کا بڑا ایک تھا۔

☆☆☆

نادرہ، شہباز کی پہلی بیوی تھی۔ اس کی بچپن کی منگ اور سنگے تباہ کی بیٹی جس سے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے شادی کرنی پڑی۔ وہ اس سے پانچ برس بڑی تھی مگر خاندان اور برداری کی وجہ سے وہ اس وقت مجبور ہو گیا تھا لیکن شادی کے گیارہ سال بعد اس نے رفعت سے اپنی پسند سے شادی کر لی۔ تباہ، تانی وفات پا چکے تھے۔ نادرہ کے بھائی اپنے گھریا والے تھے اور پھر سردار کا کم دار ہونے کی حیثیت سے سب ہی اس سے دبتے تھے۔ سو نادرہ بھی رو پیٹ کے خاموش ہو گئی لیکن اس کا پلڑا پھر بھی ہمیشہ بھاری رہا اس لیے کہ وہ شہباز کے دو بیٹوں کی ماں تھی جبکہ رفعت کی اوپر تلے تین بیٹیاں ہوئیں۔ سانولی سلونی، دہلی پتلی رفعت تین بچوں کی پیدائش کے بعد موٹی اور بھدی ہو گئی تھی۔ سانولی رنگت میں سیاہی کھل گئی۔ لکڑیاں پھونک پھونک کر چہرے کا برا حال ہو گیا۔ محنت کش ہاتھ بھدے اور بدنما ہو گئے۔ نادرہ تو یوں بھی عمر کی زیادہ تھی اس کے چہرے اور گردن پر جھریاں پڑ چکی تھیں۔ بالوں میں چاندی اتر آئی لیکن پہلی بیوی ہونے کا مظہر برقرار تھا۔ صندل شہباز کی چھوٹی بہن تھی وہ ابھی پندرہویں برس میں لگی تھی۔ وہ اپنی دونوں بھابیوں کی بد مزاجی اور لڑائی جھگڑے کی عادی تھی۔ دونوں سونکوں میں روایتی حد اور دشمنی تھی۔ اکثر اوقات تو لڑائی جھگڑا مار کٹائی تک پہنچ جاتا۔ یہ روز کے قماشے تھے جن میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

صندل نے ایک نظر دھلے دھلائے صحن پر

ڈالی۔ سرخ اینٹوں والا صحن چمک رہا تھا۔ کونے میں لگا رنگ آلود نکا بھی قدرے بہتر نظر آ رہا تھا۔ صحن میں کچھ چار پائیاں برتنی نور چادریں بچھائی گئی تھیں شہباز نے صرف اتنا بتایا تھا کہ کوئی خاص مہمان آ رہے ہیں، گھر کو اچھی طرح صاف سترا کیا جائے کھانے کا اچھا انتظام ہو اور سب لوگ اچھی طرح تیار ہو جائیں۔ اس مختصر سے پیغام کے بعد وہ گھر سے نکل گیا اور گھر والے صبح سے اپنے اندازے لگانے میں مصروف تھے۔

صندل جھاڑو ایک طرف رکھ کر برگد کے بیڑی چھاؤں میں بیٹھ گئی۔ صحن کے کونے میں لگایہ درخت کی پرندوں کی پناہ گاہ تھا۔ گرمیوں میں گھر کی عورتیں اس درخت کے سائے میں چار پائی ڈال کر بیٹھ جاتیں۔ یہیں سبزی بنائی جاتی، چاول پنے جاتے۔ اس کی چھاؤں میں پیسی سی ٹھنڈک تھی۔ دن بھر کے کاموں سے تھک کر صندل جب اس کے سائے میں آکر بیٹھتی تو اسے بے حد سکون ملتا۔ یہیں اس کی آنکھیں خواب بنتیں۔ اس کے چہرے پر امیدوں کے رنگ اترتے۔ اس کی خواہشوں کے پتھر اس درخت کی شاخوں پر اترتے اور خوشیوں کے گیت گاتے۔ زندگی کے تھکادینے والے شب و روز میں چند گھنٹاں اس بیڑے کے نیچے وہ اپنی مرضی سے گزارتی۔

رفعت نے نہادھو کر نیا سرخ ریشمی جوڑا پہنا کر اس کے بے تحاشا وزن پر عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے گھٹکر لے بالوں میں سرخ پرانہ ڈالا، آنکھیں سرے سے کالی کیں اور کانوں میں جھمکے پہنے۔ اس کے خیال میں وہ ابھی تک اس گھر کی دہن تھی اسے مہمانوں کی آمد پر اسی طرح تیار ہونے کا تھا۔ نادرہ البتہ کافی عرصے سے اس طرح کے سنگار سے دستبردار ہو چکی تھی۔ اس نے سادہ کالے دھاگے کی کڑھائی کا سفید سوٹ پہنا اور سادہ کڑھائی والی چادر اوڑھ لی۔ دفعتاً بیرونی دروازے

پر شور سا ہوا۔ صندل نے پھرتی سے سر پر دوپٹا ڈالا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

آنے والا شہباز تھا اس کے ساتھ تین مرد اور چار عورتیں تھیں۔ اجنبی چہرے اور اجنبی نام۔ صندل تیزی سے بھابیوں کو بتانے لگی۔

”کون لوگ ہیں.....“ یہ ہماری ذات برداری کے تو نہیں لگ رہے بلکہ اس گاؤں کے بھی نہیں ہیں۔“ رفعت نے چادروں میں لپٹی عورتوں کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

”بھائی کے جاننے والے ہوں گے۔ کسی کام کے سلسلے میں آئے ہوں گے۔“ صندل نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

”بڑے خاص مہمان لگتے ہیں۔ تیرا بھائی کیسے مسکرا مسکرا کر باتیں بگھا رہا ہے۔“ رفعت نے دروازے کی جھری سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔

”صندل مہمانوں کے لیے روٹی پانی کا انتظام کرو۔ بڑی دور سے آئے ہیں۔ اپنی بھائی سے کہہ بیٹھی کسی بھی بنادے خوب سارا گرڈ ڈال کر۔“ شہباز نے باہر سے بانک لگائی۔ صندل تیزی سے باورچی خانے کی جانب بڑھی۔

عجیب مہمان تھے تعارف ہوا اور نہ سلام دعا ہوئی۔ رفعت کا ہاتھ تھکا کہ کہیں یہ لوگ صندل کے رشتے کے لیے نہ آئے ہوں۔ اس نے فوراً باورچی خانے میں کام کرتی نادرہ سے اس بات کا ذکر کیا۔

”ہوں..... شاید..... ہو سکتا ہے لیکن شہباز کو ہم سے بھی تو تعارف کروانا چاہیے۔ ہمیں تو ایک مرتبہ بھی مہمانوں سے ملنے کے لیے نہیں کہا..... بس کھانے کی فکر پڑی ہوئی ہے۔“ نادرہ تیوری چڑھا کے بولی۔ رفعت نے جا کر مہمانوں کو دھیرے سے سلام کیا اور صندل کے ساتھ مل کر دسترخوان لگانے لگی۔

مہمانوں کی طرف سے روکھا پھیکا سا جواب آیا۔ مہمان عورتیں لگتا تھا بے حد کم گو ہیں، مرد بھی

ایک دوسرے سے کم کم بات کر رہے تھے۔ کوئی گرم جوشی، نہ بے تکلفی اور نہ تعارف کی ضرورت سمجھی گئی البتہ کھانا خوب سیر ہو کر کھایا گیا۔ رفعت کو ہنگ کا احساس ہوا تو وہ پیر پختے ہوئے باورچی خانے میں چلی آئی۔ نادرہ پیڑھی پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔

”بڑے عجیب لوگ ہیں، نہ جانے کون ہیں اس قدر بد اخلاقی اور بد تہذیب..... بھوکے نندیدے۔ صرف کھانے سے مطلب ہے لگتا ہے صرف دعوت اڑانے یہاں آئے ہیں۔“ نادرہ نے جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور آرام سے چاول کھاتی رہی۔ صندل کی البتہ خوب دوڑیں لگ رہی تھیں۔ کبھی لسی، کبھی پانی، کبھی روٹیاں، کسی نہ کسی کو کچھ نہ کچھ چاہیے ہوتا۔ نادرہ نے بچوں کا کھانا پچھوڑے میں ہی بھجوا دیا تھا۔

کھانے کے فوراً بعد مہمان واپسی کے لیے کھڑے ہوئے شہباز نے صندل کو آواز دی، صندل پھر کی طرح حاضر ہو گئی۔

”اسے اندر مہمانوں والے کمرے میں لے جاؤ۔“ شہباز نے سیاہ چادر میں لپیٹی ایک لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ سانولی سلونی، کھڑے نقوش والی وہ کم عمر لڑکی تھی یہ مشکل سترہ برس کی ہوگی۔ صندل حیرت سے شہباز کی شکل دیکھنے لگی۔

”بھلا یہ لڑکی کون ہے اور یہاں کس لیے آئی ہے؟“ اس نے غور سے لڑکی کو دیکھا۔ اس کے نوعمر چہرے پر سراسیمہ چھائی تھی۔ آنکھوں کے گوشے نم تھے جھکی پلکوں میں اضطراب چھپا ہوا تھا۔ وہ فرمانبرداری سے سر ہلانے لگی۔ اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ وہ شہباز جیسے بارعب بھائی کی حکم عدولی کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

”جلدی کمرے میں لے جا اور ہر طرح سے اس کا خیال رکھنا۔ یہ مہمان نہیں تیری چھوٹی بھابی ہے۔“ شہباز نے گویا دھماکا کیا۔

بھلا دو بیویوں کی موجودگی میں اسے تیسری بیوی کی ضرورت کیوں پیش آگئی تھی۔ صندل کے پاس اس بات کا جواب نہیں تھا۔ اسے تو۔۔۔ رہ رہ کر رانی پر ترس آ رہا تھا۔

”یہ غربی اور مجبوری بہت بری چیز ہوتی ہے۔ انسان سے زندگی کے سب حق چھین لیتی ہے۔“ وہ افسوس سے سر ہلاتے ہوئے باروچی خانے میں داخل ہوئی جہاں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر تھا۔ جن پر ڈھیروں کھیاں بھنھنا رہی تھیں۔ شہباز کسی کام سے باہر نکلا تھا، اندر رفعت کے کمرے سے بین کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ایسے ہی بین نادارہ نے اس وقت کیے تھے جب رفعت دہن بن کر اس گھر میں آئی تھی لیکن آج نادارہ خاموش تھی اور رفعت کو چپ کروانے والا کوئی نہیں تھا۔ شہباز سے الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ وہ غصے میں دونوں بیویوں کی ایسی ٹھکانی کرتا تھا کہ کئی دنوں وہ اپنے زخموں پر مرہم رکھتی رہتیں۔ نادارہ نے تو اس سے بات کرنا ہی کم کر دی تھی لیکن رفعت سے اس کا اکثر جھگڑا ہو جاتا جو رفعت کی پٹائی پر ہی ختم ہوتا۔

صندل کو باروچی خانے میں کام سمیٹنے کا کافی دیر ہو گئی۔ وہ جانتی تھی آج سارا کام اسی کو کرنا ہے۔ تھوڑی دیر بعد شہباز ہاتھ میں کچھ تھیلے تھا سہ اندر داخل ہوا اور سیدھا رانی کے کمرے میں چلا گیا۔ صندل نے ایک گہری سانس بھری اور پھر کام میں مصروف ہو گئی۔

”بے چاری رانی۔“ اس کے بے بس دل نے آہ بھری۔

☆☆☆

رانی کی آمد نے گھر میں ہلچل مچا دی۔ رفعت اسے جلانے کے لیے روزنت نے شوخ رنگوں کے ریشمی جوڑے پہن کر ہر رنگ میں وہ عجیب مضحکہ خیز لگتی۔ اپنے بے حد ہنگر والے بالوں میں ہنگر ووس

”ہاں، ماموں کا قرض اتر گیا، ممانی اور چھوٹو کا علاج ہو گیا۔ میری بہن کی وجہ سے ماموں کے گھر باقاعدگی سے اناج اور فصل بھی پہنچ جایا کرے گی۔ ہم جیسوں کی خوشی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔“ اس نے حالات کے ساتھ بہت جلدی سمجھوتا کر لیا تھا۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ یوں جیسے سیاہ پتھروں پر بارش کا پانی ٹپھہر جائے۔

”ادا سائیں تم سے عمر میں بہت بڑے ہیں۔ اس بات کا دکھ تو ہو گا تمہیں؟“ صندل کو رانی سے بے حد ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ صندل اپنے بھائی کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ نہ صرف مزاج کا سخت تھا بلکہ کٹھور بین اور خود غرضی بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

”میں اپنے دکھوں کو یاد نہیں کرنا چاہتی۔ دکھ انسان کو ختم کر دیتے ہیں اور میں ابھی جینا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ کوئی انہونی نہیں ہوئی ایسا تو ہمارے ہاں عام ہوتا ہے۔ چھوٹی عمر کی لڑکیاں شادی شدہ مردوں کے ساتھ آرام سے بیٹھ جاتی ہیں اور جن لڑکیوں کے سر پر ماں باپ یا بڑے بھائی جیسے سائبان نہیں ہوتے ان کے ساتھ تو اس سے بھی زیادہ برا سلوک ہوتا ہے یہ تو پھر بھی قابل قبول ہے۔“ رانی نے اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کے ہاتھوں پر مہندی کا کوئی نقش نہیں تھا۔

”تم نے مہندی نہیں لگائی؟“ صندل نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”جس دہن کے ہاتھ مہندی سے خالی ہوں اس کا دل بھی ارماتوں سے خالی ہوتا ہے۔“

”تم تھوڑی دیر آرام کر لو میں باہر کا کام سمیٹ لوں ورنہ دونوں بھابھیاں شور کریں گی۔“ صندل نے گہری سانس بھر کر کہا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کے لیے یہ سب کچھ بے حد غیر متوقع تھا۔ شہباز بیٹا لیس برس کا بچہ عمر کا مرد اور پانچ بچوں کا باپ تھا۔

میں گولا سا تنک گیا۔

”اوہ، شاید اسی لیے تمہاری شادی ادا سے کر دی گئی۔ کیا ہوا تھا تمہارے ماں باپ کو اور ادا سے تمہاری شادی کس طرح ہو گئی؟“

”وہ پچھلے سال سیلاب میں ڈوب گئے تھے بلکہ ہمارا سارا گاؤں ہی ڈوب گیا تھا۔ میں اور میری بہن اللہ کے کرم سے زندہ بچ گئے اور اس گاؤں میں اپنے ماموں اور ممانی کے پاس آ گئے۔ اپنے گھر کی چھت نہ رہے تو کوئی بھی چھت سائبان نہیں ہوئی۔ میرا ماموں سردار سائیں کی زمینوں پر مزارع کا کام کرتا ہے۔ اس پر سردار کا بہت قرض چڑھ گیا تھا، اس کے مولیٰ بھی رہن رکھے گئے۔ اس نے تمہارے بھائی سے بھی قرض لے رکھا تھا۔ وہ بھی کیا کرتے اس عمر میں ممانی کو آنکھوں کی بیماری ہو گئی۔ ماموں کے چھوٹے بیٹے کو گردے کی تکلیف ہو گئی۔ شہر لے جا کر دونوں کا علاج کروانا پڑا۔ ماموں غریب بندے قرض نہ دیتے تو کیا کرتے قرض بڑھتا ہی چلا گیا اور اس قرض کو اتارنے کے لیے میری بہن کی شادی سردار سائیں سے اور میری شادی تمہارے بھائی سے کرنا پڑی یوں ماموں کا قرض اتر گیا اور ہم یتیم اور بے سہارا بہنوں کا گھر بس گیا۔۔۔۔۔ بس اتنی سی کہانی ہے۔“ اس کی شکل صورت کی طرح آواز بھی خوب صورت تھی۔

”لیکن سردار سائیں کی تو پہلے ہی تین بیویاں ہیں۔“ صندل حیرت سے بولی۔ درحقیقت اسے رانی کے حالات سن کر دی دھک ہوا تھا۔ سردار کی عمر پچپن، ساٹھ کے قریب تو ہوگی۔

”تو تمہارے بھائی کی بھی تو پہلے سے دو بیویاں موجود ہیں۔ بیویوں کی تعداد سے مردوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”تم خوش ہو کیا؟“ صندل نے ایک احمقانہ سوال کیا۔

”چھوٹی بھائی؟“ صندل کا سر گھومنے لگا۔ وہ حیرت سے لنگ ہو گئی۔

”چھوٹی بھائی اب تک تو رفعت تھی تو کیا ادا سائیں نے تیسری شادی کر لی۔“ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے وہ آنکھیں پھاڑے اس لڑکی کو دیکھنے لگی۔ دروازے سے لگی رفعت پر گویا کوئی پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

”شہباز کی تیسری بیوی۔۔۔۔۔“ وہ دیوار کے ساتھ ہی نیچے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ مہمان بیرونی دروازے سے باہر چلے گئے۔ صندل اس لڑکی کو لے کر کمرے میں آ گئی۔

صاف ستھرا کمرہ شاید اسی کا منتظر تھا۔ بستر پر نئی نکور چادر پچھی تھی۔ دیوار کے ساتھ ایک جانب صوفے لگے تھے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں پر سرخ جھالروں والے پردے لٹک رہے تھے۔ فرش پر سرخ سرخ رنگ کی دری چھبی ہوئی تھی۔ اس کمرے کو گھر میں وی آئی پی کی حیثیت حاصل تھی۔ گھر کے دیگر افراد کو یہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ صندل نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ صندل سے بہ مشکل تین یا چار برس بڑی ہوئی۔

”رانی۔“ اس کے ہونٹوں سے بہ مشکل اپنا نکلا۔

”میں تمہیں رانی بھائی کہوں گی۔“

”نہیں، تم مجھے صرف رانی ہی کہنا۔ میں تم سے اتنی بڑی نہیں ہوں۔“ اس کے چہرے پر اک اداس سی مسکراہٹ ابھری۔

”ادا سائیں نے ہم سب کو حیران کر دیا۔ تم کون ہو، کہاں کی ہو، اس گاؤں کی تو نہیں لگتیں یوں اچانک ادا سے تمہاری شادی کیسے ہو گئی، تمہارے ماں باپ آسانی سے راضی ہو گئے؟“ صندل اس کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”میرے ماں باپ نہیں ہیں۔“ رانی کے حلق

تاثر انداز میں بولی۔ اس نے لمبے بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ سیاہ لباس میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ جھیل جیسی آنکھوں میں اضطراب کے رنگ تھے۔

”جی، آپ میرے ساتھ آئیں آج چودھویں کی رات ہے اور موسم بھی بہت اچھا ہے۔“ صندل نے مؤدب انداز میں کہا اور اسے لیے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔ آنکھن میں سناٹا چھایا ہوا تھا، موسم بدل رہا تھا اس لیے سب گھر والے اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے تھے۔ آسمان کی وسعتوں میں چودھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ وہ دونوں صحن کے کونے میں پیچھی چار پائی پر بیٹھ گئیں۔

”تم نے بھی میرا نام نہیں پوچھا؟“ اس لڑکی نے صندل سے سوال کیا۔

”جی، میں بھلا کیسے پوچھ سکتی ہوں۔ میرے لیے تو آپ بی بی جی ہی ہیں۔“ صندل حیران ہو گئی۔ ”میرا نام روشنی ہے۔ تم مجھ سے باتیں کر سکتی ہو۔ میں تمہاری مہمان ہوں، تمہاری مالک نہیں اور نہ ہی تم میری ملازمت ہو پھر یہ جھجک کیسی۔“ وہ اپنی نرم آواز میں بولی اس کی آواز میں اک خاص قسم کی کھنک تھی۔ ایسی خوب صورت اور مدھر آوازیوں جیسے یازیب کی چمن چمن جیسے کسی جھرنے کے گرنے کی آواز جیسے شیشے پر پڑتی بوندوں کی آواز۔ جیسے گھنے جنگلوں میں چھپی کوئل کی کوک۔

”ادا سائیں نے آپ سے زیادہ سوال جواب کرنے سے منع کیا تھا جی۔“ صندل نے اسے یاد دلایا۔

”لیکن میں کسی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ بہت گھٹن ہے میرے اندر جسے اگر باہر نہ نکالا تو شاید میرا دل بند ہو جائے۔“ روشنی کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

”اللہ خیر کرے، آپ سو سال جنیں۔ کیا ہوا آپ کیوں ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ کوئی مسئلہ ہے

اگلی بار ملوگی تو اسی سے پوچھ لیتا۔“ صندل نے کندھے اچکا کر رانی سے کہا جو کبھی کبھار اپنی بہن سے ملنے جاتی تھی مگر اس کی بہن یہاں نہیں آسکتی تھی کیونکہ کچھ بھی ہو تھا تو یہ کم دار کا گھر..... اسے یہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

”وہ کون سا سارے خاندان سے کھل مل کر رہتی ہے۔ سردار نے اسے علیحدہ حصے میں رکھا ہوا ہے جہاں کسی کا آنا جانا نہیں۔“ رانی نے صندل کو جواب دیا۔

”چلو ہمیں کیا..... ہمارا کام تو صرف مہمان کی خدمت کرنا ہے اور کیا پتا کون سی بات اسے بری لگ جائے اور وہ ادا سے شکایت کر دے۔“ صندل نے رانی کو تسلیہ کی۔ رانی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دونوں کام میٹھے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ رانی نے کافی کام خود ہی اپنے سر لے لیا تھا۔ صندل اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ لڑکی چادر اوڑھے سو رہی تھی۔ اس کے لمبے سیاہ بالوں کی چوٹی کو صندل نے بے حد رشک سے دیکھا۔

”کسی اچھے شیمپو سے سردھوتی ہوگی۔“ اس نے دل میں سوچا اور تخت پر رکھے برتن اٹھا کر باہر آگئی۔ ”نہ جانے کون لڑکی ہے اور کس مصلحت کے تحت ہمارے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہے۔“ اس نے خاموشی سے سوچا۔

گھر کے کسی فرد کو اس سے فالتو بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ رانی تینوں وقت کا کھانا اس کے کمرے میں دے جاتی۔ صندل اس کے چھوٹے موٹے کام کر دیتی، وہ لڑکی ایک پپیلی کی طرح تھی جسے بوجھنا آسان نہیں تھا۔ صندل اس کے دھلے ہوئے کپڑے نہ کر کے رکھ رہی تھی کہ اچانک اس لڑکی نے اسے مخاطب کیا۔

”اس کمرے میں میرا دم گھٹ رہا ہے میں کچھ دیر کے لیے تازہ ہوا میں جانا چاہتی ہوں۔“ وہ بے

لیے اس کی آنکھوں میں بے حد احترام تھا اور وہ بے حد ادب سے پیش آرہا تھا جس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ لڑکی واقعی سردار سائیں کی مہمان تھی۔ کچھ بھی تھا شہباز سردار کا بڑا وفادار تھا۔ صندل خاموشی سے اسے اپنے کمرے میں لے آئی۔ صندل کا کمرہ گھر کا سب سے چھوٹا کمرہ تھا۔ کسی زمانے میں یہ اسٹور ہوا کرتا تھا جہاں فالٹو کا ٹھکے کباڑا ہوتا ہے پھر صندل نے خوب صفائی کر کے اسے اپنے رہنے کے قابل بنایا تھا۔ صندل نے فٹافٹ چار پائی پر نئی چادر ڈالی اور اس لڑکی کا بستر بچھایا۔ اپنا بستر اس نے کمرے میں رکھے ایک ٹوٹے ہوئے تخت پر بچھا دیا۔

لڑکی ٹیکے کے سہارے ٹیک لگا بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر تھکن تھی یوں جیسے کسی لمبے سفر سے آئی ہو۔ اس کا رنگ صاف اور نقوش خوب صورت تھے۔ عمر اٹھارہ برس کے قریب ہوگی۔ اس نے پیروں میں خوب صورت ڈوریوں والی سینڈل پہن رکھی تھی۔ کانوں میں سونے کی بالیاں اور ناک میں پڑی سرخ نگینے والی لوگ اس کی حیثیت کا پتا دے رہی تھیں۔ صندل مذہب ہو کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”کسی چیز کی ضرورت تو نہیں جی؟“ اس نے باادب لہجے میں پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اتنے میں رانی ہلکا سا دروازہ بجا کر کھانا اور پانی لے آئی۔

”آپ آرام سے کھانا کھا لیجیے، میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔“ صندل نے کہا اور رانی کے ساتھ باہر نکل گئی۔

”کچھ بتایا نہیں اس نے کہ وہ کون ہے اور اس طرح پراسرار طریقے سے کیوں آئی ہے؟“ رانی پر تجسس انداز میں پوچھنے لگی۔

”نہیں، ادا نے منع کیا ہے کہ کوئی سوال جواب نہیں کرے گا لیکن کچھ دنوں میں پتا لگ ہی جائے گا۔ آخر تمہاری بہن بھی تو سردار کے گھر بیہی ہے

والا پراندہ ڈالتی۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنتی اور ہونٹوں پر تیز رنگوں کی سرخی لگاتی۔ رانی کی آمد نے اسے نفسیاتی طور پر عدم تحفظ کا شکار کر دیا تھا۔ وہ ہر حال میں رانی سے بہتر نظر آنا چاہتی تھی اور رانی کو ان چیزوں اور ہارسنگار سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ وہ اس عمر میں تھی جب لڑکی سنگار کے بغیر ہی حسین لگتی ہے۔ شہباز تو اس کا دیوانہ تھا ایک تو وہ کم عمر اور حسین تھی دوسرے وہ کسی قسم کی بحث نہیں کرتی تھی بس اپنے کام سے کام رکھتی۔ رفعت تو اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی اور رانی کو تنگ کرنے کی وجہ سے ہی اس نے شہباز سے دوسرے زبردست مار بھجی کھائی۔ نادرہ تو رانی سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتی تھی البتہ رفعت کا حد اسے جبین سے بیٹھنے نہ دیتا۔

رانی کی سب سے زیادہ صندل کے ساتھ ہفتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش رہتیں۔ رفعت، صندل کو خوب ٹوکتی لیکن اسے کیا فرق پڑتا، اسے تو رانی کی صورت میں ایک سیٹیلیٹ لگتی تھی۔ ایک دن شہباز سرمئی رنگ کی چادر میں سر تاپا لپٹی ایک اور لڑکی کو گھر لے آیا۔ ہر ایک کا ہاتھ ٹھک گیا۔ ابھی رانی کے بیاہ کو دن ہی کتنے ہوئے تھے کہ وہ ایک اور لڑکی لے آیا لیکن شہباز نے آتے ہی سب کی غلط فہمی دور کر دی۔

”یہ سردار سائیں کی مہمان ہیں..... کچھ وجوہات کی بنا پر انہیں حویلی میں نہیں ٹھہرایا جاسکا کہ ان کی آمد کی خبر دشمنوں کو نہ ہو جائے۔ یہ چند دن یہاں رہیں گی پھر سردار سائیں ان کا کوئی اور بندوبست کر دیں گے۔ تم سب لوگ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا۔ کسی شکایت کا موقع نہ دینا ورنہ میں سردار سائیں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ صندل تم انہیں اپنے کمرے میں لے جاؤ اور کوئی ان سے فضول قسم کے سوال جواب نہ کرے، سمجھ آئی۔“ شہباز نے صندل کو اشارہ کیا۔ مہمان کے

چاندنی نے اداسی سے ان دونوں لڑکیوں کی سمت دیکھا۔ اس پیڑ کی بوڑھی شاخوں پر جھریاں نمودار ہو چکی تھیں۔

”چلیں بی بی جی اندر چلتے ہیں۔ بہت رات ہو چکی ہے۔“ صندل کی آواز ابھری۔ اس کے دل کا بوجھ اس کی روح کو بھی بوجھل کر رہا تھا۔

”کتنی خوب صورت چاندنی ہے..... ٹھنڈی میٹھی اور روپیلی۔ مجھے چاندنی راتیں بہت پسند ہیں، دل چاہتا ہے ساری رات جاگتی رہوں۔“ روشنی نے لمبے بھر کو آنکھیں بند کر لیں۔ صندل خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سامنے دیوار پر ان دونوں کے سائے بہت واضح نظر آرہے تھے۔

”آپ کا دکھ بہت بڑا ہے جی۔ اللہ سائیں آپ کو اتنا حوصلہ بھی دے۔ آپ سردار کے خاندان سے ہیں وہ آپ کے بارے میں کچھ اچھا بھی سوچیں گے۔“ صندل نے اسے تسلی دی۔

”عورت کا کوئی خاندان نہیں ہوتا۔ خون کے رشتے محض ضرورت کے رشتے ہوتے ہیں۔ یہ مردوں کا معاشرہ ہے جو عورت کی قربانی سے خوش ہوتا ہے۔ اس کا حق بھیک میں بھی دینے کا روادار نہیں ہوتا۔ ایک پاکیزہ بی بی کی موت سے اس کی کہانی ختم نہیں ہوتی۔ جرم کے نشان باقی ہیں اس لیے سزا کا فیصلہ ضرور ہوگا۔ میں ذہنی طور پر خود کو ہرزہ کے لیے تیار کر رہی ہوں۔ یہی عورت کا مقدر ہے کہ اسے اس جرم کی سزا بھگتنا پڑتی ہے جس کے بارے میں اسے خبر ہی نہیں ہوتی۔ گناہ مردوں کے سزا پس عورتوں کو..... کتنا عجیب دستور ہے یہاں کا۔“ روشنی نے پیروں میں چپلیں پہنیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر ملال کے رنگ نمایاں تھے۔

سردار سائیں کے گھرانے کا اتنا اہم راز جو لوگوں سے ابھی تک خفی تھا صندل کو ایک بھاری بوجھ کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ لوگ سردار کے متعلق

”آپ کیسے ان کے متعلق اتنا جانتی ہیں؟“ صندل کو لگا کہ یہ پہیلی اب اتنی مشکل نہیں رہی۔

”اس لیے کہ میں انہی کی بیٹی ہوں۔ تمہارے سردار کی بھانجی..... جسے وہ دنیا کے سامنے اپنا نہیں سکتے لیکن ان کا غیرت مند خون مجھے شتر بے مہار چھوڑنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ مجھے اپنے ماں باپ کی غلطیوں کا کفارہ بھی ادا کرنا ہے لیکن میں نے اپنے ماں باپ کو معاف کر دیا ہے۔ مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں۔ میں زندگی سے اپنا حق وصول کرنے والوں کو مجرم نہیں سمجھتی۔ اگر میری ماں نے غلط قدم اٹھایا تو اس کی ذمہ دار فرسودہ رسم و رواج اور معاشرے کی لاقانونیت تھی۔“ روپیلی چاندنی میں اس کا اداس چہرہ اور بھی حسین لگ رہا تھا۔ فضا میں ٹھنڈک اتر آئی تھی اور یہ ٹھنڈک صندل کو اندر تک سن کر رہی تھی۔

”آپ یہاں سے کہاں جائیں گی؟“ اس نے خوفزدہ ہو کر سوال کیا۔

”خدا جانے، ابھی منزل کا تعین نہیں ہوا۔“ اس نے تاروں بھرے آسمان پر ایک نظر ڈالی۔ صندل کے دل پر بھاری بوجھ آ پڑا۔ اس چھوٹی سی لڑکی کی زندگی میں کتنی آزمائشیں تھیں۔

”کافی عرصے بعد کسی سے اتنی باتیں کی ہیں۔ دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا، میں اپنے ماں باپ کے متعلق جان کر کبھی شرمندہ نہیں ہوئی۔ وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار تھے۔ اگر میری ماں فرار نہ ہوتیں تو ان کی شادی زندگی بھر نہ ہو پاتی کہ ذات برادری میں ان کے جوڑ کا کوئی نہ تھا۔ ہاں ان کے چچا کا بیٹا جو ان سے اٹھارہ برس چھوٹا تھا شاید ان کا نصیب بنتا۔ میری ماں نے بے شک انتہائی غلط قدم اٹھایا لیکن میرے نزدیک وہ ایک غلط عمل کا زرع تھا۔ بعض دفعہ مردہ لوگوں کے گناہ ان کے ساتھ دفن نہیں ہوتے بلکہ زندہ لوگوں کو ان کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔“ بوڑھا برگد کا درخت افسردگی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

ماں باپ کے ساتھ شہر کی شادی کی تقریب میں گئی تھیں اور وہیں کرنٹ لگنے سے ان کی وفات ہو گئی تھی۔“ صندل کو یاد آیا۔ کافی عرصے تک لوگ اس واقعے کو دہراتے رہے تھے۔ گاؤں کے اس طرح کے واقعات کی کہانی یہاں نسل در نسل سنی جاتی ہے۔ صندل نے بھی اپنی بڑی بوڑھیوں سے ایسا سنا تھا۔ ”وہ فوت نہیں ہوئی تھیں بلکہ اس کے کافی عرصے تک زندہ رہیں۔ انہیں فوت ہوئے تو محض چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔“ روشنی نے گویا دھماکا کیا۔ صندل گم سمی اس کی شکل دیکھتی رہی۔ وہ کون سے راز تھے جن میں وہ شریک ہونے جا رہی تھی۔ وہ ان کا بوجھ اٹھا بھی سکتی تھی یا نہیں۔

”آپ کو کیسے پتا کہ وہ زندہ تھیں پھر ایسی روپوشی کی زندگی کیوں گزاری انہوں نے؟“ صندل کا مارے حیرت کے برا حال تھا۔ روشنی ایک کے بعد ایک انکشاف کر رہی تھی۔ یوں جیسے کوئی کسی پر اسرار اور پرانی حویلی کے بند کمروں کے دروازے باری باری کھولتا ہے۔

”کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرتیں تو سردار کا خاندان کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتا۔ دنیا اور معاشرہ انہیں کاری قرار دے دیتا۔ درحقیقت وہ اپنے ہی ملازم کے ساتھ فرار ہو گئی تھیں اور ان کے خاندان والوں نے انہیں مردہ قرار دے کر اپنی عزت بچالی۔“ سالوں پرانی بات تھی لیکن شاید عورت کا ماضی کبھی پرانا نہیں ہوتا۔

”کسی نے انہیں ڈھونڈا نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے سردار تو زمین کی تہ میں سے بھی اپنی عورتیں نکال لیتے ہیں۔“ صندل کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

”اٹھارہ سال تک تلاش جاری رہی اور یہ تلاش ان کی موت پر ختم ہوئی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایک حادثے کا شکار ہو گئیں۔“ روشنی کی آواز دکھ سے بوجھل ہو گئی۔

جی؟“ صندل پریشانی سے بولی کوئی راز تھا جو روشنی کی زندگی سے جڑا تھا اور یقیناً خوشگوار راز نہیں تھا۔ روشنی خاموشی سے آسمان پر جھمکتے ستاروں کو دیکھتی رہی۔ فضا میں خنکی بڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ چادر میں چھپا لیے۔

”آپ پڑھی لکھی لکھی ہیں۔ سردار سائیں کے گھر والوں کو تو سارا گاؤں جانتا ہے پر کبھی آپ کے بارے میں نہیں سنا۔“ صندل اپنے بھولپن اور روشنی کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے شہباز کی تنبیہ فراموش کر گئی۔ ”ہاں، میں یہاں پہلی بار آئی ہوں۔ میں نے ساری زندگی شہر میں گزاری ہے۔ وہیں کالج میں پڑھتی تھی۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی اگر کوئی میرے بارے میں جان بھی لے تو کیا بلکہ میں کسی سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ یہ ڈر تو ان لوگوں کو ہے جنہوں نے یوں چوری چھپے مجھے یہاں بھیج دیا تاکہ انہیں لوگوں سے منہ نہ چھپانا پڑے۔“ روشنی نے تنفر سے کہا صندل نے چونک کر اسے دیکھا کیا وہ اسے اپنے راز میں شریک کرنا چاہتی تھی۔

”کون لوگ جی؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”تمہارے سردار سائیں اور کون؟“ روشنی کے لہجے کی نفرت کسی بڑے راز کی آئینہ دار تھی۔ صندل حیرت سے ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھنے لگی۔ ”آپ کے کیا لگتے ہیں وہ؟“ حیرت اور تجسس اسے سوال کرنے پر مجبور کر گیا۔ روشنی نے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر لیں اس کے لب ہولے ہوئے لرزنے لگے۔

”تم بی بی پاکیزہ کے بارے میں جانتی ہو؟“ تمہارے سردار کی سب سے چھوٹی بہن جو جوانی میں ہی وفات پا گئی تھیں؟“ روشنی کی آواز میں پراسرار سی کیفیت تھی۔ صندل کو ڈر لگنے لگا۔ ”ہاں جی بہت پہلے کی بات ہے۔ وہ اپنے

پوچھا۔

”ہاں جی، بھلا مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔ رانی بھی بکھار پانی بہن سے ملنے جاتی ہے۔ سناے خوب عیش کر رہی ہے وہ۔ گھر میں نوکر چاکر ہیں اور گھر بھی خوب سجا سنورا ہے۔ شہر سے سب چیزیں منگوائی جاتی ہیں اور سردار سائیں بھی رانی کی بہن سے بہت خوش ہے۔“ صندل نے مزید معلومات فراہم کیں۔ رانی جب بھی اپنی بہن کے گھر سے آتی تھی سب باتیں صندل کو ضرور بتاتی تھی۔

”رانی کی بہن اس سے کتنی بڑی ہوگی؟“ روشنی نے پوچھا۔ اس کی فراخ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

”رانی سے سال ہی تو بڑی ہے۔“

”اوہ گاڈ..... یہ تو سراسر ظلم ہے، نا انصافی ہے۔“ روشنی نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ آنگن سے آتا شور بے معنی ہو چکا تھا۔

”تم نے دیکھا مجھ بے قصور کو مرے ہوئے لوگوں کی غلطیوں کی سزا دی جا رہی ہے اور خود بے قصور اور مجبور لوگوں کی بے بسی سے فائدہ اٹھا کر خوب عیش کیا جا رہا ہے۔ کتنا دہرا معیار ہے ان طاقت ور لوگوں کا۔ کوئی ان کو بھی پوچھنے والا ہے یا نہیں۔ کوئی ان سے بھی حساب لینے والا ہے؟“

روشنی کے اندر اک جوار بھانا تھا اس کے دل میں نفرت کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ اس نے سختی سے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں پیچھن لیں۔

”دوسروں پر زندگی تنگ کرنے والے کتنی شان و شوکت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ میں یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہوں۔ ان ظالم لوگوں سے دور چلی جانا چاہتی ہوں۔“ روشنی اپنے آپ میں نہیں رہی تھی۔ صندل کچھ بتانے لگی کہ یہ آخر اسے یہ بات کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

”نہ بی بی جی نہ، آپ یہاں سے جانے کا سوچے گا بھی مت۔ اس گاؤں کی ہر گلی، ہر کوچے میں

”میرے خاندان کو بیچ میں مت لاؤ۔ تمہارے خاندان کو بھی میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔“ رانی منہ پھیر کر بولی اور تندور روشن کر دیا۔ ایک نئی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ رانی کی خاموشی آہستہ آہستہ ٹوٹتی جا رہی تھی۔

”کیا کہا میرے خاندان کو تو کیا جانتی ہے..... تیری طرح بیچ خاندان سے نہیں ہوں میں..... جو پیسوں کے بدلے بیٹیاں بیچ دیتے ہیں۔“ رفعت شروع ہو چکی تھی اور اب اسے چپ کروانا بہت مشکل تھا۔ صندل تیزی سے برآمدے میں کھڑی روشنی کی طرف لپکی۔ صحن میں شور بلند ہو گیا تھا۔ دونوں طرف سے گولا باری جاری تھی۔

”بی بی جی، آپ اندر چلیں۔ یہاں تو یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔“ رفعت اب مغفلات پر اتر آئی تھی۔

”ہوں، تمہاری سب سے چھوٹی بھابی تو بہت کم عمر ہے۔“

”ہاں جی، ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی بھائی نے اس سے شادی کی ہے۔“ صندل شرمندگی سے بولی۔

”مجبور اور لاوارث ہوگی؟“ اس نے اندازہ لگایا۔

”ہاں جی، ورنہ بھائی سے کیوں شادی کرتی۔“

”مرد ہمیشہ عورت کی مجبوری کا فائدہ کیوں اٹھاتا ہے؟“ اس نے ایک عجیب سا سوال کیا۔ صندل اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”اس کی بڑی بہن آپ کی نئی ممانی ہے جی۔“

صندل کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔

”کیا مطلب؟“ روشنی حیرت سے جامد ہوئی۔

”مطلب یہ کہ اس کی بڑی بہن سردار سائیں کے نکاح میں گئی ہے۔ شاید آپ کو نہیں معلوم ویسے بھی وہ جوہلی کے الگ حصے میں رہتی ہے۔“

”تم بیچ کہہ رہی ہو؟“ روشنی نے بے یقینی سے

”دیکھ لیتا یہ کم عمر چمک چمک چمک ایک دن کیا چاند چڑھائے گی۔ کب تک اس بڈھے کے ساتھ رہے گی۔ ایسی لڑکیاں جن کا کوئی آگاہیچھا نہیں ہوتا قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔“ رفعت کی آواز میں زہر تھا۔ اس کے لہجے میں بے تحاشا نفرت تھی۔

”کیوں اپنا دل جلانی ہے۔ یہ آگ تجھے ہی جلا کر رکھ کر دے گی کسی اور کا کچھ نہیں جائے گا۔“ نادرہ اپنے بچوں کو نہلانے کے بعد کپڑے پہنانے لگی۔ جب سے رانی گھر میں آئی تھی نادرہ اور رفعت میں لڑائی جھگڑا کم ہو گیا تھا اور اب اکثر دونوں ایک دوسرے سے دکھ کھکی باتیں بھی کر لیتی تھیں۔

”کیا تجھے اس کے آنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی؟“ رفعت نے نادرہ کے سکون کو حیرت سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”مجھے تیرے آنے سے زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔“ نادرہ نے اسی سکون سے جواب دیا۔ برسوں پرانی بات تھی لیکن وہ منظر آج بھی اس کے ذہن میں تازہ تھا۔ رفعت کی بولتی بند ہو گئی۔ صندل نے کن آنکھوں سے دونوں کو دیکھا اور گلیا صحن جھاڑو سے صاف کرنے لگی۔ رفعت نے جھنجھلا کر صحن کے دوسرے کونے میں بنے باروچی خانے میں آکر جھانکا۔

”سورج سر پر آگیا ہے لیکن مہارانی سے کھانا نہیں پکایا گیا۔ حدی ہوئی ہے بڈھرا می کی بھی۔“ رفعت کے لہجے میں پھنکار تھی۔ رانی سے بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ یونہی زہریلا ہو جاتا تھا۔

”کھانا پک چکا ہے بس روٹیاں لگانے جارہی ہوں۔“ رانی بے تاثر لہجے میں کہتی باہر نکل آئی۔ برگد کے درخت کے قریب بنے تندور میں روٹیاں لگانے لگی۔

”روٹیاں موٹی پکانا تمہارے جیسے بھوکے ننگے خاندان کی طرح نہیں ہیں ہم لوگ۔“ رفعت ہاتھ بٹا کر بولی۔

کوئی ایسی ویسی بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ صندل نے یہ راز اپنے سینے میں ہی دفن کر لیا۔

”عورت کیوں کی ہو یا سرداروں کی اس کے نصیب سے ڈر رہی لگتا ہے۔“ اس نے افسردگی سے سوچا۔ چاندنی کی روشنی میں اداسی سمیٹنے لگی۔ وہ دونوں اندر چلی آئیں۔

”بی بی جی، آپ نے مجھ غریب کے دل پر بھاری بوجھ لا دیا ہے۔ میرا تو اس دل ایسے گہرے رازوں کا بار سہار بھی سکتا ہے یا نہیں۔ آپ کا دکھ بھی بھاری ہے اور آپ کے راز بھی۔ خدا ہی اس مشکل کو آسان کرے۔“ صندل نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

نادرہ صحن میں اپنے بچوں کو نہلا رہی تھی۔ کونے میں لگے ننگے کے قریب رکھی بالٹی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ بچوں کو نہلاتے ہوئے اس کے کپڑے بھی گیلے ہو رہے تھے۔ دھوپ تیز تھی لیکن بری نہیں لگ رہی تھی۔ رفعت نے تیز نارجی رنگ کا جوڑا پہن رکھا تھا جس پر گلہابی رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے۔ بالوں میں سفید موتیوں والا پرانہ ڈالا تھا۔ سارے گھر والے اس کے عجیب و غریب فیشن سے تنگ آچکے تھے۔

”یہ کیا پہن رکھا ہے تم نے؟“ نادرہ نے اسے دیکھ کر بیزار سے پوچھا۔

”کیوں، مجھے ہار سنار کرنا منع ہے کیا؟ جوان ہوں، سہاگن ہوں گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے تو کیوں نہ بن سنور کر رہا کروں۔ سچے سنور نے کو کیا صرف وہی چھپکی رہ گئی ہے۔ دیکھ اب تو وہ میرے آگے پانی بھرتی نظر آتی ہے۔“ رفعت چمک کر بولی۔

”بھڑکیلا اور شوخ رنگ کے کپڑے پہننے سے اور سنوروں والے پرانے ڈالنے سے عمر نہیں ہو جاتی۔“ نادرہ کی بات پر رفعت نے منہ پھیر لیا۔

تیار کر دیں گی، آپ بے حد خوش قسمت ہیں۔ ایسے رشتے نصیب دایوں کو ملتے ہیں۔ اونچی حویلی، نوکر چاکر، دولت کی ریل پیل، دو گاؤں چھوڑ کر تیسرا گاؤں انہی لوگوں کا ہے۔ چلتے چلتے صبح سے شام ہو جاتی ہے پرزیشیں ختم نہیں ہوتیں۔ آپ تو جی راج کریں گی راج۔“ رفعت نے خوشامداندہ انداز میں کہا۔ روشنی گم صم سی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ اتنی جلدی اس کا رشتہ بھی طے ہو گیا اور اسے خبر بھی نہیں ہوئی۔ آج اس کی شادی تھی اور اسے علم بھی نہیں تھا۔ وہ بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ رانی نے ایک تھیلے سے سرخ رنگ کا ڈبا نکالا۔ اس میں عروسی جوڑا تھا گہرے سرخ رنگ کا جوڑا جس پر زری اور کندن کا کام کیا گیا تھا۔ زیادہ بھاری نہیں تھا لیکن لگتا تھا کہ بہت اچھی دکان سے لیا گیا ہے۔

”ہائے کتنا خوب صورت جوڑا ہے۔ شلوار قمیص ہے تو کیا ہوا آج کل لڑکیاں لہنگوں اور غاروں کے بجائے شلوار قمیص پہننا زیادہ پسند کرتی ہیں۔“ رفعت نے آگے بڑھ کر شیفون کا کاہدار دوپٹا ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

رانی نے دوسرے تھیلے سے کافی ساری چیزیں نکالیں۔ زیور کے ڈبے، سرخ سینڈل، کاسیٹس، پرفیوم، پرس وغیرہ رفعت تو بے حد متاثر ہو گئی۔ صندل زبردستی مسکرا رہی تھی۔

”دیکھیں جی، کتنی خوب صورت چیزیں ہیں۔ بڑے ہی امیر لوگ ہیں اور دل والے بھی۔ شہر میں بھی ان کا گھر ہے ساری چیزیں لگتا ہے شہر سے منگوائی ہیں۔“ رفعت کا ارادہ مزید بیٹھنے کا تھا لیکن شہباز نے اسے باہر سے آواز دے دی مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔ روشنی حیرت سے سب چیزیں دیکھ رہی تھی۔

”آپ خوش نصیب ہیں، کسی کسی کے نصیب میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں۔“ رانی کے لہجے میں

سردار کے آدمی موجود ہیں۔ آپ جانتی تو ہیں کہ آپ کی ذرا سی غلطی بد وقتوں کے منہ کھول دے گی۔ یہاں عورت کا خون بہانا معمولی بات ہے۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ آپ کون ہیں اور آپ کو انجام تک بھی پہنچا دیا جائے گا۔ بی بی جی حوصلہ رکھیں، آپ بے گناہ اور بے قصور ہیں۔ آپ کے ساتھ یہ بے انصافی نہیں ہو سکتی۔“ صندل کو تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس نے اپنے احمقانہ پن کو خوب کوسا۔ رفعت اور رانی کی لڑائی پس منظر میں چلی گئی۔ روشنی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ صندل کو اس قدر شدید رد عمل کی توقع نہیں تھی۔

دفعۃً شہباز بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بڑے بڑے تھیلے تھے۔ اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی آنگن میں سناٹا چھا گیا۔ روشنی تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حیرت کی بات تھی کہ شہباز نے آتے ہی نادارہ، رفعت اور رانی تینوں کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔ شاید گھر میں اک اور انہونی ہونے جا رہی تھی۔

☆☆☆

روشنی اداس سی اپنے بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کی حالت اس پرندے کے مانند تھی جس کے پر کاٹ کر پتھرے میں قید کر دیا جائے۔

کمرے میں رفعت، رانی اور ان کے پیچھے صندل داخل ہوئی۔ رفعت کے ہاتھوں میں وہی بڑے بڑے بھرے تھیلے تھے جو شہباز لایا تھا۔ اس کے چہرے پر مکاری مسکراہٹ تھی۔ صندل کی آنکھیں اداس اور چہرہ ویران تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ سجا لی۔

”بی بی جی، آپ کے لیے بڑی خوشخبری ہے۔ آپ کا رشتہ سردار سامیں نے بڑے اچھے اور اونچے گھرانے میں طے کیا ہے۔ آج شام آپ کا نکاح ہے۔ یہ آپ کا سامان ہے۔ رانی اور صندل آپ کو



آشوب و فحاشی

محی الدین نواب کا ایک اور شاہکار زندہ رہنے کی آرزو اور ڈالنے کی قوت رکھنے والوں سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ طاقت و آرزو شناسی خیر حالات اور خوش واقعات رقم کرنے کا سبب بنتی ہے۔ سال نو کے پہلے شمارے کی خصوصی کہانی

فلک تک چل

اقتدار کی بھول بھلیاں بھی عجیب سبق آموز ہوتی ہیں۔ تاریخی صفحات پر حیدر علی کی جہد مسلسل کا احوال..... ڈاکٹر ساجد امجد کی تحریر۔

کشکول

معاشی ناسوروں کی اذیت پسندی کی کل چین نہیں لینے دیتی..... ان کے لیے جیسی آنے والی حالت ہے کوئی کا باعث تھے..... انوار صدیقی کے قلم کی سنسنی خیزی

مسافر

کبھی مدھرتال پر بندھتے جذبات تو کبھی احساسات کے بھنور میں تالام..... کبھی سائے میں جتنی محبت تو کبھی ٹھری دھوپ میں جلتے بدن..... اسی گردوغبار میں لپٹے اس مسافر کا احوال جسے تحریر کیا ناصر ملک

نکاح

مرزا محمد بیگ کی حرج و مرج خفاں عروسی اور آپ کے خط

مفت

محمد الیاس منظر امامہ ضیاء نسیم بلگرامی کاشف ذہیر اور تنویر دہاض کی پرکشش کہانیاں

خیال آ رہا تھا کہ کیا ہوتا اگر روشنی کا انجام کچھ الگ ہو جاتا، خوشگوار اور اچھا..... مگر.....

☆☆☆

روشنی رخصت ہو گئی مگر صندل کے دل پر اک بوجھ آن پڑا۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں کا ادراک رکھنے کے باوجود روشنی کی آنکھوں میں خواب تو ہوں گے۔ صندل اس کے بارے میں جتنا سوچتی اتنی اداس ہو جاتی۔ لڑکیوں کے خواب تو یوں بھی ان کی سانسوں کی دُور سے بندھے ہوتے ہیں۔ روشنی وہ انارکلی تھی جو دھوکے سے دیوار میں چنوا دی گئی تھی۔ برگد کی اداس شاخیں ویران تھیں۔ پرندوں نے کہیں اور بیرا کر لیا تھا۔

دن گزرتے رہے لیکن صندل کی اداسی میں کمی نہیں آئی۔ وہ اک زرد دوپہر تھی جب رانی نئے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے ہاتھ میں بڑے بڑے تھیلے تھے۔ اس کی آنکھیں قدرے سوچی ہوئیں اور چہرہ ہنستا ہوا تھا۔ صندل اسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی اور حیرانی سے اسے اور اس کے ہاتھوں میں پکڑے تھیلے دیکھنے لگی۔

”یہ کیا ہے؟“ اس نے حیرت سے ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا جو رانی نکال رہی تھی۔ گہرا گلانی جوڑا جس پر ڈھیر سارے ستارے ٹپکے ہوئے تھے۔ گولڈن رنگ کی سستی سی سینڈل، گہرے رنگوں کا میک اپ کا سامان اور سستی سی جیولری۔

”ارے صندل اٹھ جا تیرے ادا نے تیرا رشتہ پکا کر دیا ہے۔ دیکھ تو کیا خوب صورت سامان تلگن کے طور پر آیا ہے۔ ڈھیر ساری مٹھائی بھی آئی ہے۔ کل تیرا نکاح ہے بڑی خوش قسمت لڑکی ہے تو۔ وقت پر اپنے گھر باری ہونے جارہی ہے۔“ دفعتاً رفعت تیزی سے بولتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ صندل مارے حیرت کے کچھ بول ہی نہیں سکی۔

”اتنی جلدی؟“ چند لمحوں بعد اس کے حلق سے

”بی بی جی جہاں دولت ہو وہاں خوبیاں خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں۔ کردار تو سب مردوں کا تقریباً ایک جیسا ہی ہوتا ہے۔“ صندل کے بجائے رانی نے جواب دیا۔ روشنی خاموشی سے دونوں کو دیکھنے لگی۔ صندل نے گڑبڑا کر رانی کو ٹھوکا دیا۔

”نہیں بی بی جی، اچھے شریف لوگ ہیں۔ کبھی کوئی غلط بات تو ان کے ساتھ نہیں سنی۔“

”تم نہیں جانتیں ان بڑے لوگوں کی غلط باتیں باہر نہیں نکلتیں۔“ روشنی اب بھی بے یقین تھی۔ وہ ایسے قیدی کی طرح تھی جسے سزا کا فیصلہ سنایا گیا تھا۔

”تم نے انہیں دیکھا ہے، دیکھنے میں کیسے ہیں؟“ کچھ بھی تھا روشنی کی زندگی کا نیا باب شروع ہونے جا رہا تھا۔ وہ خبر تھی اس لیے تجسس فطری تھا۔ صندل کے گلے میں گولہ سا انگ گیا۔

”اچھے ہیں، اونچے اور گورے چہرے۔“

صندل نے نظریں چرائیں۔ اسے اپنی آواز کا ٹھوکھا پن بری طرح محسوس ہو رہا تھا۔ وہ آنکھوں کی نمی چھپانے کے لیے بارہل کر آئی۔ صحن میں چہل پہل بھی گھمراہی کے باوجود اسے ہر طرف اداسی پھیلی محسوس ہو رہی تھی۔ برگد کا درخت بھی اداس تھا۔ فلک پر پھیلے شوق کے رنگ بھی مدھم گد رہے تھے۔ صندل کی آنکھوں سے چند آنسو نکلے اور مٹی میں جذب ہو گئے۔ سچ ہے عورت کے آنسوؤں کا کوئی مول نہیں ہوتا۔

اس نے روشنی سے جھوٹ بولا تھا۔ وہ یہ جھوٹ بولنے پر مجبور تھی۔ وہ روشنی کو کس طرح بتاتی کہ اس کا ہونے والا شوہر امیر سکندر ایک اڈھڑ عمر عیاش بڈھا شخص ہے جس نے پانچ شادیاں کیں۔ دو بیویاں کا انتقال ہو گیا اور اس کی تین بیویاں اس کے جوان بچوں کی مائیں ہیں۔ روشنی کا انجام اس کے سامنے تھا جو جھوٹ اس نے مجبوراً بولے اس کے لیے وہ خود کو ساری زندگی معاف نہیں کر سکے گی۔ اسے رہ رہ کر

حسرت تھی۔ خود اسے تو سہاگ کا سرخ جوڑا نصیب ہی نہیں ہوا تھا۔ قیمتی اور خوب صورت چیزوں کی اپنی ہی بات ہوتی ہے۔

یہ سب کیا تھا..... روشنی کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ اس کی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ انتہائی رازداری کے ساتھ کیا گیا تھا۔

”کس کے ساتھ ہو رہی ہے میری شادی؟“

چند لمحوں بعد اس نے اجنبی اور سرد لہجے میں پوچھا۔

”جی امیر سکندر نام ہے۔ بہت بڑے اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سردار سائیں کے ملنے والوں میں سے ہیں بلکہ دور پار کی رشتے داری بھی ہے۔ سردار سائیں کی ممانی کے خاندان سے ہیں۔ میں نے کہا تھا ناں سردار سائیں آپ کے لیے کچھ اچھا ہی سوچیں گے۔“ صندل نے اپنے لہجے میں زبردستی بشارت پیدا کی۔

”تم جانتی ہو انہیں؟“ روشنی نے سوال کیا، صندل آنکھیں چرائے لگی۔

”ہاں جی، انہیں بھلا کون نہیں جانتا۔ ان کے بڑے بھائی بھی سرداری کی پگڑی کے وارث ہیں۔ ان کا اپنے علاقے میں بہت ٹیکا ہے۔ سردار سائیں آپ کے بڑے ہیں انہوں نے کچھ سوچ کر ہی آپ کا رشتہ وہاں طے کیا ہوگا۔“ صندل اس کا سامان سمیٹنے لگی۔

”اور کیا جانتی ہو ان کے بارے میں، کیسے لوگ ہیں وہ؟“ روشنی نے پرجسس انداز میں پوچھا۔

”بہت اچھے لوگ ہیں جی ان کے خاندان کے لوگ ایکشن میں بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ وزیر بھی بنتے ہیں۔ ان کی عورتیں فیشن بھی کرتی ہیں۔ گاڑیوں میں بیٹھ کر شہر بھی جاتی ہیں۔“ صندل نے کہا۔

”اوہو، بھئی دولت کے علاوہ اور کیا خوبی ہے ان میں، کردار کے کیسے ہیں؟“ روشنی نے پوچھا۔



ناولٹ

سفر زیست کہاں پہنچے

صائمہ قیصر

”چلو بھی احسن میاں..... پہناؤ رومی بیٹی کو اپنے نام کی انگوٹھی۔“ خوب صورت اور وجیہ احسن امتیاز کی والدہ بڑے دلار سے اپنی ہونے والی بہو رومانیہ شہزاد کو دیکھتے ہوئے بولیں۔ جو کاسنی رنگ کے کاہنار جوڑے میں بے حد نازک اور نفیس دلہن بنی بیٹھی تھی۔

بڑے جذب کے عالم میں احسن نے نفرتی انگوٹھی رومی کی نازک سی انگلی میں پہنا کر اسے اپنے

اپنا گھر ہے، زمین ہے، مال مویشی ہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔“ رانی نے بروقت خود کو سنبھال لیا۔ اس کی تسلیوں کا کھوکھلا پن بہت واضح تھا۔

صندل کی نظریں اس کے افسردہ چہرے اور غم آنکھوں پر بٹک گئیں۔ اس کی چھٹی جس کسی انہونی کا اشارہ دے رہی تھی۔ ایسی ہی تسلیاں اس نے روشنی کو دی تھیں۔ پل بھر میں اسے احساس ہو گیا کہ وہ روشنی کی جگہ کھڑی ہے۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کوئی راز تھا جو اس پر آشکار ہونے لگا۔

”کون تم دار ہے وہ؟“ اسے اپنی آواز اجنبی سی محسوس ہونے لگی۔

”تم نہیں جانتیں، شہباز کی ڈیرے پر ملاقات ہوئی تھی اور کام کے سلسلے میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔“ رانی نے نظریں چرائیں۔

”میں جانتی ہوں کہ وہ کون ہے۔“ صندل کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی۔ ”وہ ایک اوجیز عمر شخص ہے جس کی میں تیسری یا چوتھی بیوی بننے جا رہی ہوں۔ ناں یہی بات ہے، ناں؟“ صندل کی آواز لرزنے لگی۔ اس پر جیسے کشف ہونے لگا تھا۔ رانی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

”اس کے جوان بچے ہیں اور یہ شادی کی سودے کی صورت میں طے ہوئی ہے۔ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ میں سب جانتی ہوں۔ میں اپنی پرورش کا تاوان بھرنے جا رہی ہوں۔ ایک اور انارکلی جبر کی دیوار میں چنوائی جائے گی اور نہ جانے یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔ سہی آنکھوں کے خواب کب تک آجڑتے رہیں گے۔“ صندل کی کیفیت دیوانوں سی ہو گئی۔ رانی اس کے اندازوں کی درستگی پر انگشت بدندان رہ گئی۔ زرد دوپہر کی اداسی بڑھنے لگی۔ پیلی بوجھی جا چکی تھی اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

پھنسی پھنسی سی آواز لگی۔ اس نے تو کبھی ایسی صورت حال کے متعلق خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

”ارے جلدی ہی تو ہونی ہے لڑکیوں کو اپنے گھر بار کا کرنے کی۔ تو کیا جانے تیرے ادا پر کتنا بوجھ تھا تیرا۔ راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ تیری فکر تو اسے اک پل کو چین نہیں لینے دیتی تھی۔ ارے تیرا رشتہ اسی نے تو طے کرنا تھا۔ ہمارے ہاں لڑکیوں بالیوں سے شادی بیاہ کی بات نہیں کرتے۔ بس رشتہ طے کر دیتے ہیں۔“ رفعت نے اس کے پیلے پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کمال تھا اسے تو کبھی ادا کی فکر کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔ وہ تو سمجھی تھی کہ اپنی شادیوں میں ہی مصروف ہے۔ خدا جانے کہاں اس کا رشتہ طے کیا گیا تھا۔ مارے شرم کے وہ پوچھ بھی نہیں سکتی تھی۔

”یہ رانی تیرے پاس بیٹھی ہے، سامان سمیٹ کر احتیاط سے رکھ دینا، میں ذرا مٹھائی دیکھ لوں۔“ رفعت نے باہر جانا ہی مناسب سمجھا۔ رانی سامان سمیٹ کر الماری میں رکھنے لگی۔ صندل نے بے تاب سی اس کا ہاتھ پکڑا۔

”سچ بتاؤ یہ سب کیا ہے؟ کہاں میرا رشتہ طے کیا ہے؟ کون لوگ ہیں اور اتنی جلدی کرنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا میں واقعی کوئی ان چاہا بوجھ ہوں؟“ اس کی آواز بھرا گئی۔

”جن لڑکیوں کے سر پر باب نہ ہوں وہ دوسروں کے لیے ان چاہا بوجھ ہی ہوتی ہیں۔“ رانی کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔ صندل ٹکڑ ٹکڑ اس کی صورت دیکھنے لگی۔

”لیکن تم فکر نہ کرو تمہارا بھائی تمہارا دشمن تو نہیں ہے۔ اس نے تمہارے لیے کچھ اچھا ہی سوچا ہوگا۔ تمہاری شادی بہت اچھی جگہ طے ہوئی ہے۔ تمہارے بھائی کے جاننے والے ہیں کسی دوسرے گاہوں کے سردار کے کم دار سے رشتہ طے ہوا ہے۔“

سفینہ ان کی زندگی میں آئیں..... اور دو خوب صورت سی بیٹوں کو بروان چڑھا کر، پڑھا لکھا کر خاموشی سے چلی بھی نہیں۔ لوگوں نے سفینہ بیگم کی موت کا ذمے دار شہزاد احمد کی آزاد طبیعت کو ٹھہرایا..... سامنے دھند میں گھری دھندلی سڑک پر اچانک کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نے مدھم سا اجالا کر دیا۔ وہ گاڑی اسی طرف آ رہی تھیں۔ شہزاد احمد نے غور سے دیکھا اور اتنے میں گاڑی کو بھی کے مرکزی دروازے پر آن رکی۔ چوکیدار نے ذرا سا جھانکا اور پھر دوڑ کے گیٹ کھولنے کی کوشش کی۔

”ذکا! چھوٹا گیٹ کھولو“ رومانیہ کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک اٹھے۔

رومانیہ اندر داخل ہوئی تو باہر کھڑی گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔ وہ سیدھی ٹیرس کے نیچے بنی داخلی سیڑھیوں کی جانب چلتی چلی آئی۔

”رومانیہ!“ خاموشی شہزاد احمد کی آواز سے گونج اٹھی۔

”جی پاپا! آپ جاگ رہے ہیں ابھی تک۔“ اس کے لہجے میں ذرا چھی ٹکرمندی نہ تھی۔

”اوپر آ جاؤ ٹیرس پہ.....“

”اوکے..... آ رہی ہوں۔“ اور کچھ ہی لمحوں میں وہ ان کے سامنے تھی۔

”رات کانی ہوگئی ہے..... کہاں تھیں اب تک؟“ لہجہ نرم ہی تھا۔

”ڈونٹ وری پاپا..... میں..... وہ احسن کے ساتھ تھی۔ رات کے کھانے پہ انوائٹ کیا تھا اس نے۔“

”اوہ..... تمہیں کھانا کھلانے کے پیسے نکل آئے اس کی جیب سے..... ہا ہا.....“ قدرے طنز آ کہا گیا۔

”پاپا! وہ مستقبل کا سرجن ڈاکٹر ہے۔ ابھی اگر کچھ کمی ہے تو انشاء اللہ بعد میں پوری ہو جائے گی۔“ اسے کچھ برا لگتا تھا۔

ہو گئیں۔

”ارے آپ! تم تو فوراً پنکھ بجھا دو! اس بن جاتی ہو..... اے موی ڈارلنگ! منع کرو ناں اپنی چھوٹے سے دل والی ماما کو.....“ وہ بے چین سی ہو گئی۔

”منا چپ!“ ننھے سے ہاتھ سیکینہ کی پلکوں سے نکلے۔

”بائی داوے آپ! یہ اپنے وسوسوں سے بھرے دل کو ذرا قابو میں رکھا کرو۔ ارے تمہاری بہن میں کیا کمی ہے۔ خوب صورتی، اعلیٰ تعلیم اور بولڈ نیس..... بہت سے عیب چھپا دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بیٹیوں خواص آج کے مرد کو ساری زندگی یوں بیوی کا غلام بنا کے رکھتے ہیں کہ مت پوچھو“ رومانیہ اپنی ازلی خصوصیات کا ذکر بڑے غرور اور اعتماد سے بہن کے ساتھ کر رہی تھی۔

”ماما! پاپا کا فون ہے.....“ سیکینہ، طاہر عثمانی کا فون سننے میں ٹٹن ہو گئی تو رومی بھانجی کے ساتھ تصاویر سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

شہزاد احمد اپنی وسیع عریض کوشی کے کشادہ ٹیرس پر کھڑے غیر ملکی کمپنی کا تیار کردہ خوب صورت سرگرمی رہے تھے۔ دھویں کے مرغولے سرد ہوا میں اوپر ہی اوپر کہیں تحلیل ہوئے جا رہے تھے۔ ان کی نگاہ بڑے سے آہنی مرکزی دروازے کے پار دور تک جاتی صاف ستھری سڑک پر تھی مگر دماغ میں گزشتہ پانچ سال کی تنہائی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ وہ جوانی کے پہلے دور سے ہی کبھی تنہا نہیں رہے۔ بنیادی طور پر وہ پیدائشی امیر خنصر رہے تھے۔ سیکینہ اور رومانیہ کی ماں سفینہ بیگم کی زندگی میں آنے کے بعد بھی وہ..... کتنی ہی خواتین کے بہترین دوست بنے رہے۔ تنہا رہنا ان کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ جیسے کچھ لوگ گم نام رہنا پسند نہیں کرتے یا پھر کچھ لوگوں کو محفل میں رہنا بے حد پسند ہوتا ہے۔

تعریفیں کرواؤ گی..... دو دن ہو گئے مدح سرائیاں کرتے کرتے.....“ ازراہ مذاق سیکینہ چبکی۔

”ہاں جی..... اور کیا خالہ! اتنی پیاری تو لگ رہی تھیں آپ۔“ موی کہاں چپ رہنے والی تھی۔

”دیکھو! اپنے نصیب پر رشک ذرا کم..... صرف تم اس رحمن الرحیم کا شکرانہ زیادہ ادا کرو میڈم..... اس دور میں کسی کا سچے دل سے چاہنا..... اور جاہت کا حاصل کر لینا صرف اس پروردگار کی مہربانی ہے اور کچھ نہیں سمجھیں؟“ بہن کے اس ٹیکچر پہ دھیمسا مسکرا کر وہ پلٹی۔

”جانتی ہوں، اللہ پاک کی کرم نوازیوں کا کوئی بدلہ اور شکر نہیں..... پر آہم..... آہم جناب ہماری پسند کی گئی آپ کو یہ تو کیسے؟“

”ہاں بھئی جانتے ہیں بڑا ہاتھ مارا ہے دوران تعلیم آپ نے..... آپ کے وجیہ پر سنیلینی والے مستقبل کے ڈاکٹر صاحب..... جناب احسن امتیاز۔ آپ کو مبارک ہوں۔“ سیکینہ بڑے انداز سے بولی۔

”رومی خالہ! احسن انکل بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے ڈھیر ساری چاکلیٹیں لانے کا پراس بھی کیا ہے۔“

”اب دیکھتے ہیں کہ اکلوتے لاڈلے کی موٹی سی اماں تمہارے لیے کیسی ساس ثابت ہوتی ہیں۔“ سیکینہ مستقبل کے اندیشوں پہ نگاہ کر کے بولی۔

”آپ! وہ اچھی ہیں تو بیٹے کی پسند کو فوراً اپنانے چلی آئیں۔ اور پھر مگنی کی تقریب میں کیسے دھیمے اور شگفتہ انداز میں ہم سب سے باتیں کرنی رہی تھیں۔ باوقار سی خاتون ہیں ناں! رومانیہ کو درحقیقت وہ بہتر ساس لگی تھیں۔“

”چلو اللہ کرے تمہاری زندگی شاندار گزرے۔ امی کی کمی کبھی محسوس نہ ہو، ایسی متا لے تمہیں ساسو ماں سے۔“ ماں کی یاد اور بہن کے مستقبل کی دعا کرتے ہوئے سیکینہ کی آنکھیں نم آ گئیں۔

تام کر لیا۔ عقب میں کھڑے رومی کے والد شہزاد احمد اور بہن سیکینہ نے اس محبت کے ساتھ تالیاں بجائیں کہ پورا ہال تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ رومی بھی احسن کو انگوٹھی پہنا چکی تھی..... اور اب سیکینہ آنکھوں میں بہن کی محبت اور ماں کا سا پیار لیے اس کے سامنے بیٹھی مبارک باد دے رہی تھی۔ خوشی سے آنکھوں میں آئے آنسو لیے وہ دولہا، دلہن کی بے مثال جوڑی پہ نازاں و فرحان تھی۔

”مبارک ہو رومانیہ!“

جواباً رومانیہ نے بڑے فخریہ انداز میں اسے دیکھا تھا۔

”سدا خوش رہو، خدا تمہیں بری گھڑی اور بد نظر سے بچائے۔“ سیکینہ کی دعائیں حسین تحفوں کے مانند اپنی جھولی میں سمیٹتے ہوئے رومی نے ایک فاتح کی طرح احسن امتیاز کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ اس کے دل میں اترتی چلی گئی۔

”اب تم میری ہو..... مبارک ہوں تمہیں یہ ساری خوشیاں۔“ احسن پیار بھرے دھیمے لہجے میں کان کے قریب آ کر کہہ رہا تھا۔ وہ شرماتے شرماتے بھی اپنی شرارتی ہنسی نہ روک سکی اور سر جھکا کے ہنس دی۔

”چلیں..... ذرا فوٹوشین ہو جائے..... باقی لوگ پلیز ہٹ جائیں یہاں سے.....“ کیمرا مین نے فرمان جاری کیا اور زندگی بھر کے لیے یادگار رہنے والی تصاویر بنانے لگا۔ سیکینہ اس کا پلو درست کر کے مطمئن سی اس سے اتر آئی۔

☆☆☆

”کیسے لگ رہے تھے ہم؟ سیکینہ آپ! بیچ بیچ بتائیں۔“ رومی لاؤنج میں کارپٹ پہ اوٹھ جلی اپنی مگنی کی ڈھیر ساری تصاویر کو دیکھتے ہوئے سیکینہ سے پوچھ رہی تھی اور وہ اپنی پانچ سالہ بیٹی موی کو فرارک پہنانے میں مگن تھی۔

”ارے بڑی خود پسند ہو رومی تم! بھی کتنی

ناں۔“ طلحہ کچھ کچھ سمجھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
 ”بھئی دیکھو رومی بی بی! ہمیشہ سے انسان کی زندگی میں دکھ اور سکھ کا آنا جانا لگا ہوا ہے۔ اسی طرح اپنے بے حد پیاروں سے ملنا بچھڑنا بھی..... یہ تو قانون قدرت ہے..... ہاں مگر صبر سے کام لو اور اگر مناسب سمجھو تو..... نیکینہ کو اپنی والدہ کی جگہ تصور..... کرو۔“ طاہر بھائی کے شفیق لہجے سے اسے قدرے ڈھارس ہوئی تھی۔ انگلیوں کی پوروں سے اس نے اندے آنسو سمیٹ لیے۔
 ”پاپا نے شادی کا کیا کہا ہے تمہاری؟“ نیکینہ نے موضوع بدلا۔
 ”ہم..... ویل..... پاپا نے سب کچھ مجھ پر ڈال دیا ہے، تم جانتی ہو حسبِ عادت..... اور پھر اہم بات احسن کی ہاؤس جاب کا مکمل ہونا ہے۔“
 ”اب اس میں کتنی دیر ہے، یار تمہارا اکیلا اپن دیکھا نہیں جاتا ہم سے۔“ نیکینہ بہن کی فکر میں تھی۔
 ”صرف تین ماہ..... یوں گزرنے والے ہیں۔“ رومی نے چٹکی بجا کر گویا تین ماہ اڑا دیے۔
 ”چلو جی..... شکر کریں گے، تمہیں ہم سفر مل جائے گا۔“ طاہر بھائی جو بہت مخلص سے بندے تھے بڑے پیار سے بولے۔ وہ چپک اٹھی۔
 ”واقعی طاہر بھائی، ہم سفر کی تلاش یا پھر اپنے پسندیدہ ہم سفر کی تلاش میرے لیے جانے کیوں اس قدر اہمیت رکھتی تھی کہ بس مت پوچھیں۔ واقعی اگر کوئی خیر و اور اسٹینڈرڈ کا بندہ نہ ملتا احسن کی طرح کا تو..... شاید ابھی میں اس تلاش کا اور وقت دیتی۔“
 ”اوہ..... تم بھی بہت سی دوسری لڑکیوں کی طرح آئیڈیلزم پر یقین رکھتی ہو؟“ طاہر بھائی ٹشو پیچھے سے منہ صاف کرتے ہوئے وہ پوچھ رہے تھے جس پاس کا چونکا لازم تھا۔
 ”یہ آئیڈیلزم نہیں ہے طاہر بھائی..... میرے خیال میں تو عظمتی ہے۔“

☆☆☆

وجیہ عثمانی کو مشتاق سید ہارومی کے ہیڈ روم میں لیے چلا آیا۔ جہاں رومی اور نیکینہ فیملی پہلے سے بے حد پرسکون ماحول میں گپ شپ میں مگن تھے۔
 ”ارے وجیہ! یار سوری..... میں مسرور گلڈز کمپنی کے کاغذات گاڑی میں ساتھ ہی لے آیا۔“ طاہر بھائی اسے دیکھتے ہی بول پڑے۔
 ”چلیں کوئی بات نہیں طاہر بھائی..... بھائی کو سچا سنورا دیکھ کر ویسے بھی آپ بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔“ سادہ مگر بھولے سے چہرے والا وجیہ بڑی اپنائیت سے ان کی بھول کو ٹال گیا۔ بچے رومی کو چھوڑ کر چاچو سے چپک گئے تھے اور وہ ان سے یوں مل رہا تھا جیسے کئی دن بعد نظر آئے ہوں۔
 ”میں ذرا..... اماں زرینہ کو چائے کا کہتی

ہوئے بولی۔

”خالہ!“ وہ منمنایا..... ”وہ تو موسیٰ بدتمیزی کرتی ہے ناں، روتے ہوئے میں تو نہیں۔“
 ”اوکے، اوکے..... چلو ہاتھ دھو کر سیدھے کھانے کی میز پر پہنچو..... چلو شایاش۔“ وہ انہیں دھکیل کر نیکینہ کے گنگلے لگ گئی۔
 ”اوہو..... واؤ آج تو بڑے بڑے لوگ بھی آئے ہیں۔“ اس کی نگاہ نیکینہ کے عقب میں طاہر عثمانی پہ پڑی۔ اس کے فیورٹ لوگوں میں سے ایک..... اس کے اکلوتے بہنوئی۔
 ”ہاں جی! بڑے بڑے گھروں کے بڑے لوگوں سے ملنے.....“ مہانت بھرے لہجے میں کہے طاہر بھائی نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ کچھ ہی دیر میں کھانے کی ٹیبل پر بھر پور شور اور تعریفیں چلنے لگیں۔
 ”یہ کوفتہ بریانی کھانے کے لیے میں یہاں جا آتا ہوں۔“ طاہر کھانے کا بھر پور لطف اٹھاتے ہوئے بولے۔
 ”اور میں رومی کی خوشامد میں بالکل نہیں کہوں گی کہ یہ تو میری بہن نے تیار کی ہے۔“ بھی اماں زرینہ اور مشتاق نے مل کر یہ شاہکار بریانی بنائی ہے۔“ نیکینہ کوفتہ بریانی کی پلیٹ صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔
 ”تمہیں امی کے ہاتھ کے کوفتے یاد ہیں نیکینہ؟“ رومی کے منہ میں ایک تنہا سا کوفتہ گردش کر رہا تھا۔
 ”ظاہر ہے..... تا عمر انسان ماں کے ہاتھ کے کھانے کو مس کرتا ہے رومی..... اس کا کوئی بدلہ ہے بھلا؟“ لہجے میں آنسو کی گھلاوٹ تھی۔
 ”ویسے یار! امی نے کئی چیٹنگ کی ہے.....“
 ”..... تمہاری شادی پہ کتنی خوشی منائی تھی انہوں نے اور..... میری دفعہ..... مجھے اکیلا چھوڑ گئیں۔“
 ”ماں کی یاد میں اس کی آواز زندہ کی گئی۔“
 ”خالہ! پلیز رونا نہیں، نا نوکوا اچھا نہیں لگے

”ہاں، ہاں ٹھیک ہے، تمہاری پسند ہے تو کیا کہہ سکتا ہوں؟“ بے پروائی سے کہا گیا۔ ”بس تمہیں خود ذرا..... احتیاط سے رہنا ہوگا۔ یو کے نہیں پاکستان ہے یہ..... یہاں بعض لوگ دوستوں کے گھس میں دشمن بھی ثابت ہوتے ہیں۔“
 ”نہیں پاپا..... آپ کا اشارہ اگر احسن کی طرف ہے تو ایسا بالکل نہیں۔ وہ ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور پاکستان کی ساکھ کا سہرا بہت حد تک متوسط طبقے کے سر ہے۔“ وہ احسن کی محبت پر بھر پور اعتماد رکھتی تھی۔
 ”ویل! یہ اب تم پر ہے..... نیکینہ شادی کے بعد ایک پرسکون زندگی گزار رہی ہے، امید کرتا ہوں کہ تم بھی.....“
 ”بھئی.....“
 ”نیکینہ! پاپا جانی، آپ کی دعا چاہیے۔“ وہ ان سے لپٹ گئی تھی۔

☆☆☆

اماں زرینہ اور مشتاق مل کے کھانا ڈانٹنگ ٹیبل پر سجھا رہے تھے۔ دونوں کی حیثیت گھر کے فرد جیسی تھی حالانکہ دونوں نے کچھ عرصہ قبل ہی باورچی خانے کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ رومانیہ نے اپنی لمبی پلکوں پہ مسکارے کا آخری بیج دیا ہی تھا کہ داخلی سیڑھیوں سے دھب دھب کی آواز سے چڑھتے نیکینہ کے دونوں بچوں کا شور سنائی دیا۔
 ”خالہ، خالہ!“ طلحہ، موسیٰ سے آگے تھا، وہ میک اپ چھوڑ چھاڑ کے کیوٹ سے طلحہ کو پیار بھری چٹکی ڈالنے کو دوڑی۔
 ”خالہ! میرے لیے گولڈن فٹ خریدی ہیں آپ نے یا نہیں؟“ وہ آتے ہی ٹیٹھی سی انگلی کے اشارے سے پوچھنے لگا۔
 ”ہاں جی..... نہ لیتے تو طلحہ صاحب کا رونا اور رونے کے دوران ان چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کے کچے بھی کھانا پڑتے۔“ وہ اسے پیار بھرا طنز کرتے

ہوں۔“ وجہ کے مذاق پہ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی سیکندہ کو اسے سرد رویے سے انگور کر کے وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور وجہ نے اس کے اس انداز کو سب سے زیادہ محسوس بھی کیا کیونکہ صرف آج ہی نہیں ہمیشہ اسے دل میں بسنے والی..... رومانیکہ نے جان بوجھ کر انگور ہی کیا تھا۔ وجہ وہ بالکل نہیں جانتا تھا مگر من پسند ہستی ہونے کے باوجود اس نے روی پہ بھی کوئی اختیار رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ طاہر بھائی نے اکاؤنٹ بار اس سے یہ رشتہ جوڑنے کے بارے میں پوچھا تو وہ کچھ بھی نہیں کہہ پایا۔ اس دل کے کیس نے کوئی اشارہ بھی تو نہیں دیا تھا اپنائیت کا..... وہ ان سے کیا کہتا؟

اماں زرینہ چائے کے لوازمات سے بھری ٹرائی دھکیلے ہوئے اندر آئی تو وہ دشمن جاں اس کے عقب میں بڑے مغرور اور بے پروا انداز میں تھی۔ ننھے طنز کو کندھوں سے اتارتے ہوئے وجہ نے لے بھر کو نظر بھر کے اسے دیکھا۔ سرخ پھولوں والے پرندے کا لے سوٹ پر سرخ گرم اسکارف گلے میں ڈالے وہ اور بھی شدت سے جیسے اس کی روح میں اترتی چلی گئی۔ کسی اور خوش نصیب کی امانت پہ یوں نظروں سے ڈاکا ڈالتے ہوئے اسے عجیب سی سخت محسوس ہوئی اور وہ سرد دھیرے سے جھمک کر خود کو سمجھاتے ہوئے چائے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

اسلام آباد کے نواحی گاؤں سبل کے پتوں بیچ دور تک جاتی طویل اور پتلی سی سڑک پہ وہ احسن کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھی جو گفتگو بھی۔ دوران گفتگو اس کی نگاہیں سڑک کے دونوں اطراف لگے درختوں کی ان شاخوں پہ انک رہی تھیں جو آگے تو دور دور تھے مگر سڑک کے دائیں اور بائیں ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو اپنی سرسبز شاخوں سے چھو رہے تھے..... روی کو ان کے عشق و سرور کا یہ عالم بے حد

متاثر کر رہا تھا۔

”احسن!“ اس نے کچھ دیر کی مستقل خاموشی کو توڑا۔

”ہم م.....“ وہ بھی شاید قدرت کی غرض صورتوں کو محسوس کر رہا تھا۔

”دیکھو تو یہ شاخیں کس طرح ایک دوسرے سے مل رہی ہیں۔“

”ہاں روی! ہمیشہ یہ نظارہ مجھے متاثر کرتا ہے بار“

”کہاں لے کے جا رہے ہو؟“

”اوپن ایئر تھیٹر دیکھو گی؟“ الٹا وہ پوچھنے لگی۔

”احسن! کتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے، میری تو ٹانگیں“

جائے گی نہ، نہ کہیں اور چلتے ہیں.....“ وہ بد بدائی۔

”چلو پھر..... گرم شال لے کر دوں تمہیں.....“ احسن کے لہجے میں ڈھیر ساری محبت کی گرمی موجود تھی۔ وہ مسکرا دی۔

”تم کیا سمجھتے ہو میرے پاس گرم شال نہیں ہیں؟“

جھوٹ موٹ کا طنز کیا گیا۔

”ارے نہیں، نہیں..... مجھ غریب کی جرات کہاں کہ آپ جیسی مہمان ہستی کو کسی سے کم تر سمجھوں۔“

ظاہر ہے ڈھیروں..... گرم لباس اور شالز ہوں گی۔“

”پھر.....؟“ اور بھی شدت سے پوچھا گیا۔

”پھر یہ کہ..... وہ میری دی ہوئی نہیں ہوں گی۔“

”ہاں احسن! اب اچھی کہی..... تمہارا دیا ہوا تحفہ تو میرے لیے بے حد اہم اور خاص الخاص ہوا ناں.....“ وہ ہنس دی۔

”تو چلو پھر..... سیدھے مارکیٹ چلتے ہیں، ایک دو گرم شالز لے لیتا اور پھر سوپ پی لیتے ہیں، کیسا؟“

”بہت زبردست، ویسے باقی داوے تمہاری ای کا کیا حال ہے؟“ اسے احسن کی اسی ہمیشہ اچھی لگتی تھیں۔

”ٹھیک ہیں وہ..... اچھا ہوا یا دولا یا..... ان کے لیے سوپ لیتا جاؤں گا۔ دو دن سے فرمائش کر رہی

ہے انہوں نے۔“ وہ اگلے موڑ کے بعد مین روڈ پہ نکل آیا۔

”اور ہماری..... آہم..... ہماری شادی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا ہے انہوں نے؟“ روی کے لہجے میں امید تھی۔

”وہی..... بعد از ہاؤس جاب..... کہنے لگیں کہ رومانیکہ سے کہو بیکار پھرنے کے بجائے جائے نماز پر بیٹھے، سچ کرے اور اپنی شادی کی دعائیں کیا کرے۔“ ساری بات احسن نے ہنستے ہنستے سنا دی اور روی تو بس..... جھوٹ جھوٹ کہتی رہ گئی۔

☆☆☆

ڈاکٹر صبیحہ جاوید کے اے کلاس سہولیات سے مزین میٹرنی ہوم سے نکل کر گاڑی میں بیٹھنے تک..... روی، سیکندہ کو انتہائی احتیاط اور محبت سے سہارا دیتے ہوئے لاتی تھی۔

”دیکھو، دیکھو آرام سے..... آرام سے تم بچھلی سیٹ پہ لیٹ جاؤ، سیکندہ آپی۔“ وہ سیکندہ کی طبیعت میں اچانک خرابی سے بے حد پریشان تو تھی ہی مگر..... ڈاکٹر صبیحہ کی دی ہوئی خوشخبری بھی بے حد اہم تھی۔ سیکندہ پھر سے ماں بسنے والی تھی۔

”آرام سے لیٹی ہوناں..... لویہ شن بھی رکھ لو اپنی کمر کے نیچے۔“ ڈرائیونگ کے درمیان بھی اس کا دھیان پیچھے تھا۔

”ارے میں ٹھیک ہوں اب..... بلکہ اب تو کافی ایکسپرٹ ہو چکی ہوں یار۔ تم اتنی فکر نہ کرو۔“

سیکندہ ہنس دی۔

”ہر بار امی کی ذمے داری ہوتی تھی تمہارے ننھے منوں کو احتیاط سے اس دنیا میں لینڈ کرانا۔ اب مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے، کیا کروں؟“ روی نے بے بسی سے کہا۔

”سیکندہ آپی! اچھا نہیں کیا یہ تم نے؟“ اچانک سے اسے کچھ یاد آ گیا۔

”کیوں بھی، خدا کی مرضی تھی۔“

”اب میری شادی پہ کو جوتا کھو کرنا بھی وہ؟“

”آئے ہائے، چھوڑو، تمہاری ساسو ماں ہی اتنی سست سی ہیں۔ بلا وجہ لٹکا دیا معاملہ کو..... لوگوں کی تو چٹ منگنی پٹ پیا ہوا کرتا ہے۔ ہم کیا کریں بھی۔“

”ویسے شاید احسن کے ہاؤس جاب پورا ہونے سے پہلے ہی تم فارغ ہو جاؤ۔ کیوں؟“

”بہت دعائیں کرتی ہوں ناں تم احسن کو پانے کی؟“ بہن پہ سیکندہ کو بے اختیار پیار آ گیا۔

”ہاں آبی! حالانکہ کھادت ہے کہ جس کو تم چاہو اس سے بھی شادی کرو جو خود تمہیں چاہے..... مگر.....“

”مگر.....؟“

”مگر پھر بھی احسن خود میری پسند ہے اور میں اسے دیوانگی کی حد تک ماننا چاہتی ہوں۔“ روی کے لہجے میں بلا کی حد تک کرمیکس کی دعا سیہ لگا ہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

”یارب! میری بہن کو وہ سب کچھ عطا فرمانا جس کی اسے چاہ ہے۔“

”آپی! اب میں تمہیں بالکل بھی تمہارے گھر نہیں چھوڑ رہی..... چاروں ہمارے یہاں رہو۔ کچھ صحت وحت ٹھیک کریں تمہاری.....“ وہ حسب عادت آرڈر لگا رہی تھی۔ سیکندہ نے مسکرا کر آنکھیں موند لیں۔ جانتی تھی روی خود ہی بچوں کو بھی لے آئے گی۔

☆☆☆

لان کے اطراف میں بنی کیار یوں میں وقفے وقفے سے جاسن اور آم کے گھنے پیڑ شہزاد احمد کی توجہ کا مرکز تھے۔ وہ سفید لان چیرے پہ بیٹھے اپنے کام میں ماہر دو مالیوں سے ان کی جڑوں کے کھوکھلے حصوں کو تازہ مٹی سے پُر کر رہے تھے۔ سبزہ اور ہریالی اس گھر کی خوب صورتی کا خاص حصہ رہی تھی وہ بھی صرف انہی کے شوق اور دلچسپی سے۔ پیڑوں کے

بغیر گھر میں مزہ ہی نہیں آ رہا۔“ وہ مالے کی ایک پھانک لیتے ہوئے بولا۔

”ہاں میرے دیور جا! جانتی ہوں تمہاری اور سب کی محبت..... مگر ذرا تھوڑے دن اور انتظار.....“

”آپ چلیں تو سہی بھابی جی..... میں وعدہ کرتا ہوں۔ ان سے زیادہ آپ کا خیال رکھوں گا۔ دیکھیں! صبح طلحہ اور مومی کو اسکول کے لیے تیار کروں گا۔ آپ کا اور بھائی کا ناشتا رانی کے ساتھ مل کر تیار کروں گا..... اور باقی پورا دن بھی آپ کا بیڈ ریسٹ.....“ وہ اسے انگلیوں پہ گنوانے لگا۔

”اگر انہوں نے اتنے کام کرنے کا وعدہ کر ہی لیا ہے تو خدا کے لیے آپ! تم یہ موقع گنواؤ مت اور فوراً اپنے گھر چلی جاؤ۔“ وہ بھی مذاق پر اتر آئی۔

”ہاں بھابی! وعدہ ہے..... خدا کی قسم۔“ وہ جذباتی ہو گیا۔ رومانیہ اس کے دل میں سکینہ کے لیے اتنا پیارا اور کیر دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جو اس کے اپنے آگے بندھے ہاتھوں کو تھام کر ہنسی چلی جا رہی تھی۔

☆☆☆

موتیا، گلاب اور گیندے کے پھولوں سے سجے کمرے میں وہ تجلجڑ عروسی پہ چودھویں کے چاند کے مانند جلوہ افروز تھی۔ اب وہ رومانیہ شہزاد سے رومانیہ احسن بن چکی تھی۔ آتش گلابی کا مدار لینے میں گویا جیسے میدے اور سیندور سے گندھی کوئی گڑیا آن بیٹھی تھی۔ سامنے لگے قد آدم آئینے میں وہ اپنے ہی روپ کو سہہ نہیں پا رہی تھی۔ آج اسے من کی مراد آخر کار مل ہی گئی تھی۔ اس عظیم الشان کامیابی پر دل سنبھالے نہیں سنبھل رہا تھا۔ اسے تو بس اپنے طیب کا ہی انتظار تھا جیسے۔

وقت وصل آن پہنچا اور احسن امتیاز کریم کلر کی کامدار شیروانی اور گولڈن دستار میں اس کے قریب

شادی کے ساتھ ساتھ..... سکینہ کے بچے کے لیے بھی بھرپور شاپنگ شروع کر لو۔“

”سکینہ آپ کی آنے والے منے کے لیے.....“ سکینہ نے اپنے منے کے لیے ہنسی کا پاپا مگر میں اپنی شادی پہ سوئے چھوڑے اور چند ضروری اشیا کے اور کچھ نہیں لے جانے والی آپ سے..... ہاں۔“

”کیوں بھی، کیوں؟ جہیز تو لے جانا ہوگا۔“ وہ قدرے حیران رہ گئے۔

”نہیں پاپا..... میں جہیز و ہیز کی تو بالکل قائل نہیں ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اور احسن ایک دوسرے کی مالی حیثیت سے نہیں..... بلکہ ایک دوسرے کی ذات سے محبت کریں۔ بالکل بے لوث ہو کر.....“ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں سنے سنے آئے تھے۔

”ہاں، ہاں..... رومی! جانتا ہوں کہ تمہیں اس کی پروا نہیں مگر تم سے زیادہ تجربہ رکھتا ہوں اس لیے یہ بھی جانتا ہوں کہ اس احسن امتیاز کو تم سے زیادہ..... تمہارے جہیز میں انٹرست ہوگا۔“ انہوں نے بہت واضح طریقے سے حقیقت سے اسے آگاہ کرنے کی کوشش کی مگر اسے بے حد برا لگا۔

”سوری پاپا! آپ ہمیشہ احسن امتیاز کو خصل اس لیے بہت ہلکا لیتے ہیں کہ وہ..... میری یعنی ایک نا تجربہ کار کی جو اس ہے مگر آج تک..... آج تک احسن نے کبھی غلطی سے بھول کر بھی ہماری اتنی بڑی جائداد کو ڈسکس نہیں کیا..... معذرت کے ساتھ کہ آپ کی سوچ درست نہیں بلکہ.....“ وہ کچھ کچھ الفاظ استعمال کرنا چاہتی تھی مگر خاموش ہو گئی۔

☆☆☆

وجیہ اپنی شاندار گاڑی میں سے اترتا وہ سکینہ کے ساتھ ٹیسرے پھوپھو سیلئے ہوئے مالے کھارہی تھی۔ وجیہ کے ہاتھوں میں لیونڈر کے سبکے ہوئے پھولوں کا گلہستہ تھا۔ سکینہ کی حس شرارت جاگ اُٹھی۔

پتے سرسرا رہے تھے جن میں سے آتی سورج کی روشنی لان کے سبزے پہ عجب نظارہ پیدا کر رہی تھی۔

رومانیہ گاڑی کی چابی لہراتے ہوئے سامنے روش پہ باہر کی طرف جا رہی تھی۔ انہوں نے آواز دے کر اسے بلا لیا۔

”جی پاپا، کیسے ہیں آپ؟“ وہ سبزے پہ اتر آئی۔

”ٹھیک ہوں، بیٹھو یہاں۔“

”مصرف ہیں شاید..... اپنے درختوں کا..... علاج کر رہے ہیں؟“ اس نے اندازہ لگایا۔

”ہاں..... جڑیں کھوکھلی ہوں تو..... بڑے بڑے تناور درخت بھی بے جان ہو کے گر جاتے ہیں..... مٹی بھرا رہا تھا۔“

”پاپا! آپ اپنا خیال بھی رکھا کریں۔“ اسے اور کچھ نہ سوچنا کہنے کو۔

”میری چھوڑو تم سناؤ، احسن کی ہاؤس جاب کہاں تک پہنچی؟“

”دوا رہ گئے ہیں پاپا.....“

”اوہ..... تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔“ بھی اس کی والدہ سے ملاقات رکھتے ہیں کسی دن..... بس تاریخ دیں اب ہمیں وہ شادی کی۔“

”پاپا! آپ کو مجھے بھیجے کی بہت جلدی ہے کیا؟“ اُمڈنی خوشی کو دباتے ہوئے جھوٹ موٹ کا اعتراف کیا۔

”آ..... ہاں ہاں..... اور کیا تمہیں یہیں بیٹھائے رکھوں گا تمام عمر.....“ وہ عجب سے انداز میں کہنے لگے..... رومی کو محسوس ہوا۔ اسے تو پاپا کا اس سے یوں خاص طور پر ہمدردی جتنا اور کافی عرصے سے بنا کسی خاتون دوست کے تنہا رہنا بھی خاصا کھٹک رہا تھا۔

”اچھا بھئی، احسن کی والدہ سے بات کرنا تو ہمارا کام ہے مگر تم یوں وقت ضائع مت کرو اور اپنی

فوراً احسن کا نمبر ملایا۔

☆☆☆

ناشتے کی ٹیبل پر چائے اور پراٹھے رکھے تھے دوسرے ہی لمحے احسن کی امی خوشبو اڑاتا مزیدار آلیٹ اٹھائے آگئیں۔
”لائیں، لائیں امی! بھوک بھی بہت لگی ہے۔“
دیر بھی ہو رہی ہے مجھے.....“ وہ دونوں ہاتھوں کرگڑتے ہوئے بولا۔

”اے یہ تیری موٹی ہاؤس جاب تو لمبی سے چلتی ہوئی چلی جا رہی ہے۔ کب یہ ختم ہو اور کب تیری دلہن لاؤں..... کم از کم تیری ذمے داری تو سونپی جائے گی اسے۔“

”کیوں امی، اب پراٹھے اور آلیٹ بنائے نہیں جاتے آپ سے کیا؟“ شرارت سے کہا۔

”خدا خیر کرے..... کیوں نہیں..... بس یہ روز کی ڈیوٹی نہیں دی جاتی اب مجھ سے۔“ اور ہاں دوسری بات یہ کہ کسی روز لے چل ان امیر زادوں کے یہاں مجھے..... وہ اکڑو سے شہزاد احمد کی طرف..... دن رکھ آؤں میں شادی کے اور اپنے ڈاکٹر بیٹے کے لیے یہ ڈھیر سارے جیمز کی لمبی سی لسٹ بھی تھا آؤں..... بھئی چھوٹا موٹا بنگلا، نو دس لاکھ کی گاڑی، زندگی کی شروعات کے لیے تھوڑا بہت بینک بیلنس تو اب عام سی بات ہو گئی ہے۔ اوپر سے اگر وہ مغرور آدمی اپنی بیٹی کو کچھ دینا چاہے تو..... ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ امی نے تو یکدم تفصیل سے اپنے خواب اسے سنا ڈالے..... وہ بڑے انداز سے مسکرایا۔

”جی جی..... کیوں نہیں امی..... آخر اس کی بہترین زندگی کے لیے ہی تو اتنی محنت کرتا رہا ہوں میں۔ خدا کی قسم..... جانے کتنے سال بیت گئے اب امیرا کے بیٹوں کو عیش کرتا دیکھتے ہوئے حسرت یاس میں اب آئے گی میری باری..... اور ویسے جی

آئیٹھا..... وہ کئی بار احسن سے پہلے بھی مل چکی تھی مگر یوں اس طرح ملنا تو اللہ اللہ..... اسے قیامت کی گھڑی سے بھی شدید لگ رہا تھا۔

احسن نے اسے سلام کیا اور ہیرے کی ایک خوب صورت انگلی اس کی نازک سی انگلی میں پہنا دی اور پھر گھونٹ اٹھا کر اسے متوجہ کیا۔

”کیسا لگ رہا ہے رومی؟“ خواب گاہ میں احسن کی محوری آواز ابھری۔

”بہت اچھا..... اور سہانا.....“ اڈتی خوشی لہجے میں درآئی۔

”ہماری محبت کامیاب ہوئی اور ہمارا خواب پورا ہو گیا۔“

”ہاں احسن! خدا کا شکر ہے، ہمارے جذبے سچے تھے اور منزل ایک..... خدا نے ہمیں سرخرو کیا۔“

”رومی! آج کی رات ہماری زندگی کی پہلی اہم ترین رات ہے۔ آؤ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر..... ان حسین خوابوں کی سیر کو نکل جائیں جو ہم نے کئی بار اک دو بجے کے بھر میں دیکھے تھے۔“

دوسرے ہی لمحے احسن کے گرم اور بھاری ہاتھوں میں اس کے نرم و نازک کا پتے کا ہاتھ تھے..... اور پھر شاید دل بھی۔

ان جانفزالمحات کے فوراً بعد ہی اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی سانسیں بند ہو رہی ہوں، وہ احسن کے بازوؤں میں جیسے تڑپنے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور..... اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ گرم کمر اس کے چہرے کو ڈھانپنے ہوئے تھا۔ جسے اس نے زور سے ہٹا دیا۔ وہ پسینے میں شرابو تھی۔ اس نے ٹیبل لیپ کی روشنی میں جانا کہ وہ احسن کی خواب گاہ میں نہیں اپنے بیڈروم میں محض اک خواب کی کیفیت سے دو چار تھی۔ اس خواب کا اثر ابھی تک اس کے دماغ پر طاری تھا اور دل دہائیاں دے رہا تھا کہ اے

کاش! یہ ایک خواب نہیں حقیقت ہوئی..... اس نے

ان جانفزالمحات کے فوراً بعد ہی اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی سانسیں بند ہو رہی ہوں، وہ احسن کے بازوؤں میں جیسے تڑپنے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور..... اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ گرم کمر اس کے چہرے کو ڈھانپنے ہوئے تھا۔ جسے اس نے زور سے ہٹا دیا۔ وہ پسینے میں شرابو تھی۔ اس نے ٹیبل لیپ کی روشنی میں جانا کہ وہ احسن کی خواب گاہ میں نہیں اپنے بیڈروم میں محض اک خواب کی کیفیت سے دو چار تھی۔ اس خواب کا اثر ابھی تک اس کے دماغ پر طاری تھا اور دل دہائیاں دے رہا تھا کہ اے

کاش! یہ ایک خواب نہیں حقیقت ہوئی..... اس نے

ان جانفزالمحات کے فوراً بعد ہی اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی سانسیں بند ہو رہی ہوں، وہ احسن کے بازوؤں میں جیسے تڑپنے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور..... اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ گرم کمر اس کے چہرے کو ڈھانپنے ہوئے تھا۔ جسے اس نے زور سے ہٹا دیا۔ وہ پسینے میں شرابو تھی۔ اس نے ٹیبل لیپ کی روشنی میں جانا کہ وہ احسن کی خواب گاہ میں نہیں اپنے بیڈروم میں محض اک خواب کی کیفیت سے دو چار تھی۔ اس خواب کا اثر ابھی تک اس کے دماغ پر طاری تھا اور دل دہائیاں دے رہا تھا کہ اے

کاش! یہ ایک خواب نہیں حقیقت ہوئی..... اس نے

ان جانفزالمحات کے فوراً بعد ہی اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی سانسیں بند ہو رہی ہوں، وہ احسن کے بازوؤں میں جیسے تڑپنے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور..... اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ گرم کمر اس کے چہرے کو ڈھانپنے ہوئے تھا۔ جسے اس نے زور سے ہٹا دیا۔ وہ پسینے میں شرابو تھی۔ اس نے ٹیبل لیپ کی روشنی میں جانا کہ وہ احسن کی خواب گاہ میں نہیں اپنے بیڈروم میں محض اک خواب کی کیفیت سے دو چار تھی۔ اس خواب کا اثر ابھی تک اس کے دماغ پر طاری تھا اور دل دہائیاں دے رہا تھا کہ اے

کاش! یہ ایک خواب نہیں حقیقت ہوئی..... اس نے

ان جانفزالمحات کے فوراً بعد ہی اسے یوں لگا کہ جیسے اس کی سانسیں بند ہو رہی ہوں، وہ احسن کے بازوؤں میں جیسے تڑپنے لگی۔ اس کا دم گھٹنے لگا اور..... اور پھر ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ گرم کمر اس کے چہرے کو ڈھانپنے ہوئے تھا۔ جسے اس نے زور سے ہٹا دیا۔ وہ پسینے میں شرابو تھی۔ اس نے ٹیبل لیپ کی روشنی میں جانا کہ وہ احسن کی خواب گاہ میں نہیں اپنے بیڈروم میں محض اک خواب کی کیفیت سے دو چار تھی۔ اس خواب کا اثر ابھی تک اس کے دماغ پر طاری تھا اور دل دہائیاں دے رہا تھا کہ اے

کاش! یہ ایک خواب نہیں حقیقت ہوئی..... اس نے

ای! آپ کے عقلمند بیٹے نے میڈیکل کالج کی انٹری
 پہنی دو تین لڑکیاں امیر گھرانوں کی تاڑ لی تھیں۔“
 ”آئے ہائے..... خدا تجھے نظر بد سے بچائے
 احسن! میرے بچے! یہ چہرہ جو تو نے جاند جیسا پایا
 ہے، بچپن سے ہی خاندان بھر کو پیارا لگتا تھا میرا
 شہزادہ۔“

”امی! خدا اگر حسن دے اور بندہ اس کا فائدہ
 بھی نہ اٹھائے تو..... گھونچو ہی ہوا ناں.....“ بڑے
 قافور سے کہہ کے وہ اپنا اور آل اٹھا کے چلتا بنا۔

☆☆☆

اگلے ہی دن وچ میں وہ احسن کے سامنے بیٹھی
 مزیدار سے انار کے جوس سے لطف اندوز ہو رہی
 تھی۔ رات کا خواب فون پر ڈسکس کرنے کے بعد
 احسن نے اسے حقیقی شادی کے پلان بنانے کے لیے
 وچ ریسٹورنٹ میں انوائٹ کیا تھا۔

”رات اچانک تمہارا فون آنے پر میں اچھا
 خاصا چونک گیا تھا یار۔“ جوس کے سپ لیتے ہوئے
 احسن بتا رہا تھا۔

”احسن! وہ خواب ایسا تھا کہ مجھے لگا جیسے یہ
 سب سچ ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تو میں..... کافی
 ڈسٹر بڈ تھی۔“

”ارے، خواب حقیقت بنے گا ایک دن.....
 یہ تو بس ریہرسل کروائی گئی ہے تمہیں.....“ احسن اپنی
 ذومعنی بات پر خود ہی ہنس دیا۔
 ”احسن.....!“ وہ شرما گئی۔

”اچھا خیر چھوڑو یار خوانی باتیں..... کچھ
 حقیقت کی فکر بھی کی جائے۔ دیکھو! میری ہاؤس
 جاب مکمل ہونے والی ہے اور وعدے کے مطابق امی
 اور تمہارے پاپا ہماری شادی کرنے والے ہیں۔ بولو
 کیسے ترتیب دیے جائیں سارے معاملات؟“ اب
 کی بار وہ واقعی سنجیدہ ہو گیا۔

”ایسے کون سے اتنے ڈھیر سارے معاملات

ہیں احسن! جو تم اور پاپا اتنی سنجیدگی سے طے کرنا
 چاہتے ہو؟ میں نے اپنے اور تمہارے ڈریسز خریدنا
 ہیں، ضرورت کی کچھ اشیا اور بس.....“ بڑی سادگی
 سے وہ بتانے لگی۔

”واٹ.....؟“ احسن کے لہجے میں بڑی
 حیرت تھی۔ ”یار! تم دوسری مشرقی لڑکیوں کی طرح
 یہ لمبا چوڑا جینز نہیں خریدو گی کیا؟“

”نہیں..... بالکل نہیں۔“ اس کا انداز حتمی تھا۔
 ”پر کیوں؟ اس قدر امیر باپ کی بیٹی ہو، کم
 آن رومی! کیا پرابلم ہے تمہیں بھلا؟“ وہ اچھا خاصا
 پریشان ہو گیا تھا۔

”احسن!“ بڑی بڑی آنکھوں کو مزید پھیلاتے
 ہوئے اس کے لہجے میں کافی حیران کن احتجاج اٹھ آیا۔
 ”میں تو حیران ہوں کہ تمہیں کیا پرابلم اور کنسرن ہے آخر
 جینز سے اور خاص کر پاپا کی پراپرٹی کے ذکر سے۔“

”نہیں یار!“ احسن نے فوراً خود کو سنبھالا۔
 ”مجھے..... تو نہیں مگر میرے رشتے داروں اور
 دوست احباب کو ضرور اعتراض ہوگا تمہارے خالی
 ہاتھ میرے گھر چلے آنے پر۔“

”مگر کیوں؟ یہ ہماری شادی اور ہماری لائف
 ہے، کسی کو بھلا ہم سے کیا کنسرن اور کیا اعتراض؟“

”رومی ڈیئر یہ لندن نہیں..... پاکستان ہے،
 یہاں خواہ مخواہ کے کنسرنز پیدا کر لیے جاتے ہیں
 خاص طور پر جب کسی سے کوئی خطا ہو جائے اور اس
 پہ ڈھیر ساری تنقید کرنا مقصود ہو، سمجھیں آپ؟“ لہجہ
 نرم مگر بات میں سختی تھی۔

”مگر پھر بھی میں جینز کے نام پر تجارت والے
 مشرقی رواج کو دل سے سخت ناپسند کرتی ہوں
 احسن۔ دیکھو صاف بات ہے۔ ہم دونوں ایک
 دوسرے کے لیے ضروری ہیں، ہمیں بس یہ ثابت کرنا
 ہے وہ بھی ایک دوسرے کو..... نہ کہ لوگوں کو..... اور
 یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔“

”اوکے، اوکے یار..... فضول کی بحث میں لگ گئے آتے ہی کھانے کا آرڈر تم دو گی یا میں؟“
احسن نے کمال ضبط کی انتہا کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں موضوع بدلا۔

”آف..... میرا داغ تو کافی گرم ہو گیا تھا۔ تم ہی منگوالو جو بھی پسند ہو اور ہاں آج بل میں ادا کروں گی۔“ رومانیہ تو اسے آسانی سے شفق ہوتے دیکھ کر نارمل ہو گئی مگر..... ساری ملاقات میں احسن اپنے اندر سے اٹھتے غصے اور متوقع ناکامی پہ مصنوعی مسکراہٹوں سے قابو پا رہا۔

☆☆☆

”جی..... جی میں بول رہا ہوں شہزادہ.....“
رومانیہ کی ہونے والی ساس کا فون تھا..... شہزاد احمد بے حد الارٹ ہو گئے۔
”کیسے ہیں شہزاد بھیا آپ؟“ دوسری جانب سے مروتا پوچھا گیا۔

”الحمد للہ..... بالکل فٹ ہوں میں، آپ سے دراصل رومی اور احسن کی شادی کی تفصیلات طے کرنا تھیں مجھے۔“

”ہاں جی..... میں نے بھی تو اسی لیے فون کیا ہے آپ کو.....“

”جی فرمائیں.....؟“ انہیں احسن کی والدہ کے خواہ مخواہ کا باتونی ہونے سے بہت کوفت ہوتی تھی۔

”ارے بھئی فرمانا اور مانا تو کچھ نہیں، گھر کی بات ہے..... بس آپ تو جانتے ہیں کہ احسن کے والد اس کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ میں نے بیوگی کے باوجود روپیہ اس کی تعلیم پر صرف کر دیا۔ اب تو بس خدا ہی بھر دے گا۔“
”جی میں جانتا ہوں.....“ کچھ عجیب سے دوسوے اٹھنے لگے۔

”تو بس پھر برا مت مانیے گا، میرے احسن کی نہیں..... اپنی بیٹی کی زندگی اور مستقبل کی خوشیوں

کو قائم رکھنے کے لیے آپ کو..... احسن کو سینکڑں ہوگا اور ایسا صرف تبھی ممکن ہے جب آپ رومی کے نام چھوٹا موٹا بنگلا، کوئی ایک گاڑی واڑی یا بینک بیلنس کر دیں۔“

”آپ جانتی ہیں میرے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔“ ان کے ہونٹوں پہ وہ مسکراہٹ رقصاں تھی جو اپنا اندازہ درست ہونے کی صورت میں آجاتی ہے۔

”جی، جی..... شہزاد بھائی! آپ تو بادشاہ آدمی ہیں اور کیا.....“

”آپ نے بجافر مایا..... مگر.....“

”مگر کیا؟“ ہولایا ہوا جملہ منہ سے نکلا۔

”مگر یہ کہ میں تو یہ سب لوازمات اپنی بیٹی کو دینے کے لیے تیار ہوں..... پردہ لینے کے لیے راضی نہیں۔ اب آپ ہی بتائیں، کیا کروں؟“ عجیب دورا ہے پلاکڑا کیا تھا رومی نے۔

”اچھا..... عجیب لڑکی ہے، اسے اچھی زندگی گزارنے کا کوئی شوق نہیں؟“ حیرت سے زیادہ تو دکھ تھا دوسری طرف۔

”اس نے بہت بہترین زندگی گزاری ہے بہن..... وہ تو روپے پیسے میں اس قدر پھیلی ہے کہ اب شاید دولت مندی کے بدلے وہ انسان کی محبت، پُر خلوص جذبات اور احساسات کی طلبگار ہو گئی ہے۔“ سادگی سے حقیقت بیان کی۔

”اچھا بھائی..... ٹھیک ہے، میں دوبارہ فون کروں گی..... وقت ملا تو۔“

”آپ آئیں نارومانیہ سے بات کرنے۔“
”چلو..... دیکھوں گی، ویسے آپ خود اپنی بیٹی کو یہاں کے ماحول اور رواجوں کے متعلق آگاہ کر دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔“ فون جواب سنے بغیر بند ہو گیا تھا۔ شہزاد صاحب کچھ پریشان ہو گئے۔

☆☆☆

ایک مہینہ عجیب گوگولی کیفیت میں گزر گیا۔ ایک طرف احسن کی والدہ کی آمد متوقع رہی اور دوسری طرف سکین کی ڈیپوری میں کافی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ خدا خدا کر کے بھی سیمنہ اس دنیا میں چلی آئی..... مگر رومی کا خواب ابھی تک بد دستور خواب ہی رہا۔ وہ جس کے بغیر زندگی ادھوری ادھوری سی لگا کرتی تھی۔ اب خال خال ہی دکھائی دینے لگا۔ بے تابی سے فون کی جستجو کرتی تو اکثر بڑی کر دیتا۔ شہزاد احمد الگ خاموش تھے۔ اب کس منہ سے احسن کی والدہ کی منت ساجت کرتے کہ وہ آئیں اور انگوٹھی سے جڑے اک نازک رشتے کو پائیدار کریں۔ رومی کی خند نے تو انہیں امیر سے غریب بنا کر رکھ دیا تھا۔ احسن، رومی کی پسند نہ ہوتا تو رشتوں کی لائن لگتی تھی۔

انتظار کی اسی اذیت ناک کیفیت سے دو چار وہ ایک دن وہاں جا پہنچی جہاں اپنی مصروفیت کے بارے میں احسن اسے بتا رہا تھا۔ یہ ایک مقامی پرائیوٹ اسپتال تھا۔ گیٹ کراس کر کے وہ مرکزی عمارت کی جانب جانے ہی لگی تھی کہ احسن اپنی کولیک ڈاکٹر زینیرہ کا ہاتھ تھامے کیشین سے ہٹتے ہوئے آتا نظر آیا۔ یہ منظر دیکھ کر دھک سے اس کا دل بیٹھنے لگا..... جسے اس نے کمال مہارت سے سنبھالا اور ایک مصنوعی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائے ان کی جانب بڑھی۔

”ہائے احسن! احسن اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔
”اوبائے رومی! کیا حال ہے؟“ یہ.....
”ہاں یہ ڈاکٹر زینیرہ ہیں۔ میں جانتی ہوں انہیں۔“
اس نے نہایت خوش اخلاقی سے زینیرہ سے مصافحہ کیا۔ جس کے انداز میں اپنی پرانی کلاس فیلو سے ملنے پہ کوئی گرجوٹھی نہیں تھی۔

”اوہ..... تو تم واقف ہو ان سے؟“ خواہ مخواہ ڈھریا گیا۔

”احسن مجھے کچھ وقت چاہیے..... اگر تم فری ہو تو؟“

”اوکے..... زینیرہ! میں تم سے کچھ دیر میں رابطہ کرتا ہوں۔“ مسکرا کر زینیرہ کو رخصت کیا۔ کچھ نہ کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہونے لگی۔

”ہاں رومی! یقیناً تم میرے بہت زیادہ بڑی ہونے کی وجہ سے پریشان ہو.....“ وہ اس کی طرف پلٹا..... مردانہ وجاہت تو اس کی ذات کا طرہ امتیاز تھی ہی..... اور اسے دل اسی کو اپنا سمجھتا تھا۔ لمحے میں گھائل ہونے لگی۔

”احسن! کہیں چل کے بات.....“
”بھئی..... میں آ جاؤ ایک طرف، میری نظر میں تو اتنے پیارے لان سے بڑھ کر کوئی اور خاص جگہ نہیں۔“ فوراً اس کی آفر کو رد کر دیا تو اس نے بھی عینہ پیش کرنے میں دیر نہ کی۔

”احسن! تمہاری ماؤں جاب مکمل ہونے پر امی نے آتا تھا ہمارے گھر؟“ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے اپنی بات کہی۔

”ہاں..... آتا تو تھا رومی..... مگر سچ بات یہ ہے کہ تمہارا رویہ ان کا دل دکھا گیا ہے۔“

”کیوں..... کیوں احسن! میں نے ایسا کیا کبہر دیا؟“

”بھئی رومی! سمجھنے کی کوشش کرو..... میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں..... میرے مستقبل کو وہ روشن اور محفوظ دیکھنا چاہتی ہیں..... مگر تم ہو کہ اپنے اتنے امیر والد کی جائداد میں سے اتنا بھی حصہ نہیں لینا چاہتی جو بیس خوشیوں کی ضمانت ہی دے سکے۔“ بے رخی کی انتہا اس کے خوب صورت چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔

”کیوں احسن! تم اپنے آپ پہ یقین نہیں رکھتے؟ اتنی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بھی تم بہتر زندگی

کی ضمانت دوسروں سے مانگ رہے ہو، کسی کے مرہون منت کیوں ہو تم؟ اور..... اور پھر ہماری محبت؟“ اسے جانے کہاں سے ڈھیروں غصہ آ گیا۔

”ارے بھائو میں گئی یہ خالی خولی محبت.....“

احسن کی آواز اور لہجہ اتنا گرجدار تھا کہ اس کے دل و دماغ کے ساتھ ساتھ کافی فاصلے سے گزرتے ہوئے اکاڈکا لوگوں نے بھی چونک کے ادھر ہی دیکھا تھا۔ احسن کا یہ روپ دیکھ کے روی کے دل میں سجا اس کا عظیم الشان بت یکھت گرا اور پاش پاش ہو گیا۔ وہ ہونٹ سی اسے دیکھنے لگی۔

”ارے تم سے بہتر شریک زندگی تو وہ زنیہ ہوگی میرے لیے..... کم از کم تجی محبت ہے اسے مجھ سے..... ارے میرے مستقبل کو سنوارنے کے لیے باپ سے پر اپنی میں حصہ بھی لے گی وہ۔“

”احسن!“ اس کے منہ سے فقط اتنا ہی نکلا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی اتنی زیادہ ہنک کے باعث چکرا کے گرجانی..... وہ تیزی سے مڑی اور جیسے من من بھر کے قدموں کو اٹھاتے ہوئے اپنی گاڑی تک پہنچی۔

☆☆☆

احسن کی شادی کی خبر کچھ ہی دنوں میں ”احمد والا“ کے اہنی گیٹ کو عبور کرتی..... اس کے کانوں سے آنکرائی۔ بادل گرے..... حسرت ویاس کا مینہ بھی آنکھوں کے بند توڑتے ہوئے خوب برسنا مگر جو بجلی گرتا تھی وہ..... بالکل بھی نہ گری۔ جب کافی سوچ بچار کے بعد اسے احساس ہوا کہ آخری ملاقات ادھوری رہ جانے پر بھی..... احسن نے اسے آواز تک نہ دی تھی۔ والد کے دھی مگر طنز یہ اور مغرور رویے کے باعث اسے غم کا بلتا آتش فشاں سینے میں ہی دفن مان پڑا پھر سب کچھ آتا فانا اور اس کی مرضی پوچھے بغیر ہی ہونے لگا۔ پاپا نے سیکینہ کو کچھ دن کے لیے بلا لیا تھا۔ اس کا درد بنانے کو نہیں بلکہ وہ کینیڈا میں مقیم اپنے فرسٹ کزن کے بڑے بیٹے کے ساتھ اس کا نکاح

کرنے کے معاملات طے کر رہے تھے، وہ بھی سیکینہ پر..... سیکینہ نے اسے آگاہ کیا تو جواب میں وہ بس خاموش رہی تھی۔ جب احسن ہی نہیں ملا تھا تو کوئی بھی سہی..... یہ ہی جواب ملا اسے اپنے اندر سے۔

”رومی! ذرا اپنے چہرے کی کیئر کرنا شروع کرو۔ حیث یہ ہی سہی مگر تمہاری تصویر تو دیکھے گا ناں تمہارا دل کینیڈا میں.....“ سیکینہ بڑے پیار سے اسے دھیرے دھیرے سمجھاتی مگر وہ سر جھاڑ منہ پھاڑے سارے گھر میں بلا وجہ عجب بولا ہی سی پھرتی..... جیسے کوئی مقصد حیات ہی نہیں ہوا پھر بہت جیتی شے لم ہو گئی ہو۔ اصل میں تو اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ اس کے آئیڈیل احسن میں ایسا خاص کیا تھا جسے وہ بھلا نہیں پاری تھی۔ کئی بار تو اس کے دماغ نے بھی عجیب سا سوال داغ دیا کہ وہ اس کا آئیڈیل تھا بھی یا نہیں۔ سلگتے لمحوں نے اس کی یادداشت کو داغدار کیا اور جلتا ہوا وقت کچھ آگے سرک گیا۔ خزاں کی ایک اداس سی شام میں جب گھر کے تمام افراد کے درمیان وہ..... دہن بنی کمپیوٹر اسکرین کے سامنے بیٹھی اسکرین پر نظر آتے نملاسم کے دو لہاسے ایجاب و قبول کر رہی تھی تو بے وجہ اسے اپنا وہ خواب یاد آ گیا۔ وہی چھوٹا فرنی خواب، جسے وہ چاہ کر بھی کبھی بھلا نہیں پائی تھی۔ نکاح ہوتے ہی ارد گرد سے اور لاکھوں میل دور کینیڈا سے بھی مبارک سلامت کا شور سنائی دیا اور پھر اسے تین ماہ کے اندر رخصت کر کے کینیڈا لے آنے کے وعدے کے بعد تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ سیکینہ نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

☆☆☆

نکاح تو ہو ہی گیا تھا مگر اس کے کان پہ جوں تک نہ رہتی۔ وہ پوری کی پوری کسی کے نام سے منسوب ہو گئی۔ اسے چنداں پروا نہ تھی۔ عبدالمہیب کی ڈھیروں تصاویر کمپیوٹر میں اس کے سامنے کھلی تھیں۔ وہ ہلکے ہلکے کرتی جاری تھی مگر عبدالمہیب

کی کوئی بھی تصویر اسے اپنائیت کا احساس نہ دلا سکی۔ in box میں اس کے نام کئی پیغامات تھے اور اپنی پسند و ناپسند کا ذکر بھی..... جس سے اسے ایک خاص بات کا علم ہوا کہ عبدالمہیب بے حد مذہبی سوچ رکھتا ہے اور اسے بھی..... جہیز لینے کے بجائے دہن کو ایک محفوظ اور بہتر زندگی فراہم کرنے کے لیے مالی اور اخلاقی تحفظ دینا پسند ہے۔ یہ پیغام پڑھنے کے بعد وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی۔

کچھ ہی دنوں میں اس پر پاپا کی ان جلد بازیوں کا راز بھی افشاں ہو گیا۔ جب رخ سے اپنے کمرے میں وہ خود ساختہ قید سے گھبرا کر نیچے لاؤنج کی میز پر اترتی تو اماں زینہ نے اسے بتایا کہ ڈرائنگ روم میں اس کے پاپا سے ملنے کوئی خاتون آئی ہیں اور پاپا وہ ہیں۔ شہزاد بہت عرصے سے اپنی کسی دوست کو گھر نہیں لائے تھے۔ ابھی اسے یقین تھا کہ کوئی رشتے دار خاتون ہوں گی۔ وہ سیدھی ڈرائنگ روم کی جانب چل دی۔ جہاں وہ دونوں بے حد خوشگوار موزوں موجود تھے مگر خاتون بالکل انجانی کی تھیں۔ جو اس سے عمر میں تو دو گنی تھیں مگر کش پیش میں اسے ہزار گنا مات دے رہی تھیں۔ اسے دیکھ کے مگرانی رہیں وہ مگر شہزادہ قدرے گڑبڑا سے گئے۔

”آؤ..... ان سے ملو روئی بیٹا..... یہ میری فرینڈ..... تمہاری آٹھی مونا ہیں، بڑی دلچسپ..... شخصیت کی مالک ہیں۔“

رومی کو بیزاری میں بھی اس مصحکہ خیزی اور ماڈ خاتون سے چہرے پر مروت سجا کر ملنا پڑا۔ عادت تو بچپن سے تھی مگر اب اس عمر میں بھی والد کو ایسی سرگرمیوں میں ملوث دیکھ کے اسے حیا سے زیادہ ہنسی محسوس ہوئی۔

”ٹانکس گرل“ مصنوعی سے انگشت لہجے میں ان خاتون نے کہا۔

”بیٹا! زینہ اور مشتاق سے کافی کا کہو۔“

☆☆☆

سیکینہ اور طاہر بھائی نے اسے نکاح کی خوشی میں اپنے خوشیوں بھرے پرسکون گھر میں انوائٹ کیا تھا۔ وجہ کی جانب سے لان میں رات کو بارنی کیو پارٹی بھی ارینج کی تھی غنی اور تو اور اس نے اپنے کچھ خوش حراج دوستوں کو بھی دعوت پر بلایا تھا جنہوں نے آکر مختلف گانوں پر گروپ ڈانسز کرنے کا پروگرام تک بنا ڈالا، سب کچھ محض رومانیہ احمد کو خوش کرنے کے لیے ترتیب دیا جا رہا تھا۔ احسن کی طرف سے لگائی گئی اس کے دل کی چوٹ کو سب مل کے مندل کرنے میں بہت دنوں سے مصروف عمل تھے۔ انہیں اسے احساس دلانا تھا کہ وہ اب ایک نئی اور پریکٹیکل زندگی شروع کر چکی ہے۔ سیکینہ کی فرمائش پر وہ سی گرین شیٹوں کی ساڑی پر 70 کی دہائی کا اونچا اور بڑا سا جوڑا سجائے جب تیز روشنیوں میں چلی آئی تو سب مہمان خصوصی کو جیسے دیکھتے ہی رہ گئے..... وجہ عثمانی کا دل پہلی مرتبہ بڑے زور سے عجیب انداز میں دھڑکا..... دونوں ہاتھوں سے گونج دار تالی کی آواز جو نکلی تو سبھی حاضرین محفل اس کی آمد پر محبت سے تالیاں بجانے لگے۔ سیکینہ نے دہن پر پھول چھاور کیے اور بڑے انداز سے اس کا ہاتھ تمام کر لان میں عین اسج کے سامنے رکھے صوفے پر لا بٹھایا۔ تقریب شروع ہو گئی۔ شہزاد احمد حسب عادت یہاں آنے کے بجائے اپنی نئی فرینڈ کے ساتھ لاٹنگ ڈرائیو پر نکل گئے تھے۔ وجہ کی سرکردگی میں اچھا خاصا انتظام و اہتمام اس کے لیے کیا گیا تھا۔ مشروبات کی پیشکش کے فوراً

اپنے دماغ کو دیجئے طاقت اور توانائی



دفتری، گھریلو کارکردگی بہتر بنائیے

BRAINICA
BRAIN ENERGIZER SYRUP

فود پلیمنٹ کوئی سائڈ ایفیکٹ نہیں
PCSR سے تصدیق شدہ

برینیکا
سرپ
Rs.500/=

توانا اور متحرک دماغ، بہتر زندگی!

برینیکا بذریعہ کوریٹر/وی پی پی

اپنے گھر منگوانے کیلئے فون کیجئے

0315-3830001, 0315-3830002

0213-4943664
0213-4010647

یاد رکھیے، برینیکا سبب کسی اور دوسرے میڈیکل اسٹور یا ریٹیلر کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا

”یار..... مگر ہاف سیلیوز تو اوڑھے ہوئے بڑے سے دوپٹے کے بھی اندر نہیں..... ان کو کیسے نظر آئیں؟“ وہ قدرے چڑھی ہوئی تھی۔

”لو..... اب یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ آرگنزا کے کاہن دو روپے میں بھلا..... دکھائی نہیں دیتی ہوں گی تمہاری گوری بائیں.....“ اسے رومی کے غصے کا علم تو تھا ہی۔

”اب خود ہی بتاؤ کیا جواب دوں۔ سخت سے “سوری“ لکھوں یا ڈھٹائی سے “میری مرضی؟“ ”چھوڑ دو کچھ بھی نہ لکھو۔ یوں ظاہر کرنا جیسے تم نے میل دیکھی ہی نہیں۔“ اُدھر سے رف سا آئینڈا پیش کیا گیا۔

”اوکے مگر ظاہر..... ہی کر سکتی ہوں۔ یقین دلانا مشکل ہوگا۔“ ہزاروں سے فون بند کر کے وہ کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کچھ اور بھی میلو تھیں برائی..... جنہیں اس نے آج مٹا دیئے کی ٹھانی تھی۔ مگر اسی اثنا میں کینڈا اسے اس کے شوہر نامدار..... عبدالمنیب کا فون آگیا..... اس نے فون کو گھورا۔ نکاح کے ایجاب و قبول کے بعد شاید دوسری مرتبہ اس سے بات ہونے والی تھی۔

”ہے..... ہیلو۔“ رشتہ گہرا تھا پر آشنائی نہ تھی۔ ”السلام علیکم.....“ خالفتا عربی لہجے میں کہا گیا۔ اس کی ہنسی چھوٹے چھوٹے رہ گئی۔ دھیرے سے اس نے جواب دیا۔

”کس سے..... بات کر رہی تھیں رومانیہ؟“ عجب سے انداز میں حال چال پوچھے بغیر سوال داغا گیا۔

”مم..... میں..... وہ سیکنڈ آپنی سے..... بات کر رہی تھی۔“

”ہاں پہلے بڑی تھا فون.....“ ”جی جی..... وہ بس..... آپ بھی مجھ سے ایک بات شیئر کریں گے کیا؟“ وہ بھی دلوںک ہو گئی جیسے۔

”یہیجئے کے لائق سمجھ رہی تھی۔“ ”دیکھو ناں! یہاں کتنی بورنگ لگ رہی ہوں میں..... اور یہ آف..... کسی مائی کی تصویر۔“ بے دلی سے تصاویر دیکھتے ہوئے وہ اپنے زریں خیالات کا اظہار بہن سے کر رہی تھی۔

”میں نے تو اسی روز تمہیں بتا دیا تھا کہ شکل درست کرو ورنہ رابعہ پھوپھی کی خاندانی ہیلتھ وزیٹری لگو گی۔“ کشن کا بھرپور وار کھا کے بھی سیکنڈ ہنسی رہی تھی۔ آج میل باکس میں..... عبدالمنیب کی بڑی بہن نے بھی ای میل میسج بھیجا تھا۔ اس نے کمال شوق سے اسے اوپن کیا مگر پڑھنے کے بعد عجیب سے تاثرات دل میں ابھرنے لگے۔ رومن انگریزی میں لکھا تھا۔

”السلام علیکم، کیا حال ہے بھائی رومانیہ عبدالمنیب جی! آپ کی سلامتی کے لیے ڈھیروں دعائیں، آپ کی پیکرز..... ملی ہیں یوں تو ہمیں ان کا بے صبری سے انتظار تھا اور آپ کو پہلی مرتبہ اتنا کلوز دیکھ کے خوشی بھی ہوئی۔ بس..... برا مت مانیے گا..... کہ ہمارے سمیت..... عبدالمنیب بھائی کو آپ کی ہاف سیلیوز کچھ غیر مناسب سی لگیں..... معاف کیجیے گا پر بہتر ہوگا اگر آپ مکمل آسٹین والے موٹے کپڑے زیب تن کیا کیجیے..... دل سے دعائیں، اپنا خیال رکھیے گا۔“

رومانیہ بھی مایوس..... اور کبھی اپنے کپڑوں کو عجیب بے ڈھنگے انداز میں دیکھنے لگی۔ پھر سائڈ پر کھوا ہوا موبائل اٹھا کے سیکنڈ کا نمبر بریں کیا..... اور ایک ہی سانس میں اسے میل سنا ڈالی۔

”ہاں..... تو..... عبدالمنیب تمہارے شوہر ہیں..... ت..... تمہیں ان کی پسند و ناپسند کا خیال تو رکھنا ہوگا ناں۔“ یہ جانتے ہوئے کہ رومی بذات خود اپنی اچھی خاصی نقاد ہے سیکنڈ اسے سمجھانا بھی مشکل سا لگا۔

بعد اس کے دوستوں نے محفل کو جیسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ غصہ کا ہلاکلا اور مشہور گانوں پر لڑکوں کے زبردست ڈانسز نے ماحول کو گرمادیا۔ وجہ پوری طرح ان کے ساتھ شریک رہا بلکہ ننھے ننھے طلحہ اور شرارتی سی مومی کو بھی ساتھ لگائے رکھا۔ سیکنڈ نے بڑے عرصے بعد رومی کے چہرے پر کچھ حقیقی تاثرات نوٹ کیے۔ وہ طلحہ، مومی اور وجہ کی آپس کی شرارتوں پر مسکرا رہی تھی یا محظوظ ہو رہی تھی جو بھی تھا بڑے دنوں بعد نظر آیا تھا سیکنڈ کو۔ وہ مطمئن سی ہو گئی۔

اتنے سارے ڈانسز اور تلے گلے کے باعث سب دوستوں کی جھوک چمک اٹھی تو لان میں باربی کیو کرتے بیرے گرم گرم چکن بوٹی، سٹخ کیاپ اور نکلے خوب صورت سلاڈ سے سجے تھالوں میں اٹھائے ایک ایک مہمان کو پیش کرنے لگے۔

”رومانیہ جی!“ وجہ اپنے پُر دقار چہرے پر تمام تر خلوص سچائے اس کے قریب چلا آیا۔ ”آپ کو ہمارے انتظامات میں کوئی کمی تو نہیں لگی؟“

”ارے نہیں، نہیں وجہ! شکریہ..... بے حد شکریہ..... اس قدر خلوص کا۔“ آج اس کا تہ دل سے شکریہ کرنا تو بننا ہی تھا۔

”بس رومانیہ جی! ہمارے اس خلوص کو آپ ہمیشہ یاد رکھیے گا اور بھی جو ہماری ضرورت آن پڑے تو بلا جھجک کہہ ڈالیے گا۔ جتنی آپ ہماری بھائی کو عزیز ہیں۔ آپ کا خیال کرنا تو بننا ہی ہے ناں.....“ اس کے لہجے میں سچائی تھی۔

”جی ضرور.....“ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی اور وہ طلحہ کی پکار پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

رومانیہ کے نکاح کی تصاویر خود اس کے بجائے سیکنڈ آپنی نے عبدالمنیب کو ای میل کی تھیں..... حالانکہ رومی ان میں سے صرف چند کو ہی

”یہ کینیڈا میں رہتے ہوئے بھی آپ کی فیملی..... اس قدر مذہبی عقائد کا خیال کیسے رکھ رہی ہے؟“
 ”رومانیہ! فار یور انفارمیشن ایک تو مذہبی عقائد کا تعلق کسی خاص ملک سے نہیں ہوتا اور دوسرے شاید شہزادانگل نے آپ کو ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا..... ہم تین سال سے کینیڈا میں شفٹ ہوئے ہیں پہلے تو تمام عمر سودی عرب میں رہائش تھی ہماری۔“

”اوہ..... اوکے..... اب پتا چل گیا ہے۔“
 اسے اور کچھ نہ سوچا۔
 ”خیر آپ کی خیریت معلوم کرنا تھی۔ جواب کرتا رہوں گا..... اور آپ کا بڑی فون بھی مجھے خواہ مخواہ کالشن کرنے لگا کہ جانے کس سے بات ہو رہی ہے ہمارے سوا آپ کی..... اوکے..... اللہ حافظ۔“
 فون تو بند ہو گیا اور اس کے کانوں کی سائیں سائیں تو جیسے بند ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں رنگ جیسے غائب ہو گئے تھے۔ سنسان گھر میں صرف عبدالمعین کے فون آنے کی گھنٹی وقفے وقفے سے بجتی رہتی تھی۔ لان میں بھٹے رو پہلے پھولوں پر شاید کوئی تازہ شبنم نہیں ٹھہری تھی اور گہرے سبزے میں گہرا ”احمد ولا“ زردی مائل بے رونق سی جگہ بن گیا تھا۔ شہزاد احمد کی لاڈلی امیر زادی یوں تو روپے پیسے کی اسیر نہیں تھی مگر ڈھیروں دولت بھی اس کے دل کی خوشیاں خرید نہیں سکتی تھی اور پھر خریداری تو اسے محبت جیسے انمول رشتے کو استوار کرنے کے لیے کرنی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

”کیسا بے وقوف رہا میں بھی عمر بھر..... یا شاید خود پر کوئی گمان ہی نہیں رہا.....“ یہی تو اسے حاصل کرنا تو دور اس سے اظہار محبت بھی نہ کر سکا۔ وجیہ عثمانی سادہ سے شلواری قمیص میں ملبوس اپنے کمرے میں

تہا بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اس نے شاید تیسرے یا چوتھے سگریٹ کی راکھ سامنے رکھی ایش ٹرے میں بچھائی اور پھر سے خود کو تلاشے میں مگن ہو گیا۔
 جب طاہر بھائی نے رومانیہ کا رشتہ لے جانے کے بارے میں رائے لی تو اس نے حیرت انگیز طور پر انکار کر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ خود کو اس کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ کینیڈا بھائی بتایا کرتی تھیں کہ وہ سدا کی خطی ہے..... خاص کر اپنے آئیڈیلز کے متعلق.....

بچپن سے وہ ہر کام اور ہر شخص کے بارے میں اپنا الگ ہی ایک تصور بناتی ہے اور پھر اس کی رائے کو بدلنا کبھی آسان نہیں ہوتا تھا۔ رومانیہ کی ہزاروں خوبیوں میں محض یہ ایک ایسی خامی تھی جو بقول شہزاد انگل کے..... اسے ضائع کر رہی تھی۔ اسے رومی کے لیے اپنے جذبات کی ٹوہ لگاتے ہوئے شہزاد انگل بھی اپنی بہت سی خامیوں کے ساتھ نظر آئے۔

”کیا ہزاروں خوبیوں والے انسان کی کسی ایک خامی پر اسے سزا دینا ضروری ہے جبکہ اس کی یہ خامی کسی اور کے لیے نقصان دہ بھی نہ ہو؟“ رومی کا معاملہ اس کے ذہن میں جانے کیوں زیر بحث تھا۔
 ”ارے وجیہ! تم یہاں بیٹھے ہو..... اور یہ کیا سگریٹ پینا کب سے شروع کر دی تم نے.....“ آف بہت بری بات ہے..... مجھے تو بالکل پسند نہیں۔“
 مکینہ بھائی کٹے ہوئے سیبوں کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولے چلے جا رہی تھیں۔

”وہ..... میں سوچ رہا تھا آپ بچوں کو لے کر کسی دن رومی کی طرف چلی جائے گا..... کافی اکیلا پن محسوس کرتی ہے وہ.....“ خواہ مخواہ منہ سے پھسل گیا تو اسے خود کا کافی خفت محسوس ہوئی۔ اس کا کیا حق تھا بھلا یہ کہنے کا؟ مکینہ نے بھی عجیب سے انداز میں اسے دیکھا۔

”ہاں..... ضرور چلی جاؤں گی اصل میں سارا مسئلہ تو طلحہ اور مومی کے اسکول کا ہے ناں.....“ وہ

جس طرح بولتی ہوئی آئی تھیں ویسے ہی چلی گئیں.....
 وجیہ تو بس سر جھٹک کے رہ گیا۔

☆☆☆

عبدالمعین سے اس کے تعلقات عجیب بے ڈھنگے سے انداز میں چل رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی مگر شاید اس کی قسمت شادی اور محبت کے معاملے میں بڑی بیکانگلی تھی۔

ہزاروں، لاکھوں میل کی دوری کے باوجود..... عبدالمعین کا کردار کسی شکی، اور حاکمیت پسند شوہر جیسا رہا تھا۔ کئی بار تو وہ پاپا کی عادات پر بھی اچھا خاصا ٹیکچر دے چکا تھا۔

”میرے ابو نے بتایا ہے کہ شہزاد انگل الکحل کا استعمال کرتے ہیں..... آپ دونوں بیٹیوں پہ بھی انہوں نے کبھی کوئی چیک نہیں رکھا..... مکینہ باجی کا دل اتنی آزادی کے باوجود بھی سسرال میں کیسے ٹکا ہوا ہے؟ میرے ابو نے ہمارا نکاح کر کے شہزاد انگل جیسے بندے پر احسان ہی تو کیا ہے..... برا مت مائیے گا..... سنا ہے انہوں نے پہلے بھی آپ کا کہیں رشتہ کیا ہوا تھا۔ اور آپ کی امی جی ان کی اسی آزاد عادت کے باعث دھمی دل سے رخصت ہو گئیں اس دنیا سے۔“ وہ باتوں باتوں میں جیسے اسے زچ کرتا رہتا تھا۔ اس طرح کے سوالوں کے جواب تو پھر بھی تراش لیتی وہ۔ مگر شکوک رہنا بھی اس کی روٹین میں شامل تھا۔

”آج کہاں گئی تھیں؟ اکیلی تھیں یا مکینہ باجی ساتھ تھیں تمہارے؟ اماں زینہ کس مرض کی دوا ہے؟ اسے کیوں نہیں ساتھ لے جاتیں شاپنگ پہ؟“
 برنچ نہیں پسند تو عیایا خرید لو..... اور عیایا طبیعت پہ ناگوار گزرے تو بڑی سی چادر ہی لے لو.....“ اگرچہ اس کی ہدایات درست اور فائدہ مند تھیں مگر انداز میں جو حاکمیت اور سخت گیری تھی روز بروز وہ اس سے واقف ہوتی جا رہی تھی۔ پتا نہیں عبدالمعین کو کچھ

بھاتا ہی نہیں تھا یا در پردہ اس کی بڑی بہن اپنی سوچ کا اطلاق کرانے میں سرگرم تھی..... کچھ تو تھا جو دونوں میاں، بیوی..... میں بن کے نہیں دے رہی تھی اور پھر کینیڈا روائی سے محض تین روز قبل ہی معاملہ جھگڑے تک آن پہنچا..... حسب عادت معین کا دن میں ساتواں فون تھا۔ ہر بار وہ بڑی مستعدی سے اس کے ہر ایک سوال کا جواب دے رہی تھی جو یقیناً اس کی لمحہ بہ لمحہ مصروفیات کے بارے میں ہی تھا مگر پھر سارے کمرے میں بکھرے سامان کی ملازمہ کے ساتھ پیکنگ کرتے ہوئے اسے فون اٹھانے میں دیر ہو گئی۔ عبدالمعین غضبناک سا ہو رہا تھا۔

”کہاں تھیں تم؟“ بے حد غیر مہذب انداز میں استفہار ہوا۔

”وہ..... میں وہ سامان کی پیکنگ.....“
 ”ارے بس کرو..... کیا کچھ لوٹ کے لاؤ گی باپ کے گھر سے..... انسان کو ایک مختصر سا وقت کاٹنا ہے اس دنیا میں اور پھر یہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے رخصت ہو جانا ہے..... کیوں فضول خرچیاں اور لالچ بسالیا ہے تم جیسی لڑکیوں نے اپنے دماغوں میں؟“ آف اتنے مہذب ممالک میں رہ کر اتنی خوب صورت سوچ کا پرچار وہ اتنے غیر اخلاقی انداز میں کر رہا تھا جیسے وہ اس کی منکوچ نہیں کوئی راہ چلتی غیر مہذب لڑکی ہو۔

ہائے ری قسمت!..... سفر زیست عجب سے رنگ دکھا رہا تھا۔ پہلا ہم سفر مادہ پرستی کی انتہا پہ تھا اور دوسرا..... اسے خواہ مخواہ..... نقیش پسندی کے الزام میں ملوث کرنے پر تیار ہوا تھا..... اس کا سر چکرانے لگا۔

”غیب!“ اس کی آواز برداشت کی حدوں کو توڑتے ہوئے حلق سے برآمد ہوئی۔ ”آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے..... میں آپ کی بیوی ہوں کوئی زرخیز غلام نہیں..... سمجھے آپ؟“
 ”اوہو..... تو بلی تھیلے سے باہر آئی گئی۔ والد

روزمرہ تھکن کو بدل ڈالنے
چستی اور توانائی میں!

VITALITA SYRUP

Food Supplement for Vitality

Verified by
PCSI

Rs. 250/-

ایک انمول خزانہ
ہر ذکر کھے تو نانا

★ بدن کو معدنیات کی فراہمی

★ پروٹین کی کمی کا خاتمہ

★ دماغی کارکردگی میں بہتری

★ بدن کے لئے چستی اور توانائی

★ بیماریوں کے خلاف بھرپور مدافعت

★ ہر عمر کے مردوں اور عورتوں کے لئے

★ سائنڈ ایفکٹ سے مکمل محفوظ

★ روزمرہ کاموں کے لئے بھرپور توانائی

وائٹالینا سیروپ بذریعہ کوریڈر وی پی پی

اپنے گھر منگوانے کیلئے فون کیجئے

0315-3830001, 0315-3830002

کراچی میں وائٹالینا سیروپ حاصل کرنے کیلئے

اسٹریٹ روڈ نزد آغا خان ہسپتال
0213-4943664

17 مارچ 2013ء کوستان جوہر نزد جوہر چورنگی
0213-4010647

یاد رکھیے، وائٹالینا سیروپ کسی اور دوسرے

میڈیکل اسٹور یا رابطہ نمبر کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا

”پاپا! اپنی زندگی کا مکمل اختیار اپنے شوہر.....
عبدالمصیب کو سونپنے سے پہلے میں اپنے دماغ میں
آئے خدشات کو دور کرنا چاہتی ہوں اور اس معاملے
پہ میرے کچھ تحفظات، بحث طلب ہیں۔“
”جانتی ہو کہ کس وقت آکر تم ایسی باتوں کی
گارٹی مانگ رہی ہو جب بارات سمجھو دروازے پہ
کھڑی ہے۔ ہوش، عقل کے ناخن لو۔ جانے کب تم
عقل مند ہوگی؟ تین دن..... صرف تین دن بعد تمہاری
فلائٹ کفرم ہے۔ بے وقوف.....!“ وہ بھی اس کے
باپ تھے۔ ارد گرد کا لحاظ کیے بغیر اس پر چلا آئے۔

”صرف آپ یہ بتائیں کہ آپ میری مدد
کر رہے ہیں یا نہیں؟“
”کیوں..... اور کیسی مدد کرنا ہوگی مجھے
تمہاری؟“ طنز اُپو چھا گیا۔

”آپ کو اپنے کزن اور اس..... عبدالمصیب
سے میرے حقوق کے متعلق نہ صرف بات کرنا ہوگی
بلکہ..... بلکہ ایک reminder پر دستخط کروانا
ہوں گے کہ.....“

”شٹ اپ، نان سنس لڑکی میں کبھی ایسا
نہیں کروں گا۔ کیا سمجھ رکھا ہے..... تم نے مجھے؟ جو
معاملات نکاح سے قبل طے کرنے کے ہوتے ہیں
اب ان کی منت سماجت کر کے حل کرواؤں۔ تمہیں
اب اپنے پرائیمل خود ہی حل کرنا ہوں گی۔“

”پاپا! کیا یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے؟“
”ہاں..... بالکل اور پھر تم جیسی نادان اور خود
پسند لڑکی کے لیے کون وقت ضائع کرے۔“ ان کا لہجہ
نہ جانے کیوں مگر بہت درشت تھا اور پھر اس کا جواب
بھی مل گیا۔ مونا آگنی بڑے انداز اور استحقاق سے
گاڑی سے نکل کر اس کے عین سامنے کھڑی تھیں۔

”بے بی! ڈونٹ مائنڈ! پرتم جیسی بیٹیوں کے
والدین بھری جوانی میں ہی بوڑھے ہو جاتے ہیں۔
پہلے بھی تم نے اپنی شادی کے معاملات کو خراب کیا

نگاہ مونا پہ ڈال کر اب شہزاد احمد سے مخاطب ہوئی۔
اس کے سچے کی ضد بھی باپ نے فوراً محسوس کر لی۔
”افوہ..... کیا ہے رومی، مجھے تمہاری مونا آگنی
کو چھوڑنے جانا ہے..... کیا مسئلہ ہے؟ بات واپسی
پہ بھی ہو سکتی ہے۔“ انہوں نے اس کے جارحانہ موڈ
کو دبانے کی کوشش کی تو وہ اور بھی بدکی۔
”نہیں..... آپ ابھی چلیں اندر..... میرے
ساتھ..... مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے
پاپا۔“

انہوں نے کسی محتاج کی طرح مونا کو دیکھا۔
جس کے چہرے اور انداز میں گھر جانے کی بے حد
جلدی صاف ظاہر تھی۔

”جانے تم کیوں سمجھ نہیں پا رہیں..... بالکل
ایک دودھ پیتی بچی کی طرح ضد ہوتی ہے تمہاری.....
میں کچھ نہیں جانتا بس..... جو بتانا ہے بتا دو بیٹی.....
کم آن.....“ اس نے بھی موقع مل دیکھے بغیر سب
کہنے کا تہیہ کر لیا۔ جانتی تھی کہ جب ان کی زندگی میں
کوئی عورت آتی ہے وہ یوں ہی غیر اور کشور بن
جاتے ہیں۔ اس کے لیے خاص وقت شاید کبھی نہ
نکال سکیں گے۔

”تو سنیں پاپا..... آپ کے کزن کا بیٹا عبد
عبدالمصیب نکاح کے دن سے لے کر آج تک نہ صرف
میری اسمٹ کرنے میں لگا ہوا ہے بلکہ..... بلکہ وہ
ایک بے حد شکی اور حاکمیت پسند انسان ہے..... آگنی
ایم سوری پاپا..... اتنی دور سے اگر وہ مجھے ڈنٹی اور
روحانی طور پر یہ تکلیف دے رہا ہے تو آپ خود ہی
بتائیں کیا تمام عمر میرا اور اس کا مزاج مل سکے گا؟“
سرتاپا آگنی ووسوس کی ٹیٹیں اس نے اگل ڈالی
تھیں۔ شہزاد احمد ایک لمحے کو سکتے میں آ گئے۔

”لڑکی! تمہارا دماغ تو درست ہے؟ کیا چاہتی
ہو آخر تم؟“ انہیں رومی کے گمبیر مسئلے سے زیادہ مونا
سے شرمندگی کی پر وائھی۔

صاحب نے سب کچھ مجھے بعد از نکاح بتایا تو مجھے
تمہارے اس لب ولہجے کی پہلے سے توقع ہو گئی تھی۔“
”آپ کی سوچ انتہائی محدود اور سختی ہے.....
انتہائی مناسب اور قابل عمل باتوں کو بھی آپ کا یہ
انداز مجھ پر اثر انداز نہیں ہونے دے رہا۔“ اس کا
لہجہ جذبات سے عاری تھا۔

”تم جیسی آزاد خیال گھرانوں کی لڑکیاں بڑی
محنت سے سیدھی ہوتی ہیں اور وہ میں کر کے ہی دم
لوں گا۔ فون بند کرتا ہوں۔ تم سے انشاء اللہ چار روز
بعد ملاقات ہوگی..... اور پھر میری ہر بات من و عن
بجائے شریعت ماننا پڑے گی..... اللہ حافظ۔“

”کیا گزارہ ہو سکے گا تمام عمر؟“ فون بند
ہوتے ہی وہ سر تھام کے بستر پہ ڈھسے گی۔ ایک ہی
سوال دماغ میں زوروں سے گردش کرنے لگا۔

☆☆☆

گیراج میں کھڑی برٹش گرین پراڈو میں بیٹھی
مونا آگنی ہاتھ میں تھامے آئینے سے اپنی آخری لک
دیکھ رہی تھیں۔ ڈرائیور باہر کھڑے شہزاد احمد کے حکم
پہ گاڑی کو اور بھی چکارا ہاتھا۔ صبح کے اجالے میں پورا
دلا ہی دیکر رہا تھا۔

”شہزاد رنگ! پلیز جلدی کرو۔ امی دو گھنٹے سے
میرا ویٹ کر رہی ہیں۔“ مونا آگنی شاید کل رات سے
یہیں قیام پذیر تھیں۔ ابھی تو گھر جانے کی جلدی تھی۔

”بس دو منٹ یا! یہ ان کام چوروں کا کام
مجھے کبھی پسند نہیں آتا۔ جب تک خود اپنی نگرانی میں نہ
کراؤں، حرام خور ہیں یہ۔ اتنی خوب صورت گاڑی
کی یہ حالت بنا رکھی ہے انہوں نے؟ شہزاد احمد کی کھلی
تعریفوں پہ ڈرائیور نے بس کان دبانے میں ہی
عافیت سمجھی۔

”پاپا، پاپا! کہاں جا رہے ہیں آپ؟ پلیز اندر
چلیں..... میری بات سنیں.....“ اچانک رومانیسہ
گیراج میں وارد ہوئی۔ اور ایک عیسائی اور تنقیدی

بھائی بھی وجیہ کے ساتھ ساتھ حیران ہو گئے۔

”جی..... جی وہ میں..... طاہر بھائی! ذرا دل
اداس ہو رہا تھا۔ آپنی اور بچوں سے۔“

”مگر پھر بھی..... رومی بیٹا؟“ ان کا انداز ہنوز
سوالیہ تھا۔

”مجھے تو یہ کسی مشکل میں لگتی ہیں۔ از پوری تھنک او کے ٹاں؟“ وجیہ اس سے کیسے ناواقف ہوتا بھلا۔

”سکینہ! بے چاری کو یہاں بہن میں کھڑا رکھوں گی یا..... چلو اندر چل کے بات کرتے ہیں.....“ اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ سکینہ کے جہازی سائز بیڈ کے کونے پر بیٹھی مستقل روئے چلے جا رہی تھی اور اس کے ارد گرد بیٹھے سارے نفوس دکھ اور شک کے عالم میں اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے کسی اُن دیکھی قوت سے سوال کر رہے ہوں۔ ”اب اسے کیا کہنا ہے؟“

”میں..... میں جانتی ہوں..... آپ لوگ بھی
پاپا کی طرح مجھے خود پسند، ضدی اور بے وقوف ہی
کہیں گے۔ مگر خدا کی قسم میں.....“ رندھی ہوئی
آواز میں اس نے اپنی بھرپور صفائی پیش کرنے کی
کوشش کی۔

”رک جاؤ رومی بیٹا! پلزز..... کیوں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے خدائے واحد کی قسمیں لھارہی ہو، وہ بھی ہمارے سامنے اپنے دوستوں کے سامنے ہم دونوں میاں، بیوی نے ہمیشہ تمہیں اپنے تہا سے گھر میں اپنے باپ کی ہر عادت پر قربانی دیتے دیکھا ہے پھر کیوں تمہاری ہوئیں اپنے بارے میں؟“ طاہر بھائی..... باپ جیسی شفیق پر نینٹی کے مالک..... آج اسے وہ پیارا اور اعتماد بخش رہے تھے۔ جسے اس نے برسوں مس کیا تھا۔ بات کرتے ہوئے ان کی آنکھیں نم تھیں اور جنہیں دیکھ کے دونوں بہنیں بھی رو دیں۔ طاہر نے ایک تھکی گڑیا کی طرح اسے

اب بھی وہ فیڈر بننا ہی تھی کہ اسے مین گیٹ پہ
رومانیہ کی گاڑی کا ہارن صاف سنائی دیا۔ اس نے
نگاہ اٹھائی چکن میں لگے کلاک پہ سوا گیارہ کا وقت
واضح تھا۔ وہ حیران رہ گئی..... فیڈر وہیں چھوڑ کر وہ
باہر کی طرف بھاگی..... رومی ہی تھی جو گاڑی پورچ
میں لگا کے اسی کی طرف آرہی تھی۔ دونوں ہمیش
شدت سے گلے لگ گئیں۔

”میں نے کل آنا ہی تھا رہنے کے لیے.....
 سوچا کہ تمہارے جانے میں دن ہی کتنے باقی ہیں۔
 کچھ گھڑی.....“ عجیب سے اندیشوں کے زپر اثر،
 ایک بڑی بہن ہونے کے ناتے عجیب سے بے ربط
 الفاظ اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔

”میرے ساتھ اندر چلو.....“ سرد لہجے میں جواب ملا تو سکینہ اسے لیے کچن میں آگئی۔

”خیر ہے ناں رومی؟“

”نہیں..... تم تو اپنے گھر میں اتنی مکن رہتی ہو کہ اُس گھر کی کوئی خبر ہی نہیں تمہیں.....“ پریشانی میں اس نے بڑی بہن سے شکوہ بھی کر دیا۔

”اب بتا بھی چکو..... میرا دل دہلا رہی ہو خواہ
خواہ.....“

”شہزاد احمد..... تمہارے پاپا..... بہت جلد شادی کر رہے ہیں..... اور.....“

”اور..... دوسری بات کیا ہے..... رومی؟ میں جانتی ہوں کہ دوسری بات پہلی سے زیادہ اہم ہے۔“
 سے پاپا کے متعلق خبر ذرہ برابر بھی نہ لگی۔

”اور یہ کہ میں پرسوں کینیڈا نہیں جا رہی۔“ وہ
 بڑے حوصلے اور دکھ بھرے لہجے میں بولی مگر سیکنہ پہ
 گویا کوئی ہم گرا۔

”کیا..... فضول بکواس ہے؟ تمہاری رخصتی ہے پرسوں اور.....“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی.....
 ملاہر اور وجیہ دونوں اسی طرف آرہے تھے۔

”ارے رومی! یہ تم ہو۔ اس وقت؟“ طاہر

اور اب بھی تمہاری اپنے شوہر سے نہیں بن رہی..... تو پھر اس کی سزا بے چارے باپ کو کیوں دے رہی ہو؟“

”آئی! ایک عورت کی حیثیت سے آپ ہی بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے جبکہ عبدالملیب ایک اس نے مکاری مونا آئی کے طعنوں کو بھی اپنی پریشانی میں اگنور کر کے پھوچا۔

”صاف بات ہے..... تم کوئی اسکول جاتی پچی نہیں ہو، عاقل و بالغ ہو، جاؤ خوب دیر تک سوچو اور جو سمجھ میں آئے وہی فیصلہ کرلو..... کیوں شہزاد ڈار لنگ ایم آئی راسخ؟“

”ہاں..... ہاں بالکل..... ویسے بھی میں
زبردستی کا قائل نہیں ہوں..... البتہ جو بھی فیصلہ کرو،
یہ سوچ کے کرنا کہ کچھ ہی دنوں میں ہم دونوں بھی
شادی کر رہے ہیں۔ کم از کم ہمارے معاملات کو
ڈسٹرب مت کرنا، اوکے۔“ وہ اس نئے انکشاف پر
تب تک سُن اور ہنسنے لگی کہ ابھی تک گاڑی کا
انجن ایک زبردست گونج سے اشارت نہیں ہو گیا۔ وہ
سر جھکائے دھیرے دھیرے چلتے ہوئے گیراج سے
نکل آئی۔

☆☆☆☆

نیکینہ بچوں کو سلا کے کچھ دیر کو بچن کا ایک چکر ضرور لگایا کرتی تھی۔ سب کچھ نوکروں پہ چھوڑنا اسے سخت ناپسند رہا تھا۔ رات دس گیارہ بجے جب دونوں باورچی بچن صاف کر کے سونے کو جاتے تو وہ ضرور آ کر نظر ڈال لیا کرتی تھی کہ کہیں چولہے جلنے تو نہیں رہ گئے۔ فریق کا دروازہ اچھی طرح بند ہے۔ سالن فریزر میں رکھ دیے گئے ہیں، بانی کے نکلے مکمل بند ہیں، روٹی کے ککڑے زمین پر تو نہیں گرے اور خاص طور پر وہ مومی اور بخشی حسہ کے لیے دو گرم فیڈرز دودھ کے تیار کر لیتی تھی۔ جب وہ وقفے وقفے سے بھوک کے مارے اٹھتی تھیں تو فوراً دے دیا کرتی تھی

غزل
 بڑا عجیب سا موسم رہا ہے آنکھوں میں
 خوشی کی رُت میں بھی کچھ شہمی سی رہتی ہے
 بھری محفل میں بھی کم صدم، اداس اور تنہا
 جہوم میں بھی مگر اک کمی سی رہتی ہے
 انا کے خول میں رہ کر صدا نہیں دیتے
 نگاہ ناز میں لیکن نمی سی رہتی ہے
 وہی سپنا کہ جو تم نے کبھی دکھایا تھا
 اسی منظر پہ اب نگاہ جی سی رہتی ہے
 کرن پچھڑتے سے اس نے کہا تھا مجھ سے
 تنہی سنبھالو کہ، دھڑکن تھی سی رہتی ہے
 شاعرہ: مہنا زکرن، پشاور

☆☆☆
 کینیڈا رخصتی کی صبح شہزاد احمد بیٹی کو دعائیں
 دینے کے لیے اس کے کمرے میں چلے آئے۔ جہاں
 گزشتہ رات سے آئی سکینہ اور بچہ بھی سو رہے تھے۔
 ”ایک بچے کی فلائٹ ہے، ذرا ناٹم سے نکل جانا۔
 ائر پورٹ پہ کافی مسئلے ہوتے ہیں، آں بورڈ ہوتے
 ہوتے.....“ وہ سر جھکائے قہقہا خفا اور خاموش بیٹھی تھی۔
 ”سکینہ بھی جان بوجھ کر انکھیں موندے لیٹی رہی۔

”جانتا ہوں..... تمہاری ماں کے جانے کے بعد..... ایک بہترین باپ کا کردار احسن طریقے سے ادا نہیں کر سکا..... جیسا تجھی ہوں کوشش تو کی ہے تم لوگوں کو خوشیاں دینے کی۔ ہاں بے پروا ہوں شروع سے..... سو بہت کچھ برداشت کیا ہوگا تم دونوں نے..... خاص کر رومی بیٹا تم نے.....“ وہ بدستور خاموش رہی ہاں البتہ دکھ کے بادل آنکھوں کے رستے ٹیپ ٹیپ برسنے لگے۔

”ٹھیک ہے، جانتا ہوں تم بہت خفا ہو.....
معافی تو نہیں مانگوں گا مگر امید کرتا ہوں کہ بہت جلد تم

عبدالغنیب کے رنگ میں خود کو رنگ کے ایک خوشگوار زندگی گزارو گی۔ میری تمام تر نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔“ ایک جھٹکے سے وہ یوں اٹھ کر چلے گئے جیسے کوئی ساستدان کوئی بھی..... سیاسی بیان داغ کر ڈاؤس سے غائب ہو جاتا ہے۔ ”سکینہ اٹھ کر کے بیٹھ گئی۔

”تم تیار ہونا رو می؟“ سب کچھ سننے کے بعد اس نے پوچھا۔

”ہاں آپنی! میں نے پکا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”تو ٹھیک ہے، گیارہ بجے ظاہر اور وجہ کے ساتھ کورٹ جا کر ہم دونوں خلع کے کاغذات کینیڈا روانہ کر دیں گے۔“

”ٹھیک ہے آئی! روز روز سے تو ایک ہی دن مرنا بہتر ہے اور ویسے بھی مجھے احساس ہوا کہ بحیثیت عورت ذات کے..... میں تو شاید خود کو بدلنے میں کسی حد تک کامیاب ہو جاؤں پر عبدالغنیب بہت سخت مزاج کا مالک ہے۔ وہ میرے لیے ایک فی صد بھی چیلنج نہیں ہوگا..... میری ہستی اس کے اور اس کی فیملی کے لیے بھی باعث مصیبت بن جائے گی۔“

”خدا تمہارا حامی و ناصر ہو رو می! اگر امی زندہ ہوتیں تو شاید یہ سب نہ ہوتا..... تم بھی منجد ہار میں ڈوٹی کتے کے بجائے کسی کنارے لگی ہوتیں.....“

گہرے دکھ سے اس کی آواز بوجھل ہونے لگی۔

☆☆☆

”رومی! تمہیں ظاہر بھائی اور سکینہ بھابی کے ساتھ گھر واپس جانا چاہیے تھا۔ شہزاد اکل کو جب یہ علم ہوگا تو وہ..... شاید تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کریں۔“ کورٹ سے واپسی پر اس نے بہن اور بہنوئی کو زبردستی واپس بھیج دیا تھا۔

”پاپا کو ہمیشہ سے جانتی ہوں اور اب بھی خود ہی فیس کروں گی انہیں..... بس وجہ! آپ چھوڑ آئیں گی تک مجھے.....“ سکینہ اسے اللہ کے حوالے

کر کے اسی کے اصرار پر طاہر کے ساتھ چلی گئی۔

”وجہ! وہ میرے پاپا ہیں..... اور جانتی ہوں کس حد تک غصہ آئے گا انہیں۔“

”اوکے..... خدا آپ کی مدد کرے..... ایک بات پوچھوں..... برامت مائیے گا۔“

”یہی کہ اب میں کیا کروں گی؟ تمہا زندگی کیسے کاٹوں گی؟“

”جی جی..... بالکل میم! یہی پوچھنے والا تھا میں۔“ وہ دروہری مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔ ”بولو ناں کیا ہوگا اب تمہارا؟“ لہجے میں لاکھوں فکریں تھیں۔

”وجہ! یہ وہ سوال ہے جو ماں کی وفات کے بعد میرے لیے کئی بار دہرایا گیا۔ ہر بار..... جواب میں میرے پاس کچھ نہیں تھا مگر پھر بھی زندگی کتنی رہی..... مرنے نہیں گئی میں.....“

”تو..... کیا پھر سے خود کو اپنے بے پروا پاپا، مونا آنٹی کے طعنوں اور احمد ولا کی اداسیوں کے حوالے کر دو گی تم؟“

”بتائیں، کوئی حل ہے آپ کے پاس؟“

”بہت کچھ چاہ کے آج بھی وہ اسے بس یہ نہ کہہ پایا کہ میں حاضر ہوں..... تمام مشکلوں..... تمام کم مائیگی گودور کروں گا۔“

”جو بھی ہے رومانیکہ! انسان کے لیے تنہا پہاڑ جیسی زندگی گزارنا بہت مشکل کام ہے۔ خلع ملنے ہی تم اپنے لیے کوئی مناسب ساجیون ساتھی تلاش کر لیتا..... سکون سے زندگی کئے گی ورنہ..... تو عورت کے لیے مسائل کا انبار کھڑا ہے۔“ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے مشورہ ہی دیا گیا بس اس سے۔

”آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی وجہ؟“ بے خیالی میں شاید ناٹم پاس..... کے لیے پوچھا گیا سوال کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح وجہ کے دماغ میں لگا۔

”میں نے..... شادی.....؟“ ایک بے بس سی

مسکراہٹ ہونٹوں پہ چسپاں ہو گئی۔

”جی ہاں، آپ نے؟“

”کوئی خاص وجہ نہیں بس..... اب کیا کہوں..... شاید جس کی تلاش بھی وہ ملا نہیں۔“

”اس کا مطلب..... سب کو ہی اپنے آئیڈیل کی تلاش رہتی ہے۔“ تھوڑا بہت خود کو مورد الزام تو وہ ٹھہرا رہی تھی۔

”کہہ سکتے ہیں اور نہیں بھی..... ہر بندہ اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔“ اسے جو سمجھ میں آیا وہ کہہ ڈالا اور اسی اثنا میں وہ گھر کے دروازے پہنچی۔

☆☆☆

عبدالغنیب سے خلع لیے اسے ایک سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا تھا..... خلع کے پیپر کینیڈا بھیجنے کے بعد اس دن جب وہ گھر واپس آئی تو سوائے اماں زرینہ، مشتاق اور چند ایک وفادار ملازموں کے اور کوئی نہیں تھا۔ سارا گھر زوروں کی آندھی طوفان آجانے کے باعث عجیب آسیب زدہ سا لگنے لگا۔ ایک بارول چاہا کہ گاڑی نکالے اور جیسے اڑتی ہوئی سکینہ کے گھر جا چھو مگر پھر..... اپنے معاملات کو خود ہی حل کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہوئے وہ اپنے بیڈروم کی گلاس ونڈو کے قریب گرم کبیل میں دبی رہی.....

اماں زرینہ گرما گرم کافی اور بریڈ رولز لے کر آئی تو اس نے وہیں روک لیا۔

”اماں! پاپا کچھ بتا کے نہیں گئے کہ کب آئیں گے؟“

”پہلے کبھی بتایا ہے کیا شہزاد میاں نے جواب بتائیں گے.....“ وہ بھی ناامیدی لگ رہی تھیں۔

”بس کہہ گئے تھے کہ گھر کا خیال رکھنا..... اور بیٹا! ایک بات کی سمجھ ہم کو تو نہیں آئی۔ یہ تم کو خیر سے آج کینیڈا کے لیے رخصت ہو رہی ہیں گھر سے پھر؟“

”پھر..... پھر.....“ مطمئن انداز میں جواب دیا۔ ”پاپا آئیں گے تو خود ہی پتا چل جائے گا۔ میری

فلائٹ کینسل ہو گئی ہے اماں جی۔“

وہ دونوں اس اندھیری طوفانی رات میں دروازے لاک کیے ایک دوسرے کے ساتھ وقت بیتی رہی تھیں۔ ڈھیروں مشکلوں کی طرح وہ پانچ دن بھی اکیلے کھٹکتے ٹھہرتے گزر رہی گئے..... پاپا کے فون پر اماں زرینہ کو جو ہدایات ملیں۔ انہیں سن کر رومی نے من و عن بڑی بہن کے گوش گزار کر دیا.....

وہ باقاعدہ نکاح کے بعد مونا آنٹی کے ساتھ ہی مومن ٹرپ پہ تھے پھر ان کی واپسی بھی بڑی فلمی انداز میں ہوئی۔ پاپا عمر سے پندرہ سال کم کے لباس میں ملبوس کسی ہیرو کی طرح دکھائی دے رہے تھے اور مونا آنٹی باقاعدہ سرخ کا مدار قیمتی ساڑی میں عجیب بھونڈی سی لگ دے کر بھی خوش اور مطمئن لگ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر پاپا بہت چلائے تھے۔ سر تمام کے کافی دیر بیٹھے رہے۔ مونا آنٹی نے بہت دیر تک لہبا چوڑا لکچر دیتے ہوئے خبری کی آنی سے بھی زیادہ چھپنے والے طعن و تشنیع سے بھی نوازا مگر وہ لُس سے مس نہ ہوئی اور نہ ہی یہ بتاتے ہوئے اسے برا لگا کہ عبدالغنیب کو وہ خلع کے کاغذات بھیج چکی ہے۔

☆☆☆

طلحہ کی دسویں سالگرہ پر خود وہ اور سکینہ و موزید چھوٹے بہن اور بھائی کی بڑی بہنیں بن چکی تھیں..... رومی اور وجہ کے بالوں میں آئی رد پہلی چاندنی کو ظاہر بھائی کی عقابانی نگاہوں نے ڈھونڈ لیا۔

”یار! شرم کرو تم دونوں..... کنوارے آئی، انکل!“ وہ بالکل برابر میں کھڑے رومی اور وجہ سے مخاطب تھے۔

”ایسا کرو کہ یا تو اپنے اپنے لیے کوئی مناسب رشتہ قبول کر لو یا پھر..... آپس میں شادی کر لو.....“ خوب گزرے گی جب بل بیٹھیں گے دیوانے دو.....“ انہیں غصہ تھا یا پھر وہ مذاق کی انتہا پہ چاکے وہ جملہ کہہ گئے۔ جس سے وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر

ماہنامہ ہماکبیرہ 129 جنوری 2013

www.pdfbooksfree.pk



تحفہ لودشپٹنگ کا

رضوانہ پریس

”سین ٹاقب، آج آفس سے واپسی پر ایک کلوئیب لیتے آئے گا۔ بچوں کے ایگزام شروع ہونے والے ہیں، میں چاہتی ہوں کچھ پھل وغیرہ بھی ان دنوں اگر عاشی اور آزر کھاتے رہیں تو ان کے دماغ کے لیے اچھا رہے گا۔“ عزیز نے آفس کے لیے نکلے ٹاقب سے فرمائش کی تو وہ الجھ سا گیا۔

”یار عزیز تم بھی فضول کی بات کرتی ہو، سب کھانے سے کیا بچے ایک دم ہی بہت ذہن ہو جائیں

خوش شکل نہ سہی مگر پیار اور خلوص سے بھرا بہت بڑا دل رکھتا ہے..... ایک بھائی کا دیا ہوا تحفہ قبول نہیں کرو گی کیا؟“

رومانیہ نے ایک نظر طاہر بھائی کے گرم ہاتھوں میں قید اپنے کا پختہ ہاتھوں پر ڈالی تو دوسری سے وجیہ عثمانی کو اپنے جیون ساتھی کے طور پر جانچا..... اس کی آنکھوں میں ایک امید بھری سوچ اور ہونٹوں پر خوش آمدید کہتا دھیمسا تبسم ثبت تھا۔

”طاہر بھائی! سیکینہ آئی! میں آپ لوگوں کی بات کو کبھی رو نہیں کر سکتی.....“ یہ مشکل تمام اس نے کچھ کہنے کی ٹھانی ہی تھی کہ طلحہ، مومی اور ان کے ننھے دوست دروازے کے قریب کھڑے تالیاں بجانے لگے۔

”خالہ مان گئیں..... خالہ مان گئیں.....“ بچوں کے شور سے کان پر ڈی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ تبھی وجیہ عثمانی نے اپنے دھڑکتے دل کو قابو کر کے بڑے حوصلے سے رومانیہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کی اس سرعام جرأت پر رومی نے گھبرا کر بہن اور بہنوئی کو دیکھا تو وہ بڑی چاہت اور خوشیوں بھری امید لیے مسکرا رہے تھے۔

”رومی!.....!“ وجیہ نے اسے پہلی بار استحقاق سے لپکا راتو اسے یہ محسوس کر کے بڑی حیرت ہوئی کہ زندگی میں پہلی بار ہی اسے اپنے سامنے اپنی پسندیدہ خویوں کا مجسم روپ نظر آیا تھا۔ سچائی اور خلوص، محبت سے بڑھ کر اور کیا صفات ہوتیں جو وجیہ میں نہ تھیں۔

”وجیہ!.....!“ آپ کے خلوص کا بے حد شکریہ!“ اس نے بھی بڑی عقیدت اور اپنائیت سے اس کا ہاتھ تھاما اور پہلے سے منتظر بچوں کے ساتھ مل کر سالگرہ کا ایک کانٹے چل دی۔ دونوں کو خوشی کے ساتھ چلتے دیکھ کر سیکینہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ جنہیں طاہر عثمانی نے اپنی انگلیوں کی پوروں پہ چن لیا۔

سنائے میں آ گئے..... رومی ایک جھٹکے سے اٹھ کر سیکینہ کے بیڈ روم میں چلی گئی اور سیکینہ نے طاہر کو ان کی اس بات پر بہت گھور کے دیکھا۔

”سیکینہ! مجھے یوں مت گھورو..... خدا کی قسم رومانیہ مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنی تمہیں..... سچی تو برسوں سے چاہتا ہوں کہ وہ میری بیٹی بن جائے..... وجیہ کی زندگی میں آ کر..... یقیناً مانو میں اسے وہ تمام تر تحفظ اور خوشیاں فراہم کرنے کی کوشش کروں گا۔ جو تمہارے پاپا کو اسے دینی چاہیے تھیں..... وہ بے چاری دو بار زندگی کے اہم امتحان میں ناکام کیا ہوئی..... ہم نے اس کی..... اہم ترین ذات کی طرف دیکھنا اور سوچنا تک چھوڑ دیا۔ نہیں سیکینہ! وہ ہماری بیٹی جیسی بہن ہے اور میں بھائی ہونے کے ناتے اس کا مستقبل ضرور سنوارنے کی جدوجہد کروں گا۔“ طاہر عثمانی تو ہمیشہ سے ہی اس کے خیر خواہ تھے۔ اب طلحہ کی سالگرہ کا ایک کانٹے بغیر ہی سب کو لیے..... اپنے بیڈ روم کی طرف لپکے۔

رومانیہ شہزادہ تیکے میں منہ دیے اپنی تمام تر توانائیوں سے رو رہی تھی۔ سیکینہ نے بڑی محبت سے اسے اپنی جانب کھینچ کر گلے لگا لیا..... چہسہرہ بال اور اس کا دامن تک بھیگا ہوا تھا۔

”رومی! میری جان! خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔“ سیکینہ کی آواز اس کی ذمے داری کے بوجھ سے لرز رہی تھی۔ طاہر بھائی بھی آگے بڑھے۔

”رومی بیٹا! اپنے بڑے بھائی کو یوں تنگ کرنا چھوڑ دو۔ تم یوں اپنوں میں بھی غریب الوطنی کی زندگی تو مت گزارو۔ ہمیں یوں سزا موت دو خود سے خلوص رکھنے کی.....“ ان کی آواز کمرے کے سکوت میں گونج رہی تھی۔

”دیکھو! میرے پاس تمہیں دینے کے لیے ایک بہت پیارا اور عزیز از جان تحفہ ہے..... میرا بھائی وجیہ عثمانی..... برسر روزگار، تعلیم یافتہ..... بہت

دونوں میں تو خیر گزارہ ہوئی رہا تھا لیکن ایگزام کے دنوں میں ایسے وقت لائن کا جانا بچوں سے زیادہ غیر کو پریشان کر رہا تھا۔
 ”کاش ہمارے گھر یونی ایس ہوتا یہ تو اب عام سے گھروں میں بھی لوگوں نے لگوا لیے ہیں۔“ اس نے کڑھ کر سوچا لیکن ثاقب سے کہنے کی ہمت نہیں ہوئی البتہ ثاقب کے سامنے اس لوڈ شیڈنگ کو صلو اتیں سنا کر دل کی بھڑاس ضرور نکال لی۔

قارئین متوجہ ہوں

پرچا نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ **بک اسٹال کا نام جہاں پر چاہتے ہیں**
 ☆ **شمارہ علاقے کا نام**
 ☆ **مکمل پتہ بک اسٹال PTCL یا سول فون نمبر**

رابطہ اور مزید معلومات کے لیے
نصر عباس
 03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
سپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگشت

63-C فیئر III سینٹین ڈسٹری بیوٹنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

مرکز قارئین کے لیے
 35802552-35386783-35804200
 ای میل: jdpgrp@hotmail.com

بڑھائی کے سلسلے میں وہ جنون کی حد تک پاگل تھی۔ اچھی دونوں بچے بہت چھوٹی کلاسوں میں تھے لیکن وہ یہ برداشت ہی نہیں کر پاتی تھی کہ آزار اور عاشی کے کسی نمیش میں ذرا سے بھی کم نمبر آئیں اور ایگزام کے دنوں میں تو وہ جیسے پوری دنیا بھول کر بس بچوں کو پڑھانے میں ہی مگن رہتی جس کا شکوہ اس کی امی اور بہنوں کے ساتھ ساتھ ثاقب کو بھی ہوتا کہ ایگزام کے دنوں میں وہ اپنی بیوی کی نگاہ کرم سے مکمل طور پر محروم ہو جاتا۔ یہاں تک کہ چائے ناشتا اور کھانا بھی ثاقب کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا سارا دھیان بچوں کی طرف ہی رہتا۔
 ”عاشی میں پانچ منٹ میں آ رہی ہوں۔ سارے سوالوں کے جواب لکھ کر رکھو۔“ اور بھی آزر کو میٹھس کے سوال کو جلد از جلد حل کرنے کی تاکید کی جارہی ہوتی۔ کبھی کبھار ثاقب الجھ ہی جاتا۔
 ”یار لگتا ہے اے کا ایگزام دے رہے ہیں یہ بچے، ارے اتنی چھوٹی کلاسوں میں ہیں یہ لوگ..... تھوڑا ایزی لو۔“ غیر اس کی بات کا برامان کر ہمیشہ کی طرح جواب دیتی۔
 ”آپ کا مطلب ہے کہ چھوٹی کلاسوں کے بچوں کو ایگزام کی تیاری کرنے کے بجائے کھیل کود میں لگا دینا چاہیے کہ بیٹا سی اے کا ایگزام دینا بھی پڑھنا۔“

ان دنوں عاشی اور آزر کے ایگزام کا سلسلہ چل رہا تھا۔ کل ان کا پہلا پیپر تھا اور بقول ثاقب کے یہ بچوں کے نہیں بلکہ غیر کے ایگزام شروع ہو رہے ہیں۔ غیر کو جو سب سے بڑا مسئلہ لگ رہا تھا وہ لوڈ شیڈنگ کا تھا۔ ان کے علاقے میں دن میں تین بار دو دو گھنٹے کے لیے لائن جاتی تھی۔ سب سے زیادہ غیر کو جو وقت کھٹا تھا وہ رات نو بجے کا تھا جو بچوں کے سونے کا نام ہوتا تھا۔ رات نو بجے سے گیارہ بجے تک لائن کا نہ ہونا اس کے لیے شدید اذیت کا سبب بنا ہوا تھا۔ اتنی شدید گرمی میں بھلا بچے پنا بچے کے کیسے سو سکتے تھے۔ عام

”ثاقب، یہ راستے میں کسی فقیر کو دے دیجیے گا اور بائیک آہستہ چلائے گا۔“ ثاقب مسکراتا ہوا اپنی بائیک کی طرف چلا گیا اور جب تک بائیک غبر کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی وہ وہیں دروازے پر کھڑی دعائیں پڑھتی رہی۔
 ثاقب اور غبر کی شادی کو تقریباً دس سال ہو گئے تھے لیکن ان کی محبت آج بھی گلاب کے پھولوں کی طرح تازہ اور مہکتی ہوئی تھی، حالانکہ معاشی حالات انہیں زندگی کو زیادہ انجوائے نہیں کرنے دیتے تھے لیکن پھر بھی غبر کو اپنے اس چھوٹے سے گھر، اپنے شوہر اور اپنے دونوں بچوں سے والہانہ محبت تھی۔ اپنے گھر کے پڑسکون ماحول میں اسے اتنی زیادہ خوش محسوس ہوتی تھی کہ وہ ہر وقت ان میں اتنی مگن رہتی کہ اسے اور کسی چیز کی کمی محسوس ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی باقی دو بہنیں اس سے زیادہ خوشحال گھرانوں میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کا رین کمن، ان کا پہننا اوڑھنا اور گھریا سب ہی کبھی کبھی غبر کے دل میں ایک ہلکی سی غلش پیدا کر دیتے لیکن پھر ثاقب کی خوب صورت رفاقت اور اپنے پیارے پیارے بچوں کی بے تحاشا محبت میں گم ہو کر جیسے وہ اپنی زندگی میں ہونے والی ہر کی کو بھلا دیتی۔
 ثاقب ایک بڑی کمپنی میں ایک درمیانے درجے کی پوسٹ پر فائز تھا۔ تنخواہ بس اتنی تھی کہ مہنگائی کے اس ہوش ربا دور میں کھینچ تان کر گزارہ ہوئی جاتا تھا اور اب جوں جوں بچے بڑے ہو رہے تھے خرچے اور مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا تھا لیکن غبر پھر بھی اپنی زندگی سے مطمئن تھی۔ وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو نفیض، حداد اور دوسروں سے بلا وجہ کی ریس میں اپنی اور اپنے شوہر کی زندگی اجیرن کر دیتی ہیں۔ ایک اچھی اور باصلاحیت بیوی بن کر اس نے اپنے چھوٹے سے گھر کو ایک پرسکون جنت کا روپ دیا ہوا تھا۔ بس ایک ذرا سی خامی جو اس میں تھی وہ یہ کہ وہ اپنے بچوں کے بارے میں کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ بچوں کے معاملے میں وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی تھی۔ خاص طور پر ان کی

گے اور ایگزام میں ٹاپ کر لیں گے۔ ارے ابھی تم نیوز میں نہیں دیکھ رہی تھیں کہ ایک تندر میں روٹیاں لگانے والے بچے نے پورے صوبے میں ٹاپ کیا ہے جس کے پاس ڈھنگ سے کھانے پینے کے لیے پیسے بھی نہیں تھے اور تم جانتی ہو آج کل سب کتنے مہنگے ہو گئے ہیں۔“ ثاقب کا یہ لیکچر غبر نے بہت صبر کے ساتھ سنا اور اترے ہوئے چہرے کے ساتھ خاموشی سے مڑ گئی۔
 ”دیکھو غبر آفس جاتے وقت میرا موڈ مت خراب کیا کرو۔ تمہیں یوں اداس چھوڑ کر جاؤں گا تو ٹھیک سے موٹر بائیک بھی نہیں چلا پاؤں گا اور اگر کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا تو پھر پچھتانا کہ آخری وقت میرا میاں گھر سے غما ہو کر گیا تھا۔“ ثاقب نے روتھ کر جاتی ہوئی اپنی بیوی کی دھشتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا کہ یہی آخری حربہ ہوتا تھا اس کے پاس غبر کو ممانے کا اور یہی ہوا غبر تڑپ کر واپس پلٹی۔ آنکھوں میں بے اختیار آنسو بھی اُمڈ آئے تھے۔
 ”گھر سے نکلتے وقت اتنے منٹوں جملے بول کر کیوں میری جان نکال رہے ہیں آپ؟“ وہ بھڑائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے بے اختیار اس سے لپٹ گئی۔ ثاقب نے بہت پیار سے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔
 ”مجھے غصے سے اور کبھی اپنے اتنے والہانہ انداز سے..... تم مجھے جانے بھی دو گی یا نہیں؟“ ثاقب نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ کچھ کھسیا کر اس کی بانہوں سے نکل آئی۔
 ”سوری ثاقب، میری وجہ سے آپ کو آفس سے کافی دیر ہوگئی لیکن بس ایک منٹ اور رک جائیں۔“ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اندر کمرے میں چلی گئی۔
 ثاقب نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اپنی گھڑی کی طرف دیکھا جی وہ چھوٹی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس کے پاس آگئی اور ثاقب کے ماتھے سے دس روپے کا نوٹ پھلاتے ہوئے فوراً اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

تھی۔ بچوں کے یونیفارم بھی استری کر کے لٹکا دیے تھے۔ ٹھیک نو بجے کھٹ سے کھپ اندھرا ہو گیا۔ ثاقب نے بچوں کے کمرے میں ایک ایمر جنسی لائٹ لگائی ہوئی تھی سو اس کی روشنی میں غمیر نے بچوں کو بستر پر لٹا دیا۔

”افوہ! امی، ہمیں اتنی گرمی میں کیوں سونے کے لیے لٹا رہی ہیں۔ ہمیں باہر جانا ہے۔“ آزر نے منہ بسورا تو عاشی بھی ضد کرنے لگی۔

”ارے بیٹا روز کی بات اور تھی لیکن کل تمہارا پہلا پیمبر ہے۔ تم دیر سے سوؤ گے تو صبح جلدی کیسے اٹھو گے؟“ غمیر نے پیار سے دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا اور پاس پڑا ہوا ہاتھ کا پنکھا اٹھا کر ان کو جھلنے لگی۔ ثاقب نے کمرے میں جھانکا تو بچے تقریباً غودگی میں آچکے تھے اور غمیر بڑی تندہی سے انہیں پنکھا جھل رہی تھی۔

”غمیر جان تم تھک جاؤ گی۔“ ثاقب نے سرگوشی میں اس سے کہا۔

”کوئی بات نہیں ثاقب، دو گھنٹے میں سے پون گھنٹا تو گزر رہی چکا ہے۔“ غمیر نے بہت آہستہ سے جواب دیا کہ بچوں کی نیند ٹوٹنے کا جو خدشہ تھا۔ ثاقب خاموشی سے باہر آ گیا۔

”اسی لیے تو ماؤں کے پیروں کے نیچے جنت رکھی گئی ہے۔“ ثاقب نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”لیکن غمیر تو کچھ زیادہ ہی حساس ماں ہے۔ اپنے ننھے منے بچوں کے امتحان کو اتنی زیادہ اہمیت دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ ارے بچے نو بجے کے بجائے گیارہ بجے بھی اگر سونے لیتے ہیں تو کون سا فیل ہو جاتے۔“ ثاقب کو اب خواہ مخواہ ہی اُس کے اس طرح پنکھا جھلنے سے الجھن ہونے لگی تو وہ اٹھ کر گھر سے باہر گلی میں چلا گیا جہاں اس کے آس پڑوس کے کچھ مرد حضرات کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ثاقب بھی وقت گزارنے کی خاطر ان کے پاس چلا گیا اور پھر ان لوگوں نے اسے جو خبر سنائی تو جیسے اس کے تو

”ارے شکر کرو کہ اب بجلی ٹائم سے جا کر بالکل ٹائم سے یعنی دو گھنٹے میں ہی واپس آ جاتی ہے۔ ورنہ یاد ہے پہلے بغیر کسی اطلاع بغیر کسی شیڈول کے گھنٹوں، گھنٹوں غائب رہتی تھی۔“ ثاقب نے اسے پچھلے دنوں کی یاد دل کر جیسے اس لوڈ شیڈنگ کو تعریف کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جو عزیز کو ذرا بھی پسند نہیں آئی۔

”لیکن ثاقب کل بچوں کا پہلا پیمبر ہے۔ گیارہ بجے رات تک ان کی نیند ڈسٹرب رہے گی تو صبح سویرے کیسے وہ فریش اٹھیں گے۔“ وہ کافی فکر مند لگ رہی تھی۔

”افوہ غمیر، یہ شکر کرو کہ ہمارے ایریا میں گیارہ بجے لائٹ آ جاتی ہے جہاں میرا دوست جاوید رہتا ہے وہاں رات گیارہ بجے لائٹ جا کر ایک بجے رات کو آتی ہے۔“ ثاقب کی اس اطلاع پر غمیر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے کہ یہاں گیارہ بجے لائٹ آ جاتی ہے۔“ ثاقب اس کے شکر بھیجے پر بے اختیار ہنس دیا۔

”بس میری پیاری بیگم، تمہاری یہ معصومیت ہی تو ہمیں دیوانہ بنائے ہوئے ہے لیکن آج کل تو تمہاری طرف سے نو لفٹ کا بڑا سا بورڈ ہمارا منہ چڑاتا رہتا ہے۔“ ثاقب کی وارفتہ نگاہوں سے کتراتے ہوئے وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”افوہ ثاقب، آٹھ بج رہے ہیں، میں جلدی سے کھانا لگا دوں پھر بچوں کو کل کے پیمبر کی تھوڑی سی تیاری بھی کروانی ہے نو بجے لائٹ چلی جائے گی۔“ وہ محبت میں کہتی کچن کی جانب چلی گئی۔

”کاش میں ایگزام کے دنوں میں بچوں کی کوئی بنک بن جایا کروں کم از کم تمہارے ہاتھوں میں رہنا تو نصیب ہو گا۔“ ثاقب نے شرارت سے غمیر کو پکار کر کہا تو کچن سے آتی اس کی ہلکھلائی ہنسی کو اپنے دل میں اتارتے ہوئے اس نے ٹی وی آن کر دیا۔

نو بجے تک غمیر سب کاموں سے فارغ ہو چکی

ہوش ہی اڑ گئے۔

”کیا کہہ رہے ہیں جلال صاحب آپ کو کیسے پتا چلا؟“ اس نے بہت پریشان ہو کر انہیں دیکھا تو نزدیک کھڑے اعظم صاحب مزید تفصیل بتانے لگے۔

”ارے ثاقب صاحب، آدھے سے زیادہ شہر اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہے۔ بہت ہی بڑا بجلی کا بریک ڈاؤن ہوا ہے۔ میں نے خود ابھی پتا کیا ہے صبح چار بجے سے پہلے بجلی آنے کا کوئی امکان نہیں۔“ ثاقب نے بہت آپ سیٹ ہو کر ان کی بات سنی اور بہت جلدی سے دل سے واپس گھر لوٹ آیا۔

”اب کیا ہوگا، صبح چوں کا پہلا پتیر ہے۔“ غمزدہ
سن کر حواس باختہ ہی ہو جائے گی۔ انہی گرمی میں تمام
رات بچے کیسے سوئیں گے؟“ ثاقب کی مصلحت کام نہیں
کر رہی تھی۔ وہ باہر برآمدے میں سر تھام کر بیٹھ
گیا..... بھی غمزدہ بے قدموں باہر آئی۔

”ماتق گیارہ بج چکے ہیں لائٹ نہیں آئی ابھی
تک۔ ذرا جا کر پتا تو کریں۔“ اس نے ایک نظر عمر
کے پسینے سے تر تھکے ہوئے چہرے پر ڈالی۔

تک آئے گی۔“ اس نے دل کٹا کر کے بیوی کو یہ خبر سنا ہی دی۔

”ہیں.....!“ اس نے بہت شاکد ہو کر سنے پر ہاتھ مارا۔ ”اب کیا ہوگا ثاقب“ بچے اس گرمی میں کسے سوئیں گے۔ اپنی مشکل سے تو آٹکھ لگی ہے دونوں کی دیکھنا کچھ ہی دیر میں جاگ جائیں گے۔“ وہ واقعی کچھ زیادہ ہی حواس باختہ ہو رہی تھی۔ ”اگر ان کی نیند پوری نہیں ہوئی تو وہ کیسے پیچہ دیں گے؟“ اس نے روہانے لہجے میں ثاقب سے پوچھا تو وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گیا۔

کچھ لحوں کی خاموشی کے بعد عنبر نے بہت
لجاجت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے جیسے
التماس کی۔ ”عاقب میں اتنی دیر سے ان دونوں کو پنکھا

جھلٹے جھلٹے تھک چکی ہوں پلیز اب ایک ٹھنڈا آپ یہ کام کر دیں پھر میں جھل دوں گی اپنی باری یر۔۔۔“

”کیا مطلب اپنی باری.....؟“ ثاقب نے بہت حیران ہو کر غمزہ کر دیا کیونکہ وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

”ثاقب پلیز بچوں کے ایگزام کی خاطر ہمیں

اپنی نیند کی قربانی تو دینا ہوگی ناں۔ ہم لوگ باری باری بچوں کو پنکھا جھلیں گے۔ یوں رات کٹ جائے گی۔“
عزیز کی اس تجویز پر ثاقب تو بھڑک ہی اٹھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، غبر، مجھے صبح آفس جانا ہے، میں کیسے ہر گھنٹے بعد بیٹھ کر پکھا جھل سکتا ہوں۔“ ثاقب کے اس طرح بھڑک جانے پر غبر کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو اُمڈ آئے۔

”قالب میں نے بچوں کو ایگزام کی اتنی تیاری کرائی ہے اتنی محنت کی ہے ان پر اور اگر وہ ساری رات سو نہیں سکے تو میری سب محنت پر پانی پھر جائے گا۔“ پلیر آج آپ میری مدد کیجیے میں بھی آپ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔“ کس درو سے وہ الٹا کر رہی تھی۔
قالب کو بے اختیار اس پر ترس کے ساتھ ساتھ پیار بھی آگیا۔

”ٹھیک ہے جان، تمہاری خاطر یہ قربانی بھی سہی حالانکہ مجھے ایک بہت ضروری قائل جی ایم صاحب کو دینی ہے بہت اہم میننگ ہے ان کی۔“

عاقبؒ بی رضا مندی غنبر کے دل میں اس کے لیے تشکر کے ہزاروں پھول کھلائی۔

”آئی لو یو سوچ، ثاقب“ اس نے بہت جذب سے ثاقب کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا اور بھی آرزو کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز پر دونوں چونک گئے جو اس کو پکار رہا تھا۔ ثاقب جلدی سے اٹھ کر اندر چلا گیا جبکہ وہ وہیں برآمدہ میں بچے تخت پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ لیٹنے سے پہلے وہ موبائل پر ایک کھٹے بعد کا الارم لگنا نہیں بھولی تھی اور پھر ج چار بجے تک وہ دونوں میاں بیوی اپنی نیند خراب کرتے ہوئے بچوں کو باری باری اٹھ کر پکھلا چھلنے کا

کام انجام دیتے رہے۔ بچوں کی اس بے سکون نیند پر
عزیز اپنی لاکھوں ایسی نیندیں قربان کر سکتی تھی لیکن قاتل
ہر مرتبہ ہی آنکھیں ملنے ہوئے بڑھاتا ہوا بچوں کے
کمرے میں جاتا تھا۔ صبح چار بجے کے قریب صبح سے
لاٹ آگئی تو جیسے دونوں کی جان میں جان آگئی۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے، مجھے اس ڈیوٹی سے نجات
 ملی۔“ قاقب نے کچھ کی ٹھنڈی ہوا کو جیسے اپنے اندر
 اتارا۔ نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ غبر
 خود بھی نیند اور تھکن سے بے حال ہو رہی تھی۔

”تھینک یو ناقب، آپ دنیا کے سب سے اچھے شوہر اور بہترین باپ ہیں۔“ اس نے بہت محبت سے ناقب کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

”تمہارا یہ خوب صورت سا اظہار میں کل دوبارہ بھی سنوں گا آج تو نیند نے بے حال کیا ہوا ہے۔“ وہ نیچے پر سر رکھتے ہوئے بولا تو غبر بھی مسکرائی ہوئی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

وہ بے حد گہری نیند میں تھی جب ٹاقب نے اسے بہت جھنجھوڑ کر جگایا۔

”کیا ہوا ثاقب سب خیریت تو ہے؟“ وہ اسے یوں بوکھلا یا ہوا دیکھ کر بہت پریشان ہو گئی۔

”غضب ہو گیا عمر، ہم لوگ سو تے ہی رہ گئے
یہ گھڑی دیکھو صبح کے دس بج رہے ہیں۔“ ثاقب نے
بہت ہی بے چارگی سے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا
تو عمر کا دل ایک لمحے کو دھڑکنے لگا بھول گیا۔ دوسرے
ہی لمحے وہ جھانک مار کر بستر سے نیچے اتر آئی۔

”ہائے اللہ، بچوں کا پیچہ تو رہ گیا۔ اسکول بس بھی آکر چلی گئی ہوگی۔ ان کا پیچہ سر ہو گیا تو اب کیا ہوگا؟“ وہ بے اختیار رو رہی اور ناقب بچوں کے کمرے کی طرف بھاگا۔ جس انگڑام کی تپاری کے لیے اس نے اپنے بچوں کی جان ایک کی ہوئی تھی خود بھی ہر خوشی سے منہ موڑا ہوا تھا، اپنے شوہر کے حقوق بھی نظر انداز کر دیے تھے۔ کل پوری رات اپنے ساتھ ساتھ صبح صبح دفتر جانے والے اپنے شوہر کو بھی جگا کر

بچوں کی نیند کو ڈسرب نہیں ہونے دیا تھا آج اسی نیند نے اس کی تمام قربانیوں کو رائگاں کر دیا تھا۔ عزیز کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ اس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ وہ بچوں کے کمرے میں جا کر انہیں اس لیے کی خبر دے۔ یہی عاقب نے آکر اسے کندھوں سے تھام کر اپنی طرف موڑا۔

”عزیز ذرا یہ خط تو پڑھو۔“ عزیز نے حیرت سے
 ثاقب کے ہاتھوں میں پھڑپھڑاتے کاغذ کو دیکھا اور
 پھر بے اختیار اسے چھین کر پڑھنے لگی۔

”امی ابو We love you آپ دونوں
 بہت اچھے ہیں۔ ہم خود سے تیار ہو کر اسکول جا رہے
 ہیں۔ ہم نے آپ کو نہیں جگایا کیونکہ آپ لوگ ساری
 رات ہماری وجہ سے جاگے ہیں۔

آزر اور عائشہ! عذرا نے بار بار یہ معصوم سی لکھی ہوئی تحریر پڑھی۔ اس کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔ ایک بہت تکلیف دہ لمحہ اتنی جلدی راحت میں بدل جائے گا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس کے آٹھ اور نو سال کے بچوں نے اپنے ماں باپ کی محبتوں کو ان کی قربانیوں کو دل سے محسوس کیا تھا اور ان سے اپنے پیار کا بہت معصوم سا اظہار انہیں نہ جگا کر کیا تھا۔ یہ بات جیسے عذرا کو دنیا کی امیر ترین عورت بنا گئی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بہت خوب صورت رنگوں میں نہا گئی ہے۔

”ماتاق، کل رات میں سوچ رہی تھی کہ کاش میری بہنوں کی طرح ہمارے گھر میں یو پی ایس یا جزیئر ہوتا لیکن اب مجھے کی چیز کی ضرورت نہیں۔ جس عورت کے پاس آپ جیسا شوہر اور آزر اور عاشر جیسے بچے ہوں اس کی زندگی میں اتنی خوشگوار سی ٹھنڈک بکھر جاتی ہے جس کا مقابلہ کوئی جزیئر کر ہی نہیں سکتا۔“ اور اس کی اتنی پیاری سی بات پر ثاقب نے بے اختیار اسے اپنی ہانہوں میں سمیٹ لیا۔

زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں
... وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی
خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ
رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے
لوگ، بہت سے مواقع ایسے
ضرور ملتے ہیں... جب
محبت دستک دیتی ہے
... اور اس کی خوشبو
میں روشنی کی تابناکی
بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے
ساتھ ساتھ... مگر و فریب
... سفاکی اور تنگ نظری کے
ساتھ... ازل سے محبت کرنے والوں
کے دشمن رہے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی
کبھی تپ کی دگی بھی حکم کے آگے کوکاٹ دیا کرتی ہے...

زندگی

ناہید سلطان اختر

ٹوک ششیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کالج کی آنکھوں سے خوابوں کا گزر ہو چسے

قطعہ 13

انہی روابط میں بنی خوب صورت کہانی جس کی سطر سطر میں زندگی سفر کرتی نظر آئے گی



دولت خان آفریدی تھے اور ماتاب شنواری..... دولت خان کی پہلی منکوحہ بی بی جان تھیں۔ بی بی جان کی پہلی شادی دولت خان کے بڑے بھائی رحمت خان آفریدی سے ہوئی۔ دولت خان کو اس نئے رشتے سے ایسی شرم آئی کہ وہ بغیر بتائے کراچی آگئے اور آٹھ نو سال ایک پلمبرنگ کے استاد کے پاس رہے۔ پھر ایک ریکورنگ انجینیئر کے توسط سے کویت جانے کا موقع مل گیا۔ حجاب نے ایم اے بی ایڈ کیا اور وہ ایک محکمہ تعلیم میں سولہ گرڈ کی آفیسری پھر پبلک سروس کمیشن کے توسط سے خود کو ہیڈ ماسٹر کی اسامی کا اہل ثابت کیا۔ ایک ثانوی تعلیمی ادارے میں حجاب کا تقرر کیا گیا۔ رہا باب انجینئر بننے جا رہی تھی۔ تقدیم، تنسیم کے موافق پر مدثر کے بیچ پڑھ لیتی ہے اور سب کچھ ابا کو بتا دیتی ہے، تنسیم کو نیورٹی کے بہانے مدثر کے ساتھ جا کر کورٹ میرج کر لیتی ہے۔ تقدیم ابا کو بتاتی ہے کہ تنسیم نے کورٹ میرج کر لی ہے۔ مدثر کو نیورٹی جانے سے پہلے تنسیم سے مل کر جاتا ہے تو یونیورسٹی میں تقدیم کو اپنا منتظر پاتا ہے۔ حجاب کے نکاح کی تقریب گھر کے بجائے الطاف کے کہنے پر فانیو اشار ہوئی میں ہوتی ہے۔ تقدیم کے گھر میں مدثر کی کال کا انتظار ہوتا ہے۔ مدثر، تنسیم کو بھیجنے کی حامی بھر لیتا ہے اور پھر اپنی والدہ کو اپنی کورٹ میرج کے بارے میں بتاتا ہے۔ زیتون نے تقدیم کے لیے عباد کا رشتہ بتایا تو اماں رضامند ہو گئیں کہ وہ لوگ لڑکی کو دیکھنے آ جائیں۔ تنسیم گھر واپس آ کر اپنے کمرے میں رہ رہی ہے لیکن کوئی اس سے بات چیت نہیں کرتا بس اس کو کھانا دے دیتے ہیں، رات میں اسے چپاس لگتی ہے تو وہ دروازہ کھولنا چاہتی ہے لیکن دروازہ باہر سے بند تھا۔ حجاب کا فون بند ہونے پر الطاف اسی کے فون پر کال کرتا ہے لیکن حجاب بات نہیں کرتی۔ اکیڑی میں پانچ آؤٹ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ منوس کو آؤٹ پاس نہیں ملتا تو صبور احمد پوری فیملی کے ساتھ کال آگئے۔ زیتون ان کو عباد کے لیے جوتڑی دکھاتی ہے وہ انہیں بہت پسند آتی ہے لیکن عباد کو ان کی غربت پر اعتراض ہوتا ہے۔ امی اسے منع کرنے سے انکار کرتی ہیں تو عباد جینز کی لسٹ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ الطاف، حجاب کے اسکول پہنچ جاتا ہے اور اسے ڈراتا ہے کہ اسٹاف کے لوگوں کو بلا کر وہ سب کو بتا دے گا۔ تقدیم اور اماں منوس کی پانچ آؤٹ کی تقریب میں جاتے ہیں تو صبور احمد اور ان کی فیملی کا بہت اچھی طرح خیال رکھتے ہیں اور واپس براں کو تحائف کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ تقدیم سمجھ جاتی ہے کہ وہ لڑکی کا عازہ ہے جس کی وجہ سے منوس انکار کر رہا ہے۔ عباد اچھی جگہ شادی کرنے کے لیے شادی دفتر میں اپنا اندراج کراتا ہے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا۔ منوس، مدثر کا ایڈریس پوچھتا ہے تا کہ اس سے طلاق کی وجہ پوچھ سکے لیکن تنسیم اس کی رہائش سے لاپرواہی کا اظہار کر دیتی ہے۔ الطاف اسی کو دھمکی دیتا ہے اب وہ کورٹ میں مقدمہ دائر کر دے گا۔ حجاب کو امی کی سپورٹ ملی تو اس نے خلع کا مقدمہ دائر کر دیا۔ عازہ اور اس کے گھروالے خوش تھے کہ انہیں کسی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تنسیم کے پریکٹ ہونے پر ابا نے مدثر کے والد سے بات کی کہ ایک دن کے لیے اسے رخصت کر کے اپنے گھر لے جائیں۔ بہت مشکل سے وہ اس بات کے لیے راضی ہو جاتے ہیں۔ الطاف نے وکیل کو فون کیا اور اس بات پر آمادہ کرنا چاہا کہ وہ یہ کیس نیٹزے اور حجاب کو کیس واپس لینے پر آمادہ کر لے تو الطاف اسے منہ مانگا معاوضہ دے گا۔ تقدیم اپنے این جی او کے وکیل اوپس انصاری کو تنسیم کا کیس بتاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ شروع کے مطابق تنسیم عدت اپنے سرال میں گزارے گی اس لیے وہ مدثر کے والدین سے بات کرتا ہے اور تنسیم کو ان کے گھر رہنے اور اس کا خرچ اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ حجاب کے کیس کی پیشگی ہوتی ہے اور اگلی پیشگی کی تاریخ دوبارہ عدت ہے۔ تنسیم کے مدثر کے گھر آنے پر مدثر باطل میں شغف ہو جاتا ہے۔ تنسیم سمجھتی ہے کہ شاید وہ اس سے کچھ بات کرے گا لیکن جب وہ اس سے نہیں ملتا اور اسے پتا چلتا ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے تو تنسیم جذباتی ہو کر ایک غلط قدم اٹھا لیتی ہے۔ تنسیم کے ایک غلط قدم اٹھانے کے باوجود وہ زندگی اسقاط سے محفوظ رہی لیکن مدثر کے گھروالے اس بات کو بہانہ بنا کر تنسیم کو اپنے گھر رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ حجاب کی وکیل حجاب سے معذرت کر کے کیس واپس کر دیتی ہیں۔ عباد خوش تھا کہ اسے اس کی منزل مل گئی اب بس عباد اپنے بلاتے جانے کا منتظر تھا۔ ثریا اپنے چچا زاد بھائی کا رشتہ جمید کے لیے لے کر آئی ہے۔ عازہ شادی کے لیے مصر بھی اور منوس پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔ اپنے مقدس کی بیروی کے لیے حجاب، تقدیم سے بات کرتی ہے تو وہ اس کی ملاقات اوپس انصاری سے کرائی ہے۔ اوپس انصاری کیس لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پیشی پر الطاف کا وکیل ہمیری عدالت میں حجاب کی کردار کی کرتا ہے۔

اب آگے پڑھیں

اگلی صبح جب وہ اسکول گئی تو اسے اپنی ساتھیوں کی نگاہوں میں غیر معمولی کیفیت کا احساس ہوا، وہ سب اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ مارننگ اسمبلی کے لیے اسمبلی گراؤنڈ میں پہنچی تو مدثر اور ہائی کلاسوں کی بعض طالبات نے اسے دیکھ کر آپس میں کھسکھس شروع کر دی۔

”مس عابدہ انہیں (caution) کا شن دیں پلیز۔“ اس نے پی ٹی آئی سے کہا۔

”اٹینشن..... اسٹینڈائیڈ۔“ پی ٹی آئی نے اپنی پات دار آواز میں کہا۔ بعض طالبات پھر بھی مرگوشیاں کرتی رہیں۔

”آج ہو کیا رہا ہے ان لڑکیوں کو.....“ اس نے پی ٹی آئی سے کہا۔

جواب پی ٹی آئی نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔

”کیا ہوا.....؟“ اس نے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں میڈم.....“ پی ٹی آئی نے نظریں نیچیں لیں۔

مارننگ اسمبلی کے بعد اس نے حسب معمول پورے اسکول کا راونڈ لیا، اسٹاف روم کے باہر راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے اسٹاف روم کا جائزہ لینے کو دروازے سے اندر جھانکا تو ناں کلاس ٹیچر زین کا پہلا پیڑ فری تھا اسٹاف روم میں بیٹھی تھیں اور انہی میں سے ایک مسز عنایت اللہ اخبار دو دنوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کے آگے تانے بد آواز بلند پڑھ رہی تھیں۔

”مدعیہ نے جو ایک سرکاری اسکول کی پرنسپل بتائی جاتی ہے اپنے شوہر کے خلاف یہ مقدمہ سول جج عادل سلیم کی عدالت میں دائر کر رکھا ہے۔ بحث کے دوران مدعا علیہ کے وکیل نے مدعیہ کے بارے میں انکشاف کیا کہ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا امیر آدمی اپنے جال میں پھاس لینا اس کا وتیرہ ہے..... مدعا علیہ دینی میں مقیم ایک امیر پاکستانی بزنس مین ہے۔“

حجاب کو اسٹاف روم کے دروازے سے اندر جھانکتے دیکھ کر مسز عنایت اللہ کے ہوا باقی تمام ٹیچرز چوٹکی دکھائی دینے لگیں۔ مسز عنایت اخبار پڑھنے میں اتنی تھیں کہ انہیں دروازے پر اس کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوا..... مسز جمید نے کھار کر مسز عنایت اللہ کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ انتہائی تھیں۔

”مدعا علیہ کے وکیل نے تمام حقائق بیان کرنے کے بعد مدعیہ کی پیشین کو باطل قرار دینے اور مقدمہ خارج کرنے کی درخواست کی۔“

”مسز عنایت اللہ! میڈم آئی ہیں۔“ مس روشن جہاں نے مسز عنایت اللہ کو مخاطب کیا۔

”کدھر.....!“ مسز عنایت نے ہڑبڑا کر اپنے چہرے کے سامنے سے اخبار ہٹا لیا۔ حجاب دروازے سے ہٹ کر راہداری میں آگے چل دی۔ دفتر میں پہنچ کر اپنی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے سائڈ ریک پر رکھاتہ شدہ اخبار اٹھایا یہی تھا کہ کلرک تاج محمد اس کے کمرے کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔

”السلام علیکم میڈم جی۔“

”وعلیکم السلام..... کیسے ہیں تاج محمد صاحب؟“ اس نے پوچھا۔

”شکر ہے میڈم جی..... آپ تو خیریت سے ہیں ناں جی؟“

”جی تاج صاحب!“ وہ کلرک سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کر پائی۔

”اچھا جی!“ تاج محمد کے لہجے میں حیرت تھی..... پھر اس نے لہجہ بدل کر کہا۔ ”نوٹس لینا بھی نہیں چاہیے

جی..... یہ اخبار والے تو بس مریج مسالا لگانے کے ماہر ہوتے ہیں۔“

”لائسنس اس طرف دیکھیں گا تاج صاحب..... مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔“ اس نے تاج محمد کو اس کے کمرے میں بھیجنے کی خاطر بھانہ کیا۔
”اچھا جی!.....“ تاج محمد پلٹ گیا۔

تاج نے بجلت اخبار کھولا اور بے تابی سے نظریں دوڑانے لگی، اخبار کے اندرونی صفحہ نمبر دو پر اس کی تصویر چھپی ہوئی تھی..... وہی عدالت میں اس کا روپ..... آنکھیں کھلی ہوئی..... باقی چہرہ چادر سے ڈھانچا ہوا۔ تصویر کے ساتھ چھپی خبر کی سرخی ہی اس کی سانس کی لے کو دم کر دیے کو کاٹی تھی۔

”سرکاری اسکول کی پرنسپل پر مقامی عدالت میں اس کے شوہر کی جانب سے بدکرداری کا الزام!“ خبر کی تفصیل میں الطاف کے وکیل سیف علی خان کی جانب سے عدالت میں کئی گئی باتوں کو اور بھی پشچرا لگا کر بیان کیا گیا تھا۔

تصویر دیکھ کر، خبر پڑھ کر وہ بہت دیرینہ جان ہی بیٹھی رہی..... اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے..... کہاں جائے..... لوگوں کا سامنا کیسے کرے، ساتھیوں کی نگاہوں میں معنی خیزی، اسکیلی میں بعض طالبات کی آپس میں کھسپھس، مسرعات کی بہ آواز بلند اخبار خوانی اور لڑک تاج محمد کے معنی خیز جملے ایک فلم کے مربوط مناظر کی طرح اس کی سماعت میں لرزائ بصرات میں متحرک تھے۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح عدالتوں میں بھی جھوٹ سکہ رائج الوقت سمجھا جاتا ہے مگر اس کے کی قیمت اور قوت اتنی زیادہ ہو سکتی ہے کہ کسی کی زندگی ہی تاخت و تاراج کر دے یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا..... سیف علی خان کی عدالت میں شعلہ نوائی نے تو اس کی ساری زندگی ہی جیسے جھٹم کر کے رکھ دی تھی..... خاک آلودہ ہو گئی تھی وہ، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اتنی ذلت، اس قدر رسوائی کے بعد کیونکر وہ اپنی ساتھیوں سے نظریں ملا کر بات کر سکے گی اور کیسے طالبات سے محبت و احترام کا وہ رشتہ استوار رکھ سکے گی جو اس کے نزدیک اب تک کی زندگی کا حاصل تھا۔ طالبات کی نگاہوں سے جھلکتی محبت اور احترام نے تو اس کی ذات کو وہ اعتماد بخشا تھا جو اپنے حسن و جلال میں اس کے ظاہری حسن کو بھی پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ الطاف کی سابقہ تمام دھمکیاں اور جھکندے ایک طرف، اس کی ایما پر بھری عدالت میں اس کے وکیل کی زبانی اس کی کردار کشی ایک طرف..... جیتے جی مار دیا تھا سیف علی خان نے اسے اپنی فیس میں ملنے والے چند سکوں کے عوض!

اس کی میز کے پہلو میں استاد ریک پر دھیرے فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی اور وہ دل گرفتگی کی انتہائی حدوں سے نکل کر بے خبری کے عالم میں پچنی ہوئی تھی۔

”میڈم جی فون ہے.....“ نائب قاصدہ نور جہاں اسے مطلع کر رہی تھی۔

”آں..... ہاں.....“ وہ چونکی۔ نور جہاں کی طرف دیکھا تو اس کی نگاہوں سے بھی کم و بیش وہی پیغام ملا جو اسے اپنی ساتھیوں اور تاج محمد کی نگاہوں سے مل چکا تھا اور وہ پیغام کیا تھا..... ”تم رسوا ہو چکی ہو..... قابل عزت نہیں رہیں!“

سیف علی خان کی زبان اس کی زندگی ہی نہیں، امی کی تمام زندگی کی اس ریاضت کو بھی نگل گئی تھی جو انہوں نے اپنی اولاد کو معاشرے میں عزت کا مقام دلوانے کے لیے کی تھی۔

اس نے فون کال ریسیو کی تو امی کی آواز سنائی دی۔ وہ رنج و غم میں ڈوبی آواز میں کہہ رہی

تھیں۔ ”حجاب! آج کا اخبار دیکھا؟“

”جی امی!“ یہ الفاظ اسے اپنے حلق میں پھنستے محسوس ہوئے۔
”کیسی ذلالت دکھائی ہے ان لوگوں نے..... اس لیے منع کرتی تھی میں تمہیں الطاف سے ٹکر لینے کو۔“

امی کے لہجے میں اب رنج و غم کے ساتھ غصہ اور ناراضی بھی تھی۔
”امی..... پلیز..... پلیز امی!“ وہ گڑ گڑائی..... ”آپ ساتھ نہ چھوڑیے گا ورنہ میں بالکل ہی اکیلی رہ جاؤں گی۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو اُٹ آئے آواز بھر اگئی۔

”بہت کافون آیا تھا..... بہت ناراض ہو رہا تھا..... اتنا روڈ تو وہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا مجھ سے..... کہہ رہا تھا کہ آپ کی بیٹی نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے کا نہیں رکھا..... اسے شہ آپ نے دی ہے۔“ امی نے کھلے بھر کو توقف کیا پھر درد میں ڈوبے لہجے میں بولیں۔ ”نایاب کا بھی فون آیا تھا..... خفا ہو رہی تھی کہ قائم خان نے ناشتے کے وقت اخبار دیکھ کر اس میں حجاب کی تصویر دیکھی اور خبر پڑھی تو ناشتا ہی چھوڑ دیا..... اخبار کو تو ٹرمرڈ کر، جھکا دے دے کہ کہہ رہے تھے کہ یہ ہے تمہارا خاندان..... نایاب کہہ رہی تھی کہ قائم خان کی تو خیر ہے ان کے سامنے ہاتھ پاؤں جوڑ کر انہیں منائی لوں گی..... سرال میں کیسے منہ دکھاؤں گی لوگوں کو۔“

حجاب سانس روکے سنتی رہی۔

”دونوں کہتے تو ٹھیک ہی ہیں..... ارم کو تو بہت کو باتیں سنانے اور ہم سب پر ہنسنے کا موقع ملا..... اور نایاب بھی شوہر اور سرال والوں کے ساتھ کئی ہی اچھی سی طعن و تشنیع سے باز تھوڑی رہتے ہیں لوگ..... مجھے تو ریاب کی فکر لگ گئی ہے..... کون آئے گا اب اس کے لیے اس گھر میں..... مجھے تو لگتا ہے کہ میری ساری زندگی کی محنت برباد ہو گئی۔“

ضبط کے سارے بندھن یک لخت ٹوٹ گئے..... یہ سوچے بنا کہ وہ اس وقت کہاں تھی..... کس حیثیت میں تھی..... اس کے منہ سے پہلے ایک ہلکی سی سسکاری نکلی اور پھر وہ ٹھٹھکی آواز میں باقاعدہ رونے لگی..... غنیمت ہوا کہ اس کے اپنی رقت پر قابو پانے تک کوئی اس کے کمرے میں آیا نہیں ورنہ بڑی عجیب صورت حال کا سامنا ہوتا اسے۔

”اخبار تو بھی پڑھتے ہیں..... ادھر ہماری طرف کے لوگ اور ادھر پشاور میں جب تمہارے بابا کے خاندان کے لوگوں کو پتا چلے گا تو کیا سوچیں گے۔“

”امی..... حجاب دنیا میں صرف میرا ہی نام تو نہیں۔“ اس نے امی کو تسلی دینا چاہی۔

”تصور جو چھاپ دی ہے بد بختوں نے۔“

”کون بچانے گا..... چہرہ تو میرا ڈھکا ہوا ہے۔“

”اڑنی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں لوگ..... انسان کی پہچان کے لیے اس کی آنکھیں ہی کافی ہوتی ہیں اور فرض کرو نہ بھی پہچانیں تو ایسی باتیں چھپتی کب ہیں..... پر لگا کر اڑتی ہیں۔ یہاں سے وہاں تک۔“ امی نے توقف کیا پھر گھال لہجے میں بولیں۔ ”بہت ذلت ہو گئی۔“

حجاب کو احساس جرم مارے دے رہا تھا..... امی اور باقی خاندان کو پہنچنے والے اس دکھ اور ذلت کی ذمے دار وہی تو تھی..... کیا تھا اگر وہ اپنے دل کو مار کر، ذات پر جبر کر کے ہمد کے حقوق کی علمبرداری کا نام نہاد تنغہ اپنے سینے پر سجانے کا خیال پس پشت ڈال کر الطاف کے ساتھ گزارہ کر لیتی..... خود بھی عیش و آرام سے رہتی،

”بکواس بند کرو۔“

”اچھا جی! اب بھی..... اب بھی بکواس بند کرو۔“ کیا ایک اس نے اپنا لہجہ بدل لیا۔ ”جانتی ہوں اخبار میں چھپنے والی تصویر اور خبر کے بعد تمہاری اوقات کیا رہ گئی ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ کوئی اور گلے لگے لگا نہیں..... بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو دوسرے دن تم اپنی ماں کے گھر ہو گی۔“

حجاب کو لگا برداشت کی انتہا سے اس کا سینہ پھٹنے کو تھا۔

”تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے سامنے کھٹے ٹیک دوں گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔“

”ابھی دماغ ٹھکانے نہیں آئے تمہارے!“

”میرے دماغ تو ٹھکانے ہیں، تم اپنے دماغ کی خیر مٹاؤ..... خدا کے قہر کو دعوت مت دو۔“ وہ جلے بچنے

لہجہ میں بولی۔

”اب تم اپنے دوپٹے کا پلو پھیلا کر یہ بد دعائیں دو گی..... جا الطاف تیرا بیڑا غرق ہو..... تو کہیں چین نہ

پائے..... تو خوشیوں کو تر سے..... محتاج ہو..... موت آئے.....“ وہ پھر ہنسا۔

”دوسروں کو بے سبب ستانے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔“ اس نے تلخ لہجہ میں کہا۔

”ستائیں رہا ہوں یا تم..... بیوی ہو کر آنکھیں دکھاتی ہو..... باتیں سناتی ہو..... عدالت میں کھینچ لیا.....

کسی کی مجال تھی کہ الطاف کو عدالت میں گھسیٹ سکے مگر تم نے میری بیوی ہو کر ایسا کیا..... مجھے عدالت میں بلا کر

ڈبل کیا..... کیا سمجھتی تھیں تم..... الطاف آسانی سے ہار مان لے گا..... عدالت نے اگر تمہارے حق میں فیصلہ

دے بھی دیا تو تم دیکھنا کیا کرتا ہوں میں تمہارے ساتھ۔“

”کیا کرو گے! کیا کرو گے تم..... بولو، کیا کرو گے؟“ وہ غصے سے بولی۔

”وقت بتائے گا۔“

”جو تم نے کر لیا ہے..... جو تم کر چکے ہو اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تم۔“ اس نے تحقیر سے کہا۔

”تنگی تصویریں دیواریں پر لگواؤں گا تمہاری۔ چہرہ تمہارا جسم کسی اور کا۔“ اس نے کہا۔

”شرم کرو..... شرم کرو۔ افسوس تمہاری ماں زندہ نہیں..... ہوتی تو میں ان سے پوچھتی ایسا بیٹا کیوں جنم

دیا جسے دوسروں کی بہنوں، بیٹیوں کا کوئی احترام کوئی پاس نہیں۔ یاد رکھنا تم نے اپنے وکیل سے مجھ پر جو جھوٹے

الزامات لگوائے ہیں ان کا حساب دینا پڑے گا تمہیں۔“

”حساب تو تمہیں بھی دینا پڑے گا۔ ایک شریف آدمی سے زوجیت کا رشتہ قائم کر کے وظیفہ زوجیت ادا نہ

کرنے کا۔“ وہ بے شرمی پر اتر آیا۔

”آئی ہیٹ یو۔“

”لیکن کیوں.....؟“ وہ تڑپ کر بولا۔ ”آج بتا ہی دو، کیوں ہے تمہیں مجھ سے نفرت؟“

”کیونکہ تم جھوٹے ہو، مکار ہو، غلط ہو اور ناقابل برداشت ہو۔“ سن آتی ہے مجھے تم سے..... میں تم جیسے

آدمی کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کو ترجیح دوں گی۔ آئی ہیٹ یو..... ہیٹ یو..... ہیٹ یو.....

یہ..... دفعتاً وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ حد آگئی تھی جہاں برداشت کی تمام پرتیں جھج جاتی ہیں۔

دوسری طرف الطاف دم بخود تھا۔ اس سے پہلے زندگی میں کبھی کسی نے اس سے اس قدر نفرت کا اظہار

نہیں کیا تھا۔ نہ اتنی تضحیک کی تھی اس کی۔ وہ تو پیسہ پھینک کر تماشا دیکھنے اور اپنی جیب میں پڑے کرئی نوٹوں کے

خاندان کی بھی جگہ ہنسائی نہ ہوتی مگر اب کیا ہو سکتا تھا اور جو بچکا تھا اس سے زیادہ کیا ہو سکتا تھا..... اب تو ادھر کی دنیا ادھر بھی ہو جاتی..... الطاف انسان سے فرشتہ ہی کیوں نہ بن جاتا، دنیا کی کوئی طاقت اسے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی..... عزت تو جا ہی چکی تھی..... جان باقی تھی..... جانی ہے جائے..... پروائیں، مقدمہ عدالت سے خارج کیا جاتا ہے..... کر دیا جائے..... پروائیں..... اوکھی میں سردے کر موصول سے کیا ڈر..... رہا ساتھیوں، رشتے داروں اور دنیا کا سامنا کرنے کا مسئلہ وہ تو کرنا پڑے گا..... نوکری پہلے اگر شوق، تحصیل کردہ علم کا استعمال اور خود کفالتی کا بہانہ تھی تو اب ضرورت بن گئی تھی..... بہر صورت جاری رہنی تھی، نہ تو نوکری ترک کی جاسکتی تھی نہ دنیا اپنی مرضی سے چھوڑی جاسکتی تھی سوسائٹیوں کا سامنا کرنا بھی مجبوری تھی رشتے داروں اور دنیا کا سامنا کرنا بھی ضروری۔

دن بھر اسکول میں سناٹھی اساتذہ سے سامنا ہوتا رہا..... نہ ان میں سے کسی نے کوئی سوال کیا نہ اس نے از خود کوئی وضاحت ضروری سمجھی۔ پبلک ڈیپنگ سے بھی مفر نہ ہو سکا..... چھٹی کے بعد گھر واپس لوٹی تو امی کو غیر معمولی اداس دیکھا، اتنی اداس تو وہ اس سے قبل صرف ایک موقع پر نظر آئی تھیں اور وہ تھی بابا کی موت۔ رباب بھی گھر پر تھی، مانند پور چپ! اسی نے کھانا گرم کیا اور نکالا مگر کھانے کو کس کا دل تھا۔ دو چار نوالے زہر مار کر کے اس نے ہاتھ بچھ لیا۔

☆☆☆

سہ پہر کو اس کے موبائل فون کی مخصوص ٹون کے ساتھ ایک ناشتا نمبر اسکرین پر وارد ہوا، اسے اپنی منہی مجبوری کے پیش نظر کال ریسیو کرنا پڑی۔

”السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔“ الطاف کی آواز اس کے کان میں پڑی وہ دم بخود رہ گئی۔ فشار خون جیسے بلندی کو چھونے لگا۔ ڈھٹائی کی انتہا تھی یا پھر خباثت کی۔

وہ خاموش رہی۔

”مزاج گرامی بخیر!“

اس نے جبرے بچھ لیے۔

”سرکار! مزاج اب بھی ٹھکانے پر آئے کہ نہیں۔“ اس کا لہجہ استہزائیہ تھا۔ حجاب کا دم پھولنے لگا۔

”کسی اور کے لائق نہیں رہیں تم اب۔“ وہ ہنس دیا۔

”شٹ اپ.....“ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

”اور ڈانٹ لو..... اور ڈانٹ لو میری جان..... اب تو یہ تمہارا حق بنتا ہے..... ویسے..... تصویر خوب

صورت آئی۔“ وہ ہتھ مار کر ہنسا۔

حجاب کا خون کھولنے لگا۔

”اس دنیا میں اب صرف ایک ہی شخص ہے جس کی بانہوں میں تم پناہ لے سکتی ہو..... اور وہ ہے تمہارا

شوہر.....“

”ہیل ٹو یو.....“

”یار! کیوں جنم میں جانے کی بد عادت تھی ہو..... جنت سجا رکھی ہے الطاف نے تمہارے لیے..... یہاں

بھی اور دینی میں بھی..... غصہ ٹھوک دو، آؤ جنت کے مزے لو متے ہیں۔“

عوض اپنی پسند کی چیزیں خریدنے اور اپنی مرضی کے بندوں کے دام چکانے کا عادی تھا۔ حجاب بھی اسے پہلی نظر میں پسند ہی تو آگئی تھی جو اس نے اسے اپنی دولت کے بل بوتے پر خریدنے اور اپنے کراچی اور دہلی کے محل سراؤں کی زینت بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایک معمولی گھرانے سے تعلق رکھنے والی حجاب اس کے خلاف سبسہ پلائی دیوار ثابت ہوگی۔ اس کی دولت، اس کی دھمکیاں، اس کے ڈراوے، سارے حربے دھرے زہ جائیں گے اور وہ اسے ایسی بے نقط سنائے گی کہ وہ دم بخود رہ جائے گا۔ ایسی عورت کے تن کو اگر زبردستی زیر بھی کر لو تو کیا من تو اس کا یہی چلا تا رہتا ہے۔ تم جھوٹے ہو..... مکار ہو..... غلیظ ہو..... ناقابل برداشت ہو..... کھن آتی ہے مجھے تم سے۔ میں تم جیسے آدمی کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کو ترجیح دوں گی۔ آئی ہیٹ یو..... ہیٹ یو..... ہیٹ یو!

اور ایک بسہ بھی جس نے اس کے تمام عجوب، خامیوں، کمزوریوں اور شہزادیوں سے مفاہمت کر لی تھی۔ اس کی تمام غلاظتوں کو قبول کر لیا تھا۔ جانتی تھی کہ وہ شراب پیتا ہے، دل پھینک ہے، خوب صورت عورت ہی نہیں نوجوان اور خوب صورت لڑکے بھی اس کی کمزوری ہیں مگر ان عیوب کے باوجود اس نے اسی کے ساتھ جینے مرنے کا عہد کر رکھا تھا۔

مسئلہ حجاب کا بسہ سے تقابل نہیں اس کی اپنی بد صورتی کے کھل جانے کا تھا۔ زندگی کے آئینے میں پہلی بار کسی نے اس کی بد صورتی پر انگشت نمائی کی تھی۔ اس کی سفید، اجلی، بے داغ پوشاک بھی اس بد صورتی کو چھپانے میں ناکام رہی تھی۔ ہر انسان کی زندگی میں کبھی نہ کبھی وہ لمحہ ضرور آتا ہے جب اسے اپنی اصل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی خود احتسابی کی منزل سے گزر کر کبھی کسی اور کے انگلی اٹھانے پر۔ اس کی زندگی میں بھی وہ لمحہ آ گیا تھا۔ کہتے ہیں انسان کی اصلیت اس کے برتنے پر کھلتی ہے مگر عجیب بات تھی کہ حجاب برتنے بنا ہی اس کی اصل سے واقف ہو گئی تھی۔ اس کے الفاظ کی بازگشت تھوڑے کی ضرب کی طرح اس کے ذہن پر دھمک دے رہی تھی۔

”غلیظ ہو، ناقابل برداشت ہو..... کھن آتی ہے مجھے تم سے۔ میں تم جیسے آدمی کے ساتھ رہنے کے بجائے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کو ترجیح دوں گی۔ آئی ہیٹ یو..... ہیٹ یو..... ہیٹ یو۔“

وہ شاکہ تھا کہ اس نے تو حجاب کو دنیا کے سامنے ذلیل و رسوا کر کے زیر کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ خود ہی ننگا ہو گیا تھا اور وہ بھی ایک بے دست و پا، کمزور عورت کے ہاتھوں۔

بہت بڑی ذلت تھی، ناقابل بیان رسوائی اور کبھی نہ بھلائی جاسکتے والی شکست۔ وہ ہار گیا تھا۔ گھاؤ بہت گہرا تھا مگر اس زخم کو اسے آپ ہی چاٹنا تھا۔

فون کال کا حجاب کی جانب سے منقطع کیا جانا اسے مزید تذلیل محسوس ہوئی۔ کتنی دیر وہ صدمے کی کیفیت میں بیٹھا رہا۔

☆☆☆

تمہید کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ لڑکے والوں کو شادی کی جلدی تھی۔ صرف ایک ماہ کا وقفہ رکھا انہوں نے شادی کے لیے۔ دونوں گھرانوں نے ضروری معاملات و باہم گفت و شنید... ثریا کو پیش پیش رکھ کر کی..... ثریا اور نادر کے مشورے سے مہر سوالا کھروپے قرار پایا۔ جہیز کے لیے ثریا کے چچا نے ابا سے کہا۔ ”براہ کرم آپ لوگ کسی غیر ضروری تکلف میں نہ پڑیں۔ الحمد للہ گھر میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ ٹی وی، فریج، واشنگ مشین، گھریلو استعمال کے چھوٹے موٹے برقی آلات کچھ بھی نہ خریدیں آپ..... سب

زندگی

کچھ موجود ہے۔ کپڑا، زیور کی ممانعت اس لیے نہیں کروں گا کہ آپ مجھے مطلق العنان نہ سمجھنے لگیں۔ ویسے بھی کپڑا اور زیور بچیوں کا شوق ہوتے ہیں۔ مائیں ان کے لیے سینت سینت کر سکتی ہیں۔ انہیں پہنے اوڑھے دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ ویسے تو ضرورت ان کی بھی نہیں..... جو بچی کا نصیب ہوگا اس کے شوہر کی طرف سے مل جائے گا اسے۔“

”باقی نقد دے دیا جائے۔“ اماں دبی زبان سے بولیں۔

”ایک پائی نہیں بہن۔“ لڑکے کے والد نے برجستہ کہا۔ ”ہمیں کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔“

”رسم تو ہے ناں بھائی صاحب۔ ماں باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت حسبِ حیثیت کچھ تو دیتے ہی ہیں۔“ ابا بولے۔

”آپ اپنی بیٹی ہمیں دے رہے ہیں۔ اپنے جگر کا ٹکڑا اس گھر کی سب سے قیمتی متاع۔“

”بے شک۔“ ثریا کی چچی نے شوہر کی تائید کی پھر بولیں۔ ”ہم کسی تکلف، کسی فضول رسم میں پڑ کر نہ

آپ کو کوئی تکلیف دینا چاہیں گے نہ خود زیر بار ہونا پسند کریں گے۔“

”چچی جان مانجھا، مہندی تو ہم ضرور کریں گے۔“ ثریا بولی۔

”بھئی تم بہو، بیٹیاں اپنی خوشی کو جو چاہو کر لینا مگر اس طرح کہ کوئی بد مزگی، کوئی پریشانی، زیرِ باری نہ ہو۔“

”ارے چچی جان بس تھوڑا سا ہلاکلا کریں گے اور کیا۔“

”اجازت ہے۔“ چچا بولے۔

”چچا جان، زندہ باد۔“ ثریا نے کہا۔

”بلال میاں! آپ کب وقت دیں گے ہمیں اپنی شاپنگ کے لیے؟“ ابا نے تمہید کے ہونے والے دو لہا

سے پوچھا۔

بلال بے ساختہ چونکا۔ ”دو لہا کا جوڑا اس رال سے جاتا ہے۔“ ثریا ہنسی اور بولی۔

”میں سمجھتا ہوں اس تکلف میں پڑنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ بلال اپنی تیاری اپنی مرضی سے آپ

کر لیں گے، کیوں بیٹے؟“ چچا نے کہا۔

”جی ابا..... بالکل۔“ بلال نے تائید کی۔

ابا نے اماں کو دیکھا۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ تبادلِ خیال کیا پھر ابا اپنی جگہ سے اٹھے اماں

کے نزدیک جا کر آہستہ سے ان سے کچھ بات چیت کی پھر ہونے والے سدھی کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے

کہا۔ ”اس معاملے میں آپ کو ہماری خوشی کی خاطر ہماری درخواست ماننا ہوگی بھائی صاحب۔“

”آپ کی خوشی سر آنکھوں پر۔“

”میری اور اہلیہ کی خواہش ہے کہ بلال میاں اپنی پسند سے خریداری کریں مگر اپنی جیب سے نہیں..... یہ

ہماری خوشی ہے۔“

”چلیں جیسے آپ کی مرضی۔“

تمام معاملات باہمی احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے طے کیے گئے۔

دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ تمہید خوش تھی مگر متشکر بھی کہ اس کے اس گھر

سے جانے کے بعد گھر داری کون سنبھالے گا۔ اماں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ ان کے کھانے پینے، کپڑوں کی

”ابا میں واپس کروں گا آہستہ آہستہ۔“

”تم ابھی واپس کرو گے..... یکمشت۔ جیسے لیا ہے ویسے ہی لوٹا دو۔ یہ میرا حکم ہے۔“

”ضرورت پڑی تو؟“

”اپنے باپ کو اتنا فقیر سمجھتے ہو۔ ضرورت پڑی تو تقدیم سے لے لیں گے۔ اپنی خواہ سے تمہاری ماں کو وہ براہ جو پیسے دیتی ہے اس سے تمہاری ماں نے کمیشیاں ڈال ڈال کر کوئی ساڑھے چار لاکھ روپے جمع کر رکھے ہیں۔ تمہاری بہنوں کی شادیوں کے لیے اس میں سے لے لیں گے۔ تقدیم کا وقت آئے گا تو اتار دیں گے۔“

”ابا میں تو کہتا تھا.....“

”آپ کچھ نہ کہیں۔“ ابا نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”جو میں کہہ رہا ہوں وہ سنیں۔ اپنا اکاؤنٹ نمبر اور بینک کا نام میرے موبائل پر ایس ایم ایس کر دو۔ آن لائن کی سہولت ہے تمہارے بینک میں؟“

”جی ہے۔“

”میں یہ رقم واپس بھجوا رہا ہوں تمہیں۔“ ابا نے بلاتا خیر وہ رقم منوں کو واپس بھجوا دی تھی۔

تقدیم کی مصروفیت کافی بڑھ گئی تھی۔ صبح سے شام تک دفتر پھر شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں روزانہ ہی بازار آتا جاتا۔ چھٹی کے دو دنوں میں تو اسے سر کھانے کی فرصت نہ ملتی۔ غنیمت تھا کہ ہفتے وار دو چھٹیاں ملتی تھیں اسے ورنہ اور مشکل ہو جاتی۔ لڑکے والوں نے اگرچہ جہیز کے سلسلے میں خاطر خواہ ممانعت کر دی تھی مگر پھر بھی سو کام تھے۔ تمہید ہی نہیں باقی اہل خانہ کے کپڑوں کی خریداری اور درزی کے ہاں سے سلائی اپنی جگہ ایک بڑا کام تھا..... اور ڈھیروں کام تھے۔ شادی کے لیے میرج ہال کی بکنگ، مہمانوں کی خاطر مدارات کے لیے اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلانے کی سمجھ بوجھ، مایوں اور مہندی کی تیاری کہ یہ تو ثریا کی خصوصی فرمائش تھی۔ تقدیم ہر معاملے میں اماں اور ابا کی دست راست بنی ہوئی تھی تو ثریا کا صلاح مشورہ انتہائی مدد و معاون ثابت ہو رہا تھا۔ ثریا کو جتنی اہمیت ملتی وہ خوش ہو کر اتنا ہی آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کرتی۔

”ثریا تم تو اس گھر کے لیے فرشتہ بن گئیں۔“ ایک روز اماں نے اس سے کہا۔

”آئی، اللہ راستے بناتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ زندگی میں جن باتوں کو ہم اپنے لیے مصیبت سمجھتے ہیں اللہ میاں انہی سے ہمارے لیے آسانیاں کا راستہ کھول دیتے ہیں۔ اب دیکھیں ناں کہاں مٹر کہاں تسنیم..... نہ تسنیم کا مدرے مقدر لڑتا نہ وہ ہمارے ہاں آئی نہ ہم آپ جیسے اچھے لوگوں سے ملتے اور نہ تمہید کا چچا کے گھر میں رشتہ طے ہوتا۔ یہ سب اس نیلی چھتری والے کے بند و بست ہیں۔ تسنیم کے مقدر کی خرابی تمہید کے لیے خیر کا سبب بن گئی۔ انشاء اللہ بہت خوش رہے گی تمہید چچا کے گھر میں اور آئی اللہ نے چاہا تو آگے پیچھے آپ کی ساری بچیاں ملتی چلی جائیں گی، میں تو تسنیم کے لیے بھی دعا کرتی ہوں کہ فارغ ہو جائے تو اللہ اس کا نصیب بھی کسی بھلے مانس سے کھول دے۔“ اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”اللہ کے ہاں کسی چیز کی تھوڑی ہے آئی۔ وہ کہتا ہے کن اور جو وہ چاہتا ہے پلک جھپکتے میں ہو جاتا ہے۔“

”بے شک۔“ اماں تائید کیے بنا نہ رکھیں۔

☆☆☆

”منوں! اب تو تمہاری ایک اور بہن کی شادی ہو جائے گی۔ گھر جاؤ گے تو بات کرو گے ناں اپنے پیرنٹس سے۔“ عازنہ بہت دیر سے اس سے فون پر راز و نیاز میں مصروف تھی۔

”وہلائی، بستر کی صفائی اور وقت پر دوا دینے کا خیال کون رکھے گا۔ وہی کام جو برسوں تک انجام دیتے رہے اسے کھلنے لگے تھے۔ بوجھ محسوس ہوتے تھے انہی کے چھوٹ جانے کا خیال اس کے دل کو دکھائے جاتا۔ گھر چھوٹنے، ماں باپ کے گھر سے دوسرے گھر جانے اور بھائی بہنوں سے الگ ہونے کا خیال اسے اداس کر جاتا۔ انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ کسی حال میں مطمئن نہیں رہتا۔“

تسینم گھر میں شادی کی چمچل پہل دیتی تو اس کے دل میں سک سی اٹتی۔ تھوڑا صبر کر لیتی، انتظار کر لیتی، بے تابی نہ دکھاتی تو وہ بھی ایسی ہی تکریم اور خوشی کے ساتھ اپنے گھر جاتی۔ اپنے پرانے تو یہ سمجھ رہے تھے کہ شوہر کے بیرون ملک جانے کے بعد وہ اپنی آسانی کی خاطر مینے میں رہ رہی تھی، یہ تو اسی کو یا گھر والوں کو ہی معلوم تھا کہ وہ کس طوفانِ بلا خیز سے گزری تھی اور اپنی ہی نہیں بلکہ اب تو اپنے بطن میں مویا پاتے ایک نئے وجود کی بقا کے لیے بھی ہنوز ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

منوں کو تمہید کا رشتہ آنے سے شادی کی تیاریوں تک جملہ احوال سے باخبر رکھا جا رہا تھا۔ اس کا ارادہ تھا چھٹی پر گھر آئے گا مگر تمہید کا رشتہ پھر شادی کی تاریخ مقرر ہو جانے کی خبر سن کر اس نے اپنا کراچی آتا شادی تک موقوف کر دیا تھا۔ وہ شادی سے دو چار دن قبل گھر پہنچ کر بہن کی شادی کی خوشیوں میں گھر والوں کے ساتھ شریک رہنا چاہتا تھا۔ شادی کے اخراجات میں ابا کا ہاتھ بٹانے کو اس نے اپنے ایک ساتھی سے کچھ رقم ادھار لے کر گھر بھجوا دی تھی۔

”پیسے کہاں سے آئے؟“ ابا نے اس سے پوچھا۔

”پیسوں کی فکر نہ کریں ابا۔“ اس نے گول مول سا جواب دیا۔

”کیسے فکر نہ کروں بیٹے۔ کیا مجھے تمہارے وسائل کا علم نہیں؟“

”ٹھیک ہے ابا، ٹھیک ہے۔ ایسے موقع زندگی میں بار بار تو نہیں آتے ناں!“

”کسی سے فرض لیا ہے؟“

”چھوڑیں ابا۔“

”کیسے چھوڑوں..... نہیں بیٹا نہیں۔ میں تمہیں یہ رقم واپس بھجوا رہا ہوں۔ جس سے لی ہے واپس کر دو ورنہ یہ سمجھ لینا تمہید کے فریضے سے سبکدوش ہونے کی جو خوشی تمہاری ماں کو اور مجھے ہے ادھوری رہ جائے گی۔“

”ادھو ابا کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ بھائی ہوں میں۔ کیا میرا اتنا بھی فرض نہیں بنتا کہ میں آئے میں نمک کے برابر بی حصہ ڈال دوں؟“

”بیٹا! سو مت پریشان آئیں گے بہن کو دینے دلانے کے پھر دے دینا۔“ ابا نے سمجھایا۔

”ابا۔“

”بیٹا!“

”پلیز ابا۔“

”دیکھو میں آج کل بہت خوش ہوں۔ تمہاری پیدائش کے موقع کے علاوہ شاید اور کبھی اتنا خوش نہیں رہا میں۔ تمہید کی بہت فکر تھی مجھے۔ بڑی خدمت کی ہے اس نے ہم سب کی۔ بہت اچھے لوگ مل گئے ہیں اس کے لیے۔ کسی چیز کی تمنا نہیں رکھتے۔ جہیز میں کپڑوں اور زیور کے سوا کچھ بھی دینے سے منع کر دیا ہے۔ اللہ کی مہربانی ہے جو اتنے اچھے لوگ مل گئے۔ اگر اب بھی ہم اپنے اوپر قرض کا بار چڑھا لیں تو یہ اللہ کی ناشکری ہوگی بیٹے۔“

”اوہ! ایک ہی تودل بھایا ہے آج تک..... اسے بھلا کیوں جلاؤں گا۔“
 ”مجھے کیا پتا..... یہ تو تم خود سے پوچھو..... دیکھو میں کچھ نہیں جانتی..... تمہیں اپنے پیرئٹس سے اس دفعہ بات کرنی ہوگی۔“
 ”مگر شادی..... تقدیم آپ کی شادی کے بعد..... یار! بڑی اچھی بہن ہے میری..... فیملی کے ساتھ بہت تھکس..... ان کے لیے رشتے بھی بہت آتے ہیں..... بس ذرا تمہید باجی کی وجہ سے گوٹ پھنسی ہوئی تھی... انشاء اللہ جلدی ہوگی تقدیم آپ کی شادی۔“
 ”اور اگر نہ ہوگی.....؟“
 ”کیوں نہیں ہوگی اور کیسے نہیں ہوگی..... تقدیم آپ جیسی لڑکیاں تو مقدر والوں کو ملتی ہیں۔“
 ”اور عازرہ صبور احمد جیسی؟“
 ”مقدر کے سکندروں کو!“
 ”جاؤ معاف کیا..... کیا یاد کرو گے لطفین کہ کس سخی سے پالا پڑا تھا لیکن دیکھو مگنی والی بات اسی بار کر لینا۔“
 ”اوکے..... اوکے میم۔“

☆☆☆

لوگ بڑے بڑے جرم کر کے بھی نہ جانے کیونکر دنیا کا سامنا کر لیتے ہیں، حجاب کو تو ایک ناکردہ جرم کا احساس ہی مارے ڈالتا تھا۔ بھجوت بھائی اور نایاب باجی نے تو گھراٹا جانا ترک کر کے گویا معاشرتی مقاطعہ کر دیا تھا..... (موشل بائیکاٹ) حجاب کو امی اور بابا سے بھی شرم محسوس ہوئی۔ اس کی وجہ سے ان کے بھی روابط ٹوٹ گئے تھے..... انتہائی قریبی رشتوں سے..... دیگر رشتے دار پہلے ہی کچھ کم باتیں بناتے تھے جو رہی کبھی کس پوری ہوئی تھی..... کراچی سے پشاور تک ایک ہی خبر کا تڑکا لگا ہوا تھا..... ”حجاب کے کروت پڑھے اخبار میں ہم تو پہلے ہی کہتے تھے یہ ماں بیٹیاں ٹھیک نہیں ہیں، ساری غلطی ماں کی ہے، شوہر ساری زندگی باہر رہا..... یہ اکیلی..... جو مرضی میں آئی کیا، دن دیکھا نہ رات..... نوکری کا بھانہ گھر سے باہر..... کیا ضرورت تھی بیٹیوں کو اتنا پڑھانے لکھانے کی..... اور پھر نوکری کرانے کی..... خاندان کی اور لڑکیاں بھی تو ہیں..... پڑھی لکھی نہیں تو کیا عزت سے گھروں میں تو بیٹھی ہیں..... یوں اخباروں میں تصویریں چھپوا کر کسی نے نام نہیں اچھالا خاندان کا..... حجاب نے تو بے غیرتی کی انتہا ہی کر دی..... پیسے کو اپنا ایمان بنالیا..... لعنت ہے ایسے پیسے پر..... کوئی تعلق رکھنے کے لائق نہیں ہیں یہ ماں بیٹیاں..... کوئی پوچھے بھی تو کہہ دو ہماری کچھ نہیں لکھیں..... تو توبہ! اللہ معاف کرے..... عورت کی خوب صورتی اس لیے تھوڑی ہوتی ہے کہ اس کے دام کھرے کیے جائیں..... آدمی شریف ہے جو حجاب کو اب بھی اپنے گھر میں ڈالنا چاہتا ہے، ہوتا کوئی بد معاش تو ٹکڑے کر کے کسی جنگل میں پھینک آتا یا نالے میں بہا دیتا۔“

غرض جتنے منہ تھے اتنی باتیں اور ہر شخص اپنی اپنی بساط، اپنے اپنے طرف کے مطابق بولی بولتا۔
 حجاب اسکول جاتی تو اسے اپنی ساتھیوں سے نظریں ملاتے شرم آتی۔ طالبات سے حجاب آتا..... بچوں کے والدین اور سرپرستوں کا سامنا کرتے ہوئے ایک احساس شرمندگی غالب رہتا..... ہم عصر اداروں کی ممبرانہاں سے ملنا ہوتا تو ان کی نظروں میں اسے اپنے لیے استہزائیہ کیفیت کا احساس ہوتا..... افسران اعلیٰ اور ان کے ماتحت عملے کی نظروں میں بھی اب پہلے جیسا احترام نہیں رہا تھا..... حقارت جھلکتی تھی..... نوکری مجبوری

”تمہیں یار ابھی نہیں۔“

”کیوں؟“

”کم سے کم دو بہنوں کی تو ہو جائے۔“

”تو دو کی تو ہو جائے گی ناں..... ایک تمہید باجی دوسری تسنیم۔“

”اوہ یس!“ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ عازرہ اور اس کے گھر والوں کو یہ بتانے کے باوجود کے لڑکے کی بیرون ملک روانگی کے باعث اس کی ایک بہن کی ہنگامی بنیادوں پر شادی کرنا پڑی تھی وہ نہ جانے کیوں تسنیم کا شادی شدہ ہونا اپنے ذہن سے محو کر دیتا تھا۔

”ایک مرتبہ پہلے بھی آپ یہ غلطی کر چکے ہیں لطفین صاحب۔“ عازرہ کی آواز سے اس کی مسکراہٹ جھلک رہی تھی۔ وہ اسے لطفین ہی کہتی تھی۔
 ”کون سی غلطی؟“ وہ چونکا۔

”دو بہنوں کی شادی ہو جانے کی شرط میں کتنی ہی غلطی۔ تم نے کہا تھا کم از کم دو بہنوں کی شادی تو ہو جائے ابھی تو ایک کی بھی نہیں ہوئی..... یاد ہے ناں؟ میں نے تمہیں یاد دلایا تھا کہ ایک کی تو ہو چکی ہے۔ ڈنڈی مارتے ہو لطفین صاحب۔“

”اوہ نو یار..... اصل میں وہ کیا ہے کہ تسنیم کا نمبر نہیں تھا ناں ابھی پہلے تو تمہید باجی اور تقدیم آپ کی باری تھی۔ رشتے والوں کو تسنیم پسند آگئی اور وہ لوگ اماں ابائے کے اتنا پیچھے پڑے کہ تسنیم کی پہلے کرنا پڑی۔ آدمی اپنی باری سے پہلے باری لے بیٹھے یا پیچھے چلا جائے تو کتنی میں یونہی کڑبڑ ہو جاتی ہے یار..... اسی لیے..... اسی لیے میں اپنی باری کا انتظار کرنا چاہتا ہوں۔“

”تمہاری باری میں تو پھر بہت دیر ہے لطفین۔ تین بہنوں سے چھوٹے ہونا؟“
 ”نہیں..... چارے۔“

”اومائی گاڈ! اگر تم نے سچ سچ اپنی باری کا انتظار کیا تو میں تو شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو جاؤں گی..... نو مائی ڈیر لطفین میں اتنا لمبا انتظار نہیں کر سکتی۔“

”یار! دو کے بعد اماں اور ابائے بات کر کے مگنی کر لیں گے ناں۔ تمہیں پتا ہے مگنی میں بھی بڑا رو میس ہوتا ہے۔ راترا اترا کر اپنی انگوٹھی والی انگلی دوستوں کو دکھانا۔ رات کو دیر تک فون پر مستقبل کے منصوبے اور صبح.....“
 ”ٹائیں ٹائیں فٹ!“ وہ اس کی بات اچک کر بولی۔

”انہیں یار صبح آنکھ کھلتے ہی موبائل اٹھانا اور پہلو ہائے، گڈ مارنگ کرنا۔“

”پائی داوے کتنا تجربہ ہے؟“

”مگر..... کس بات کا؟“

”مگنیوں کا۔“

”ایک کو ترس رہے ہیں یار..... تم مگنیوں کی بات کرتی ہو۔“ وہ زور سے ہنسا۔

”دل جلانے کی بات نہ کیا کرو۔“

”کس کا دل؟“

”میرا اور کس کا۔“

نہ بن گئی ہوتی تو وہ چھوڑ چھاڑ گھر بیٹھ جاتی..... لکھ لکھ عذاب تھا جو وہ سہہ رہی تھی۔
 اتنی بڑی اور بھری مری دنیا میں تقدیم اور اس کے گھر والے اس کے لیے جذباتی سہارا بن گئے تھے۔ تقدیم
 کی نگاہوں میں اب بھی اس کے لیے پہلے جیسا پارتھا..... باتوں میں اخلاص تھا..... رویے میں دل بستگی تھی.....
 اسی لیے وہ پہلے کی نسبت جلد جلد اس سے ملنے لگی تھی..... کبھی اس کے دفتر میں..... کبھی گھر جا کر..... گھر کے سب
 لوگ حجاب کو اس وقت سے جانتے تھے جب وہ تقدیم کے ساتھ پڑھا کرتی تھی..... پہلے وہ کبھی کبھار گھر آیا کرتی
 تھی اب گاہے گاہے آنے لگی تھی..... تقدیم نے حجاب کے بارے میں اپنے دل جذبات گھر والوں کو بھی منتقل
 کر دیے تھے، حجاب وہاں آتی تو اس گھن سے خود کو قدرے آزاد محسوس کرنے لگتی جس کا اسے ان دنوں باہر کی دنیا
 ہی نہیں خود اپنے گھر میں بھی سامنا تھا..... امی کا ساپٹ چہرہ اور باب کی خاموشی اس کے لیے زندگی کی سب سے
 کٹھن آزمائش بن گئی تھی..... تقدیم کے گھر آ کر وہ کچھ ریلیکس ہو جاتی۔ وہاں اماں تھیں جو اسے بیٹیوں کی طرح
 پیار کرتیں اپنے پاس بٹھا کر اسے تسلی دیتیں..... اللہ پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کرتیں..... تقدیم تھی جو اسے صلاح
 مشورہ دینے کے ساتھ بہتری کی امید بھی بندھاتی..... تمہید بھی جوان دنوں اتنی سرور تھی کہ لپک لپک کر پہلے سے
 زیادہ اس کی خاطر مدارات کرتی..... نسیم بھی جو اپنے بھاری وجود کو چادر میں لپیٹ لپیٹ کر اس کے پاس آ بیٹھتی تو اس
 کی آنکھوں میں ہلکورے لپٹی اداسی اسے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی بسہ کی یاد دلاتی۔ اس کی آنکھوں میں
 بھی تو ایسی ہی اداسی تھی..... تقدیم اور تقدیس اسے بڑی بہن کا سا احترام دیتیں..... تقدیم سے اس کی برسوں پرانی
 دوستی ان دنوں ویسے ہی اس کے کام آ رہی تھی۔ جیسے دو چھٹی میں دھری کوئی زائد ضرورت تو شک کسی مہمان
 کے قیام پذیر ہونے پر یاد آتی ہے اور اپنی تمام تر حدت و ملائمت کے ساتھ کام آنے لگتی ہے۔

☆☆☆

تمہید کی شادی کے کارڈ چھپ کر آ گئے تھے۔ مہمانوں کی فہرست مرتب کی جا رہی تھی۔ اماں اور بابا نام لکھوا
 رہے تھے، تقدیم کا غد قلم لیے سہرا لکھتی جا رہی تھی۔
 ”اپنے وکیل صاحب کا نام ضرور لکھنا۔“ ابا جو ذہن پر زور دے دے کر اعزاء و اقربا کے نام نمبر وار
 لکھوا رہے تھے بولے۔

”وکیل صاحب!“ تقدیم نے تجاہل عارفانہ سے کہا۔

”ارے ہاں بھئی..... وہی اولیس انصاری صاحب۔ بہت کام آئے وہ ہمارے..... عزت بندھی رہ
 گئی۔“ اماں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”فکر نہ کرو تقدیم کی ماں، اللہ بہتر کرے گا۔“ ابانے اماں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

”کبھی سوچا تھا کہ یہ دکھ بھی سہنا پڑے گا۔ سات نسلوں میں نہ ہوئی ہوگی ایسی بات۔“

”ہوئی تو کون روک سکا ہے تقدیم کی ماں۔“

”لو کیوں کو ماں باپ کی عزت کا خیال رکھنا چاہیے۔“

”اچھا بیٹی لکھ لیا تم نے وکیل صاحب کا نام؟“

”جی ابا!“

”اپنی میڈم کا نام بھی لکھ لو۔“

”نہیں ابا۔“

”کیوں؟“ ابا چونکے۔

”وہ ذرا دوسرے انداز کی خاتون ہیں۔ آدمی یورپین آدمی پاکستانی۔ سرعام سگریٹ پیتی ہیں..... تمہید
 کے سسرال والے دین دار لوگ ہیں۔ میڈم اگر آگئیں اور ان کے سامنے سگریٹ بھی پینے بیٹھ گئیں تو بہت
 عجیب لگے گا ابا اور مجھے بھی میڈم کو خاص توجہ دینا پڑے گی۔ تمہید کی سسرال والوں کو گلہ ہوگا کہ ہمیں چھوڑ کر ان
 کی طرف لگی رہیں۔“

”نہ بلانے پر تمہاری میڈم کو جو گلہ ہوگا کہ بہن کی شادی میں پوچھا تک نہیں۔“

”اسی لیے آفس سے کسی کو بھی نہیں بلارہی ہوں بعد میں سب کو ایک ساتھ آفس میں ہی ٹریٹ دے
 دوں گی۔“

”جیسے تمہاری مرضی۔“

”حجاب کو مت بھول جانا۔“ اماں نے یاد دلایا۔

”اسے بھولی تو وہ مجھے فل نہیں کر دے گی۔“ تقدیم مسکرائی۔

”بلکہ حجاب مع اہل خانہ۔“

”لوئی کی قسمت کا کچھ پتا ہوتا ہے۔“ اماں کے لہجے میں رنج تھا۔ ”اسی خوب صورت لڑکی اور نصیب ایسا کھوٹا۔“

نہ بن گئی ہوتی تو وہ چھوڑ چھاڑ گھر بیٹھ جاتی..... لکھ لکھ عذاب تھا جو وہ سہہ رہی تھی۔
 اتنی بڑی اور بھری مری دنیا میں تقدیم اور اس کے گھر والے اس کے لیے جذباتی سہارا بن گئے تھے۔ تقدیم
 کی نگاہوں میں اب بھی اس کے لیے پہلے جیسا پارتھا..... باتوں میں اخلاص تھا..... رویے میں دل بستگی تھی.....
 اسی لیے وہ پہلے کی نسبت جلد جلد اس سے ملنے لگی تھی..... کبھی اس کے دفتر میں..... کبھی گھر جا کر..... گھر کے سب
 لوگ حجاب کو اس وقت سے جانتے تھے جب وہ تقدیم کے ساتھ پڑھا کرتی تھی..... پہلے وہ کبھی کبھار گھر آیا کرتی
 تھی اب گاہے گاہے آنے لگی تھی..... تقدیم نے حجاب کے بارے میں اپنے دل جذبات گھر والوں کو بھی منتقل
 کر دیے تھے، حجاب وہاں آتی تو اس گھن سے خود کو قدرے آزاد محسوس کرنے لگتی جس کا اسے ان دنوں باہر کی دنیا
 ہی نہیں خود اپنے گھر میں بھی سامنا تھا..... امی کا ساپٹ چہرہ اور باب کی خاموشی اس کے لیے زندگی کی سب سے
 کٹھن آزمائش بن گئی تھی..... تقدیم کے گھر آ کر وہ کچھ ریلیکس ہو جاتی۔ وہاں اماں تھیں جو اسے بیٹیوں کی طرح
 پیار کرتیں اپنے پاس بٹھا کر اسے تسلی دیتیں..... اللہ پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کرتیں..... تقدیم تھی جو اسے صلاح
 مشورہ دینے کے ساتھ بہتری کی امید بھی بندھاتی..... تمہید بھی جوان دنوں اتنی سرور تھی کہ لپک لپک کر پہلے سے
 زیادہ اس کی خاطر مدارات کرتی..... نسیم بھی جو اپنے بھاری وجود کو چادر میں لپیٹ لپیٹ کر اس کے پاس آ بیٹھتی تو اس
 کی آنکھوں میں ہلکورے لپٹی اداسی اسے اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی بسہ کی یاد دلاتی۔ اس کی آنکھوں میں
 بھی تو ایسی ہی اداسی تھی..... تقدیم اور تقدیس اسے بڑی بہن کا سا احترام دیتیں..... تقدیم سے اس کی برسوں پرانی
 دوستی ان دنوں ویسے ہی اس کے کام آ رہی تھی۔ جیسے دو چھٹی میں دھری کوئی زائد ضرورت تو شک کسی مہمان
 کے قیام پذیر ہونے پر یاد آتی ہے اور اپنی تمام تر حدت و ملائمت کے ساتھ کام آنے لگتی ہے۔

تمہید کی شادی کی تیاریوں میں تقدیم اور اس کے گھر والوں کا انہماک اور مسرت دیکھ کر حجاب کو لطاف
 سے اپنے نکاح کا موقع یاد آتا..... سب کتنے خوش تھے..... مگر کے معلوم تھا کہ وہ خوشی نہ صرف نایاب نادر ثابت
 ہوگی بلکہ ایسے دردناک انجام سے دوچار ہوگی جو کسی اور کے لیے نہ سہی خود اس کے دل کو اک کرب مسلسل سے
 دست و گریباں کر دے گا..... دل کو اس کرب سے مفر کی کوئی راہ نہیں مل پائے گی تھی۔

☆☆☆

مدر اسکاٹ لینڈ چلا گیا تھا..... بہن کے پاس وہ پہلے بھی گیا تھا مگر عارضی قیام کے لیے لیکن اس بار تو وہ
 وہاں مستقل قیام کی نیت سے گیا تھا۔ ممی کو وہ اچھے بیٹھے یاد آتا اور اس کی یاد آتے ہی غیر شعوری طور پر انہیں
 نسیم کا خیال آتا..... ڈیڈی کی مطلق العنانی اور سفاکیت پر انہیں دل ہی دل میں غصہ آنے لگتا۔ کیا تھا اگر وہ
 نسیم کو اس گھر میں قبول کر لیتے۔ آخر نسیم کی بیوی کو کبھی تو کیا ہی تھا۔ بجا کہ مدر اور نسیم دونوں نے غلطی کی تھی۔
 والدین اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیمی اداروں میں اس لیے تھوڑی بھیجتے ہیں کہ وہ وہاں جا کر تعلیم حاصل کرنے کے
 بجائے ایک دوسرے سے محبت کی بیٹیکیں بڑھائیں اور ماں باپ کی عزت اور ارادوں کا خیال کیے بنا زندگی
 کے اتنے بڑے بڑے فیصلے خود کر ڈالیں۔ جنہیں کرنے سے پہلے ان کے بڑے ہر پہلو سے سو سو بار سوچتے
 ہیں..... لیکن ڈیڈی نے نسیم کو طلاق دلوا کر مدر سے بھی بڑی غلطی کی تھی۔ اس لیے کو اب وہ بے پاؤں ساری
 زندگی مدر اور نسیم ہی نہیں دونوں خاندانوں کے مستقبل کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ اک کتر دکھ سے نجات کی
 کوشش میں کبھی مندل نہ ہونے والے رزم کو دو خاندانوں کا نصیب بنا دیا گیا تھا۔

عجیب بات تھی مدر کے جانے کے بعد ہرگز رتے دن کے ساتھ ممی کے دل میں نسیم سے ہمدردی ہی نہیں

”قسمت کا تو نہ لڑکی کی پتا ہوتا ہے نہ لڑکے کی“۔ ابا بولے۔

”سچ کہتے ہیں۔“ اماں نے گھاسل لہجے میں کہا پھر قدرے توقف سے بولیں۔ ”ابھی تو خیر موقع نہیں ہے ایسی بات کرنے کا لیکن تمہید کی شادی سے نمٹ کر آپ اپنی بہن اور بہنوئی سے ضرور بات کر لیں..... بتا دیں انہیں کھل کر کہ ہماری تودلی آرزو تھی کہ خوش بخت ہمارے گھر آئے مگر..... کوؤں پر خدا کی مار جو دکھ جھیشے والوں کے انڈے کھا بیٹھے ہیں۔“

”ٹھیک ہے کروں گا میں بات، سمجھا دوں گا بہن کو۔ نیاز مانہ ہے تقدیم کی ماں ان باتوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔“

تقدیم اگلا نام لکھنے کے لیے اماں اور ابا سے ڈکٹیشن لینے کی منتظر تھی۔ تمہید گرم پکوڑوں کی پلیٹ اٹھائے آ پچھلی اسے دیکھ کر اماں کا جی بھر آیا۔ تسنیم کے قصے سے پہلے تمہید لکھتی مایوس ہو چلی تھی اپنے مستقبل سے..... اکثر بھر جاتی مگر والوں سے الجھنے لگتی۔ تسنیم کے قصے نے اسے یوں خاموش کر دیا تھا جیسے اس نے اپنے مقدر کی مایوسی سے مفاہمت کر لی ہو مگر اس مفاہمت سے یک بیک کسی امید پھوٹی تھی۔ ثریا نے ٹھیک کہا تھا کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے زندگی میں کہ جن باتوں کو ہم اپنے لیے مصیبت سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہی سے ہمارے لیے آسانیوں کا راستہ کھول دیتا ہے۔

☆☆☆

عباد کو ویزے کے انتظار میں ایک، ایک دن پہاڑ لگ رہا تھا۔ نورین سے اس کی بلاناغہ فون پر بات ہوتی۔ ساس اور سر سے بھی رابطہ رہتا۔ اس کا بس چلتا تو ویزے کے بغیر ہی اڑ کر وہاں جا پہنچتا۔ نورین سے زیادہ وہ ملکہ کا دلہن دیکھنے کی تمنا میں مرا جا رہا تھا۔ اب وہ اور بات تھی کی نورین اس کے لیے وہاں پہنچنے کا زینہ بن رہی تھی اور اسی لیے اسے نورین سے یہ کہنا پڑتا۔ ”آئی ایم ڈانک ٹو سی یوٹی۔“

”بٹ آئی ایم ناٹ۔“ کئی مرتبہ عباد سے ایک ہی بات سننے کے بعد ایک روز نورین نے بیزار سے کہا۔

”کیا..... کیا کہا تم نے؟“ وہ چونکا۔

”میں نے کہا تم مجھے دیکھنے کو ممر رہے ہو تو شوق سے مرو میں اتنی فضول بات کے لیے نہیں مر سکتی۔“

”مخاورہ ہے سوئٹ ہارٹ..... لیکن کیا تم مجھے دیکھنے، مجھ سے ملنے کو فضول بات سمجھتی ہو۔ کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ ہم دونوں پھر سے اکٹھے ہوں۔ ہمارے درمیان دوری نہ ہوں، فاصلے نہ ہوں۔“

”آدی کو پریکٹیکل ہونا چاہیے۔“ نورین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ”کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟“ اس نے اپنی بات کی تائید چاہی۔

”نو..... ناٹ ایٹ آل ڈارلنگ..... ناٹ ایٹ آل۔“ عباد کو اختلاف رائے کی اجازت تھی نہ حوصلہ۔

نورین کا امیر و کبیر باپ اس کے ساتھ اپنی پہلی ہی نشست میں اسے بتا چکا تھا کہ اسے اس کی بیٹی سے شادی کی صورت میں بیوی کا بندہ بے دام بن کر رہنا تھا..... اس میں حرج بھی کیا تھا، عباد کو تو بیوی کی طرف سے بہت کچھ ملنے کی امید تھی۔ اکثر مرد تو بیوی کو بہت کچھ دے دلا کر بھی اس کے زرخیز بن رہتے ہیں۔

☆☆☆

مونس کی آمد نے تمہید کی شادی کی خوشیوں کو دو بالا کر دیا تھا۔ تسنیم کو اس نے دوسرے ہی حال میں دیکھا۔ اماں نے اپنے پاس بٹھا کر وہ ساری کٹھا اسے سنائی جو اس کی عدم موجودگی میں گزری تھی۔

”شوٹ کر دینا چاہیے تھا اس بد معاش کو۔“ مونس دانت پیس کر مدثر کی بابت بولا۔

”بیٹا! غلطی تو ہماری اپنی لڑکی کی بھی تھی۔“ اماں نے خدا لگتی کہی۔
 ”مگر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ غلطی دو افراد کریں اور سزا صرف ایک کو بھگتنی پڑے۔“
 ”دستور ہے بیٹا۔ مرد اور عورت مل کر غلطی کریں تو سزا عورت ہی کے حصے میں آتی ہے۔“
 ”کس دستور کی بات کر رہی ہیں اماں؟“

”معاشرے کے دستور کی اور کس دستور کی۔“

”میں سمجھا آپ دین کے دستور کی بات کر رہی ہیں۔“

”کہتے ہیں دین سے دنیا تھا منی مشکل..... اللہ اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے مگر بندے، بندوں کو معاف نہیں کرتے۔“

”ظرف ہونا چاہیے اماں۔“

”وہ دور چلا گیا ہے بیٹے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اتنا کچھ ہوا اس نے کبھی ہم سے بد تمیزی یا بد کلامی نہیں کی بلکہ جانے سے پہلے تسنیم سے معافی بھی مانگی۔ طلاق دینے پر چھتاوا ہے اسے۔“ اماں نے اپنا ہاتھ مونس کے کندھے پر رکھ دیا۔

”چھتاوا!“ مونس نے جڑے بھینچ لیے اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔ ”ایک لڑکی کی زندگی برباد کر دی اس نے.....“

اسے تو ڈوب کر مر جانا چاہیے تھا۔“

”برامت ماننا بیٹے، ایک بات کہوں۔ ایک لڑکی کی زندگی تو تم نے بھی برباد کی ہے۔“

”آپ بھی برامت مانیے گا اماں..... اگر میں آپ کی اس بات کا جواب دوں تو۔“

”ہاں، ہاں دو، ضرور دو..... دیکھوں تو کیا جواب ہے تمہارے پاس۔“ اماں نے مونس کو تیکھی نظروں

موٹاپا

موٹاپا سے مراد موٹا ہونا نہیں کیونکہ اس کا تعلق پاؤں کے وزن سے ہوتا تو پھر یہ مجاورتا خالص زمانہ صفت ہوتی حالانکہ یہ تو وہ صفت ہے جو مرد کو عورت سے علیحدہ نہیں کرتی، پاس پاس کرتی ہے۔ اسی لیے دو موٹے مرد عورت اتنے ہی فاصلے پر بیٹھے ہوں جتنے فاصلے پر پتلے مرد عورت بیٹھے ہوں تو موٹے ایک دوسرے کے زیادہ پاس پاس ہوتے ہیں۔

پتلے بہت سخت ہوتے ہیں جبکہ موٹے افسر اور خاوند ہی نہیں، موٹی بیوی تک بہت نرم ہوتی ہے۔ یقین نہ آئے تو چھوکر دیکھ لیں۔ اپنی کہاوت ہے عورت، تربوز اور خیر کو وزن سے متنب کرنا چاہیے۔ وزن تو مصرعوں میں نہ ہو تو وہ شعر نہیں بنتے۔ پتلا اور نحیف تو اردو ادب میں صرف عاشق ہی ملتا ہے۔ اس کی حالت اس قدر پستی ہوتی ہے کہ اس کی تو بات تک میں وزن نہیں ہوتا پھر عاشق کا یہ کہنا کہ مجھے ہر طرف محبوب ہی محبوب نظر آتا ہے دراصل محبوب کے موٹے ہونے کی تعریف کرنا ہی ہے۔ اسی لیے تو عاشق کہتا ہے محبوب آجائے تو گلستا ہے کل کا نساں آگئی اور وہ منہ موڑ جائے تو اسے گلستا ہے پوری دنیا منہ موڑ گئی ہے۔ کمزور اور پتلے محبوب کا عارض بھی عارضہ بلکہ عارضی لگتا ہے۔

از: مزاحیات، ڈاکٹر یونس بٹ
مرسلہ: غزالہ طارق، سرگودھا

”سسز نکل گیا ہے۔“

”تو کیا ہوا، اسنے سسز جونیئر ہی ہو جاؤ گی ناں..... وقت کو جب، جہاں اور جیسے بھی کچر سکتی ہو پکڑنے کی کوشش کرو۔ اینڈ آف دی ڈے نقصان میں نہیں رہو گی لیکن اگر وقت کو نہ پکڑا تو وہ آگے نکل جائے گا اور تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔ تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات؟“

”جی میڈم!“

”Go ahead..... بسم اللہ کرو۔“

”لیکن میڈم ایک مسئلہ ہے۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

”کیا؟“ میڈم بٹنی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”آئی ایم پریگنٹ۔“ میڈم بھی مسکرا دیں۔

”کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ یہ فقرہ میڈم بٹنی کا گویا سکیہ کلام تھا اور بقول ڈیپارٹمنٹ کے طلبہ میڈم بٹنی کا یہ کہنا کہ ”کوئی مسئلہ نہیں“ بڑے سے بڑے مسئلے کو آسان کر دیا کرتا تھا، ریلیف دیتا تھا۔

”میڈم! ٹیچر ز کو اعتراض تو نہیں ہوگا؟“

”کیوں ہوگا بٹنی؟ جس لڑکی کی شادی ہو گئی ہو اس کا پریگنٹ ہونا بھی نیچرل ہے۔ یہاں یونیورسٹی میں پریگنٹ اسٹاف کام نہیں کرتا ہے کیا۔ اگر یونیورسٹی کے ٹیچنگ اور ناں ٹیچنگ اسٹاف میں پریگنٹ ہو جانے والی شادی شدہ خواتین اپنے فرائض منصبی ادا کر سکتی ہیں تو ایک شادی شدہ طالبہ کے تعلیم جاری رکھنے پر کیوں اعتراض ہوگا کسی کو۔“

سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”سوری اماں!“ مونس نے پہلے اپنی جسارت رندانہ پر معذرت کی پھر بولا۔ ”آپ والدین کو چاہیے کہ ہمیں اپنی خواہشوں کی زنجیروں میں باندھنے کی کوشش نہ کریں۔ ہماری اپنی بھی تو کوئی خواہش ہو سکتی ہے۔ میں چاہتا تو آپ کو بتائے بغیر بھی کوئی فیصلہ کر سکتا تھا مگر میں نے آپ کو اعتماد میں لیا اور دوسری طرف بھی بتا دیا ہے کہ جب تک تقدیم آئی کی شادی نہیں ہو جاتی انہیں انتظار کرنا ہوگا۔ کیا آپ کے اطمینان کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ نہ میں نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے نہ اپنی ذمہ داری سے نظر چرائی ہے۔“

اماں نے ایک سرد آہ بھینچی اور مونس کو بڑی حسرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ وہ دھیر سے سے مسکرایا اور اماں کے نحیف شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولا۔ ”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟“

”دیکھ رہی ہوں کہ وقت ہمیں کیا کچھ دکھاتا ہے۔“ اماں نے پھر ایک سرد آہ بھری اور مونس کو پھر ویسی ہی نظروں سے دیکھتے ہوئے دل گرفتگی سے کہا۔

☆☆☆

وقت قاتل بھی ہے مسیحا بھی۔ زخم بھی لگاتا ہے اور خود ہی زخم کی ٹکور بھی کرتا ہے۔ وقت نشتر بھی ہے مرہم بھی۔ تسنیم دھیرے دھیرے زندگی کے اس روپ کی طرف پلٹ رہی تھی جو خرابی قسمت سے قبل اس کا معمول تھی۔ اس نے اپنا منقطع تعلیمی سلسلہ مکمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ پریگنسی میں آخر زندگی کے دیگر معاملات بھی تو چل ہی رہے تھے۔ ہمت کر کے وہ ایک روز یونیورسٹی جا پہنچی۔

”اے لڑکی! تم اچانک کہاں غائب ہو گئی تھیں؟“ ڈیپارٹمنٹ کی سب سے زیادہ مقبول اور محترم استاد میڈم بٹنی نے پوچھا۔

”میڈم، شادی ہو گئی تھی میری۔“ اس نے جواب دیا۔

”اچھا..... اچھا، یہ اچھی خبر ہے لیکن یہاں تو جس سے بھی پوچھا گیا تمہارے بارے میں اس نے لاعلمی ظاہر کی۔“

”میڈم! یہاں سے کسی کا میرے گھر آنا جانا نہیں تھا ناں اس لیے۔“

”اسی لیے کہتے ہیں انسانوں کا انسانوں سے رابطہ رکھنا ضروری ہے۔“

”انسانوں کا!“ اس نے میڈم بٹنی کے دو الفاظ متنی خیز لہجے میں دہراتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔ ”تمہارے اس تبصرے پر میں اپنے کمٹس محفوظ رکھتی ہوں۔“ میڈم بٹنی بھی خوش دلی سے مسکرائیں۔ ”بیٹھو تو تمہارا انٹینٹس بڑھ گیا ہے۔ اپنے شاگردوں کو میں عام طور پر اپنے کمرے میں بیٹھنے کی دعوت نہیں دیتی ہوں لیکن بٹنی تم تو اب محترم ہو گئی ہو۔“ میڈم بٹنی کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

”تھینک یو میڈم۔“ وہ اپنے وجود کے گرد لپٹی چادر کو سنبھالتے ہوئے ان کے روبرو بیٹھ گئی۔

”آج کیسے آنا ہوا؟“

”میڈم! میں اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں۔“

”گڈ! نیک ارادہ ہے..... تو کرو کس نے منع کیا ہے؟“

”لیکن میڈم گیپ آ گیا ہے۔“

”کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“

تمہید کی شادی کا دعوت نامہ دیتے ہوئے تقدیم نے امی سے حجاب اور رباب کے ساتھ مایوں اور مہندی کی تقاریب میں بھی شرکت کرنے کا اصرار کیا تھا۔ امی نے اس سے شرکت کا وعدہ بھی کر لیا تھا لیکن مایوں والے دن جب حجاب نے انہیں یاد دلایا کہ آج شام کو تقریب میں شرکت کرنی ہے تو امی نے قدرے ناگواری اور بیزار سے کہا۔ ”مجھے کہیں آنے جانے کو مت کہا کرو۔“

”لیکن آپ نے تو تقدیم سے وعدہ کیا تھا امی۔“

”شرما حضوری۔“ امی نے توقف کیا پھر گھاسل لہجے میں بولیں۔ ”کسی کو بندہ دکھانے کے رہے ہیں ہم لوگ.....؟ کسی نے پہچان کر انگلی اٹھا دی تم پر تو تقدیم کے گھر والے بھی مشکل میں پڑ جائیں گے کہ دلہن کی بہن کی سہیلی ایسی!“

حجاب صدمے کی کیفیت میں رہ گئی۔ اخبار میں تصویر اور عدالتی کارروائی کی تفصیلی خبر شائع ہونے کے بعد سے امی ایک درد آمیز خاموشی میں تو تھیں لیکن یہ کرب ایک دن اس کے لیے ملامت بن کر امی کی زبان سے نکل پڑے گا یہ حجاب کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ چند تالیے دم بخود رہی پھر امی کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں؟“ اس کا لہجہ درد اور شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔

”مجھے کیا حق ہے کسی سے ناراض ہونے کا۔“ انہوں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ شاید امی نے یہ کہا ہوتا کہ ہاں وہ اس سے ناراض تھیں تو اسے اتنا دکھ نہیں ہوتا جتنا امی کی اس بے رحمی سے ہوا۔

”آپ سے بہتر مجھے اور کون جان سکتا ہے امی۔“ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ ”کیا میں ایسی ہو سکتی ہوں..... اتنی کر سکتی ہوں کہ آپ کی خاطر..... نہیں امی نہیں..... میں اتنی ذلیل، ایسی بچ اور بے کردار نہیں ہو سکتی۔ اس وکیل نے مجھے صرف اپنی فیس کی لالچ میں ذلیل کیا ہے۔ بے بنیاد الزامات لگائے ہیں اس نے مجھ پر۔“ اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

”میں تو اس رشتے سے خوش ہی نہیں تھی۔ کتنی دفعہ میں نے کہا کہ میرا دل ڈرتا ہے..... جب آپ لوگ اس کا گھر دیکھ کر آئے اور رباب بہت اکیسائڈ ہوئی تو میں نے کہا تھا ناں مجھے بڑے گھروں سے ڈر لگتا ہے۔ میری اپنی مرضی ہوتی تو میں ایسا کیوں کہتی۔“

”ناایاب ناراض ہو کر اپنے گھر بیٹھ گئی، بہت کو دیکھے مجھے کتنے دن ہو گئے۔ اب اور کیا چاہتی ہو تم مجھ سے۔“ امی نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا۔

”پلیز!“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے امی کو اپنی آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔ امی اسے بہت دور دوسرے کنارے پر کھڑی دکھائی دیں۔

”پلیز امی، آپ..... آپ مجھ سے بدگمان نہ ہوں۔ ساری دنیا کا مقابلہ کر سکتی ہوں مگر آپ کی ناراضی نہیں سہہ سکتی میں۔“ اس نے باہم جوڑے ہوئے ہاتھ ملچھہ کر کے امی کے گھٹنے پکڑ لیے۔

”چھوڑ دو میرے گھٹنے۔“ امی نے بیزارگی کا اظہار کیا۔ ”جانا ہے..... اکیلی جاؤ۔ نہ میں جاؤں گی نہ رباب کو جانے دوں گی تمنا شائے بننے کے لیے۔“

اس کا جی بری طرح بھرا آیا۔ اپنی پیشانی دونوں گھٹنوں پر رکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امی کا ہاتھ اسے دلا سہہ دینے کو نہیں آیا اور ایسا زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ الطاف کے لیے اس کے رویں رویں سے بددعا

”اور اگر ہوا میڈم؟“

”نہیں ہوگا..... اگر ہوا تو ہم ڈیفینڈ کریں گے..... ہاں البتہ ایک بات ہے، تمہیں یہ خیال رکھنا ہوگا کہ یونیورسٹی ایک مخلوط تعلیمی ادارہ ہے اس طرح سے اپنے آپ کو پلیٹ سٹیٹ کر آؤ کہ لوگوں کی نظریں خواہ مخواہ تمہاری طرف نہ اٹھیں۔ جانتی ہو ناں بعض لڑکے کتنے چھچھورے ہوتے ہیں کسی کو یہ موقع دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ تم پر کوئی آواز کسے یا کوئی الٹی سیدھی بات کہے۔ دیکھو اس وقت بھی تو تم نے خود کو کتنی اچھی طرح چادر سے ڈھانپ رکھا ہے۔ کون سا منٹھ ہے؟“

اس نے تجویز ہو کر میڈم بھٹی کے سوال کا جواب دیا۔

”کوئی مسئلہ نہیں۔“ میڈم بھٹی اپنے ٹھنڈے بیٹھے لہجے میں بولیں۔ ”ڈیوری سے پہلے تم اپنے سمسٹر سے فارغ ہو جاؤ گی۔“

”تھینک یو ویری مچ میڈم۔“

”کس بات کا؟“

”آپ نے میری ہمت بڑھائی۔“

”تعلیم کے لیے میرا اپنا منشور یہ ہے کہ تعلیم ہر قسم کے حالات میں سب کے لیے..... نہ عمر کی قید ہوئی چاہیے نہ وقت کی۔ میں تو کہتی ہوں ساٹھ سال کا ایک بوڑھا بھی ڈاکٹر، انجینئر بننے کی خواہش رکھتا ہو تو اسے موقع ملنا چاہیے۔“

”تھینکس اے لاث۔“

”پھر وہی بات۔“

”میڈم! آپ ہی نے تو ایک دفعہ کلاس کے دوران کہا تھا انگریزی زبان میں تین میجک ورڈز ہیں پلیز، سوری اور تھینک یو۔ ان الفاظ کو کام میں لا کر بہت سی مشکلات کو آسان بنایا جاسکتا ہے۔“

”کوئی شک نہیں۔“ میڈم بھٹی نے اپنی کبھی بات کی تائید کی۔

”اجازت ہے میڈم؟“

”اوکے..... میڈم کیا کرتے ہیں تمہارے؟“ اس کے زخمی دل کے بند جیسے کھل گئے۔

”باہر ہوتے ہیں میڈم۔“

”کہاں؟“

”اسکاٹ لینڈ۔“

”کرتے کیا ہیں؟“

”ایئر لائنس ہے۔“

”تم بھی وہیں چلی جاؤ گی؟“

”جی میڈم۔“ اس نے میڈم بھٹی سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

زندگی میں انسان کو بسا اوقات کتنی فاش غلط بیانی کرنا پڑتی ہے۔ کاش..... یہ سب کچھ سچ ہوتا، حقیقت ہوتی۔ مدثر سے اس کا رشتہ قائم ہوتا۔ وہ بے شک چلا جاتا اسکاٹ لینڈ..... اس کا تو ہوتا اسے ایک نہ ایک دن اس کے پاس جانے کی امید تو ہوتی۔ اب تو ہر امید، ہر آس گویا ٹوٹ چکی تھی۔

ناشنا سانسہ نظر آ رہا تھا۔

”ہیلو!، تسنیم نے کال ریسیو کی۔“

”ہیلو!“ جواب دینے والی آواز کو تو وہ کروڑ ہا آوازوں کے بیچ بھی پہچان سکتی تھی۔ اس آواز کو سنتے ہی وہ دم بخود رہ گئی۔

”مدثر!“ اس نے کہا اور تسنیم کا دل دکھا کہ وقت نے ایسے مقام پر لا کھڑا کیا تھا جہاں اسے اپنی شناخت کے لیے نام بتانے کی ضرورت پڑ گئی تھی۔

”کیسی ہو؟“ اس نے پوچھا۔ وہ گنگ تھی۔

”ناراض ہو؟“ اس نے کہا۔ تسنیم نے بٹن دبا کر کال منقطع کر دی۔ اسکرین پر اسی نمبر کے ساتھ دوبارہ رنگ ٹون بجی۔ دوبارہ..... سہ بارہ..... چوبارہ۔ اس نے پھر وہی بٹن دبا دیا۔ رنگ ٹون پھر بجی اسی نمبر کے ساتھ، اسی بے تابی سے۔

”کیا ہے؟“ اس نے کال ریسیو کر کے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟“

”ڈونٹ ڈسٹرب می۔“ اس نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

”میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ اتنی دور آ کر بھی تمہارا خیال میرے ساتھ ہے۔“

”I feel guilty, I feel ashamed“

”آئندہ فون مت کرنا مجھے۔“

”پلیز..... پلیز فون بند مت کرنا۔“ وہ بے تابانہ گڑ گڑایا۔ ”میری بات سنو، میری بات سنو پلیز..... میں تمہارے لیے اور اپنے بچے کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“

”زہرہ جیجوادو میرے لیے بھی اس کے لیے بھی۔“

”پچھتا رہا ہوں، شرمندہ ہوں..... معافی چاہتا ہوں تسنیم۔“

”مجھے زندہ رہنے دو، سمجھے۔“ اس نے خفی سے کہا۔

”کبھی کبھی فون تو کر سکتا ہوں؟“ وہ لجاجت سے بولا۔

”کیوں، کس لیے اور کس ناتے سے؟“

”میں اس کا باپ ہوں۔“

”مجھے تنہا چھوڑ دو۔“ اس نے دُشٹی سے کہا اور بٹن دبا کر کال منقطع کر دی۔ رنگ ٹون پھر بجی، بجتی رہی تسنیم نے فون سوچ آف کر دیا۔

شام کو تہیہ کی مہندی کی تیاریاں تھیں۔ باپ برآمدے میں تعظیم اور تقدیس محلے کی لڑکیوں بالیوں کے ساتھ ڈھولکی بجا رہی تھیں اور اونچی تان میں گارہی تھیں۔

میرے سنیر سے آج مجھے آیا

پیلا جوڑا یہ ہری ہری چوڑیاں

اندر کمرے میں تسنیم جی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ماں باپ کی عزت کا خیال رکھا ہوتا تو

بہنیں اور سکھیاں اس کی باری پر بھی اس کے لیے یہ الاپیں ضرور لگاتیں۔ اسے تو نہ پیلا جوڑا نصیب ہوا تھا نہ ہری

نکل رہی تھی۔

”یہاں عزتیں اچھلتی ہیں، انصاف ہکتا ہے۔“ سیف علی خان جیسے وکیلوں کے چیمبرز کی پیشانی پر چپاں کرنے کے لیے یہ سلوگن بار بار اس کے ذہن میں ابھر رہا تھا۔ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے لڑنا بھی مشکل تھا اس معاشرے میں۔

تمہید کے مایوں میں امی اور باب کے پناوہ کیسے جاسکتی تھی بھلا۔ تقدیم فون پر سخت برہم ہوئی۔ ”مجھے پتا ہے ساری شرارت تمہاری ہے، آنٹی نے تو مجھ سے پکا وعدہ کیا تھا۔“

”یقین کرو گی کہ میری شرارت نہیں، حالات کی بے رحمی ہے۔“ اس نے کہا۔

”کون سے حالات کی، کس کے حالات کی؟“

”امی اس ڈر سے نہیں آئیں کہ شرفا کی محفل میں کسی نے اگر مجھے میرے رُسوا چہرے کے حوالے سے پہچان لیا تو؟“

”اوہ تو! تقدیم نے بے ساختہ کہا اور ساتھ ہی نہایت برا بھلا بھی کہا۔“

”کسے گالی دے رہی ہو؟“

”کسے دینی چاہیے؟“

”ظاہر ہے..... چھی کو۔“ وہ ہنسی لیکن اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”میں اس شخص کو گالی دے رہی ہوں جس نے تمہیں ایسے سونے کے بیجرے میں قید کرنے میں ناکامی پر تمہارے خوب صورت پرکترنے کی کوشش کی اور اس کے وکیل کو گالی دے رہی ہوں جس نے تم پر کچھ اچھا حال کر اپنی زبان بد بوداری کی۔“

”میں خود اس تجربے سے گزرنے کے بعد سوچتی ہوں ہمارے ہاں عورت کا کتنا استحصال کیا جاتا ہے۔“

جس کے جومہ میں آتا ہے کہہ گزرتا ہے، لکھ دیتا ہے، چھاپ دیتا ہے بغیر کسی ثبوت، پنا تصدیق کیے۔“ جواب دکھ سے بولی۔

”عورت کا ہر معاشرے میں استحصال کیا جاتا ہے ڈیر۔ مغرب کے معاشرے کو ہم کتنا تہذیب یافتہ

اور وہاں کی عورت کو کتنا آزاد، خود مختار اور مضبوط سمجھتے ہیں..... کبھی اس معاشرے میں عورت کے استحصال کی

کہانیاں سننی ہوں تو وقت لے کر ہماری باس سے ملنے آ جاؤ۔ ایسی ایسی لرزہ خیز داستاںیں سناتی ہیں کہ خدا کی

پناہ! میڈم کے کمرے میں ایک فریم شدہ تصویر بھی ہے۔ ایک دیہاتی عورت اپنے گھر کے آگن میں مٹی کے

چولہے کے پاس بیٹھی ہانڈی سے سالن نکالتے ہوئے چولہے کے سامنے بیٹھے اپنے شوہر اور بچوں کو دیکھ کر کسی

بات پر مسکرا رہی ہے۔ ایک بچہ اس کی گود میں بھیڑ لگا ہوا ہے۔ میڈم کہتی ہیں یورپ اور امریکا میں انہوں نے

کسی عورت کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ نہیں دیکھی..... اچھا دیکھو آج تو تمہاری غیر حاضری معاف ہے۔

مہندی میں نہ آئیں تو قتل کر دوں گی تمہیں۔“

”امی سے بات کرو، ان کے اور باب کے بغیر میں نہیں آ سکتی چاہے تم مجھے ایک نہیں سات مرتبہ قتل کر دو۔“

”اوکے، میں آنٹی کے پاس آؤں گی۔“

☆☆☆

تسنیم کے موبائل کی رنگ ٹون بج رہی تھی اور اسکرین پر مقامی نمبروں سے زائد ہندسوں پر مشتمل ایک

”نہ..... نہ ایسی غلطی مت کرنا۔ بہنوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے والے بھائی زیادتی کرتے ہیں اپنے ساتھ، اپنے گھر والوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ بھی جن کی لڑکی سے شادی کر کے وہ کسی ایک گھر کی ایک لڑکی کے سلسلے میں اس کے گھر والوں کی فکر کم کر سکتے ہیں۔ اپنے گھر ہی کی مثال لے لو اماں، ابا کتنے پریشان اور فکر مند رہا کرتے تھے خدا خدا کر کے کسی ایک بہن کا مسئلہ تو حل ہوا۔“

”اصولاً آپ کا نمبر ہونا چاہیے۔“

”میری فکر نہ کرو، میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو شادی کو زندگی کا حرف آخر سمجھتی ہیں۔“

”جیسے تمہید باجی۔“

”ایسا مت کہو..... تمہید کا مسئلہ شادی سے زیادہ زندگی کی یکسانیت سے بیزاری تھی۔ صبح اٹھنا اور رات تک کھوکھو کے تیل کی طرح کام میں جتے رہنا اور ہم میں سے کوئی نہ اس کی پیٹھ پھٹکتا تھا، نہ حوصلہ افزائی کے دیول بولتا تھا۔ کیا تھا اس کی زندگی میں۔ کوئی مقصد ہونا ضروری ہوتا ہے مونس۔ میرے پاس اچھی جاب ہے، زندگی میں واضح مقاصد ہیں، ٹارگٹس جن تک پہنچنے کے لیے مجھ پر کسی کا جبر نہیں۔ میری اپنی چوائس، میرا اپنا انتخاب ہے۔ جب آپ اپنی چوائس کی زندگی گزارتے ہیں مونس تو پھر آخری نتیجہ کچھ بھی ہو آپ اپنے ٹارگٹ تک پہنچ پائیں یا نہ پہنچ پائیں آپ کسی اور کو الزام نہیں دیتے۔ آپ کہتے ہیں یہ میرا اپنا فیصلہ تھا کسی اور کا کیا دوش۔“ اس نے توقف کیا پھر کہا۔ ”کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟“

”آپ کے ٹارگٹس کسی اور کے ٹارگٹس کی راہ کی رکاوٹ بھی تو بن سکتے ہیں؟“ وہ بہن کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بات حوصلے کی ہے۔ دوسرا اگر اپنے ٹارگٹس تک پہنچنے کے لیے اس رکاوٹ کو عبور کر سکتا ہے، گرانے کی ہمت رکھتا تو بصد شوق۔“ وہ مسکرائی۔

”چیلنج منظور۔“ مونس نے اچھائی قطعیت سے کہا۔

”اوہ نو۔“ وہ بے ساختہ چوکی۔ ”تم..... اس گھر کی سب سے بڑی امید اور خوشی ہو مونس۔ دور رہو یا پاس اس گھر کے لیے قوت ہو۔ اماں اور ابا نے تمہارے حوالے سے نہ جانے کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے ہیں، کتنی خواہشیں، کتنے ہی ارمان ہیں ان کے جن کا مرکز تم ہو۔ اماں بیمار رہتی ہیں۔ تنہم کی وجہ سے بہت پریشان رہی ہیں خدا کی مہربانی سے تمہید کی شادی کا مسئلہ حل ہوا تو ان کی مایوسی کچھ دور ہوئی ہے۔ تم انہیں انتظار میں مت رکھنا۔ بہنوں کے سلسلے میں تو مجبوری تھی تمہارا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لڑکی موجود ہے، میں یہ نہیں کہتی کہ کل ہی کرڈا لیکن خواہ خواہ دور میرمت کرنا۔ ہم سب..... خاص طور پر اماں ابا تمہیں سنبھل دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ اماں کی یہ فکر بھی دور ہو جائے گی کہ تم گھر سے دور ہم سب سے دور اکیلے ہو۔“

”اکیلے کا کیا ہے..... ہم فوجی بندوں کی کسی بھی وقت کسی ایسی جگہ پوسٹنگ ہو سکتی ہے جہاں میریڈ آفیر بھی فیملی کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔“

”ماں کو یہ احساس تو رہتا ہے کہ اس کے افسر بیٹے کے لیے دعا کو اٹھنے والے ہاتھ اور بھی ہیں۔“

”ایمان سے آپ عورتوں کے پاس ہر بات کی حسٹی فلیشن ہوتی ہے۔ کیا کیا اور کیسے کیسے پوچھنا کمال کر لاتی ہیں آپ لوگ۔“

”مان گئے ناں؟“

ہری چوڑیاں اس کی کلائیوں کی زینت بنی تھیں۔ معمولی تک سب کی تمہید پر بھی پیلا جوڑا اور سبز چوڑیاں پہننے کے بعد کساروپ آیا ہوا تھا۔

سچ ہے میکے اور سرال میں وہی لڑکیاں عزت پاتی ہیں جو ماں باپ کی عزت کا خیال رکھتی ہیں۔ تنہم خسارے میں رہی تھی۔ قصور عبرت بن گئی تھی۔ اپنے آپ سے بھی شرم آتی تھی اسے۔

☆☆☆

مہندی کی رات جب لڑکیاں بالیاں گاجا کر تھک چکیں۔ مہمان واپس جا چکے، گھر والے تھکے ہارے سونے کی تیاریاں کرنے لگے تو مونس، تقدیم کے پاس آ بیٹھا۔

”آپ، نیند آگئی ہے؟“

”تمہیں نہیں آ رہی؟“

”آ تو رہی ہے۔“

”سو جاؤ، صبح جلدی اٹھنا ہے۔ ڈھیروں کام ہیں۔“

”ایک ضروری بات کرنی تھی آپ سے۔“ تقدیم کا ماتھا ٹھکا۔ اب تو وہ مونس کی ضروری بات سنے بغیر سو ہی نہیں سکتی تھی۔

”ہاں، بولو۔“

”وہ.....“

”چپ کیوں ہو گئے؟“

”یار کیسے بات کروں؟“ اس نے اپنی بائیں ہتھیلی کھول کر اس پر دائیں ہاتھ سے ٹکا مارا۔

”سمجھ گئی..... عازنہ کی کوئی بات کرنا چاہتے ہو۔“ تقدیم مسکرائی۔

”ہاں ناں۔“ وہ مرک کر اس کے نزدیک ہو گیا اور ازاداری سے بولا۔ ”کچھ منگنی شگنی کا سین بن سکتا ہے؟“

”کیوں نہیں، تم کہو تو شادی کا بھی۔“ تقدیم نے اپنے دل میں خوش بخت کے لیے ایک کک ہونے کے

باوجود مونس کو خواہر انہ محبت سے دیکھا۔

”نہیں، نہیں شادی ابھی نہیں۔“

”کیوں؟“

”جب تک آپ کی نہیں ہو جاتی۔“

”میرے انتظار میں نہ رہنا برادرور نہ انتظار لمبا ہو جائے گا۔“ تقدیم نے خوش دلی سے کہا۔

”کیوں..... کیوں؟“ وہ چونک کر بولا۔

”جب تک تمام بہنوں کی شادی نہیں ہو جاتی میں اپنے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔“

”ہیں..... ہیں۔“

”جی، جی۔“

”یہ زیادتی ہوگی ہم سب کے ساتھ..... اور اپنے ساتھ بھی۔“

”یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“

”ٹھیک ہے تو پھر میرا بھی یہ فیصلہ ہے کہ میں آپ کی شادی ہونے کا انتظار کروں گا۔“

بھر پور دباؤ دے کر اس کی دروازہ بند کرنے کی کوشش کو ناکام بنادیا۔ وہ متوحش ہو کر پلٹی اور اندر بھاگی۔ کون جانے کہ وہ کس ارادے سے آیا تھا۔ تیزاب کی بوتل جو اس نے اپنے کلف دار کرتے کی جیب میں چھپا رکھی ہو..... یا پھر کوئی مہلک ہتھیار جس سے وہ اس کا کام ہی تمام کرنے آیا ہو۔

”امی..... امی..... امی.....“ وہ چلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس کی آواز جیسے حلق میں گھٹی چلی جا رہی تھی۔

”کیا ہے..... کیا ہوا ہے؟“ غسل خانے سے امی کی تشویش میں ڈوبی آواز آئی۔

اس نے کمرے کے دروازے کی چنجی چڑھائی اور غسل خانے کا بند دروازہ بے تابانہ دھڑ دھڑاتا شروع کر دیا۔

”آ رہی ہوں..... آ رہی ہوں۔ ارے کرنٹ لگ گیا کیا، کتنے دن سے سوچ رہی تھی استری کا تار بدوانے کو۔“ غسل خانے میں امی بلند آہنگی سے بول رہی تھیں۔

اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ خوفزدہ سی وہ کمرے کے دروازے اور کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ امی غسل خانے سے اس طرح باہر نکلیں کہ ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا اور گیلے بدن پر پہننے جانے کے باعث کپڑے جا بجا نم تھے۔

”کیا ہوا؟“

”وہ..... امی..... وہ آیا ہے..... الطاف.....“ اس نے وحشت کے عالم میں بتایا۔

”الطاف!“ امی چونکیں۔ ”کہاں؟“

”باہر..... دروازے پر..... ہو سکتا ہے اب اندر آ گیا ہو۔“ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

”کو..... کون؟“ امی بھی خوفزدہ نظر آنے لگی تھیں۔

”میں ہوں، رباب۔ دروازہ کھولیں۔“ امی دروازے کی طرف بڑھیں۔

”امی ذرا دیکھ کر۔“ حجاب نے غسل خانے کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔

امی نے دروازہ کھول دیا۔ حجاب غسل خانے میں گھس کر دروازے کو کسی ہنگامی صورت حال میں بند کر لینے کو چوس ہو گئی۔ جان سے مار دیے جانے سے زیادہ اسے یہ خوف تھا کہ الطاف تیزاب پھینک کر کہیں اس کا چہرہ نہ لگاڑ دے۔ اسے امی اور رباب کی سلامتی کی فکر بھی تھی مگر الطاف کا اصل نشانہ تو وہی تھی۔

”الطاف..... بھائی آئے ہیں۔“ دروازہ کھولے جانے پر اس نے رباب کو امی سے کہتے سنا۔ رباب کتنی بے وقوف تھی۔ اب بھی اسے بھائی کہہ رہی تھی۔

”کیوں؟“ امی نے پوچھا۔

”وہ..... وہ کہہ رہے ہیں بیٹھ کر کچھ بات کرنی ہے۔“

”دروازہ تو نہیں کھلا چھوڑ آئیں تم؟“

”جی..... کھلا ہے..... وہ دروازے پر جو کھڑے ہیں۔“

”کیا بات کرنے آیا ہے؟“

”مجھے کیا پتا، آپ خود پوچھ لیں۔“

”میری چادر کہاں ہے؟“

”امی..... دیکھ کر۔“ حجاب نے غسل خانے کے دروازے کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے ہدایت کی۔

”ارے..... چپ کرو تم!“ امی نے اسے ڈانٹا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔ ”یہ ساری مصیبت

”اجی مانے ہوئے تو ہم پیدا آئی ہیں۔“

”ملاؤ ہاتھ۔“ تقدیم نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھادیا پھر بولی۔ ”ابھی نہیں ذرا تمہید کی شادی ہو لینے دو اور ابازا وقت دیکھ کر چھوٹی پھپھو اور پھوپا سے بات کر لیں تاکہ وہ خوش بخت کے لیے تمہاری آس میں نہ بیٹھے رہیں پھر اماں اب اسے بات کرتے ہیں ہم تمہاری مٹکئی کے لیے۔“ تقدیم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

”ہم سے کیا مطلب ہے آپ کا؟“ مونس نے کہا۔

”دوبھی تمہید اور اس کے دو کھانگو بھی ملاؤں گی اپنے ساتھ۔ اکیلا چنا کیا خاک بھڑا بھونکے گا۔“

”سرکار! اس اکیلے چنے کی اہمیت ہم سے پوچھیں۔ اماں، اباجی آپ کی سنتے ہیں کسی کی نہیں۔“

”محبت ہے ان کی لیکن ایک بات بتا دوں تمہیں..... ہم پانچوں بیٹیاں بھی اگر اماں، ابا کے ارد گرد ان کی دل جوئی کو بیٹھ جائیں تو ان کے چہروں پر وہ خوشی اور وہ اطمینان دور دور تک نہیں دکھائی دیتا جو تمہیں دیکھ کر ان کے چہروں پر نظر آنے لگتا ہے۔ تمہید کی شادی کی تیاری تو مہینہ بھر سے چل رہی ہے لیکن جو خوشی اماں، ابا کے چہروں پر تمہارے آنے کے بعد دکھائی دی ہے پہلے نہ تھی۔“

”ہوا میں اڑنے لگوں گا۔“

”وہ تو آپ پہلے ہی اڑ رہے ہیں، مزید اونچا اڑنے کی ضرورت نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بونے بنے زمین پر پھنک دیتے رہ جائیں اور تم.....“

مونس مسکرا دیا اور اسی مسکراہٹ میں اسے جمائی آئی۔ ”میرا خیال ہے اب سو یا جائے۔“

مونس اماں کے کمرے میں بچھے اپنے بستر پر جا پڑنے کو اٹھ کھڑا ہوا۔ تمہید کی شادی کا دن کتنے انتظار کے بعد آ رہا تھا۔

☆☆☆

شام کو تمہید کی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے امی کے کپڑے استری کرنے کے بعد حجاب اپنے کپڑوں پر استری کر رہی تھی۔ امی غسل خانے میں غسل لے رہی تھیں۔ رباب یونیورسٹی سے آنے کے بعد کھانا کھا کر قیلولہ کرنے لگتی تھی اور سو گئی تھی۔ تقدیم کے اصرار نے امی کو شادی ہی نہیں مہندی میں بھی شریک ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مہندی والے دن امی تمام وقت تقدیم کی والدہ کے پاس ہی بیٹھی رہی تھیں۔ تقریب کے اختتام پر جب امی، رباب اور حجاب اپنے گھر واپس ہونے لگیں تو تقدیم کی والدہ نے امی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بڑے اصرار سے کہا تھا۔

”شادی میں ضرور آنا بہن۔“ امی نے وعدہ کر لیا تھا۔

دروازے پر لگا اطلاع کنکھی کا بٹن دبائے جانے پر اسے استری کو نمودار کھڑا کر کے خود ہی دروازے پر جانا پڑا۔

”کون؟“ اس نے دروازے کے قریب پہنچتے ہوئے پوچھا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔

اس نے چنجی گرائی اور بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر کھڑے الطاف پر نظر پڑتے ہی اس کی سانس اوپر کی اوپر نیچے کی نیچے ہو گئی۔ خوف کی ایک لہر اس کے جسم میں سر تا پا سرایت کر گئی۔ اس کی دھکیوں کے پیش نظر حجاب کے لیے یہ تصویر ہی محال تھا کہ وہ کسی نیک نیتی سے وہاں آیا ہوگا۔ اس پر نظر پڑتے ہی حجاب نے خوف کی کیفیت میں دروازہ بند کرنا چاہا مگر اس نے دروازے کے ایک پت پر اپنا ہاتھ دھر کر سمبٹ معکوس میں

تمہاری ہی وجہ سے تو ہے۔“ حجاب کو خوف کے ساتھ ایک دکھ نے بھی آلیا۔
 ملامت..... ملامت..... ملامت! اس کے نصیب میں بس ملامت ہی رہ گئی تھی۔ اس کا جی بھر آیا۔
 ”چادر دو بجھے..... کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہوں۔“ امی نے یقیناً رباب ہی کو گھر کا تھا۔ قدموں کی چاپ
 بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔

اس کی ٹانگوں میں اب مزید کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ خوف، وحشت، دکھ، امی، رباب اور خود
 اپنی بھی سلاستی کی فکر اسے نیم جاں کیے دے رہی تھی۔ یکا یک اسے اپنی خود غرضی اور بزدلی کا احساس ہوا۔ امی
 اور رباب باہر تھیں خطرے کی زد پر اور وہ..... وہ اپنا چہرہ بگاڑ دیے جانے کے خوف سے اپنی جان بچانے کی
 خاطر غسل خانے میں چھپی بیٹھی تھی..... ناگہاں الطاف کے اندر جانے کی صورت میں غسل خانے کا دروازہ اندر
 سے بند کر لینے کو چوک! اسے..... اس کیفیت میں دیکھ کر کوئی یقین کر سکتا تھا کہ وہ ایک تعلیمی ادارے کی
 ایوارڈ یافتہ سربراہ تھی۔ بزدلی اور خود غرضی انسان کو کس قدر کمزور کر دیتی ہے اسے اپنی بزدلی پر غصہ آیا۔ خود
 غرضی پرندامت ہوئی۔ غسل خانے سے باہر نکلی اور رباب کے پیچھے پیچھے جا پہنچی جو ہوسو ہو۔

رباب اسے بیشک کے دروازے کی آڑ میں کھڑی ملی۔ دروازے سے کان لگائے۔ اس کے قدموں کی
 چاپ سن کر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ حجاب نے امی کی بابت پوچھنا چاہا لیکن رباب نے اپنے ہونٹوں پر انگلی
 رکھتے ہوئے اسے چپ رہنے کا اشارہ دیا اور ساتھ ہی آگے بڑھ کر دروازے سے کان لگا دینے کا بھی۔
 دروازے کی جھری سے اس نے الطاف کو بیشک میں امی کے روبرو بیٹھے دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں
 آن اٹکا..... ”گروہ امی کو کوئی نقصان پہنچا کر بھاگ گیا تو؟“

”آپ کی بیٹی سے اب میرا کوئی رشتہ نہیں رہا۔“ الطاف کہہ رہا تھا۔ ”اس لفافے میں طلاق نامہ ہے اور
 مہر کا چیک۔ شریعت کی رو سے نصف مہر دینا واجب تھا اور اس سے زائد مستحب۔ میں نے نکاح کے موقع پر جو
 کچھ چڑھایا کچھ واپس لینا چاہتا۔ عدالت میں جو کچھ ہوا میرے وکیل نے جو بے بنیاد باتیں کیں مجھے اس کا
 افسوس ہے۔ مقدمہ جیتنے کے لیے عدالتوں میں اکثر یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ بہر حال مجھے افسوس ہے اور اخبار
 میں جو کچھ چھپا اس سے حجاب کو، آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو جو تکلیف پہنچی اس کی بھی معذرت
 چاہتا ہوں۔“ وہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

امی اس کا دیا ہوا لفافہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے نکلا اسے دیکھ رہی تھیں۔

”خدا حافظ۔“ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ حجاب اور رباب الٹے قدموں انتہائی سرعت سے دروازے
 کی اوٹ سے ہٹ کر اندر لپکیں اور حجاب برآمدے میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا ہاتھ اپنے سینے
 پر تھا اور دل کی دھڑکنیں بے قابو!

گھر کے باہر گاڑی اشارت کرنے کی آواز سنائی دی اور گاڑی تیزی سے گلی میں آگے نکل گئی۔ امی اندر
 آئیں ان کے ایک ہاتھ میں لفافہ تھا دوسرے میں ایک پکا کاغذ جس کے نوٹے پر ایک چیک بھی تھی دکھائی دے رہا تھا۔
 ”حجاب! یہ تو معجزہ ہو گیا۔ وہ خود طلاق نامہ پہنچا گیا ہے۔“ امی کہہ رہی تھیں۔

حجاب پورے ہوش و حواس میں امی کو دیکھ رہی تھی مگر ان کی آواز اسے خواب و خیال کی دنیا سے سنائی دیتی
 لگ رہی تھی۔

(باقی آئندہ)



ٹوٹا چلا لاس

سکینہ سرخ

اس بار اس نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ چاہے کچھ
 بھی ہو جائے وہ سائرہ کے پاس اسلام آباد ضرور
 جائے گی۔

corporate sector میں نو سے
 پانچ کی تھکا دینے والی حجاب..... اوپر سے باس کی
 مہربانی کہ کبھی وقت پہ انھیں نصیب نہیں ہوتا تھا، باس
 کو ہمیشہ اشد ضروری کام ٹھیک ہونے پانچ بجے ہی یاد
 آتا تھا اور وہ دل ہی دل میں کس کے رہ جاتی.....

”دراصل میرے مسیڈ اور بچے بھی ان دنوں گھر پر نہیں ہوں گے، صرف ایک ہفتے کی تو بات ہے، کلوننگ میں تو ابھی ٹائم ہے میں واپس آ کر سب دیکھ لوں گی، ابھی میرے لیے یہ بہتر ہے کہ.....“ اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی اچک لیا گیا۔ ”مجھے آپ کی بہتری دیکھنے سے زیادہ ادارے کی بہتری دیکھنی ہے۔“ لہجہ باخوش اور ہلکا تھا۔ وہ کسی گری پڑی پوسٹ پر کھیاں نہیں مار رہی تھی سینئر منیجر تھی، باس کی بات سے زیادہ اس کا لہجہ اسے تپا گیا..... اس نے خود پر بہ مشکل کنٹرول کیا۔ ”یہ آپ زیادتی کر رہے ہیں سر، میں اس ادارے میں پچھلے پندرہ سالوں سے ہوں اور میں نے بھی ہمیشہ یہاں کی بہتری چاہی ہے.....“ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

”ہا..... کرتے کیا ہیں آپ لوگ..... میں اگر ہر چیز پر نظر نہ رکھوں تو یہ ادارہ تو کب کا زمیں بوس ہو چکا ہوتا، جب کام کا وقت آتا ہے سارے بھانے بنا بنا کر ادھر ادھر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ جائیں بی بی میرا وقت برباد نہ کریں اپنا کام کریں اور مجھے میرا کام کرنے دیں۔“ انہوں نے کچھ اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کہہ رہے ہوں جاؤ بابا معاف کرو..... اور دُعا ہو جاؤ۔

کئی برسوں کا جما جمایا صبر کا پیمانہ ایک دم جھلک اٹھا۔ قسمت کی خرابی ہو تو چیزیں خود بخود بگڑنے لگتی ہیں ہوا ایک دم مخالف سمت چلنا شروع ہو جاتی ہے، باس جو پہلے ہی کر پٹا شاید بیوی سے لڑ کے آیا تھا جو فی الوقت نیم چڑھا بھی ہو رہا تھا اور عازرہ اپنی روٹیں بھٹکتا ہوتے زندگی سے بیزار ہوئی بیٹھی تھی۔

”میں کوئی ناجائز مطالبہ نہیں کر رہی ہوں..... میری چھٹیاں ڈیو ہیں اور مجھے ابھی ان کی ضرورت ہے۔“ غصے میں وہ دیر ہو گئی اور دو ٹوک انداز میں بولی۔

جاتے..... رات گئے واپسی ہوتی اور اس کا تھکن سے برا حال ہوتا۔

اگلے دن سے پھر وہی امتحان شروع..... اسے چھٹی کی واقعی ضرورت تھی اور باس چھٹی دینے کے معاملے میں تو مہانجوس..... اس نے فقط ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست دی جو نامنظور ہو گئی۔ پورے چار مہینوں تک لگا تار بغیر کسی چھٹی کے مسلسل گدھوں کی طرح کام کرنے کے بعد اس نے یہ جرات کی تھی۔ اس سے پہلے بھی کسی اشد ضرورت کی وجہ سے فقط ایک دو دن کی چھٹیاں ہی لی تھیں۔ ایک ہفتے کی عیاشی کا سوچنا تو اس کے اپنے خواب و خیال میں بھی نہ ہوتا اگر صورت حال اتنی موافق نہ بن جاتی۔

عاشرا اپنی کمپنی کی طرف سے کسی آرڈر کی بنگل کے لیے جاپان جا رہا تھا پورے پندرہ دنوں کے لیے اور سعد اور فہدا اپنے اسکول کی طرف سے چھٹیوں میں نادرین ایریا کے ٹرپ پر جا رہے تھے، ان کا پروگرام دس دنوں کا تھا۔ اتنا اچھا موقع اسے کب ملتا کہ وہ بھی اپنی تھکن اتار لیتی، اس کا سائرہ کے سوا اور تھا بھی کون جسے وہ سیکے کا نام دیتی۔ سائرہ سے ملے دو سال ہو رہے تھے اتنا لمبا وقفہ دونوں بہنوں کی ملاقات میں پہلے بھی نہیں آیا تھا۔ وہ اپنی جاب سے مجبور تھی تو سائرہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں میں ابھی ہوئی تھی۔ وہ بڑی تھی اس لیے اس کی ذمہ داری زیادہ تھی۔

”میں ضرور جاؤں گی.....“ اس نے پکا ارادہ کر لیا۔

”دیکھیں سر میرا جانا بے حد ضروری ہے.....“ اس نے چہرے پر مسکراہٹ بجا کے کہا۔

”کیا ضروری ہے مزعاشر یہ فیصلہ مجھے کرنے دیں، کلوننگ کا ٹائم قریب ہے اس لیے آپ آفس میں ہونا ضروری ہے۔“ باس کا لہجہ حسبِ معمول سخت تھا۔

مخصوص تھا۔ وہ گھر کو میڈ پھوڑ کے جانے کی قائل نہیں تھی اس لیے ممتاز بی بی روز صبح ساٹھ بجے اس کے گھر آتی اور اس کے آفس کے لیے نکلنے ہوئے ضروری کام بننا اس کے ساتھ ہی نکل جاتی۔

اتوار کے دن اسے الگ سے پیسے دے کر بلوانا پڑتا تھا اور وہ آکے بہت سے کام کر جاتی تھی۔ یہ بھی غنیمت تھا ورنہ اس کے پاگل ہو جانے میں کوئی کمی نہ رہ جاتی۔

عاشرا کا رویہ اس کی لیے مزید جھجلاہٹ کا سبب تھا۔ وہ مردوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا جنہیں اپنی ذات کے سوا دوسری چیزیں مشکل ہی سے نظر آتی ہیں۔ وہ عجیب شخص سا آدمی تھا۔ جسے کسی چیز سے کوئی مطلب ہی نہ ہو۔ کچھ بے پروا، کچھ بے حس اور تھوڑا سا کابل بھی..... اس کے آگے بڑھ کر ڈٹے داریاں اٹھانے پر عاشر غیر محسوس طریقے پر پریکٹس ہوتا چلا گیا۔ وہ نوکری کر رہا تھا، عازرہ کے لیے یہ احسان ہی بہت تھا..... دوسرا احسان وہ اتوار کے اتوار اس پر کرتا.....

خوب دیر تک سونے کے بعد، اپنا پندیدہ برنج کر کے اخبارات کی سرخیاں ملاحظہ کرنے کے بعد ایک کام وہ بڑی دہمچی سے کرتا تھا اور وہ تھا اپنی گاڑی کی دھلائی۔

اپنی ”سٹی“ چکانے کے بعد وہ اس کی ”کورے“ پہ بھی نظر کرم کرتا اور اسے بھی دھو ڈالتا..... پورے ہفتے میں اسے عاشر پر اس لمحے سچ سچ پیار آتا۔

”غنیمت ہے اگر نہ کرتا تو کیا اس سے کوئی یہ کام کروا سکتا تھا؟“ وہ سوچتی اور اس کی منگھور ہو جاتی۔

اتوار کی شام بچوں کے لیے مخصوص تھی..... گروسری کی خریداری کے بعد وہ لوگ بچوں کی فرمائش پہ کہیں آؤٹنگ یا کھانے پینے کے لیے نکل

آفس سے نجات ملنے کے بعد بھی اس کی آزمائش ختم نہیں ہوتی تھی۔ کراچی کی دل دہلا دینے والی ٹریفک میں خود ڈرائیو کر کے گھر واپس آنا بھی آسان نہیں تھا مگر وہ یہ سب کر رہی تھی اور اسے کرنا ہی تھا..... خود کو منوانے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے شوق میں شروع کی جانے والی ملازمت اس کے گلے کا طوق بن کے رہ گئی تھی۔

زندگی کچھ اس ڈھب پہ رواں ہو گئی تھی کہ گلی بندھی ایک معقول رقم سے ہاتھ دھونا اس کے بس میں نہیں رہا تھا..... گوعاشر کی جاب کافی اچھی تھی لیکن گھر کے اخراجات بھی آسمان کی طرف گامزن تھے..... سعد اور فہد شہر کے ایک مہنگے اسکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ ان کی تعلیم، پرورش اور سب سے بڑھ کر اس دور کے دیگر بچوں کی طرح ان کی بے لگام ہوتی خواہشات کے لیے یقیناً رقم کی ضرورت تھی۔ اب قدم پیچھے ہٹانا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ ذہنی اور جسمانی طور پر جھکنے کے باوجود وہ کسی مشین کی طرح مسلسل مصروفِ عمل تھی۔

آفس میں سب سے زیادہ زہر اسے اپنا باس اور اس کا رویہ لگتا تھا۔ انتہائی سخت گیر اور ماتحتوں کی عزت نہ کرنے والا شخص اس کے لیے ناقابلِ قبول تھا مگر وہ اس کی عزت کرنے پر مجبور تھی۔ اس کا حکم ماننے کے سوا اور چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ کسی کی معمولی سی غلطی کو بھی اگنور کرنے کا عادی نہیں تھا اور عازرہ کو انتہائی محتاط رہ کر کام کرنے کے باوجود کڑوی سیلی سننے کو مل جاتی جس پر اس کے تمام بدن میں آگ لگ جاتی لیکن اسے مسکرا کے ضبط کرنا پڑتا تھا۔

ہر ورکنگ وومن کی طرح اس کے لیے بھی اتوار یومِ نجات تھا..... مگر ہفتے کے چھ دنوں کی تھکا دینے والی مصروفیت کے باوجود اسے اتوار کے دن بھی سکون نصیب نہیں تھا۔ یہ دن ہفتے بھر کی لاٹری، کوکنگ اور گروسری کی خریداری کے لیے

شاک کی سی کیفیت میں چلا گیا۔ سائرہ نے اس وقت اپنا ایف ایس سی کٹر کر لیا تھا اور وہ ڈاکٹر بننے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن بابا کے بعد ممانے ایک دم ہمت ہار دی۔ عافیہ خالہ نے اپنے لاڈلے بیٹے عرفان کے لیے جھولی پھیلائی اور ممانے کھٹ سائرہ کو اس جھولی میں ڈال دیا۔ سائرہ کی شادی تک سب کے دل بابا کی جدائی کے آفرشاکس کے زیر اثر رہے پھر رفتہ رفتہ سکون آ گیا اور ممانے کو تو ایسا آیا کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ عافیہ خالہ خود بیاہ کے اسلام آباد گئی تھیں سالوں سے وہیں مقیم تھیں۔ ان کے شوہر کی وہاں کے نواحی علاقے میں زمینیں اور فارم ہاؤسز تھے..... دولت کی ریل پیل تھی..... اب

آپ ہو گیا تھا۔ بچے اپنے ٹرپ کی تیاری میں لگے ہوئے تھے اس خبر سے تھوڑے سے چونکے مگر پھر ہلکے ہو گئے تھے۔ یہ مسئلہ ان کی سوچوں سے بڑا تھا۔ بچوں کے ساتھ اس کا وقت بھی بہتر گزر رہا تھا..... لیکن چند دنوں ہی میں وہ یوریت محسوس کرنے لگی..... عاشق کا رویہ بھی قدرے کھنچاؤ لیے ہوئے تھا اس کا دل انجانے اندیشوں اور واہموں کا شکار ہونے لگا۔ عاشق کی روانگی سے پہلے اس کا موڈ اتر رہا تھا..... بہتر ہو گیا تھا۔ بابا کرنے والی خواتین کے شوہر عموماً سمجھدار ہوتے ہیں..... انہیں طبیعتاً ضرورتاً یا مجبوراً انڈر اسٹینڈنگ کا مظاہرہ کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ..... خیر جاتے ہوئے وہ اسے اپنے ڈیوڈ کلیئر کروانے اور کسی دوسری جگہ ایلانی کرنے کا مشورہ دے گیا..... بچے بھی اپنے ٹرپ پہ اگلے دن روانہ ہو گئے..... اب وہ بھی اور خالی گھر..... سب کے جانے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی فلائٹ سے اپنی اسلام آباد کے لیے بکنگ کروائی۔

جس مقصد کے لیے اتنا کچھ جھیل لیا اب کم از کم وہ تو پورا ہو جاتا..... جانے سے پہلے اس نے اپنے اور سائرہ کے لیے شاپنگ کی، خوب اچھا سا فیشن کروایا اور فریش ہو کر جانے کو تیار ہوئی۔ پہلے تو صرف جینے کا سوچا تھا اب دس دنوں کا پروگرام بن گیا۔ سعد، نہد بارہ دنوں کے بعد آنے والے تھے..... اس کے پاس کافی وقت تھا۔ اس نے ذہن کو ساری الجھنوں سے آزاد کرنے کے لیے اپنی سوچوں کا رخ اپنی بہن کی طرف موڑ لیا۔

سائرہ اس سے چھ برس چھوٹی تھی۔ اس کی شادی ماسٹر مکمل ہونے کے بعد ہوئی تھی اور اگلے ہی دن سعد اور نہد دونوں اس کی زندگی میں پھل چانے اگلے چلے آئے..... اور اس کے اگلے برس بابا اپنا ایک اس دنیا کو چھوڑ گئے۔ سارا خاندان ایک

پچھلے پندرہ سالوں سے محنت کر رہی ہوں اور عزت چاہتی ہوں..... اتنی بے عزتی میں برداشت نہیں کر سکتی، بہت ہو گیا..... اس شخص کی بکواس اور نہیں سن سکتی، میں کوئی اس کی زرخیز نہیں ہوں۔ جاری ہوں، خود ہی استغنی دے دوں گی..... نہ رہے نوکری، مجھے اس کی پروا نہیں۔“ وہ بکتی جتنی اپنا ایک اٹھا کر..... آفس سے باہر آگئی..... غصے کے باوجود اس کی آنکھوں میں آنسو ایک تو اتار سے اُبلے چلے آ رہے تھے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔ اس نے کئی بار اپنا چہرہ صاف کیا مگر آنسو بہے چلے جا رہے تھے، وہ بھنجلا گئی۔

نہ جانے اسے اپنی ذلت کا دکھ تھا یا اتنی پرانی نوکری چلے جانے کا صدمہ..... لاشعوری طور پر نہ چاہنے کے باوجود وہ روئے جا رہی تھی۔ مجبوری کا مطلب ٹوٹل لاس نہیں ہونا چاہیے۔ گاڑی میں بیٹھے کے بعد اس نے عاشق کو بیچ کیا۔

”میں نے نوکری چھوڑ دی ہے۔“

”کیوں..... کیا تم پاگل ہو؟“ عاشق کا فوراً جواب آیا۔ وہ ابھی اس بیچ سے ”لفظ اندوز“ ہی ہو رہی تھی کہ اس کا دوسرا بیچ بھی آ گیا۔

”ابھی میٹنگ میں ہوں، تھوڑی دیر تک کال کرتا ہوں۔“ اسے عاشق کے بیچ ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کال کر کے کیا کہنے والا ہے۔ وہ اسٹیرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی..... اس بار وہ اپنی خواہش سے رو رہی تھی۔

☆☆☆

جہاز میں بیٹھے کے بعد سیٹ بیلٹ باندھ کے اس نے سیٹ کی پشت سے سر نکال کے آنکھیں موند کر جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اسے ایسے ہی سکون کی ضرورت تھی۔ پچھلا پورا ہفتہ اس کی زندگی کا بے سکون ترین ہفتہ تھا۔ اس نے واقعی بابا چھوڑ دی تھی..... عاشق کو اس پر اعتراض تھا اور اس کا موڈ

”چھٹی نہیں ملے گی۔“ باس کا استحقاق مجروح ہونے لگا..... دونوں طرف آگ برابر کی تھی۔

”میں ضرور جاؤں گی.....“ اس نے نتیجے سے بے پروا ہو کے باس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

”گیٹ لاسٹ.....“ باس جواب دہاڑے۔

”مائی فٹ۔“ اس کے جواب میں عازرہ نے چیخ کر کہا۔

”میں تمہیں سپینڈ کروادوں گا.....“ باس کی آنکھیں ابل پڑیں۔

”میں خود تم پہ اور تمہارے ادارے پر تھوکتی ہوں..... میں نے اپنی زندگی کے پندرہ سال یہاں برباد کیے میری غلطی تھی.....“ وہ حلق کے بل دہاڑی..... دونوں آپ سے تم پر آ گئے۔

”اوہ یو.....“ باس آدھا جملہ کہہ کر کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

یہی وقت تھا جب اس کے کولیکٹر گھبرائے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

”سیم ٹو یو.....“ اس نے انگلی سے باس کی طرف اشارہ کیا گویا انگلی نہ ہو بلکہ بھالا ہو جو سیدھا باس کی آنکھوں میں گھس کے اسے پھوڑنے والا ہو۔

”مسز عاشق پلیز..... کام ڈاؤن..... کیا ہو گیا ہے آپ کو، خود کو سنبھالیں۔“ وقار صاحب گھبرا کے اس کی طرف بڑھے۔

”سر پلیز، پانی پیئیں.....“ ساجد نے پانی کا گلاس باس کی طرف بڑھا یا جسے باس نے پوری فوت سے جھٹکتے ہوئے زور سے کہا۔

”گیٹ لاسٹ آل آف یو۔“

”بھاڑ میں جاؤ۔“ عازرہ تن فرن کرتی ہوئی وہاں سے باہر آ گئی۔ اس کے پیچھے پیچھے سارے کولیکٹر بھی..... سب کی زبان پہ ایک ہی سوال تھا، کیا ہوا.....؟ کوئی پوچھ رہا تھا کوئی سمجھا رہا تھا۔

”میں مجبور ہوں مگر اتنی زیادہ بھی نہیں.....“

WELCOME BOOK SHOP

SOLE DISTRIBUTOR of U. A. E

JASOOSI SUSPENSE PAKEEZA SARGUZASHT

P.O.Box 27869 Karama, Dubai Tel: 04-3961016 Fax: 04-3961015 Mobile: 050-6245817 E-mail: welbooks@emirates.net.ae

Best Export From Pakistan

WELCOME BOOK PORT

Publisher, Exporter, Distributor

All kinds of Magazines, General Books and Educational Books

Main Urdu Bazar, Karachi Pakistan

Tel: (92-21) 32633151, 32639581 Fax: (92-21) 32638086

Email: welbooks@hotmail.com

Web site: www.welbooks.com

تسلی

اُسی تیری آنکھوں کی
بہت سے راز کہتی ہے
ہنسی ہوتی ہے ہونٹوں پر
نظر اس پار ہوتی ہے
نہیں ہوتا وہاں کچھ بھی
فقط اک آس ہوتی ہے
پھڑک کر جو گئے ہم سے
وہ ہوں شاید وہاں پر ہی
شبیہ ان کی نظر آئے

ذرا یہ دھند جو ہٹ جائے
زمین و آسمان کے بیچ
کہیں تو وہ بھی دنیا ہے
پھڑک کر لوگ جاتے ہیں
کبھی نہ لوٹ آنے کو
بتا دیں کاش وہ اتنا
نہیں ہم یا داب ان کو
تسل خود کو دے لیں گے
سکوں سے ہم بھی جی لیں گے

شاعرہ: خالدہ نسیم، یو کے

ہے تو سو جاتے ہیں۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”پہلے باتیں کریں گے اور پھر باتیں کرتے
کرتے سو جائیں گے۔“ وہ ہنسی۔ بہن سے مل کر
بہت خوشگوار احساس ہو رہا تھا، اسے اپنی ساری
پریشانیوں کو ہوا میں تحلیل ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ دن تو آرام اور خوش گپیوں میں ایسے گزرتے
کہ پتا ہی نہیں چلا۔ وہ سائرہ، اس کے بچوں اور خالہ،

اسے تین سالوں کے بعد دیکھ رہی تھی۔
”افوہ.....“ وہ دل ہی دل میں خائف ہو گئی۔
”یہ تو بالکل وڈیرا لگنے لگا ہے۔“ سب اسے اصرار کر
کے کھلا رہے تھے اور وہ کھانے سے زیادہ لوازمات
دیکھ دیکھ کر مرعوب ہو رہی تھی۔
کھانے کے بعد تھوڑی دیر سب کے ساتھ بیٹھ
کر وہ گیسٹ روم میں چلی آئی۔ کشادہ بیڈ روم، میں
جہازی سائز کا قیمتی بیڈ موجود تھا۔ کمرے کا انٹیریر
لا جواب تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ پریوں کے دیس
میں چلی آئی ہو۔ دفعتاً دروازے پر دستک ہوئی اور
سائرہ اندر چلی آئی۔

”کچھ چاہیے تو نہیں۔“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔
”اگر تم بوتل کا جن بوتلیں اور یہ سوال پوچھیں
تو میں کہتی میرے میاں اور بچوں کو بھی اس جنت میں
بلوا دو صرف انہی کی کمی ہے یہاں۔“ وہ ہنسی۔
”ان کو تو بلوانا میرے بس میں نہیں البتہ میں
خود آگئی ہوں، تمہارے ساتھ سوؤں گی آج۔“ وہ
بیڈ پر بیٹھتے ہوئے مسکرائی۔

”شوق سے سوؤ مگر تمہارے میاں.....“ وہ
قدرے حیرانی سے بولی۔

”وہ جا چکے ہیں۔“ وہ پھر مسکرائی۔
”ہائیں..... ابھی آئے تھے اور چلے بھی
گئے۔“ وہ حیرت زدہ سی بولی۔

”ان کی روٹین ایسی ہی رہتی ہے..... آج صبح ہی
جہلم گئے تھے، شام میں آئے اور اب زمینوں پر چلے
گئے ہیں، ایک آدھ دن میں آجائیں گے۔“ وہ
اطمینان سے خم دراز ہو کے بولی۔

”چلو اچھا ہے..... ہمیں موقع مل گیا..... اب
ہم دونوں خوب باتیں کریں گے۔“ سائرہ نے
خوش ہو کر کہا۔

”لیکن اگر تم تھکی ہوئی ہو اور تمہیں نیند آ رہی

سے بھی ہوئی، خوشیوں میں نہائی ہوئی، جسم پر مہر
برائڈ ڈسٹ، سائرہ کی مسکراہٹ اس کی آسودگی کا پتا
دے رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہا۔
سائرہ کی ہمرائی میں اس کی لینڈ کروزر میں
بیٹھتے ہوئے ایک لمحے کو اس کے ذہن میں خیال
آیا..... زندگی یہی ہو سکتی ہے..... یہ نہیں کہ ذرا
سی بات پر نکلے نکلے کے لوگوں کی بیکواس سنی جائے
اور اپنی مرضی سے انسان جی بھی نہ سکے..... سائرہ
کے باادب ڈرائیور نے گاڑی اشارت کی اور وہ ہوا
کے دوش پر گاڑن ہو گئی۔

اسلام آباد کے کھرے کھرے پڑے فضا ماحول اور
دکھ نظاروں نے کراچی کی دھول اڑائی ہوئی
سڑکوں کو چند لمحوں کے لیے بھلا دیا۔

سائرہ کا گھر شہر کے پوش علاقے میں تھا.....
یہاں عموماً غیر ملکی سفرائی رہائش گاہیں تھیں۔
وہ ہنسی خوشی بہن کے عالی شان گھر میں داخل ہوئی
تو اسے ایک لمحے کو اپنے گلشنی فلیٹ کی یاد آئی.....
اچھے خاصے علاقے میں واقع ٹھیک ٹھاک کشادہ اور
آسائشوں سے مزین..... سجا سوراقلیت اس گھر کے
سامنے ڈول ہاؤس لگ رہا تھا۔ وہ یہاں پہلے بھی آچکی
تھی لیکن جب بھی آتی ایسے ہی مسرائز ہو جاتی۔

خالہ خالو بہت محبت سے ملے کہ عازنہ کے
ذہن میں ماں باپ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس کی
آنکھوں کے گوشے کیلے ہو گئے۔

رات میں اس کے اعزاء میں شاندار عشاء دیا
گیا۔ عرفان بھی واپس آچکا تھا اس سے اچھی طرح
ملا..... عرفان کی شخصیت سے وہ خواہ مخواہ مرعوب
ہو گئی..... لمبا تو وہ پہلے سے تھا اب چوڑا بھی ہو چکا
تھا۔ اس کا لیا دیا انداز اب شاہانہ کروفر میں تبدیل
ہو چکا تھا۔ چہرے پر نوکیلی مونچھوں کا اضافہ ہو چکا
تھا جو اس کے رعب میں اضافہ کر رہی تھیں..... وہ

سائرہ کو بھی وہیں رہنا تھا۔ سو دونوں بہنیں شمالی اور
جنوبی سمتوں میں کھرے رہ گئیں۔

ان دور پولی کے باوجود عازنہ، سائرہ کی
طرف سے بے فکر تھی۔ اسے بچپن اور نوجوانی کا
عرفان اچھی طرح یاد تھا۔ وہ اس کا ہم عمر تھا مگر کافی
لیے دیے رہتا تھا..... اسے وہ سپرد حاسادہ اور کم گولگتا
تھا۔ سائرہ بھی تو بہت سادہ تھی۔ شادی کے تیرہ
برسوں میں وہ پانچ بچوں کی ماں بن گئی۔ اسے سائرہ
کی قسمت پر رشک آتا تھا۔ زندگی کے سارے رنگ
اس کے لیے خوشنما تھے اور کیا چاہیے تھا! سائرہ اس
کے آنے کی خبر سن کے بہت خوش تھی۔ اس کی شدت
سے منتظر تھی۔ دونوں بہنوں نے فون پر ہی بہت
سارے پلان بنالیے تھے۔ مری، تنھائی، بھور بن
تک جانے کا پروگرام بن گیا..... عازنہ ان دنوں کو
اچھی طرح انجوائے کرنا چاہتی تھی..... پھر دوبارہ
موقع ملے نہ ملے..... زندگی پر اس کا بھی تو حق
تھا..... حالات سے لڑ کر اپنے حصے کی خوشی حاصل
کرنے کا لطف ہی کچھ اور تھا..... اس کے ذہن میں
جب بھی باس کی حیرت زدہ سڑیل سی صورت گھومتی
اسے بے اختیار ہنسی آ جاتی..... کم از کم عازنہ سے اس
بدتمیزی کی توقع ہرگز نہیں رہی ہوگی..... جیسی کرنی
وہی بھرنی..... وہ خود کو تسلی دیتی۔

ایئر پورٹ پہ سائرہ اور بچے اس کے منتظر
تھے..... اس نے بہن اور بھانجے بھانجیوں کو خوب
پٹا کے پیار کیا۔

”عرفان.....؟“ اس نے سوالیہ نظروں سے
ادھر ادھر دیکھا۔

”جہلم گئے ہیں کسی کام سے، رات تک
آجائیں گے۔“ سائرہ مسکرائی۔

خوب صورت تو وہ ہمیشہ کی تھی..... اب اور
زیادہ ہو گئی تھی۔ البتہ وزن کچھ بڑھا لیا تھا۔ سونے



ماہنامہ جاسوسی فلیکس

نئے سال 2013 کے پہلے شمارے کی دل آویزیں

اولین صفحات کی رونق

ایک بیوی کی گمشدگی کا پراسرار معاملہ
احمد اقبال کے شہر بارگاہ کی تلبانیان

سروق کی کہانیاں

نئے سال کا پہلا اچھوتا سروق..... آپ کی پسندیدہ مصنف **مریم کے خان** کی تحریر

(اور)

پرچار ہوں پر چلنے والوں کا عبرت انگیز ناچرا.....
نواب صاحب کے قلم کی نشر انگیزیان

سحر

انگریز سلسلے

لکار..... بلے ماحول اور گرجے ٹھنڈ کی لاکڑیں
ظاہر جاوید مغل کا معجزہ..... ایک نئی ڈگر
پکا محزن اسماعیل قادری کا سلسلہ نگار داب

نیو اٹر فول

جلیل اور راجا کی ہمراہی میں ایک اور ہنگامہ
شکو کی شونیاں..... اماں کی دھمکیاں

مشرق و مغرب کے رنگ ڈھنگ

مغربی دنیا کے رسم و اطوار..... معاشرت و تعمیرات
کے گرد گھومتی مختلف مضامین کی طبع زاد ترجمہ کہانیاں

تھا..... وہ اندر ہی اندر بہت پُر جوش ہو رہی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد سائرہ اس کے ساتھ بیڈ روم میں چلی آئی تو عازنہ کو خواہ مخواہ ہنسی آگئی۔ ”بھئی پچھلی کئی راتوں سے تم میرے ساتھ سو رہی ہو مگر آج تمہارے میاں صاحب تشریف لائے ہیں اس لیے تم اپنے قیام و طعام کا بندوبست اپنے کمرے ہی میں رکھو۔“

”ہمیں، میں تمہارے پاس ہی ٹھیک ہوں۔“ وہ مسکرائی۔

”کیا لڑکھائی ہو.....؟“ عازنہ ہنسی ”نہیں..... نہیں تو۔“ وہ ایک دم گھبرا گئی۔ عازنہ کو اس کا گھبرانا عجیب سا لگا۔

”تو پھر جاؤ۔ عرفان بھائی تمہارے منتظر ہوں گے۔“ سائرہ خاموشی سے کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی۔ سائرہ کے جانے کے بعد اس کی نظر بیڈ کے سائڈ ٹیبل پر گئی..... وہاں سائرہ کا موبائل فون رکھا ہوا تھا۔

”لو..... مہترمہ یہ بھول کے چلی گئیں۔“ اس نے موبائل ہاتھ میں اٹھا کے بغور دیکھا۔ ستر اسی ہزار بابت کے اس فون کو اس نے نیٹ پر سرچنگ کے دوران کئی بار دیکھا تھا اور ہر بار یہی سوچا تھا کہ وہ کون لوگ ہوتے ہوں گے جو اتنا مہنگا موبائل فون استعمال کرتے ہوں گے۔ اسے خوشی ہوئی کہ اس کی اپنی بہن ان خوش نصیب لوگوں کی فہرست میں شامل تھی۔ وہ مسکرا کر اٹھی اور موبائل لے کر کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ایک بار سوچا..... ”یہ وہ خوش نصیب گھر ہے جہاں زندگی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔“ یہاں گزارے ہوئے دنوں میں اسے نہ تو اپنے کھڑوس باس سے ہونے والی جھڑپ یاد آئی نہ اپنا شخص شوہر..... نہ بیوی ٹریفک میں پینشن کی حالت میں گاڑی ڈرائیو کرنے کا خیال آیا، نہ گھر کی فکریں سر پر سوار ہوئیں..... وہ زندگی کی ہر اکھن

ہوئے گود میں اٹھا کے کہا۔

اس کے بعد اگلے تین چار دن اسلام آباد کا چہرہ چپا گھونٹنے اور شاپنگ کرنے میں یوں گزرے کہ پتا بھی نہیں چلا۔

”اُف وقت اتنی تیزی سے گزر رہا ہے اور تمہارے میاں صاحب کا کچھ پتا نہیں..... کہاں غائب ہو گئے ہیں وہ..... لگتا ہے مری کا پروگرام رہ جائے گا۔“ وہ خریدے ہوئے سامان کو بیک میں ٹھونٹتے ہوئے بولی۔

”تمہارے لیے خوشخبری ہے۔ وہ آج شام واپس آرہے ہیں۔“ سائرہ نے اسی اطمینان سے جواب دیا۔

”پھر تو اس خوشخبری کے ساتھ مٹھائی کھلاؤ۔“ اس نے بہ مشکل بیک کی زپ بند کی۔ سائرہ جواباً مسکراتی رہی۔

عازنہ نے نوٹ کیا تھا کہ سائرہ نے بولنا کم اور مسکراتا زیادہ شروع کر دیا تھا۔

”یہ سب بیگانہ انداز ہیں بھئی! اس نے خود کو تسلی دی۔

☆☆☆

عرفان سر شام ہی واپس آگیا تھا۔ اس نے بچے نئے انداز میں اپنی غیر حاضری کی معذرت چاہی..... عازنہ چاہنے کے باوجود اس سے کوئی ہلکی مذاق اور جملے بازی نہیں کر سکی..... فقط مسکراتی رہی..... ہو سکتا ہے واقعی کوئی مسئلہ ہو گیا ہو، اس نے عرفان کے چہرے کو بغور دیکھا جس پر اطمینان اور آسودگی موجود تھی۔

عازنہ نے نوٹ کیا کہ ملا زمین کی موجودگی کے باوجود سائرہ عرفان کے چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھوں سے کر رہی تھی۔

وہیں بیٹھے بیٹھے مری اور گلیات کا پروگرام بھی فائل ہو گیا..... صبح دس بجے نکلنے کا پروگرام بنا

خالو کی کمپنی میں بہت خوش تھی۔ سعد اور فہد سے بھی روزانہ بات چیت ہو جاتی تھی۔ وہ دونوں بھی اپنے ٹرپ کو خوب انجوائے کر رہے تھے۔ اطمینان اور خوشی نے اس کی بھوک بڑھادی تھی یا اسلام آباد کے پانی میں کوئی ایسی تاثیر تھی کہ وہ خوب کھانے لگی تھی۔

”ارے باپ رے..... اگر یہی حالات رہے تو میں تو یہاں سے خوب موٹی ہو کے واپس جاؤں گی۔“ اس نے گھبرا کر کہا۔

”بیٹھی بیٹھی کھاؤ گی تو یقیناً ایسا ہی ہوگا..... چلو آؤٹنگ کا پروگرام رکھتے ہیں۔“ سائرہ نے تجویز پیش کی۔

”سوچا تو تھا مگر پھر خیال آیا کہ عرفان تو آجائیں..... بھئی کہاں رہے گئے تمہارے میاں۔“ وہ فوراً بولی۔

جواب سائرہ کے بجائے خالہ کی طرف سے آیا۔

”تمہارے خالو نے تو زمینوں کے معاملات سے اب کنارہ کشی اختیار کر لی ہے، دل کی بیماری نے ان کو زیادہ بھاگ دوڑ کے قابل ہی نہیں رکھا..... اب سارے کام عرفان ہی سنبھالتا ہے، بے چارہ اسی چکر میں یہاں وہاں ہوتا رہتا ہے۔“

”اوہ.....“ اس نے سر ہلایا۔

”زمینوں کے سوکھیڑے ہوتے ہیں، پھنس گیا ہوگا کہیں..... آجائے گا ایک آدھ دن میں..... تمہارے آنے کا سن کر تو بہت خوش ہوا تھا۔“ خالہ نے صفائی پیش کی۔

”جی بالکل.....“ اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔

”چلو دامن کوہ کا پروگرام بنالیتے ہیں۔“ سائرہ جلدی سے بولی۔

”نہیں خالہ پہلے زو (zoo)“ سائرہ کا سب سے چھوٹا بیٹا اعلان اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

”سب سے پہلے زوجائیں گے اور اس کے بعد کہیں اور.....“ اس نے بھانجے کو محبت سے دیکھتے



”مجھے تو بس یہی ڈرتا تھا کہ تو بہت ناراض ہوگی جب میں تجھے یہ خبر سناؤں گا مگر اماں سچ ہے کہ تیری بہو بڑی نیک دل ہے، شکل کی بھی اچھی ہے، ناک نقشہ ٹھیک ہے، رنگ گورا ہے بالکل میوں جیسا۔ اب تو خود سوچ اماں، ادھر پاکستان میں تو میرے لیے لڑکی ڈھونڈتی تو وہ میوں جیسی گوری نہ ہوتی، نہ ہی اتنی پڑھی لکھی ہوتی، نہ اتنی کامیائیاں کرنے والی ہوتی لیکن یہاں یہ مجھے مل گئی ہے تو سمجھ..... میں اس

”میں اپنی مرضی سے بول نہیں سکتی، سن نہیں سکتی، دیکھ نہیں سکتی، کیوں.....؟“ ساثرہ ہنسیاں انداز میں بولی۔
”دفع ہو جاؤ یہاں سے!“ عرفان ایک دم دھاڑا۔

”کاش یہاں سے دفع ہو سکتی..... میرا دل یہاں چاہتا ہے۔“ ساثرہ کی آواز کسی کنویں سے برآمد ہوئی۔
”اوہ..... یہاں سے دفع ہونا چاہتی ہو..... ہو کے دکھاؤ تمہاری دونوں ٹانگیں توڑ کے تمہیں کوٹنے میں پھینک دوں گا..... تم میری حیثیت اور طاقت سے اچھی طرح واقف ہو..... تم میرے پیروں کی بیڑی بنو گی تو توڑ کے پھینک دوں گا، راستے کا پتھر بنو گی تو لات مار کے دور کر دوں گا..... اپنی اوقات سے بھی باہر مت نکلتا..... اتنا بڑا گھر ہے، رہو، کھاؤ، پیو جو چاہے بناؤ مگر تم کو سوال کرنے کا حق ہے نہ فیصلہ کرنے کا..... بات آئی سمجھ میں۔“ اس نے ٹھہر کر سخت لہجے میں کہا۔

ساثرہ کے رونے کی آواز مسلسل آرہی تھی۔
”لائٹ بجھاؤ اور میرے پیر دباؤ..... مجھے نیند آرہی ہے۔“ عرفان کی آواز آئی۔ تھوڑی دیر میں دروازے کے نیچے سے آنے والی روشنی کی پتلی سی لکیر غائب ہو گئی، ہر دروازے کے نیچے ایک کہانی ہوتی ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی ساثرہ کے دروازے تک نہیں آئی تھی اس لیے اس کہانی سے ناواقف تھی۔ ہر پیر میں کچھ دیکھی اور کچھ ان دیکھی بیڑیاں ہوتی ہیں۔ دیکھنے والی بیڑیاں توڑی جاسکتی ہیں مگر ان دیکھی بیڑیوں سے آزادی ناممکن ہے.....
وہ باس کے منہ پر استغنی مار کے آگئی تھی۔
ساثرہ عرفان کے منہ پر کیا مارتی.....؟ عازنہ نے اتنی ہزار کے موبائل کو فگرت سے دیکھا اور لٹے پڑے انداز میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



بھول گئی تھی..... اسے امید تھی جو سکون اور خوشی کا خزانہ وہ ان چند دنوں میں یہاں سے کما کے واپس جانے والی تھی وہ اس کے اگلے کئی مہینوں کے لیے کافی تھا۔ اس نے ساثرہ کے بیڈ روم کے باہر پہنچ کر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ تڑاخ کی آواز فضا میں بلند ہوئی اور اس کا اٹھا ہوا ہاتھ ہوا میں معلق ہو گیا۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھ سے یہ سوال پوچھو کہ میں دو کی جگہ چار دنوں میں کیوں واپس آیا ہوں۔“
”کیا میں آپ کی بیوی نہیں ہوں..... آپ سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکتی؟“ ساثرہ کی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری۔

”بیوی..... ہا..... بیوی ہو تو بیوی بن کے رہو..... اپنی حد کے اندر.....“ اس کی آواز لڑکھڑانے لگی۔ عازنہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ عرفان نشے میں تھا۔

”مرد، عورت سے برتر ہے اور عورت اس کے پیروں کی جوتی..... میرا کھاتی ہو..... میرے گھر میں رہتی ہو..... یہ مت بھولنا.....“ وہ غصے سے بولا۔

”یہ کب بھولتی ہوں..... ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ یہ آپ کا گھر ہے.....“ ساثرہ کی آواز ابھری۔

”یاد رہتا ہے تو زبان کیوں چلتی ہے تمہاری؟“
میرے سامنے جب بھی آؤ تمہارا منہ بند ہونا چاہیے اور تمہارے ہونٹوں پر یہ سرخ لپ اسٹک ہونی چاہیے۔ بس یہی تمہاری اوقات ہے۔“ وہ تیز لہجے میں بولا۔

”مجھ میں اور ان عورتوں میں کیا فرق ہے جو سرخ لپ اسٹک سے اپنے ہونٹوں کو رنگ کے آپ کے سامنے آتی ہیں اور آپ کو رجھاتی ہیں؟“
ساثرہ کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

”وہ عورتیں.....“ عرفان ہنسا۔ ”وہ تم سے بہت بہتر ہیں..... تم بولتی بہت ہو۔“

”چل شکر کر پھر بھی بچ گئے۔“ اشرف میسے لگتا ہوا بولا، وہ خوش تھا کہ اماں کے پاس سے نکلنے والے پیسوں نے اسے ساؤتھ افریقا کے اور بھی قریب کر دیا تھا۔

جس دن اشرف کا ویزا ملا، زبیدہ اشرف کی لائی برنی کی نگلیاں آس پڑوس میں بانٹتی تو پھری مگر اس کا دل اندر ہی اندر کہیں ڈوبے جا رہا تھا۔ دو سال پہلے اشرف نے اسکول چھوڑ کر اس کی اس آرزو پر مبنی لات ماری تھی کہ اس کے بچے پڑھ لکھ کر افسر بنیں اور اس کے بعد سے وہ ہر دوسرے ہفتے کام بدلنے میں مشغول رہا تھا۔ نان بانی کے تنور سے لے کر درزی کی دکان پر کام کیکنے تک نہ جانے کتنے ہنرتھے جو اشرف نے سیکھنا شروع کر کے چھوڑے تھے۔ نہ کہیں بک کر کام کیا نہ جم کر کمائی کی۔ زبیدہ کو اشرف کی بیکاری اور آوارہ لڑکوں کی صحبت میں پڑ جانے کے خوف سے پوری پوری رات نیند نہیں آتی تھی۔ بھلا ممبر افضل کی ماں کا جواسے زبیدہ کی پریشانی پر ترس آگیا اور اس نے اپنے داماد سے کہہ کر اشرف کو ساؤتھ افریقا بھجوانے کا انتظام کروا دیا۔

☆☆☆

ساؤتھ افریقا اجنبی مگر خوب صورت ملک تھا۔ یہاں کالے اور سفید دونوں طرح کے لوگ رہتے تھے۔ کھاتے کھاتے اور خوش باش بھی تھے مگر جو بات اشرف کو پاکستان میں نہیں بتائی گئی تھی وہ ساؤتھ افریقا پہنچ کر چل چلی تھی اور وہ بات یہ تھی کہ اسے عائشی رہائشی ویزے پر ساؤتھ افریقا بھجوا دیا گیا تھا۔ ممبر افضل کا بہنوئی لاکھوں لے کر اشرف اور اس کی اماں کے ساتھ ہاتھ کر گیا تھا۔ اجنبی ملک، اجنبی لوگوں میں اجنبی زبان سمجھنے اور بولنے کی دقتیں اشرف کے پاؤں اکھاڑنے کے لیے کافی تھیں اور قریب تھا کہ وہ لاکھوں پر فاتحہ پڑھ کر پاکستان واپس جانے کی کرتا کہ اسے اپنے ہی علاقے کا ایک لڑکا

”لے پھر پڑھ بسم اللہ ماسی اور اشرف کے جانے کی تیاری پکڑ۔“ ممبر افضل کے بہنوئی نے اشرف کا پاسپورٹ بنوا کر جب اسے پکڑا تو زبیدہ نے دل ہی دل میں نہ جانے کون کون سی دعائیں پڑھتے ہوئے ادھر ادھر سے قرضہ زکوٰۃ اور مدد مانگ کر کتنے ہی ڈھیر پیسوں کے جمع کر لیے پھر اپنے گھر کے مرتبان، بیٹی کے کونے اور گلہ ان جھاڑ جھاڑ کر ان میں سے کب کب کے جمع کیے پیسے نکالے۔

”کب کے پیسے جوڑ رہی ہے اماں تو۔“ اشرف نے پانچ پانچ سو کے وہ نوٹ دیکھ کر کہا جو زبیدہ نے پتا نہیں کب کب مرتبانوں اور گلہ انوں میں چھپا رکھے تھے۔ ”گھر میں دال پکانے کو پیسے نہیں ہوتے تھے، ہم اچار کی پڑیاں لالا کر روٹی کھاتے رہے اور تو یہ پیسے سیتی رہی۔“ اشرف کو غصہ آئے لگا۔

”نہ سیتی تو آج جو کی بیشی ہے تیرے پیسوں میں وہ کہاں سے پوری ہوتی۔“ زبیدہ نے بھی چمک کر جواب دیا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہے تو۔“ اشرف اس ڈر سے بچی آواز میں بولا کہ ماں کا موڈ خراب ہو گیا تو سب چوہٹ ہو سکتا تھا۔

”تو جانتی ہے حکومت نے پانچ سو کے یہ نوٹ ختم کر دیے ہیں، شکر کہ کچھ لوگوں کے رونے دھونے سے ان کے ختم ہونے کی ڈیٹ کچھ آگے بڑھ گئی نہیں تو پکے ضائع ہو جاتے تھے یہ نوٹ۔“ اشرف نے کہا۔ ”میں کیا جانوں ایسی باتیں۔“ دل ہی دل میں نوٹ بچ جانے پر شکر ادا کرتی زبیدہ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”صبح کی ٹنگی سارا دن لوگوں کے جھوٹے برتن پائٹے مانجھتی ہوں، جھاڑو پونچھا کرتی ہوں تب جا کر تم تینوں کے پیٹ بھرنے اور کپڑے لٹنے کا بندوبست ہوتا ہے۔ مجھ کو ڈی کو کون ایسی خبریں سناتا کہ حکومت کیا کر رہی ہے کیا نہیں۔“

ہر اسان کرتے ہوئے کہا تھا۔

”اوہ اماں، وہ افریقا نہیں ساؤتھ افریقا ہے۔“ اشرف نے یہ اعتراض سن کر جھجکا کر کہا تھا۔ ”آپا سلیمہ تو اپنی ساری معلومات ایک گھر سے میں ڈال کر زور زور سے گھڑا ہلاتی ہے اور جب اس میں سے کسی چیز کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے خبر باہر نکالتی ہے تو اس کی وہی شکل ہوتی ہے جو اس نے تجھے ساؤتھ افریقا کے بارے میں دی ہے۔“

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے ساؤتھ ہے ککولی اور..... افریقا تو افریقا ہوتا ہے ناں..... جیشیوں کا ملک ہے وہ، وہاں جا کر تو کمائیاں کم کرے گا کہ آدم خوروں سے بچنے کی ترکیبیں زیادہ سوچے گا۔“ زبیدہ کا دل ہول گیا، اتنی بڑی رقم ادا کر کے وہ اشرف کو آدم خوروں کے حوالے کیسے کر سکتی تھی۔

”اوئے ہوئے اماں وہ تو گوروں کا ملک ہے، وہاں ہیرے جواہرات ہوتے ہیں اور سونا ہی سوتا..... جو وہاں جاتا ہے لاکھوں پتی بن کر واپس آتا ہے۔“ اشرف نے سر پٹیتے ہوئے کہا اور ثبوت کے طور پر نمبر داروں کا بڑا بیٹا پیش کیا جو کئی سال سے اسی ملک میں رہ رہا تھا جہاں اشرف جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

”او جانے دو ماں جی، لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھرو، اشرف کو گولڈن چانس مل رہا ہے اللہ کی قسم گولڈن چانس۔“ نمبر داروں کے بیٹے نے زبیدہ کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے دیکھ۔“ لگیوں اور سڑکوں پر روڈ ماسٹری کرتے اتنے سال گزاروے میں نے..... جب سے ساؤتھ افریقا گیا ہوں بھاگ لگ گئے ہیں مجھے بھی اور میرے سارے گھر والوں کو بھی۔“

”یہ تو ہے ان کے پیسوں کو تو جیسے جاگ لگتی ہے پانچ روپے کے سونے جاتے ہیں شام تک۔“ زبیدہ نے نمبر دار کے بیٹے ارمان کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

پردیس میں پردیسی نہیں رہا۔ مجھے کام کرنے کی اجازت اور رہائش مل گئی ہے، میرے دن آسان ہو گئے ہیں، اب جب میں اور تیری بہو کمائیاں کر کے تجھے بھجواؤں گے تو تیرے بھی دن آسان ہو جائیں گے۔ نیچو اور بلی دونوں ہی انگریزی اسکول میں پڑھ سکیں گے اور تو بھی لوگوں کے گھر میں کام کرنے کی مشقت سے بچ جائے گی۔“ اشرف، زبیدہ کو وہ خواب دکھا رہا تھا جو سب کے سب بڑے سہانے تھے۔ وہ سہرے خواب آنے والے دنوں سے متعلق تھے، ان دنوں کے متعلق جن کے لیے اشرف پردیس کاٹنے گیا تھا۔ اشرف کمائیاں کر کے زبیدہ کو وہ رقم بھجوانے والا تھا جس کے ہاتھ میں آتے ہی زبیدہ کی اگلی پچھلی ساری دھن، ساری تکلیفیں ختم ہو جاتی تھیں۔ نہ جانے کس کس سے قرضہ لینا پڑا تھا، نہ جانے کب کب کی سینت سینت کر رکھی تھیں بڑے بڑے قرضوں میں ملائی گئی تھیں جب جا کر اشرف کے پردیس جانے کا بندوبست ہوا تھا، ممبر افضل کی ماں کا بھلا ہو جس نے اپنے داماد سے کہہ سن کر اشرف کو باہر بھجوانے کا بندوبست کیا تھا۔ ممبر افضل کا بہنوئی ٹریولنگ ایجنسی کا مالک تھا۔ اسے سب خبر تھی کس دیس میں چانا قانونی ہے کس میں نہیں، کہاں کمائیاں زیادہ ہوتی ہیں کہاں کم..... پہلے پہل زبیدہ کو اس ملک کے نام سے اختلاف ہوا جہاں ممبر افضل کا بہنوئی، اشرف کو بھجوانے کی پیشکش لے کر آیا تھا۔

”لوگ کویت جاتے ہیں، وہی جاتے ہیں..... الاظہبی، سعودی عرب جاتے ہیں، وہاں نہ جائیں تو امریکا جاتے ہیں، یورپ جاتے ہیں افریقا کون جاتا ہے ماسی..... وہاں تو جیسی ہوتے ہیں اور وہاں کے جنگلوں میں تو اللہ معاف کرے، آدم خوروں کی بستیاں بھی آباد ہیں۔“ زبیدہ کی بھانجی سلیمہ نے اشرف کے ملک سے باہر جانے کی خبر سن کر زبیدہ کو

”بڑا سانا ہو گیا اشرف۔“ سلیمہ جو اشرف کے خوار ہونے کے بعد واپس آجائے یا پھر افریقہ میں کسی آدم خور کے ہاتھ لگ جانے کی خبر کی منتظر تھی مایوس ہوتے ہوئے بولی۔

”چل پھر اب پیسہ بھیجتا ہے نا اشرف تو گھر کو سجا سنوار اور برادری والوں کی رونی (دعوت) کر، انہیں بھی تو پتا چلے زبیدہ اب پہلے والی زبیدہ نہیں رہی۔“ سلیمہ نے اندر کی جلن کو ایک نئے مشورے کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

”واہ، میں کیوں دعوت کروں برادری کی؟“ زبیدہ نے حسب معمول چمک کر کہا۔ ”جب میں فائے مرنی تھی برادری نے کتنا مجھے پوچھا، جودکھ کے ساتھی نہ بن سکے انہیں کھکھ کھکھ کیسے بنا لوں۔“ ”اچھا نہ کر دعوت.....“ سلیمہ، زبیدہ کے دو ٹوک جواب پر کھسیا کر بولی۔ ”پر تو اپنا اور اپنے گھر کا حلیہ تو درست کر لے، تو نے اب بھی وہی چادر اوڑھ رکھی ہے جو اپنے بچوں کے بچپن سے اوڑھ رہی ہے۔“ ”کر لیں گے حلیہ بھی درست، پہلے لوگوں کا قرضہ تو اتار لوں۔“ زبیدہ نے وہی جواب سلیمہ کو دیا جو ٹیپو کو دیتی تھی۔ ”میں ان لوگوں میں سے نہیں جن کی آنکھیں پیسہ دیکھ کر پھٹ جاتی ہیں، کتنے سال سہی ہوں تو ہاتھ آیا ہے، ہاگل ہوں جو بہانے لگ جاؤں، میرا بیٹا پردیس کاٹ کر کمار ہا ہے، اس کے گاڑھے پسینے کی کمانی شو مارنے میں ضائع کر دوں۔“

”سچ ہے غریب عادات خیس ہو جاتا ہے۔“ سلیمہ نے زبیدہ کے گھر سے واپس آتے ہوئے سوچا۔ ”ماسی کے پاس پیسہ آرہا ہے پھر بھی لوگوں کے جھوٹے برتن ناجتھی ہے اور میلے کپڑے دھوئی ہے، خیس ہو چکی ہے ماسی بھی۔ پیسہ، پیسہ جوڑتی رہے گی، پیوند لگے کپڑے اور ٹوٹے پھوٹے مکانوں کی عادت نہ چھوڑے گی۔“

☆☆☆

”بھائی وہاں کی رنگین دنیا میں مزے کر رہا ہوں، اچھا کھاتا، اچھا پیتا ہوگا، ادھر ہم اب بھی ان کالی پتلی اینٹوں کی دیواروں والے کمرے میں رہے جارہے ہیں، کھانے کو پنے تلے شوربے والی دال اور ہوا میں اڑنے والی چپاتی کھانے کو ملتی ہے، ٹین کا دروازہ جس میں جا بجا سوراخ ہو رہے ہیں، ساری رات ہوا سے کھڑکتا ہے اور نیند خراب کرنے کا باعث بنتا ہے، اماں اب بھی صبح کام پر نکلتی ہے اور شام پڑے گھر آتی ہے، نہ کوئی دن بدلا نہ رات..... جبکہ بھائی سے چاچے رحمت کے موبائل پر جب بھی بات ہوتی ہے کہتا ہے ٹیپورج کے کھایا کر اور چاچے رحمت کے سامنے کیا بتاؤں کہ اماں کھانے اور خرچے کو کچھ دے تو تجھے بھی بتاؤں کیا کھایا کتنا خرچ کیا۔“ وہ اپنی جھلکا چار پائی بریلینا سوچتا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ ”کتنی بار اماں سے کہا ہے کہ ایک اچھا موبائل فون ہی لے لے، جس پر انٹرنیٹ کی سہولت ہو، بھائی سے کھل کر بات کر سکیں گے اور کیا پتا اسکا پپر شکل بھی دیکھ لیں بر اماں کو یہ باتیں سمجھ آئیں تو بات ہے ناں.....“

☆☆☆

”یہ تو سمجھو معجزہ ہی ہو گیا ماسی تیرے ساتھ، اشرف افریقہ میں بس گیا اور کمائیاں بھی کرنے لگا۔“ سلیمہ نے زبیدہ سے اشرف کا احوال سن کر کہا۔ ”مگر تو بے بڑی بھولی، اشرف سے کریڈٹ کر پوچھا بھی ہے وہ وہاں کرتا کیا ہے، چاہے تو جنگلوں سے ہاتھی پکڑے اور انہیں نہلانے کا کام کرتا ہو۔“ ”مزہ دوری ہی کرتی ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔“ زبیدہ نے بے نیازی سے کہا۔ ”فارغ نہیں بیٹھا یہی بہت ہے، اب چاہے ہاتھی نہلاتا ہو چاہے کتے کا کام کرنا ضروری ہے اور پھر پیسے بھی بھجواتا ہے ہر مہینے باقاعدگی سے، اب تو مجھے کہتا ہے اماں اپنا کھانا کھلو الے بینک میں، ہنڈی والوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔“

ساتھ ہی اسٹور پر کام کرنے لگا اور اسی کے گھر کے خانے میں بنے کمرے میں رہنے لگا۔ اب اشرف کو ساؤتھ افریقہ اچھا لگنے لگا اور وہ ویک اینڈز پر حبیبہ اور اس کی فیملی کے ساتھ خوب گھومتا پھرتا اور مزہ کرتا تھا۔ اس کی اماں کو اشرف کے بیسیجے پیسے باقاعدگی سے جانے لگے، نہ آگے کی فکر رہی نہ پیچھے کا غم..... لیکن اشرف بہت دیر تک اماں کو یہ نہیں بتایا کہ جادو کی اس چھڑی کا نام کیا تھا جس نے اسے مسائل کے غمریت سے بچالیا تھا۔

☆☆☆

زبیدہ کے پاس پیسے آنے لگے، جنہیں اب اس نے گلدانوں اور مرتبانوں کے بجائے ٹین کے کنستریں میں رکھنا شروع کر دیا، ٹین کے اس کنستریں میں پیسے رکھنے سے پہلے اس نے کنستریں کو ڈھکن اور کنڈی لگوائی اور ایک چھوٹا سا تالا بھی خرید..... چند ہی مہینوں میں ٹین کا کنستریں روپوں سے بھر گیا۔ ”اماں تو جوڑتی ہی جائے گی، ہمیں سوکھا سارا (آسان زندگی) کبھی نہیں لینے دے گی۔“ ٹیپو زبیدہ کی اس عادت پر بولتا، اس کا بھائی باہر چلا گیا تھا اور وہاں سے کمائیاں کر کے بھیج رہا تھا۔ ٹیپو کی نظروں کے سامنے نت نئے ڈیزائنوں اور خوبیوں والے موبائل فون تاجتے، ڈیجیٹل کیمرے لگوتے، کپڑے اور گھڑیاں رقص کرتیں، اسے اپنا ذاتی طرز زندگی بہتر کرتا تھا۔

”تو سوکھے سارہ کی بات کرتا ہے۔“ زبیدہ نے ایک دن ٹیپو کے مطالبے پر چو لھے کے قریب رکھا چمٹا اٹھا کر اسے مارنے کو اٹھایا۔ ”کم بختا..... مجھے وہ قرضہ رات کو سونے نہیں دیتا جو اشرف کو بھیجے کے لیے لوگوں سے اٹھایا تھا۔“ زبیدہ کے چہرے کی کرختگی مزید نمایاں ہو گئی۔ ”قرضہ اترے گا تو آگے کی سوچیں گے۔“ ٹیپو، زبیدہ کی اس کڑوی بات کے جواب میں ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔

حبیبہ مل گیا تھا۔ حبیبہ پانچ سال پہلے ان مشکلوں سے گزر چکا تھا جن سے اشرف گزر رہا تھا۔ حبیبہ نیک دل اور پیاسا لڑکا تھا۔

”شکر کر تجھے میں مل گیا اشرف نہیں تو تیری یہاں مٹی رل جاتی تھی اور جب رل کر ہار جاتا تو تجھے انہوں نے جہاز پر بٹھا کر واپس بھیج دیتا تھا ہمیشہ کے لیے۔“ حبیبہ نے اشرف کی پریشان شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہاں کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا، سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی ہے۔“ اشرف سے ایجنٹ کی کہانیاں سنتے ہوئے اس نے کہا۔

”تو پھر تو مجھ پر کیوں ترس کھا رہا ہے لالہ حبیب.....؟“ اشرف نے حبیبہ کا منہ تکتے ہوئے کہا۔ ”بس یار..... میں نے تجھے دیکھا تو مجھے اپنا وہ وقت یاد آ گیا جب میں تیری طرح رل رہا تھا..... مجھے ترس آ گیا، میں نے سوچا ابھی اللہ میاں تو نے مجھے سنبھالا، میں تیرے ایک بندے کو سنبھالتا ہوں اور تو پھر میرا گرائیں بھی تو ہے ناں۔“ حبیبہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”پر لالہ حبیبہ تیرے پاس جادو کی چھڑی تو ہے نہیں جو تو نے اپنے عارضی ویزے کو مستقل بنالیا اور یہاں ہی رہے جارہا ہے، ٹھانڈا بھی تیرے خوب ہیں۔“ اشرف نے حبیبہ کے گروسری اسٹور کو آنکھیں پھاڑتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

”چل، تجھے بھی عارضی سے مستقل کرانے کا بندوبست کرتے ہیں، کام بھی مل جائے گا اور گھر بھی۔“ حبیبہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اتنے دن تو بے فکر ہو کر میرے ساتھ رہ۔“

اشرف کے نصیب اچھے تھے، پیچھے اماں زبیدہ کی دعائیں بھی تھیں جو بہت کم عرصے میں حبیبہ نے اسے جادو کی وہ چھڑی لادی جو اس کے بہت سے مسئلے حل کرنے کے لیے کافی تھی۔ اشرف حبیبہ کے

”یہ تو وہ ہی جانے، مجھے تو صرف اتنا بتائیں کہ وہ جو کمائی ہے حق حلال کی کمائی ہی ہوتی... ہوگی ناں۔“

”ہاں، ان ملکوں کے سیاسی لیڈر تو اپنے اپنے ملک سے اور قوم سے بہت غلصہ ہوتے ہیں، حق حلال کی ہی کمائی ہوتی ہے ان کی۔“ بیگم حق نے فتویٰ دیا۔ زبیدہ کو محسوس ہوا اشرف کی بیوی کے بارے میں یہ سن کر کہ وہ ساؤتھ افریقہ میں سیاسی لیڈر تھی بیگم حق خاصی متاثر نظر آرہی تھیں، اس کا سراپا ناٹل سطح سے ذرا سابلند ہو گیا۔

☆☆☆

”شکر ہے بھائی اشرف، اماں کا کفر ٹوٹا، اب وہ ہمارے ساتھ ہی کھاتی پکاتی ہے اور تمہارے بیچے ہوئے پیسوں کو خرچ بھی کرنے لگی ہے۔“ کچھ دنوں بعد ٹیپو نے اشرف کو فون پر اطلاع دی۔ اشرف کے سینے سے نہ جانے کب سے رکی ایک سانس خارج ہوئی اس نے اپنی بیوی کیٹی اور اپنے بیٹے عبداللہ کی تصویریں ٹیپو کو ای میل کیں۔ زبیدہ نے پہلی بار اپنی بہو اور پوتا دیکھے۔ بہو کے نین نقش حبشیوں والے مگر رنگ گورا تھا۔

”ان کے ابا کالے ساؤتھ افریقہ میں اور اماں گوری ساؤتھ افریقہ میں تھی۔“ بیلی نے زبیدہ کو سمجھایا۔

”اور اشرف کا کوئی بچہ اگر اپنے نانا پر چلا گیا تو کیا ہوگا؟“ زبیدہ نے اپنے پوتے عبداللہ کی تصویر دیکھتے ہوئے سوچا۔ عبداللہ شکل میں اشرف پر اور رنگت میں اپنی ماں پر گیا تھا۔

”اسے سمجھا کلمہ پڑھ لے، جو صفتوں کی اچھی ہے تو مذہب بھی اللہ رسول کا اپنا لے، کلمہ پڑھنے سے اس کی روح بھی صاف ہو جائے گی۔“ اگلی بار اشرف کا فون آنے پر زبیدہ نے اسے سمجھایا۔

”ہاں اماں بس تو دیکھنا جب تجھ سے ملے گی تو پوری مسلمان بنی ہوگی۔“ اشرف نے زبیدہ کو یقین دلاتے ہوئے مطمئن کر دیا۔

ہوا کہ برا ہوا۔“ زبیدہ نے واشنگ پاؤڈر کے جھاگ میں ڈوبے کپڑے ملتے ہوئے کہا۔

”اچھا ہی ہوا ناں، اشرف کو وہاں ٹنگنا تھا تو پوری یا کاغذی شادی تو کرنی ہی پڑتی، اس ملک میں عارضی رہائش کا ویزا ہی ملتا ہے، مستقل رہنا ہو تو کوئی ڈکونی چکر چلانا ہی پڑتا ہے۔“ بیگم حق نے زبیدہ کے ذہن کی ایک اور گرہ کھولی۔

”اچھا بیگم صاحب جی!“ زبیدہ نے کپڑے چھوڑ کر بیگم حق کی طرف دیکھا۔

”تو اور کیا...!“ بیگم حق مسکرائیں۔ ”یہ بتاؤ تمہاری بہو کوئی کام وام بھی کرتی ہے کہ اس نے اشرف سے شادی اس لیے کی کہ پردیس سے آیا غریب کمائے اور وہ عیش کرے۔“

”کرتی ہے بیگم صاحب جی۔“ زبیدہ نے قدرے فخر سے کہا۔ ”لیڈری کرتی ہے وہاں، لیڈر ہے لیڈر۔“

”ہیں...!“ بیگم حق نے آنکھوں سے عینک اتار کر اچھی سے کہا۔ ”کس کی لیڈر ہے۔“

”پتا نہیں جی۔“ زبیدہ نے سر ہلایا۔ ”ووٹوں والی لیڈر ہے شاید۔“

”نیلسن منڈیلا کی بیوی فارغ ہے آج کل، کہیں اشرف نے اس سے شادی تو نہیں کر لی۔“ بیگم حق کے بیٹے زین نے ہنستے ہوئے کہا۔

”پتا نہیں جی۔“ زبیدہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ”ویسے بیگم صاحب جی، لیڈری اچھا کم (کام) ہوتا ہے ناں... لیڈر تو ملک کی خدمت کرتا ہے ناں۔“

”ہاں، لیڈر کا مطلب تو رہنما ہی ہوتا ہے زبیدہ۔“ بیگم حق نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”مگر میں سوچ رہی ہوں اگر تمہاری بیوی سیاسی شخصیت ہے تو پھر اس نے ایک بیکار سے پاکستانی لڑکے سے شادی کیسے کر لی؟“

”ہونہہ نیا گھر۔“ زبیدہ اکیلے میں خود سے ہم کلام ہوتی۔ ”اشرف کا پاپ تر کے میں یہ چارمرلے کا گھر ہی تو چھوڑ کر گیا تھا۔ میں نے اس گھر کی چھٹی چھتوں اور گرتی دیواروں کو اپنے ہی دم پر تھا ہا اور جھیلنا تھا۔ وہ تانگے کے نیچے آگہ نہ مر جاتا ہوتی تو ہم دونوں مل کر کب کے اس اینٹ گارے کے ڈھانچے کو گھر بنا چکے ہوتے پر ادھر وہ مرادھر فٹے داریوں کی پولٹیاں میرے سر پر آن پڑیں۔ اشرف بارہ سال کا تھا جب اس کا ابا مرادور آج اشرف خیر سے پچیس سال کا ہو چکا۔ یہ تیرہ سال کہاں گزرے کیسے گزرے، دنوں کے سکے وقت کے تھال میں گرنے سے پہلے کہاں کہاں زخم لگا کر گئے، کون کون سے زخم ادھیر کر گئے کچھ سمجھ نہیں لگی۔“ زبیدہ کو ایک ایک کر کے گزرے دنوں کی تمام تلخیاں یاد آنے لگتیں۔

”چلو بناؤ نئے گھر کم بختو۔“ پھر وہ اپنے خیالوں کے بوجھ سے آزاد ہونے کی خاطر چچی اور بڑوائی۔ ”نگلو یہاں سے خالی کرو میرا گھر، حرام کمائی سے بنی یہ چیزیں مجھے رات بھر سونے نہیں دیتیں۔“ وہ اپنا غصہ ٹیپو اور بیلی پر نکالتی۔

”حرام کا پیسہ کیسے ہو گیا اماں؟“ ٹیپو نے بالآخر ایک دن دل کڑا کر کہا۔ ”تجھے پتا ہے بھائی اور بھائی کتنی محنت کرتے ہیں تو جا کر یہ پیسہ ہاتھ آتا ہے۔“

”کیا محنت کرتی ہے بی بی بھابی؟“ زبیدہ نے تنک کر کہا۔ جواب میں جو ٹیپو نے اسے بتایا اور جتنا اسے سمجھ میں آیا اس سے اشرف کی بیوی کے بارے میں اس کے ذہن کا الجھاؤ قدرے کم ہوا، پہلی بار اس نے گلی محلے کی اکا کا عورتوں کو یہ بتایا کہ اشرف نے ساؤتھ افریقہ میں شادی کر لی تھی۔

”مبارک ہو بھی زبیدہ، تم تو نیم کی سانس بن گئیں۔“ بیگم حق، جن کے زبیدہ کپڑے دھوئی تھی نے سن کر اسے کہا اور ہنسنے لگیں۔

”بس بیگم صاحب جی سمجھ میں نہیں آتا یہ اچھا

کر کچھ نہیں بولی۔ نہ اس نے ٹیپو سے جرح کی نہ اشرف سے پوچھا بلکہ کان مزید پلیٹ کر پہلے جہاں چار گھروں کا کام کرتی تھی اب دوسری گھروں کا کام لے لیا، اس کی کوشش رہنے لگی وہ کم سے کم گھر میں رہے، ٹیپو اور بیلی بھی خوش رہتے، انہیں ماں کا ڈر تھا، جس نے اب زیادہ بولنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ اسکول کالج سے گھر آنے کے بعد بی بی وی دیکھتے، کمپیوٹر پر من پسند فلمیں دیکھتے اور اپنی مرضی کا کھانا کھاتے پیتے۔ زبیدہ اکثر جن گھروں میں کام کرتی تھی وہیں سے کھانا کھا آتی اور اگر وہاں کھانے کا ٹائم نہیں ملتا تو ساتھ گھر لے آتی۔ پیسے نہ گھر میں طرز زندگی کے دو معیار بنا دیے تھے مگر دونوں فریق اپنے اپنے معیار زندگی پر راضی اور خوش تھے۔ زبیدہ گھر آنے کے بعد ٹیپو اور بیلی کے معمولات دیکھتی، وہ بی بی وی پر ڈرامے اور فلمیں دیکھ رہے ہوتے، برگر اور پیپٹی سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے اور کبھی کمپیوٹر پر بھابی سے باتیں کر رہے ہوتے۔ زبیدہ دیکھتی اور سستی مگر بولتی نہیں تھی۔ دونوں بچے ہر دم بھابی کا کلمہ پڑھتے رہتے جو دور بیٹھی ہی ان سے اتنی صل مل گئی تھی کہ ان کی پسندنا پسند، عادات و اطوار سب کے بارے میں جان چکی تھی۔

”بھابی نے کل دروازے پر پڑا پردہ دیکھا تو بولی اسے بدل دو۔“

”بھابی بتاتی ہے برگر گھر پر کیسے بناتے ہیں۔“

”بھابی کہتی ہے مائیکرو... اوون لے آؤ، بہولت ہو جائے گی۔“

”بھابی کہتی ہے اگلی بار پیسے بھیجے گی تو بیلی کے لیے الگ فون لے لیا جائے۔“

”بھابی کہتی ہے کہیں اچھی جگہ دیکھ کر پلاٹ لے لیا جائے۔“

”بھابی کہتی ہے ہم نیا گھر بنائیں گے۔“ زبیدہ یہ بھابی نامہ سنی اور یوں ظاہر کرتی جیسے نہ سنا ہو۔

”اوئے چھکا..... اوئے اکمل کی بلے“
 بلے.....“ ٹیپو نے ایک دم اٹھ کر پھر سے شور مچا دیا۔
 ”وہ دیکھو وہ بھابی.....“ بلی مسرت سے پچی۔
 ”کدھر کدھر.....“ زبیدہ کو جس لمحے کا انتظار تھا وہ بالآخر آ گیا تھا۔

”وہ.....“ بلی نے اشارہ کیا ”سرخ بالوں والی، جس کے ہاتھ میں مچھنے سے ہیں۔“ زبیدہ نے غور سے دیکھا۔ بغیر بازوؤں کی چھوٹی سی فراک اور جاکیتے میں ملبوس سرخ بالوں والی باجرہ بتول نیلے رنگ کے مچھنے ہلاتی چھلانگیں لگا رہی تھی، وہ ہنس رہی تھی، کبھی ہجوم کی طرف منہ کرتی کبھی گھوم کر گراؤنڈ کی طرف دیکھنے لگتی۔

”ہائے بیڑا تر جائے، وہاں کے لیڈر ایسے ہوتے ہیں۔“ سلیمہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تنگ پٹنگ چھالوں (چھلانگیں) مارتے۔“
 ”بھابی صرف لیڈر نہیں چیئر لیڈر ہے۔“ بلی نے ہنستے ہوئے کہا۔

”چیئر (cheer) لیڈر کیا ہوتا ہے؟“ سلیمہ منہ پر انگلی رکھ کر پوچھ رہی تھی۔

”کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کرنے والی چیئر لیڈر، باہر کے ملکوں میں ان کی ٹریننگ اسکول ہی میں شروع ہو جاتی ہے، چیئر لیڈر کی ٹیمیں بنتی ہیں، ان کے مقابلے ہوتے ہیں، ان میں زیادہ تر لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ بڑا مقام ہوتا ہے ان کا، بڑے پیسے کماتی ہیں یہ، آخر چالیس اووروں تک چھلانگیں مار مار کر ٹپ ٹپ کر کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کرنا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا ناں، باہر کے ملکوں میں سارے کھیلوں میں یہ چیئر لیڈر ضرور شامل ہوتے ہیں، بڑی محنت کا کام ہے چیئر لیڈری..... آپا سلیمہ تو یہاں گھر میں بیٹھی اُپلے تھا پتی عورت کیا جانے ان کا اسٹیٹس۔“ ٹیپو آپا سلیمہ کے جملے کے جواب میں جوش میں آ کر تقریر کر رہا تھا اور زبیدہ کی آنکھوں کے

کچھ بول رہے تھے۔
 ”میچ کا بتا رہے ہیں کیسی ہوگی۔“ ٹیپو نے وضاحت کی۔
 ”تو بکشتی دنیا میچ دیکھنے آئی ہے۔“ زبیدہ نے چادر کی بکلیں مارتے ہوئے کہا۔

اب کیمرہ میچ دیکھنے کے لیے آنے والوں کو دکھا رہا تھا۔ رنگ برنگے لوگ آدھے ننگے، آدھے ڈھکے لوگ ہاتھوں میں غبارے، جھنڈیاں اور کاغذ پکڑے لوگ، کسی کے بال سبز رنگ کے کسی کے نیلے رنگ کے تھے۔

”ہائے ہائے کلموئیاں، ساری خلقت میں ننگی بیٹھ جاتی ہیں۔“ زبیدہ نے ایک تماشا لڑکی پر تبصرہ کیا جو نہ ہونے کے برابر لباس میں ملبوس تھی۔

”ساؤتھ افریقا جو ہوا ماسی۔“ سلیمہ نے چادر کان کے پیچھے اڑتے ہوئے کہا۔

”آج تو سلیمہ بڑی تیار شیار ہو کر آئی ہے۔“ زبیدہ نے سلیمہ کے کانٹے اور آنکھوں کا سرمہ دیکھتے ہوئے کہا اور دل میں ہنس دی۔ ”لو بھلا باجرہ بتول نے کون سا اسے دیکھ لیا ہے اسکرین میں سے جو یہ اپنی طرف سے سوئی بن کے آئی ہے۔“

”او پاکستان ناس جیت گیا۔“ چار پانچ لوگوں نے سکہ اچھالا اور ایک بندے نے کچھ بتایا تو ٹیپو کے ساتھ سلیمہ کے بچے لڑکیاں ڈالنے لگے۔

”بیٹھ جاؤ، یہ کون سا شریفوں کے کرنے والا کام ہے۔“ زبیدہ نے گھر کا۔ ”ماں بہنوں کے سامنے لڑکیاں ڈال رہے ہو کیا کرو۔“

ٹیپو کن آنکھوں سے بلی کی طرف دیکھتے ہوئے بیٹھ گیا۔ پھر میچ شروع ہوا..... پاکستان نے بلے بازی شروع کی۔ زبیدہ نے نظریں اسکرین پر جمادیں۔ کب آئے گی اس کی لیڈر رہو..... اس کے تصور میں پینٹ کوٹ پہنے لوگوں کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے باجرہ بتول کا تصور آیا اور وہ جھوم اٹھی۔

”اللہ تیرا شکر ہے تو جس حال میں بھی رکھے۔“ زبیدہ نے طمانیت بھری انگڑائی لیتے ہوئے کروٹ بدلی۔ اس کے نیچے نرم بستر تھا۔ اس نے ایک عمرنگی کھات اور پیوند لگے تھیں کے ساتھ گزاری تھی۔ اب اسے پتا چل رہا تھا کہ آرام کرنا کے کچھ تھے۔ اس کی بہو نے حبیب کے ہاتھ اسے کپڑوں اور سونے کے بُندوں کے علاوہ لوٹن اور کریمیں بھی بھجوائی تھیں، عمر بھر لوگوں کے برتن مانجھنے والے ہاتھ اب لوٹن اور کریموں سے نرم پڑنے لگے تھے۔

”کل کو باجرہ بتول اپنے ملک میں کوئی وزیر شزیر لگ گئی تو کتنے فخر کی بات ہوگی۔ وہاں تو صدر بھی عورتیں بن سکتی ہیں۔“ وہ مستقبل کے سہانے خواب دیکھنے لگی۔

”ٹیکم حق کے نمبر پر فون کر کے بتا دینا کہ تیری بھابی نے آج میچ میں آنا ہے۔“ زبیدہ نے بلی سے کہا۔ ”وہ ہی تو ایک دل سے خوش ہونے والی بی بی ہے..... بڑی راضی ہوں گی۔“

”ہاں، ہاں اماں کیوں نہیں۔“ بلی نے ناخوش پر کیویں سجاتے ہوئے کہا۔
 ”آپا سلیمہ نے بھی آتا ہے شام کو ہمارے گھر، ہمارے ساتھ میچ دیکھے گی..... اسے بھابی دکھائی ہے۔“ بلی نے اسے اطلاع دی۔

”کیجا سلیمہ کا سڑ کے سواہ ہو جانا ہے۔“

زبیدہ نے کہا۔ ”نظر ہی نہ لگا دے باجرہ بتول کو۔“

”اوہ کچھ نہیں ہوتا اماں، آپا سلیمہ بے چاری نے کیا کر لیا ہے ادھر بیٹھے، سوائے سڑنے کے۔“

بلی ہنس کے بولی۔
 ☆☆☆
 ٹی وی کی اسکرین پر سب حاضرین کی نظریں جی ہوئی تھیں، کیمرہ ہری ہری گھاس کو دکھانے جا رہا تھا۔ دو ہندے ہاتھوں میں مائیک پکڑے گھاس کے درمیان کچی جگہ کو ہاتھ سے دبا دبا کر انگریزی میں

☆☆☆
 ”آج سے ساؤتھ افریقا میں ٹوئنٹی ٹوئنٹی کپ شروع ہوتا ہے اماں۔“ ایک روز ٹیپو نے بتایا۔ ”بھابی نے بھی شرکت کرنی ہے۔“

”اچھا اچھا وہ بھی آئے گی۔“ زبیدہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ کچھ دن پہلے ہی اس کو بلی نے بتایا تھا کہ لاہور میں ٹوئنٹی میچ ہوا تھا اس میں وزیر اعلیٰ مہمان خصوصی تھے۔ وزیر اعلیٰ لوگوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلا ہلا کر مسکرا رہے تھے۔

”ان ملکوں کے لیڈر بھی اپنے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے میچ دیکھنے آتے ہوں گے۔“ زبیدہ نے کہا اور بستر جھاڑ کر اس پر لیٹ گئی۔ کچھ عرصے سے اس نے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اشرف کے بھیجے پیسے اس کی سارے گھروں میں کام کی کمائی سے ڈگنے ہوتے تھے۔ ہاں، اب اسے اپنی کمزور بڑتی ہڈیاں روکنے کی کیا ضرورت تھی۔ اب تو اسے اشرف اور اس کی بیوی کی کمائی کے حلال ہونے پر بھی کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اشرف نے بیوی کی اب جو تصویر بھیجی تھی اس میں وہ شلوار قمیص اور دو پٹا پہن کر بیٹھی تھی اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”میں نے اس کا نام باجرہ بتول رکھا ہے اماں، نانی کے نام پر۔“ اشرف نے اسے بتایا۔ ”میں اسے باجرہ کہہ کر ہی بلاتا ہوں، بہت خوش ہوتی ہے یہ نام نہ کر۔“

”کلمہ پڑھا اس نے کہ نہیں؟“ زبیدہ نے دل کی خلش کا رونا رویا۔

”سمجھ پڑھ ہی لیا۔“ اشرف نے گول مول جواب دیا۔ ”یہاں مشکل ہو جاتی ہے اماں اگر کھلے عام بتا دو کہ جی اب وہ مسلمان ہو گئی ہے سوطر ح کے مسئلے مسائل ہو جاتے ہیں، بس جب پاکستان آئے گی تیرے پاس تو پھر تو بہت خوش ہوگی اس کے اطوار دیکھ کر۔“



اجالوں کا سفر

نسیرین خالد

وہ پچھلے دو گھنٹے سے دور بین ہاتھ میں پکڑے کھڑکی میں کھڑا تھا، تین تین۔ وہ دور بین آنکھوں پر لگا لیتا۔ ہیری کمرے میں آیا اور اسے یوں کھڑا دیکھ کر خاموشی سے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر بولا۔

”یہ شغل کب سے شروع کر دیا؟“ ہیری کے اچانک بولنے پر مائیکل کے ہاتھ سے دور بین پھوٹ گئی۔ اس نے مڑ کر ناگواری سے ہیری کو دیکھا۔

”کیا دیکھ رہے تھے؟ مجھے بھی دکھاؤ۔“ ہیری

کوٹھے والیوں سے بھی گئی گزری ہے۔ ہائے لوگوں میں لٹ گئی۔“ زبیدہ ٹوٹی کھول کر پانی کی دھار کے نیچے اپنے ہاتھ دھوئے جا رہی تھی۔

”اماں محنت کر کے.....“ ٹیپو نے کہنا چاہا۔

”دفع ہو جا منحوس۔“ ٹیپو کو گھورا۔ ”جسم کی نمائش کر کے تھرکنا اور کماتا..... یہ محنت ہے اور اس محنت کی کمائی حلال ہے..... یہ لیڈری ہے جس کی شہرت سب مارتے تھے۔ مائیکل توڑ دوں گی جو آج کے بعد کسی نے اس گھر میں اس کلمہ کی گواہی لیا..... کر توت دیکھو اور نام دیکھو لیڈر اس نے ٹیپو کی طرف دیکھا۔

”بے حیائی کی لیڈر ہے وہ۔“ ٹیپو، بیلی اور سلیمہ دانتوں میں انگلیاں دبائے زبیدہ کا جنون دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

اگلی صبح ان پانچ گھروں کی بیگم صاحبوں نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ برسوں سے دکھ اٹھائی زبیدہ دیانتداری اور محنت سے ان کے گھروں کے کام کر کے انہیں سکھ پتھانی رہی تھی۔ بس درمیان میں اپنی چیز لیڈر بہو کی لیڈری کے زعم میں وہ کام چھوڑ کر آرام کرنے چلی گئی تھی۔

”بندہ سوچی روٹی کھالے لیڈری نہ کرے۔“ زبیدہ نے کانوں کو ہاتھ لگا لگا کر سب بیگم صاحبوں کو بتایا تھا۔

”میرا اشرف پھنس گیا بیگم صاحب جی، اسے بھی لیڈر ہونے کی جھلک دکھائی ہوگی بعد میں نکلی ہوگی تنگ پتھکی، میرا شن، ڈھول کی آواز پر چھالیں (چھلائیں) مارتی میرا شن، پراس کا کیا گیا، پھنس تو میرا اشرف گیا ناں۔“

پانچوں بیگم صاحبوں نے اوپر سے زبیدہ کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے زبیدہ کی بہو کے سیاسی لیڈر ہونے کے سچائے (cheer) چیز لیڈر نکلنے پر دل ہی دل میں شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔



سامنے اسکرین کا منظر گھوم رہا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد کمرے میں شور سا مچتا اسکرین پر لوگ جھنڈیاں لہراتے اور ہاجرہ بتول اور اس کی ساتھی لڑکیاں اپنے تقریباً عریاں جسم تھرکاتی کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی میں مصروف ہو جاتیں۔

یکدم زبیدہ کے جسم کی دردیں جیسے واپس آنے لگیں۔ اس نے اپنے نیچے نیچے نرم بچھونے کو دیکھا، اپنے قدرے ملائم ہوتے ہاتھوں کی طرف دیکھا اور اس کی نظروں کے سامنے بیگم صاحبوں کے برتن کپڑے اور فرش گھوم گئے جنہیں مانجھتے، دھوتے اور سوتے اس کی عمر گزر گئی تھی۔ اسے اچانک لگا اس کے جسم پر موجود کپڑے اور نیچے بچھا بستر اسے کاٹ کھانے لگا تھا، جیسے اس میں کہیں کانٹے آگ آئے تھے، وہ وحشت زدہ انداز میں اٹھی اور کمرے سے متصل چھوٹی سی کوشری میں جا کر کپڑے بدلنے لگی۔ چند منٹوں بعد وہ اپنے بیٹھے پرانے کپڑوں اور سوراخوں سے بھی چادر میں ملبوس تھی۔ اس نے کوشری میں رکھا پیسوں سے بھرا کنسٹرکٹھن میں لا پھینکا۔

”حرام، حرام، حرام.....“ وہ چلانے لگی۔ حرام چھو گیا مجھے، میری ساری عمر کی ریاضت، مشقت حرام ہو گئی۔“ اس نے دیوانوں کی طرح چلاتے ہوئے کہا۔

”کیا ہو گیا ماں؟“ سلیمہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھامے۔

”کوڑے مار مجھے، ڈنڈوں سے سبق چکھا سلیمہ، میری ساری محنت لٹ گئی۔“ اب زبیدہ کسی ایسی ماں کی طرح بین کر رہی تھی جس کا جوان بیٹا مر گیا ہو۔ ”توبہ توبہ استغفار۔“ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی بول رہی تھی۔

”ہائے میں اس تنگی بچی کی کمائی کھاتی رہی، جو خلقت کے سامنے جسم کی نمائش کرتی ناچتی، کودتی ہے اور پیسہ کماتی ہے میں اسے لیڈر سمجھتی رہی جو ادھر کی

اوڑھے کندھے پر بیگ لٹکائے کہیں جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

”اچھا یہ پڑھتی ہے۔“ ان دو ہفتوں میں پہلی دفعہ مائیکل اسے اس وقت کہیں جاتا دیکھ رہا تھا۔

مائیکل نے اپنی دو بیٹیوں کی طرف اٹھائی۔

”نیل سے اپنی بانیگ کی چابی اٹھائی اور تیزی سے کمرے سے نکل کر جلدی جلدی سڑھیاں اترنے لگا۔

”کیا ہوا مائیکل؟“ کچن میں کھڑی ماریہ نے اسے بیرونی گیٹ کی طرف تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھ کر پوچھا۔

”ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔“ وہ بغیر رکے بولا اور اپنی بانیگ نکالی اور اس لڑکی کے گھر کی طرف موڑ لی۔ جلد ہی مائیکل کو وہ لڑکی نظر آگئی۔ اسے دیکھ کر مائیکل نے بانیگ کی اسپینڈ کم کر دی تھی۔

کافی دیر چلنے کے بعد وہ مین روڈ پر مڑی۔ کچھ دور جا کر گر لڑکا کالج کا کھلا گیٹ نظر آیا۔ کالج کے ارد گرد گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جن سے اتر کر لڑکیاں کالج کے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

مائیکل نے کچھ فاصلے پر بانیگ روک لی تھی جب تک وہ لڑکی گیٹ تک نہ پہنچی وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر مہیری کا نمبر ملایا۔ وہ لوگ اس شہر میں کچھ دن پہلے شفٹ ہوئے تھے جبکہ مہیری کی فیملی سالوں سے یہیں آباد تھی۔

مہیری کی آواز سن کر اس نے اپنا منہ عیاں کیا تو وہ چیخ پڑا۔

”مطلب..... تم نے صبح صبح یہ پوچھنے کے لیے فون کیا ہے کہ کالج کی چھٹی کتنے بجے ہوئی ہے؟ مسٹر مائیکل جوزف تم پر یہ وقت بھی آتا تھا۔“ مہیری نے تاسف سے کہا۔

”دیکھو مہیری، میں فضول باتیں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں، تمہیں اگر بتانا ہے تو بتاؤ۔“ مائیکل نے

”ہاں! شاید پاگل ہو گیا ہوں۔ جانتے ہو میں ہر روز صبح چھ بجے اٹھتا ہوں کیونکہ اس ٹائم یہ لڑکی اپنی عبادت کے لیے اٹھتی ہے۔“ مہیری آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

”ت..... تم کہیں سیریس تو نہیں ہو گئے ہو اس معاملے میں؟“ مہیری نے توثیق سے پوچھا۔

”میرا خیال ہے..... ہو گیا ہوں۔“ مائیکل نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”تم ایسا سوچ بھی مت لینا مائیکل، اس میں اور ہم میں بہت فرق ہے، وہ لڑکی جس طرح عبادت کر رہی ہے اس کا مطلب ہے شی از مسلم۔“

”سو واٹ.....؟ رو بن نے بھی تو ایک مسلم لڑکی سے شادی کی تھی۔“ مائیکل نے اپنی اور مہیری کی پیمپو کے بیٹے کا نام لیا۔

”ہاں کی تھی مگر وہ شادی چلی صرف دو مہینے تھی۔“ مہیری نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

”شادی چلنا نہ چلنا بعد کی بات ہوتی ہے اور

اس میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔“ مائیکل نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور پھر کچھ یاد آنے پر استہزائیہ نظروں سے مہیری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہارے اپنے بھائی کی شادی بھی تو نہیں چلی حالانکہ اس کی تو کرچن لڑکی سے ہوئی تھی۔“ مہیری اس کے طنز پر دانت پیس کر رہ گیا۔

☆☆☆

”ہاں! یہی گھر ہوگا۔“ مائیکل نے براؤن گیٹ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا وہ کون سا گھر ہے جس میں وہ لڑکی رہتی ہے۔ جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ یہی گھر ہے تو اس نے آگے بڑھ کر تیل بجائی۔

دروازہ کھولنے والا ایک لڑکا تھا۔ اس لڑکے کو مائیکل اکثر اس گھر میں دیکھتا رہتا تھا۔ لڑکے کو دیکھ کر مائیکل کو شدید مایوسی ہوئی۔

”جی فرمائیں؟“ مائیکل کو خاموش دیکھ کر اس لڑکے نے پوچھا۔

”وہ..... وہ احمد کاظمی صاحب کا گھر جی ہے؟“ مائیکل کے ذہن میں فوری اپنے پڑوسی کا نام آیا تو اس نے وہی نام لے لیا۔

”جی نہیں! یہ عبدالمنیب صاحب کا گھر ہے۔“

”اوہ سوری آپ کو ڈسٹر ب کیا۔“ مائیکل نے معذرت کی

”کوئی بات نہیں، اس اوکے۔“ لڑکے نے کہہ کر دروازہ بند کر دیا۔

☆☆☆

مائیکل کی جیسے ہی آنکھ کھلی اس نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ ”اوہ تو!“ کہہ کر اس نے کمرے میں دوڑ پھینکا بیڈ سے چھلانگ لگا کر کھڑکی تک پہنچا۔ سامنے نیل سے دور بین اٹھائی اور اس لڑکی کے گھر پر فوکس کر دی۔ وہ لڑکی کالی چادر

چڑھتے ہوئے کہا۔

”ساڑھے بارہ بجے!“ مہیری نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اوہ! تھینک یو ڈفرن.....“ مائیکل نے مسکراتے ہوئے کہا اور فون بند کر کے بانیگ اشارت کی۔ گھر واپس پہنچ کر بارہ بجے کا الارم لگا کر وہ دوبارہ سو گیا۔

☆☆☆

ہادیہ نے غصے سے اس لڑکے کو گھورا جو پچھلے چار دن سے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ مائیکل نے بانیگ بالکل اس کے سامنے روک دی۔

”ہائے..... آئی ایم مائیکل جوزف، میں کوئی ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں، میں اتنے دنوں سے آپ سے بات کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔“ مائیکل نے اسے غصے سے گھورتا دیکھ کر فوراً کہا۔ اس کے نام پر ہادیہ کے چہرے پر اک رنگ سا آکر گزر گیا۔

”جی فرمائیں!“ ہادیہ نے دو ٹوک انداز میں پوچھا۔

”کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟“ ہادیہ کو اس کی جرأت پر شدید حیرت اور ساتھ ساتھ اس کی دماغی حالت پر شہ ہوا۔

”آ..... کپ کا دماغ تو ٹھیک ہے؟“ ہادیہ نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا۔ ”مسٹر جوزف میں مسلمان ہوں۔“

”مجھے معلوم ہے آپ مسلم ہیں۔ میرے کزن نے ایک مسلم لڑکی سے شادی کی ہے۔ میری تالچ کے مطابق آپ لوگ کچھز میں شادی کر لیتے ہیں۔“

”ہمارے ہاں صرف مردوں کو اجازت ہے اہل کتاب عورت سے شادی کرنے کی اور مسٹر جوزف ضروری نہیں ہے کہ میں بھی اس جیسی لڑکی ہوں جس نے آپ کے کزن سے شادی کی ہے اور آئندہ مہربانی فرما کر میرے راستے میں مت آئیے گا ورنہ انجام کے ذمے دار آپ خود ہوں گے۔“ ہادیہ اسے دھمکاتے

ماہنامہ پاکیزہ 190 جنوری 2013

www.pdfbooksfree.pk

ماہنامہ پاکیزہ 190 جنوری 2013

ماہنامہ پاکیزہ 190 جنوری 2013

ماہنامہ پاکیزہ 190 جنوری 2013

حادث نے غصے سے سرخ جوزف کا چہرہ دیکھا اور بولا۔ ”ڈیڈ اسلام سجادین ہے میں نے اسے پڑھا ہے جو باتیں آج ہمارے سائنسٹ ثابت کر رہے ہیں وہ باتیں آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک نے بتادی تھیں اگر آپ کو یقین نہیں آ رہا تو آپ بھی پڑھ کر.....“

”شٹ اپ ناؤ..... شٹ اپ۔“ جوزف چیخے۔ ”تمہارے پاس اب بھی وقت ہے مائیکل سدھر جاؤ نہیں تو میں تمہیں اپنی جائیداد سے عاق کر دوں گا، بھوکے مر جاؤ گے تم۔“ جوزف کی دھمکی سن کر حادث کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔

”ڈیڈ اس دنیا میں کوئی کسی کو رزق نہیں دیتا۔ سب کا رازق اللہ ہے وہ سب ضرور بناتا ہے مگر رازق وہ خود ہے۔“

”بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ میرے گھر سے ابھی اور اسی وقت۔“ جوزف غصے سے چلائے۔ حادث اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ ماریہ نے آگے بڑھ کر غصے سے ہانپتے جوزف کو سنبھالا۔

”کام ڈاؤن جوزف، جوان بیٹے کے ساتھ ایسا رویہ مت رکھو وہ مزید گمراہ ہو جائے گا۔ نرمی اور پیار سے اس کے گمراہ کن خیالات کو کنٹرول کرو۔“

”یہ لوگ کبھی واپس نہیں پلٹتے ماریہ۔“ جوزف نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔ انہیں اپنا کزن فریدون یاد تھا جو آج سے بیس سال پہلے مسلمان ہوا تھا۔ اپنے باپ کی کروڑوں کی جائیداد ٹھکرا کر ایک مسجد کا پیش امام بن گیا تھا اور پھر پلٹ کر نہیں آیا۔

حادث جب اپنے کمرے سے نکلا تو اس کے ایک ہاتھ میں بیگ اور دوسرے میں اپنی بائیک کی چابی تھی۔ وہ ان دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔

”مام..... ڈیڈ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں آپ کے لیے دعا کروں گا کہ اللہ آپ دونوں کو

”سب سے پہلے تو یہ جان لو مائی ڈیئر ہیری کہ اب میرا نام محمد حادث ہے اور ڈیڈ بھلے سے مجھے شوٹ کر دیں۔ آئی ڈونٹ کیئر۔“ مائیکل کے بے فکری سے کہنے پر ہیری حیران رہ گیا۔

”تمہیں پتا ہے اسلام Terrorism پھیلا رہا ہے پوری دنیا میں.....“ ہیری نے کہنا چاہا مگر مائیکل نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اسلام Terrorism نہیں پھیلا رہا نہ ہی اس کا پیروکار Terrorist ہو سکتا ہے تم قرآن پاک پڑھ کر دیکھو اس میں ہے ”اگر کسی انسان نے ناحق کسی دوسرے انسان کا قتل کیا تو سمجھو اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔“ اور تم اسلام ہی کو کیوں تارگٹ کیے ہوئے ہو۔ پہلے اپنے گریبان میں تو جھانکو امریکا کتنا امن پسند ہے اس کا اندازہ تو عراق اور افغانستان کو دیکھ کر ہی ہو جاتا ہے۔“ مائیکل کے طنز کرنے پر ہیری کے پاس کوئی جواب نہ تھا وہ دانت پیس کر رہ گیا۔

☆☆☆

ہیری اتنی جلدی اس کے ڈیڈ کو سب کچھ بتادے گا اسے ہیری سے ایسی امید نہیں تھی۔ مسٹر جوزف خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اس سے پوچھ رہے تھے۔

”تاؤ ہیری نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے؟“ وہ خاموش کھڑا تھا۔

”کچھ پوچھ رہا ہوں میں تم سے مائیکل؟“ انہوں نے پھر پوچھا۔

”ہیں ڈیڈ، میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اب میرا نام مائیکل نہیں محمد حادث ہے۔“ ماریہ اور جوزف کے چہرے کا رنگ یک دم اڑ گیا۔

”تمہارا دماغ خراب ہے۔ تم ایسا سوچنا بھی مت نہیں تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔“

جین ہو رہا تھا۔ وہ ایک طرف بیٹھے تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے۔

مائیکل نے ان کے پاس جا کر انہیں سلام کیا۔ مولوی احمد علی نے سلام کا فوری جواب دیا۔

”میرا نام مائیکل جوزف ہے، میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔“

مولوی احمد علی نے..... آسمان کی طرف ایک نگاہ کی پھر جوزف کو دیکھ کر سوچا۔ ”اس کے گھر کی کسے خبر جب جسے چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔“

☆☆☆

دو ہفتے گزر گئے وہ لڑکا پھر نظر نہیں آیا۔ اسے لگا وہ ڈراما کر رہا تھا صرف اسے متاثر کرنے کے لیے۔ دوسری طرف مائیکل، مولوی احمد علی کی دی ہوئی

کتابیں پڑھتا رہا اور ہر روز ان سے ملنے جاتا رہا، جو کچھ کتاب پڑھ کر سمجھ نہیں آتا وہ ان سے ڈسکس کرتا تھا۔ ان کے سمجھانے پر وہ بہت مطمئن ہو جاتا۔ وہ اب بھی مولوی احمد علی کی دی ہوئی ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ دروازہ کھلا۔

”ہائے کزن!“ ہیری کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ مائیکل نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تو ہیری حیران رہ گیا مائیکل کب اسے اتنی لفٹ کراتا تھا۔

”یہ کیا پڑھ رہے ہو؟“ ہیری نے کتاب اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ..... یہ تو مسلمانوں کی کوئی

کتاب ہے تمہارے پاس کہاں سے آئی؟“ ہیری نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”یہ میری کتاب ہے۔“

”واٹ..... تمہاری؟ مگر تمہیں کیا ضرورت پیش آگئی تھی اس کی؟“ ہیری کے ماتھے پر ہل تھے۔

”میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔“

”کیا..... ت..... تم..... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ انکل تمہیں شوٹ کر دیں گے مائیکل۔“

ہوئے گھر کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد مائیکل نے بائیک کا رخ اپنے گھر کی طرف موڑ لیا۔ سارا دن وہ یہ جین رہا اور ساری رات جاگتا رہا۔ ”وہ مجھے مذہب کی بیس پر رینجکٹ کر کے گئی ہے..... مجھے..... مائیکل جوزف کو۔“ وہ غصے میں چیخ رہا تھا۔

☆☆☆

آج پھر اسے وہاں کھڑا دیکھ کر ہادیہ کے چہرے پر ناگواری چھا گئی۔

”سنو! اگر تم مجھے صرف مذہب کی وجہ سے رینجکٹ کر رہی ہو تو میں تمہارا مذہب اپنانے کے لیے تیار ہوں۔“ ہادیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔

”کیا یہ شخص پاگل ہے؟“

”تم..... تم اسے مذاق مت سمجھو، آئی ایم سیریس! ہینڈڈ پرسنٹ سیریس، میں مسلم ہونا چاہتا ہوں۔“ مائیکل نے اسے یقین دلانا چاہا۔

”اگر مسلم ہونا چاہتے ہو تو وہاں جاؤ یہاں کیا کر رہے ہو؟“ ہادیہ نے دور بنی اپنے علاقے کی مسجد کی جانب اشارہ کیا اور گھر کی طرف چل دی۔

ڈرامے باز کہیں کا، مجھے پاگل سمجھتا ہے جو اس کی باتوں میں آجاؤں گی۔“ گیٹ سے داخل ہوتے

ہوئے ہادیہ بوڑھا رہی تھی۔

مائیکل دور کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جیسے ہی گیٹ سے اندر گئی تو وہ بھی وہاں سے چل دیا۔ اس کا رخ مسجد کی طرف تھا۔

مولوی احمد علی اس مسجد کے پیش امام تھے۔ ان کے چہرے پر ہمہ وقت مسکراہٹ رہتی، بہت نرم و سادہ طبیعت کے مالک مولوی صاحب تمام اہل حد کے کام آتے۔ آج وہ ظہر سے کافی پہلے مسجد میں آگئے تھے۔ جلدی آنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا دل بہت بے

جہاں اس کے بے چین دل کو قرار آتا تھا۔

☆☆☆

وہ فجر پڑھ کر مولوی احمد علی سے باتیں کر رہا تھا مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا یہ بات مولوی صاحب بھی محسوس کر رہے تھے۔

”حادثہ بیٹا کیا بات ہے؟“

”وہ جارہے ہیں..... وہ ہمیشہ کے لے امریکا جارہے ہیں۔ آج ان کی فلائٹ ہے۔“

”تو جاؤ ان سے مل آؤ بیٹا وہ تمہارے ماں باپ ہیں جتنا ہو سکے ان کی خدمت کرو۔ ان کا تم پر بہت حق ہے۔“ مولوی صاحب کے کہنے پر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے اپنے گھر گیا پتا چلا وہ اتر پورٹ کے لیے جا چکے ہیں۔ وہ فوراً اتر پورٹ کی جانب روانہ ہو گیا جہاں اسے جلد ہی اپنے ماں، ڈیڈ نظر آ گئے۔

”مام۔“ اس نے انہیں دور سے ہی آواز دی۔ ماریہ نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ حادثہ کو دیکھتے ہی انہوں نے بے تابی سے بازو پھیلا دیے۔ حادثہ نے بڑھ کر ان سے ملنا چاہا مگر اگلے ہی لمحے جوزف بیچ میں آ گئے۔

”مائیکل بن کر آئے ہو تو ٹھیک ہے لیکن اگر حادثہ بن کر آئے ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔ تم ہمارے کچھ نہیں لگتے۔“ ڈیڈ کے اتنے بے رحمانہ رویے پر حادثہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جوزف نے ماریہ کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گئے۔

”جوزف وہ ہمارا بیٹا ہے..... اس سے آخری بار مل تو لو۔“ ماریہ اپنے شوہر سے کہہ رہی تھی مگر وہ بغیر رے آگے چلے جا رہے تھے۔ حادثہ وہیں کھڑا انہیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ یہاں ہر دوسرا بندہ اپنے پیاروں کے جانے پر اٹھک رہا تھا مگر کوئی اس لڑکے کا اصل دکھ نہیں جانتا تھا جو مائیکل جوزف سے محمد حادثہ بنا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک بچہ اس کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور ایک بڑا سا لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ ”بھائی جان یہ وہ گاڑی والی آنٹی دے کر گئی ہیں۔“ بچے نے سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ گاڑی جا چکی تھی۔ اس نے وہ لفافہ بچے کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس لفافے کو چوم لے کیونکہ اس پر اس کی ماں کے ہاتھوں کا لمس تھا۔

اس نے لفافہ کھولا۔ لفافے میں اس کے ایجوکیشنل ڈاکومنٹس کے ساتھ ایک خط تھا۔ حادثہ نے بے چینی سے خط کھولا۔

”مائی سن مائیکل!“

میری جان واپس آ جاؤ۔ تمہاری ماں تمہارے لیے بہت تڑپتی ہے۔ جوزف کہتا ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔ سمجھ لوں کہ میرا کوئی بیٹا ہی نہیں تھا مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔ میں کیسے وہ وقت بھول سکتی ہوں جب تم میری گود میں آئے میں نے تمہیں چلنا سکھایا، بولنا سکھایا، تم..... تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو۔ تم دنیا میں کہیں بھی رہو کوئی بھی مذہب اپنا لو میرے بیٹے ہی رہو گے۔ میں نے تمہیں پیدا کیا ہے تمہیں پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ ہم اگلے نئے ہمیشہ کے لیے امریکا جارہے ہیں۔ تم لوٹ آؤ مائیکل ابھی کچھ نہیں بدلا۔ جوزف بھی تمہیں معاف کر دے گا اور خداوند بھی۔ میں تمہارا انتظار کروں گی، گاڈ بلیس یو۔ یاد رکھنا پیر صبح 9 بجے کی فلائٹ ہے۔

فقط
تمہاری بوڑھی ماں جو تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

وہ بے چین ہو گیا۔ اس کے مام ڈیڈ اسے چھوڑ کر جارہے ہیں۔ وہ عبدالحجیب صاحب سے ضروری کام کا کہہ کر مسجد کی طرف چل پڑا کیونکہ وہی وہ جگہ تھی

رہا تھا۔

مولوی احمد علی اسے دلا سا دے رہے تھے۔ ”بس بیٹا بس کرو بے شک تم حق پر ہو تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ تمہارے ماں باپ کو ہدایت دے اور اپنے کھانے پینے کی فکر ہرگز مت کرنا وہ ہے ناں۔“ مولوی احمد علی نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”وہ تو جانوروں کو، پرندوں کو اور پتھروں میں رہنے والے کیڑوں کو بھوکا نہیں سلاتا تو تمہیں بھی تنہا نہیں چھوڑے گا..... تمہیں تو اس نے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔“ وہ کئی دن مسجد میں رہا پھر مولوی صاحب نے اسے ایک شخص سے ملوایا۔

”یہ عبدالحجیب ہیں۔ ایک اسٹور چلا رہے ہیں۔ انہیں اپنی دکان کے لیے ایک ایماندار آدمی کی ضرورت ہے۔ میں نے انہیں تمہارا بتایا۔ یہ تمہیں اپنی دکان پر رکھنا چاہتے ہیں۔“ مولوی احمد علی کے بتانے پر حادثہ نے عبدالحجیب صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ میرے پاس کسی ایسے شخص کی گارنٹی نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں قابل اعتبار شخص ہوں۔“ حادثہ کے کہنے پر مولوی احمد علی اور عبدالحجیب مسکرائے۔

”میں آپ کی پوری کہانی سن چکا ہوں بیٹا۔ آپ کے لیے مجھے کسی کی گارنٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر حادثہ عبدالحجیب کی دکان پر ملازم ہو گیا۔ اس روز وہ کسی بچے کو اس کی مطلوبہ اشیا دے رہا تھا کہ اس کی نظر سامنے سڑک پر کھڑی ہوئی کار پر پڑی۔ گاڑی میں بیٹھی ماریہ جوزف نہایت دکھ سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ حادثہ کو اپنی طرف دیکھتا پکاراں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماریہ نے فوراً آنکھوں پر چشمہ لگایا اور گاڑی آگے بڑھادی۔

بھی ہدایت دے۔“

”یہ..... یہ بایک میں نے مائیکل کو دلائی تھی۔ یہ حادثہ کے لیے نہیں ہے۔“ جوزف نے بایک کی چابی دیکھتے ہوئے کہا۔ حادثہ کو ڈیڈ کے رویے سے بہت تکلیف ہوئی۔ اس نے فوراً مٹھی کھول دی۔ بایک کی چابی زمین پر گر گئی۔

”اس بیک میں کیا ہے؟“ جوزف نے بیک کی طرف اشارہ کیا۔

”اس میں میرے کچھ کپڑے اور میرے ایجوکیشنل ڈاکومنٹس ہیں۔“ حادثہ نے بہت مشکل سے بتایا۔ وہ بدقت اپنے آنسو روک رہا تھا۔ اسے ڈیڈ سے ایسے رویے کی امید نہیں تھی۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا، لاڈلا اور بہت پیارا۔

”یہ سب بھی میرے پیسوں کا ہے۔“ حادثہ نے فوراً بایک چھوڑ دیا۔ اس نے ایک شکایتی نظران پر ڈالی اور بیرونی گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ماریہ اسے جاتا دیکھ کر ایک دم گویا ہوش میں آئیں اور اس کے پیچھے جانا چاہا۔

”رک جاؤ ماریہ، جانے دو اسے۔ اگر اسے ہم سے ڈرا سی بھی محبت ہوگی تو لوٹ آئے گا، نہیں تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارا کوئی بیٹا نہیں تھا۔“ مسٹر جوزف کی بات سن کر ماریہ نے مڑ کر دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بھلا کیسے سوچ سکتی تھیں کہ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے وہ ماں تھیں..... ماں اولاد کو کیسے بھول سکتی ہے۔

☆☆☆

وہ رویا کب تھا..... اسے تو رونے کی عادت نہیں تھی۔ اس کے اپنوں نے کبھی اس کے ساتھ ایسا رویہ بھی تو نہیں رکھا تھا۔ مام، ڈیڈ اس کی ہر خواہش اس کے منہ سے نکلتے ہی پوری کر دیتے تھے مگر اب..... اب جو کچھ ہوا تھا وہ اس پر بچوں کی طرح رو

اس کی آنکھیں برسنے کو تیار تھیں۔
 ”تم کتنے احسان فراموش ہو۔ تمہارے میڈیکل میں ایڈیشن کے لیے میں نے تہی دعائیں مانگی تھیں کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ڈاکٹر بننا تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے اور تم..... تم میرے لیے اتنا بھی.....“ وہ رو پڑی۔

”ارے، ارے..... نہیں پلیرز روؤ مت۔ میں نے اب اسے بات کی تھی مگر وہ نہیں مانے۔ وہ سب تو میں نے تمہیں تنگ کرنے کے لیے کہا تھا۔“ معیز نے اسے چپ کرواتے ہوئے وضاحت دی۔

”ہادیہ پلیرز چپ ہو جاؤ نہیں تو..... نہیں تو میری ہنسی چھوٹ جائے گی۔“ اس کے رونے میں شدت دیکھ کر وہ ایک دم بول پڑا۔ ہادیہ کے چہرے پر ایک دم مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے سامنے رکھی کا پی معیز کے سر پر دے ماری۔ ”سچ کہہ رہا ہوں ایسی عجیب لگتی ہو روتے ہوئے کہ بس۔“ معیز پھر شرارت سے ہنسا۔ ”اوہ نوٹسری جماعت نکل جائے گی۔“ معیز کی نظر جیسے ہی گھڑی پر پڑی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ”ہاں یاد آیا۔ معیز کچھ یاد کرتے ہوئے ہادیہ کی طرف مڑا۔ ”آج ظہر کے وقت حارث بھائی سے ملاقات ہوئی تھی بہت اچھے انسان ہیں۔ اللہ تمہارے نصیب اچھے کرے۔“ بڑے مدبرانہ انداز میں دعادی گئی تھی۔ ہادیہ نے حیرت سے خود سے دو سال چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

☆☆☆

”آ..... آپ۔“ سامنے بیٹھے حارث کو دیکھ کر ہادیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”آپ تو وہ.....“ اس نے ذہن پر زور ڈالا۔ ”مائیکل.....؟“ بہت کوشش کے بعد بالآخر وہ نام یاد کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ حارث اس کی حیرت زدہ صورت دیکھ کر مسکرایا۔

”ہاں، میں پہلے مائیکل جوزف تھا مگر اب محمد

حارث کو یہ خبر سنائی تو ایک پل کو اسے یقین نہیں آیا۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ گیا۔

”ہاں بیٹا عبدالعزیز نے ہادیہ کے لیے ہاں کر دی ہے۔“

”ہادیہ، اس کا نام ہادیہ ہے؟“

”ہاں، ہادیہ نام ہے اس کا۔ بہت پیاری بچی ہے ماشا اللہ۔“

”ہاں اس کا نام ہادیہ ہی ہونا چاہیے تھا وہ میری ہدایت کا سبب بنی۔ اس نے میری زندگی ہی بدل دی۔ مجھے مائیکل جوزف سے محمد حارث بنا دیا۔“

☆☆☆

”اماں میرا بی ایس سی تو کپیٹ ہو جانے دیں۔“ شادی کی ڈیٹ رکھنے کا سن کر ہادیہ نے التجائیہ انداز میں ذکیہ بیگم کو دیکھا۔

”ہو جائے گا بی ایس سی بھی۔ تمہارے ابا نے بات کی تھی مولوی صاحب سے..... وہ کہہ رہے تھے کہ بھلے شادی کے بعد پڑھ لے حارث کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”مگر اماں۔“ ہادیہ نے رونی صورت بناتے ہوئے انہیں دیکھا۔

”اگر مگر اپنے ابا کے سامنے کرنا۔ میرے تو اپنے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے ہیں۔ تھوڑے سے دن رہ گئے، اتنا کام ہے۔“ ذکیہ بیگم پریشانی سے بولیں۔ ہادیہ نے سامنے بیٹھے کتاب کے مطالعے میں غرق معیز کو پر امید نظروں سے دیکھا۔

”معیز میرے بھائی تم اب اسے بات کرو ناں۔“ ہادیہ معیز کے بالکل سامنے بیٹھے ہوئے بولی۔

”آئی ایم سوری سسر۔ تم خود ہی کہتی ہو کہ میں چھوٹا ہوں اور چھوٹے ایسے معاملات میں نہیں بولتے۔“ معیز نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے شرارت سے کہا تو ہادیہ نے بے بسی سے اسے دیکھا

”وہ مسجد کے سامنے والے محلے میں رہتی ہے۔ براؤن کلر کا گیٹ ہے اس کا۔“ حارث انہیں ایڈریس سمجھانے لگا۔

”ارے وہ تو عبدالعزیز کا گھر ہے۔“ سکیزن بیگم ایڈریس سمجھتے ہی بولیں۔

”اس کی تو ایک ہی بیٹی ہے ماشا اللہ بہت نیک اور نماز روزے کی پابند بچی ہے۔“ سکیزن بیگم کے چہرے پر خوشی جھلک رہی تھی۔ انہیں بھی ہادیہ بہت پسند تھی ان کے دل میں اکثر یہ انہونی خواہش پیدا ہوتی تھی کہ کاش خدا انہیں ایک بیٹا دے دیتا تو وہ ہادیہ کو اپنی بہنوئی بن لیتیں۔

”بس مولوی صاحب کل ہی رشتہ لے کر چلیں گے عبدالعزیز کے ہاں۔“ سکیزن بیگم پر جوش ہو کر بولیں تو حارث مسکرایا۔

”ہاں نور۔ بلکہ کہو تو آج چلتے ہیں۔“ مولوی احمد علی کی بات سن کر حارث کا قہقہہ بلند ہوا۔

☆☆☆

عبدالعزیز صاحب مولوی احمد علی کی بات پر خاصے حیران ہوئے تھے وہ حارث کی ساری کہانی سے واقف تھے۔ جو کچھ عرصہ پہلے ان کے بڑے بھائی عبدالعزیز کے اسٹور پر بھی کام کر چکا تھا۔ انہیں حارث بے حد پسند تھا۔ وہ اس کی جرأت اور راست بازی و بہادری کو بے حد سراہتے تھے جس نے سچے مذہب کی خاطر روپیہ، پیسہ، اسٹیشن سب ٹھکرا دیا تھا۔ بات اپنی لڑکی کی تھی سو مولوی احمد علی کی بے پناہ سلی کے بعد انہوں نے ہاں کر دی تھی۔

اس رشتے کے لیے ہاں کرتے ہوئے وہ اب بہت خوش تھے۔ سکیزن بیگم کی خوشی کی بھی کوئی انتہا نہیں تھی۔ ان کی دلی تمنا پوری ہو رہی تھی۔ حارث انہیں اپنے بیٹے کی طرح ہی عزیز تھا۔ وہ حارث کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے بے تاب تھیں۔ جب انہوں نے

☆☆☆

آج وہ بہت عرصے بعد مولوی صاحب کے ہاں آیا تھا اور انہیں ماں، باپ کے جانے کی روداد سنار ہاتھا۔

”میری بس ایک ہی خواہش تھی کہ آخری دفعہ مام سے مل لوں مگر.....“ وہ رو رہا تھا۔

”بس حارث بیٹا صبر کرو۔ صبر کرنے والوں کو رب العزت بہت پسند کرتا ہے۔“ مولوی صاحب نے اسے سمجھایا۔

”بیٹا آزمائش پر ہی بندے کو تولا جاتا ہے۔ جو آزمائش پر پورا اترتے ہیں ان کے لیے میرے رب کے ہاں بڑے رتبے ہیں۔“ حارث نے آنسو صاف کر لیے تھے۔ وہ مولوی صاحب کی باتیں بہت غور سے سن رہا تھا۔ جب سکیزن بیگم چائے کا کپ لیے اندر آئیں۔

”کیسے ہو بیٹا؟ اتنے دنوں بعد چکر لگایا۔“ خیریت دریافت کر کے انہوں نے شکوہ بھی کر ڈالا۔

”بالکل ٹھیک ہوں آئی! بس نئی جاب ڈھونڈنے میں مصروف ہوں تو ٹائم نہیں ملتا تھا۔“ حارث نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ ”بس اب جاب مل گئی ہے تو جلدی جلدی آیا کروں گا۔“

”جیتے رہو۔“ سکیزن بیگم نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور سامنے کھینچی دوسری چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

”شادی کے کیا ارادے ہیں بیٹا۔ اب تو خیر سے تمہیں اتنی اچھی نوکری بھی مل گئی ہے۔“

”شادی.....“ حارث کو وہ لڑکی یاد آئی۔

”بیٹا تم نے اس لڑکی کا نہیں بتایا جس کے لیے تم نے اسلام قبول کیا تھا۔“ مولوی احمد علی بھی کچھ یاد کرتے ہوئے بولے۔

”کہاں رہتی وہ؟ مجھے بتاؤ میں خود رشتہ لے کر ان کے گھر جاؤں گا۔“ مولوی احمد علی کو حارث کی صورت میں بیٹا مل گیا تھا وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔

”ادی تم نے بھلا زندگی کو دیکھا ہی کب ہے۔ ایک محل سے نکل کر دوسرے محل میں آئیں۔ پھولوں میں تلخیں، سونے کے پینگوڑے میں جھولیں، تمہارے ساتھ بھلا زندگی نے کیا برا کیا.....؟ یہی نا کہ مراد سائیں نے دوسری شادی کر لی..... پر تمہارا تو کوئی حق نہیں مارا نا..... اولاد تو ضرور چاہیے ہوتی ہے مرد کو۔ سات سال تمہیں بھی تو اس نے پھولوں کی سیج پر بٹھایا، ہاتھوں کا چھالا



”آج میں بہت خوش ہوں آج میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہو گئی ہے۔ میں نے دل کی گہرائیوں سے تمہیں مانگا تھا۔ میرے پروردگار نے مجھے ہدایت بھی دے دی اور ہادیہ بھی۔“ حارث اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

”جانتی ہو میں نے تمہیں پہلی دفعہ کہاں دیکھا تھا؟“ ہادیہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ اسے ساری بات بتانے لگا کہ وہ کس طرح دور بین کے ذریعے اسے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا کرتا تھا۔ ہادیہ آنکھوں میں حیرت سموئے اس کی باتیں سن رہی تھی کہ فجر کی اذان پر حارث نے وال کلاک کو حیرت سے دیکھا۔

”ہم پورے چھ گھنٹوں سے باتوں میں مصروف ہیں اور پتا ہی نہیں چلا اتنی جلدی وقت گزر گیا۔“ ہادیہ نے اثبات میں گردن ہلا کر اس کی تائید کی۔

”اب بھی بہت سی باتیں رہتی ہیں اور تم سے ایک بات بھی پوچھنا تھی اس لڑکے کے بارے میں۔“ حارث شرارت سے بولا۔

”کس لڑکے کے بارے میں؟“ ہادیہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”وہی..... وہ جو ایک لڑکا تمہیں بہت تنگ کرتا تھا، کیا نام تھا اس کا.....“ حارث نے خود کلامی کی اور ذہن پر زور ڈالنے کی ایکٹنگ کی۔ ”ہاں، مائیکل نام تھا شاید۔“ حارث کے ہونٹوں پر شریک مسکراہٹ تھی۔ اس کی بات سن کر ہادیہ بھی ہنس پڑی۔

حارث اٹھا اور تیار ہو کر مسجد کی طرف چل پڑا۔ وہ بے حد خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ ہادیہ کے سنگ اس کی زندگی بہت اچھی گزرے گی۔ وہ اس کی ہدایت کا سبب بنی تھی وہ اس کی ہادیہ تھی اس کے توسط سے اس نے اپنے رب کو پہچانا تھا اور ہدایت پا گیا تھا۔

حارث ہوں۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔“ کچھ دیر اس کی حیرت سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس نے بولنا شروع کیا۔

”اور تم ہی میری ہدایت کا سبب بنی ہو۔ تم نے اس دن میری رہنمائی کر کے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اس دن میں بہت جذباتی ہو رہا تھا کہ کیسے ایک مڈل کلاس لڑکی مجھے رنجیکٹ کر سکتی ہے صرف مذہب کو بنیاد بنا کر..... بس پھر میں تمہاری بتائی مسجد میں چلا گیا۔ وہاں مجھے مولوی احمد علی مل گئے انہوں نے مجھے اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرنے کو کہا۔ مجھے قرآن پاک کی تفسیر پڑھنے کی ہدایت کی۔ میں جیسے جیسے پڑھتا گیا میری ذات میں ٹھہراؤ آتا گیا۔ مجھے اپنے اندر سکون اترتا محسوس ہونے لگا۔ میں نے اپنے رب کو پہچانا کہ وہ وحدہ لا شریک ہے، وہ اکیلا ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔“ وہ بڑے جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ”اور پھر مجھے اپنی پچھلی پچیس سالہ زندگی پر بہت شرمندگی محسوس ہوئی کہ میں نے اتنا عرصہ شرک کی زندگی گزاری ہے۔ مجھے لگا کہ وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔ میں نے اتنا عرصہ اتنا بڑا گناہ کیا اس کی وحدہ لا شریک ذات کو ماننے سے انکار کیا۔“ ہادیہ بہت سنجیدگی اور انہماک سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”مگر پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ تو بہت غفور الرحیم ہے۔ اگر بندہ سچے دل سے توبہ کر لے، وہ اپنی جبین نیاز اس کے حضور جھکا دے تو وہ رب کا نجات اسے معاف فرما دیتا ہے۔ بس پھر میرے دل نے گواہی دے دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے اور حضرت محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ ہادیہ کو اپنی قسمت پر رشک آ رہا تھا کہ اس رحمن ذات نے اس پر اتنا بڑا احسان کیا وہ اس شخص کی ہدایت کا سبب بن گئی..... اور یہ کہ اتنا بہترین شخص اس کی زندگی کا ساتھی بن گیا۔

بنائے رکھا اور اب بھی تجھے بھولا تو نہیں ہے۔ اب بھی چکر تو لگا تا رہتا ہے دو تین مہینے بعد۔“ وہ کچھ دیر سانس لینے لگی۔

”ہمیں دیکھو زندگی نے تو ہمیں ٹھوکروں پر رکھا ہوا ہے ادی! پیدا ہوتے ہی فٹ بال کی طرح اچھالنا شروع کر دیتی ہے، کبھی ہماری طرف آؤ تو تمہیں پتا چلے زندگی کیسے ٹھوکروں پر رہتی ہے۔“ ماروی کسی دانشمندی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔

”تم کیا جانو ماروی..... زندگی نے ہم سے کتنا بڑا امتحان لیا ہے..... دیکھو ناں ایک مرد کے شادی کر لینے سے کیسے سب نے آنکھیں پھیر لیں، کوئی پوچھتا نہیں، بلاتا نہیں..... تائی حاجراں..... نہ ادی سکین..... نہ ادا سکندر اور نہ ہی اس کی بیوی.....“ آمنہ شاہ اسے کسی سبیلی کی طرح لینا دکھاتا نہ لگی۔

وہ اب اکثر سوچنے لگی تھی زندگی کبھی کبھی انسان سے بڑا سخت امتحان لیتی ہے۔ جیسے زندگی نے اس سے لیا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کیا زندگی ہر ایک سے ایسا ہی سلوک کرتی ہے، جیسا اس نے میرے ساتھ کیا۔ تب وہ اپنے ارد گرد موجود ہر چہرے کو کھوجنے لگتی..... اور اس کے ارد گرد بسنے والے ہر چہرے پر نگاہ اُسے جو سکون، طمانیت اور خوشحالی کے رنگ بھرے نظر آتے، وہ اسے بتاتے کہ نہیں زندگی ہر ایک کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتی..... کم از کم اس کے ارد گرد بسنے والے لوگوں کے ساتھ زندگی نے بہت اچھا سلوک کیا تھا..... شاید صرف وہ ہی ہے تھا جسے زندگی نے اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا ہے۔

”اولاد کا نہ ہونا کوئی ایسا عیب تو نہیں ادی جس پر تمہیں شرمندگی ہو، یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ نے اگر تمہارے اندر کوئی کمی رکھ دی ہے تو اس کی مرضی..... یہ تو بنانے والے پر ہے ناں، وہ جیسا چاہے ڈھال دے، جیسا چاہے بنادے۔ چاک پر ٹھوسا برتن اپنی مرضی سے تو کوئی شکل اختیار

نہیں کرتا ناں..... پھر ہمیں کیا پتا پیدا کرنے والے کو کیا آزمائش مقصود ہو جو اس نے تمہارے اندر یہ کمی رکھ دی۔“ آج پھر ماروی اسے سمجھا رہی تھی۔

”آزمائش.....؟“ آمنہ شاہ حیرت سے ماروی کو دیکھنے لگی۔

”ہاں تمہارے صبر اور شکر کی آزمائش ادی! کیا پتا تمہارا یہ صبر اور شکر مراد سائیں کو کبھی تم سے دور نہ جانے دے۔“ وہ اسے امید دلاتی۔

”بھلا کبھی کسی نے ساری عمر بے شر درختوں کی بھی آبیاری کی ہے ماروی؟“ آمنہ شاہ کا دکھ اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگتا۔

”جن درختوں پر پھل نہیں لگتا ادی وہ چھاؤں تو دیتے ہیں ناں..... ان کی لکڑی تو کام آتی ہے پھر وہ بے شمر کیسے رہے؟“ ماروی نے بڑی سمجھ کی بات کی تھی۔

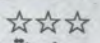
”یہ تجھے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنا کہاں سے آگئی ہیں ماروی؟“

”بس زندگی نے سکھایا ہے ادی۔“ وہ اداسی سے بولی۔

”تم نے نہ تو بڑی بڑی کتابیں پڑھیں، نہ اسکول، کالج کی شکل دیکھی اور کوئی باتیں سننے تمہاری تو فلسفیوں جیسی۔“ آمنہ شاہ حیرت سے کہہ رہی تھی۔

”ادی زمانے کی کتاب تو بچپن سے پڑھ رہی ہوں، تب سے..... جب شاید الفاظ بھی بولنا نہیں آتے۔ ہاں، آنکھیں سب کچھ دیکھتی تھیں اور دل پر نقش ہو جاتا تھا۔“

کسی نے ماروی کو آواز دے کر بلا لیا اور آمنہ اپنے کمرے میں اکیلے رہ گئی۔ وہ تھی اور اس کی سوچ.....



”ہمارے ساتھ تو سائیں فیروز نے اتنا وقت کبھی نہیں گزارا، نہ ایسے چوخیلے کیسے تو کرتا ہے مراد.....“ یہ تو ادا فیروز سے پوچھو بھو جانی وہ تمہارے ناز کیوں نہیں اٹھاتا تیں تو اپنی بیوی کے ناز اٹھاؤں گا۔“ مراد بس کر شرارت سے اسے دیکھتا۔ اور وہ کیسے خنجر سے گردن اکڑا کے بھوجا جانی مول کو دیکھتی تھی

براب مول دو سالہ عمر کو گود میں بھرے جب ادا فیروز خود بچتی تو اس کی گردن بھی ایسے ہی خنجر سے اکڑی ہوتی۔ مراد نے اسے چاہا بھی تو بہت تھا۔

وہ اس کے بچپن کی منگ تھی اور سگے چاچا کی بیٹی..... مراد تو بچپن سے ہی چکوری طرح اس کے گرد چکراتا تھا۔ اللہ نے اسے بے تحاشا حسن سے نوازا تھا اور پھر وہ واحد لڑکی تھی جو بڑھ رہی تھی۔ تعلیم نے بھی اس کی شخصیت میں نکھار پیدا کر دیا تھا۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، اوڑھنا، پہننا سب مختلف تھا..... حویلی کی دوسری لڑکیوں سے الگ ہی دھتھی تھی وہ۔ اس کے اللہ نے اسے بھر بھر کے دیا تھا سب کچھ..... پیار، محبت، دولت۔ سارے ریت رواج ایک طرف رکھ کر بابا سائیں نے اسے شہر پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔

”ادا کیا کرے گا اسے اتنا پڑھا کر..... کام کاج سارا جانتی ہے، چار حرف لکھ کر پڑھ لیتی ہے، بس کافی ہے۔“ بڑے بابا نے منع بھی کیا تھا۔

”مراد جو اتنا پڑھ رہا ہے تو کیا میری بیٹی اُن پڑھ رہ جائے..... قدر نہیں کرے گا وہ میری بیٹی کی..... وہ مراد جتنا نہ پڑھے پر اتنا تو پڑھ لے کہ مراد کے قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔“

”نہ تو پہلے کون سا ہماری بیٹیاں بہویں شوہروں کے قدم سے قدم ملا کر چلتی ہیں جواب آمنہ نے چلنا ہے؟“

”چلو وہ قدم پیچھے سہی بابا پر جب دونوں مل کر بیٹھیں تو ایک دوسرے کی بات سمجھ تو سکیں ناں، ایسا نہ ہو کہ سکندر کی طرح مراد شہر میں دوستیاں بناتا

امتحان

پھرے صرف اس وجہ سے کہ سیکہ اسے نہیں سمجھتی، وہ کوئی بات اس کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتا۔“

بابا سائیں کو لا جواب کرنا آتا تھا اور تایا سائیں لا جواب ہو جاتے تھے اور وہ ادا مہروز اور بھابی کے پاس لاہور پڑھنے آگئی تھی۔

بابا سائیں کی تین ہی اولادیں تھیں۔ فیروز، مہروز اور پھر آمنہ شاہ..... مہروز نے بابا سائیں کی مرضی سے سیرینا سے شادی کی تھی..... جو اُن کی یونیورسٹی فیلو تھی۔ اور وہ لاہور میں ہی سیٹلڈ تھا۔ مراد بھی بھانے بھانے ان کے گھر آ جاتا۔

”بھابی ہاشل کا کھانا کھا کر دل اوب گیا ہے۔“

”پہلے تو ہاشل کا کھانا اتنا برا نہیں تھا مراد بھابی ہاں بس اب ہو گیا ہے ناں۔“ اور بھابی سیرینا مسکرا دیتیں۔

اور پھر موقع ملے ہی وہ اس کے گرد چکرانے لگتا، کتنے خوب صورت دن تھے وہ۔ محبت نے اس کے گرد ہالہ سا بنا رکھا تھا۔

”تم پڑھی لکھی ہو، مراد تمہیں اتنا چاہتا ہے۔“ سیرینا کہتی.....

”کیا ادا مہروز آپ کو نہیں چاہتے؟“ وہ فوراً سوال کرتی۔

”چاہتے تو ہیں لیکن بڑا روکھا اور خشک بندہ ہے تمہارا بھرا۔“

سیرینا کا تعلق لاہور سے تھا۔

”پر بھو جانی مول تو کہتی ہیں کہ.....“ وہ جھجک جاتی۔

”بولو ناں کہ عشق لڑایا ہے دونوں نے یہی کہتی ہے ناں مول۔“

”ہاں۔“ وہ نظریں جھکا لیتی۔

”تمہارا بھائی صرف میری ذہانت سے متاثر ہوا تھا اور یونیورسٹی میں پڑھائی کے دوران ایک بار بھی اس نے کچھ نہیں کہا..... بس جس روز آخری پیپر تھا مجھ

پتا نہیں چلا کہ اب ادی سکینہ اور تائی حاجرہ نے بھی ماروی کو اپنے کاموں کے لیے بلانا شروع کر دیا تھا۔ ہولے ہولے وہ ماروی کی باتوں میں دلچسپی لینے لگی۔ اس سے اپنی باتیں اور دل کے عہد کہنے لگی۔ اسے لگنے لگا تھا کہ ماروی اس کی سبیلی ہے جو اس سے زیادہ سیانی ہے۔

”ماروی تو روتی کیوں ہے؟“ اس روز اپنے کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے اسے روتے دیکھ کر آمنہ نے پوچھا۔

”بس یوہی ادی۔“

”یونہی تو کوئی نہیں روتا ماروی، اتنی چھوٹی سی عمر میں کیا دکھ پال لیے ہیں تو نے؟“ وہ بڑی ہمدردی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

”دکھ تو ہمیں ورثے میں ملتے ہیں ادی۔ میراث ہوتے ہیں ہماری۔“

”پھر بھی کیا دکھ ہے کچھ تو کہو کیوں روتی ہو؟“

”کہاناں ادی یوہی روتی ہوں۔۔۔۔۔ ابایا یاد آتا ہے۔۔۔۔۔ اپنی ادی یاد آتی ہے۔۔۔۔۔ اپنا گونگھ یاد آتا ہے۔۔۔۔۔ اپنے سے چھوٹا بھائی شہباز قلندر یاد آتا ہے۔“ اور آمنہ شاہ کو ہنسی آگئی۔

”بھئی کیا بات ہے، تمہارا نام ماروی، باپ کا نام دتا یو فقیر، بھائی کا شہباز قلندر، شاہ لطیف کسی کا نام نہیں ہے کیا؟“ وہ مذاقاً کہنے لگی۔

”میرے چاچا کا نام ہے، شاہ لطیف اور یہ سارے نام میری دادی نے رکھے تھے۔ شاید وہ مجھ سے تھی ایسے نام رکھنے سے ابادتا یو فقیر اور چاچا شاہ لطیف جیسے بن جائیں گے۔“ وہ سر جھکائے ناخنوں سے کارپٹ کے ریشوں کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔

”تجھے سب یاد آتے ہیں ماروی تو، تو ان سے ملنے کیوں نہیں چلی جاتی۔۔۔۔۔ کہاں ہے تیرا گونگھ، چل میں تجھے ملانے لے جاتی ہوں۔“

”میں گونگھ جاسکتی ادی، ان سب سے مل سکتی تو

ہو گئے تھے اسے گھر کا چکر لگائے۔ رائیل جوان پڑھ لکھی اور معمولی شکل صورت کی تھی۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتی تھی لیکن اب اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی اس نے مراد کے دل سے آمنہ کا نام کھرچ ڈالا تھا۔ وہ جو کہتا تھا تمہارے پتا

ایک، ایک لکھ صدی بن جاتا ہے۔۔۔۔۔ وہ چھ ماہ سے اسے بھولا ہوا تھا اور ماروی کو کیا پتا کہ یہ کتنا بڑا

استحسان تھا جو زندگی آمنہ شاہ سے لے رہی تھی کہ مراد

سائیں، رائیل میں کھو کر اسے بھلا چکا تھا۔

ادی سکینہ اور بھوجائی مول عجیب نظروں سے اسے دیکھتی تھیں اور اسے ان کی نظریں اپنے اوپر ہنسی محسوس ہوتیں۔ اسے بھائی سیرینا کی یہ بات بہت یاد آتی تھی کہ ”جو بھائے پیامن وہی سہاگن۔“ اور

اس نے سارے لیے، گوٹے، ستاروں اور موتیوں والے کپڑے سنبھال کر بکسوں میں رکھ دیے تھے کہ

ایسے کپڑے تو من چاہی سہاگنیں پہنتی ہیں ناں۔۔۔۔۔

”نہ، نہ ادی ایسا نہ سوچا کریں۔“ ماروی اسے ٹوک دیتی۔ ”اللہ سائیں مراد کو سلامت رکھے۔“

ماروی کے ساتھ اس کا بڑا دل لگتا تھا۔۔۔۔۔ ماروی پندرہ سولہ سال کی تھی لیکن باتیں ایسی کرتی جیسے ایک دنیا دیکھ

رہی ہو۔ ماروی کو ادا احمد روز لایا تھا اس کے پاس۔

”اسے رکھ لو آمنہ۔۔۔۔۔ بڑی اچھی لڑکی ہے، تیری خدمت کرے گی، اسے بس پناہ چاہیے اور گھر کا تحفظ۔۔۔۔۔“

ادا کو وہ کہاں سے ملی تھی۔۔۔۔۔ اور اس کا خاندان

کیا تھا اس نے کوئی کرید نہیں کی۔ وہ تو مراد کے جانے کا غم مناتی تھی۔ سارا دن ماروی پاس بیٹھی ہوتی تب بھی وہ کھوئی رہتی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا تھا

کہ ماروی نے اس کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ذمے لے لیے۔ اس کے کپڑے استری کرنا۔۔۔۔۔

کمرے کی صفائی کروانا۔ چیزیں ترتیب سے رکھنا۔۔۔۔۔ ڈائننگ ہال میں جانے کا موڈ نہ ہونا ناشتا

کھانا سب ٹرے میں سجا کر لے آتی اور اسے تو یہ بھی

اولاد کی خاطر۔۔۔۔۔“

”اور تم کرلو گے مراد دوسری شادی؟“

اس نے بڑے مان سے اسے دیکھا اور پھر اس کا

کام ٹوٹ کر کچی کچی ہو گیا تھا۔

”میں تمہارا پہلے کی طرح ہی خیال رکھوں گا

آمنہ۔۔۔۔۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں آج بھی۔۔۔۔۔ میں ساری زندگی انتظار کر سکتا تھا لیکن تم

جانتی ہوناں ڈاکٹر نے تو کوئی آس ہی نہیں دلائی۔۔۔۔۔

صاف کہہ دیا زندگی بھر تمہارے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ پھر تم ہی بتاؤ بابا سائیں اور اماں کی

بات کیسے نالوں؟“

”کیا زندگی اولاد کے بغیر صرف محبت کے

سہارے نہیں گزر سکتی مراد؟“ اس نے بڑی آس سے اسے دیکھا۔

”ہم ایڈھی سینٹر سے کوئی بچہ لے لیں گے۔“ وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔

”وہ بچہ ہمارا تو نہیں ہوگا ناں آمنہ، اس سے بابا

کی نسل تو نہیں چلے گی۔۔۔۔۔ اور پھر میں کہہ رہا ہوں آمنہ

تمہارا جو مقام ہے وہ بھلا رائیل کا کیسے ہو سکتا ہے۔“

رائیل سومر دتائی حاجرہ کی بیٹی اور مراد کی

ماموں ڈاڈھی۔ تائی تو پہلے دن سے ہی چاہتی تھیں مگر

شوہر اور دپور کے آگے کچھ نہ کر سکیں مگر اب انہیں

جو ازل گیا تھا۔ وہ اسے تسلیاں اور دلا سے دیتا رہا۔

”دیکھو، میرا پہلا بچہ تمہاری ہی گود میں لے

گا آمنہ۔“ اس نے شاید آمنہ کو خوش کرنے کی کوشش کی

تھی لیکن کیا اب آمنہ کبھی خوش ہو سکتی تھی۔ کوئی بھی

بھلا واکوئی بھی لفظ اسے خوشی دے سکتا تھا؟ پھر مراد،

رائیل سومر کو بیاہ کر کراچی لے گیا۔۔۔۔۔ اس گھر

میں جو اس نے آمنہ کے لیے خریدا تھا۔

شروع کے دنوں میں تو وہ مہینے میں دو چکر

لگاتا۔۔۔۔۔ آمنہ کو اپنی محبتوں کا یقین دلاتا۔۔۔۔۔ پھر دو

مہینے بعد۔۔۔۔۔ پھر وقفہ بڑھنے لگا اور اب تو چھ ماہ

سے آکر کہا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے، جلد ہی رشتہ بھیجے گا۔۔۔۔۔ اور میں ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی۔“

”اور مراد۔۔۔۔۔“ آمنہ سوچتی۔۔۔۔۔ اس کے پاس

تو الفاظ کا نہ جانے کتنا بڑا ذخیرہ تھا جو وہ ہر روز اسے

دان کرتا تھا۔

”آمنہ کبھی کبھی تو لفظ کم پڑ جاتے ہیں تمہیں یہ

بتانے کے لیے کہ تم میرے لیے کیا ہو۔“

وہ ایسا ہی تو تھا اس کی محبت میں دیوانہ اور پھر نہ

جدائی کا خوف تھا، نہ محبت کی ناکامی کا ڈر۔ سکینہ

کی شادی پر دونوں کا نکاح بھی ہو چکا تھا اور آمنہ شاہ

جتنا بھی خوش ہوتی، فخر کرتی کم تھا اور پھر اس کے

گریجویشن کرتے ہی مراد نے رخصتی کا شور مچا دیا۔

”مجھے ایم اے تو کرنے دو مراد۔“

”بس اور صبر نہیں ہوتا آمنہ۔۔۔۔۔ بہت انتظار

کر لیا۔“ اور پھر گھر میں شادی کی تیاریاں شروع

ہو گئیں اور وہ مراد کی دلہن بن کر اس کے آگن

میں اتر آئی۔ زندگی پہلے بھی کم خوب صورت نہ تھی

اب مراد کی سنگت میں اور بھی خوب صورت ہو گئی

تھی۔۔۔۔۔ ادی سکینہ، تائی حاجرہ سب ہی اس سے

محبت کرتے تھے۔۔۔۔۔ پھر کون سا وہ کسی غیر کے گھر گئی

تھی جو اسے کوئی پریشانی ہوتی، وہ پیارے من کو بھائی

ہوئی تھی تو سب ہی اس کی قدر کرتے تھے۔ سات

سال، پورے سات سال وہ مراد کی محبتوں کے

ہنڈولے میں جھولتی رہی۔۔۔۔۔ اور اسے خبر بھی نہیں

ہوئی کہ گھر میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔۔۔۔۔ وہ باتیں جو

پہلے دبی دبی زبان میں ہوتی تھیں انہی باتوں کے

تجے بلند ہو گئے اور شاید بدل بھی گئے تو وہ چونکی۔

”مراد یہ کیا ہے؟“

”کیا؟“ مراد نے نظریں چرائیں۔

”یہی ادی سکینہ اور تائی حاجرہ جو تمہاری

دوسری شادی کی باتیں کر رہی ہیں۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ اماں چاہتی ہیں میں شادی کر لوں

سارنگ کو دے دیا تھا..... سارنگ کی نوایاں بھی شاید عمر میں مجھ سے بڑی تھیں۔ میری عمر بارہ سال تھی ادی اور سارنگ کی ستر کے قریب تو ضرور ہوگی۔“ آمنہ شاہ نے دانتوں میں انگلی داب لی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”پھر کیا تیری شادی ہوگئی اس بڑھے سے؟“ ماروی کے لبوں پر مدہم سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہوگئی۔

”نہ ادی میری شادی نہیں ہوئی..... میں تو.....“ لمحے بھر کے لیے وہ چپ کر گئی..... پھر اس نے سر اٹھا کر آمنہ شاہ کی طرف دیکھا جو اب بھی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں تو سننے کے کپڑے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ کپڑے اور چوڑیاں جو سائیں سارنگ نے بھجوائی تھیں لیکن وہ جو میری ادی تھی وہ مجھے گلے لگا لگا کر روتی تھی اور بابا کے سامنے ہاتھ جوڑتی تھی اور مجھے سمجھ نہیں آتا تھا کہ ادی اتنا روتی کیوں ہے اور بابا سے کیا کہتی ہے۔“

”تو جا اپنے گھر۔ بابا نے ایک دن ادی سے کہہ دیا۔ میرے معاملے میں نہ بول۔ ادی روتی ہوئی جانے لگی تو میں اس سے لپٹ گئی اور رو کر کہا۔

ادی نہ جاؤ۔ ادی کی شادی اماں کی زندگی میں ہی ہوگئی تھی اور وہ دوسرے گوشے میں رہتی تھی۔ وہ بابا کی طرف دیکھنے لگی۔ بابا کچھ کہے بنا باہر نکل گیا..... ادی ایک بار پھر مجھ سے لپٹ کر رونے لگی..... اس رات ادی نے مجھے بتایا تھا ”وہ دن

بعد سائیں سارنگ سے تیرا بیاہ ہے اور وہ جو سارنگ کی بیٹی ہے ناں پہل وہ بدلے میں ہماری ماں بن کر اس گھر میں آئے گی۔“ میں آنکھیں پھاڑے ادی کو دیکھتی رہی اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ اس رات ہم دونوں بہنیں جاگتی رہیں۔ دوسری کوٹھڑی میں بابا اور شہباز قلندر سوتے تھے۔ صبح ادی نے جب بابا کو

”پر اتنی مشکل بھی تو نہیں ہے نا ادی رت سائیں کبھی آپ کی زندگی مشکل نہ کرے۔“ ”ماروی تو بھی ناں..... تو نہیں سمجھتی میرا دکھ..... تیرے ساتھ ایسا ہوتا ناں تو.....“

”میرے ساتھ جو ہوا ہے ادی اللہ سائیں کسی کے ساتھ ایسا نہ کرے۔“ ماروی ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”تیرے ساتھ.....؟ تو نے بتایا نہیں کہ تیرے ساتھ کیا ہوا..... تو کیوں نہیں اپنے گوشے جاسکتی؟“

”میرے ساتھ ادی.....“ ماروی کی آنکھیں جلنے لگیں تو اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

”میری ماں جب مری تو میری عمر دس سال تھی دو سال بعد میرے باپ نے مجھے ”پیٹ دے دیا۔“ جانتی ہوتاں ادی..... ”پیٹ دینا“ کی رسم کیا ہوتی ہے؟“

”نہیں۔“ آمنہ شاہ حیرت سے اسے تنکے لگی۔ ”ہاں تمہیں بھی کیا خبر ہوگی ادی، تم شہروں میں رہیں، شہروں میں پلی بڑھیں جو وقت تم نے ادھر گزارا بھی تو اپنے گھر میں حوصلی میں بند..... تم کیا

جانو ادی ہمارے رسم و رواج، کیسے ہمیں پل پل مارتے ہیں، پتا نہیں یہ رواج کس نے ڈالے تھے، ادی تجھے کچھ خبر ہے؟“ اس نے سر اٹھا کر آمنہ شاہ کو دیکھا اور اپنی طرف اسے دیکھتا یا کر ماروی کو کچھ یاد آیا

کہ وہ تو اسے ”پیٹ دینا“ کے متعلق بتانے لگی تھی۔ ”ادی اس رسم کا مطلب ہے بیٹی کے بدلے بیٹی دینا، میرے بابا نے بھی سائیں سارنگ کی بیٹی سے شادی رچائی اور بدلے میں مجھے سائیں سارنگ کو دے دیا..... سارنگ کی چار بیٹیاں تھیں بیٹا کوئی نہیں تھا اس لیے بابا نے مجھے سارنگ کو ہی دے دیا..... سارنگ عمر میں میرے بابا سے بھی دس سال

بڑا تھا۔ اس کی تین بیٹیاں بیاہی تھیں اور ایک کنواری جس کا رشتہ بابا نے لے کر بدلے میں میرا رشتہ

اس حوصلی میں صرف آمنہ کی ہو کر رہی تو جلد ہی اس پناہ گاہ سے نکال دی جائے گی پھر وہی آبلہ پانی کا سفر جس کی مسافت کے نشان اب بھی روح اور جسم پر موجود تھے۔ اسے لگتا تھا جیسے پاؤں اب بھی دھوپ کی شدت سے جلتے ہوں اور چھالوں سے لہو بہتا ہو۔ اس نے ادی سکینہ کو بھی خوش رکھا ہوا تھا اور تائی حاجراں کو بھی..... اور آمنہ شاہ تو تھی ہی اپنی محبت کے پچھڑ جانے کے غم میں ڈوبی اسے اپنے ارد گرد ماروی کی موجودگی کا کم ہی احساس ہوتا تھا۔

اب بھی ماروی چلی گئی تو وہ ماضی میں کھو گئی تھی..... سات سالوں پر محیط ماضی..... جب شادی کے بعد پہلی بار وہ مراد کے ساتھ نارن ایریا گئی تھی۔ مراد کی ہانہوں میں پائیں ڈالے لالہ زار اور سیف الملوک پر گھومتی رہی تھی۔ وہ ایک ایک بات یاد کرتی..... اور یادوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا.....

”کیا سوچتی ہیں ادی؟“ ماروی ان کے کام انجام دے کر واپس آ جاتی۔

”سوچتی ہوں ماروی میرے جیسا بھی کوئی بد نصیب ہوگا؟“

”نہ ادی، ایسا تو نہ کہیں..... اللہ نہ کرے آپ بد نصیب ہوں۔“

”اور بد نصیبی کیا ہوتی ہے ماروی؟“ آمنہ شاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ”مراد مجھے بھول ہی گیا ہے۔ کتنے مہینے ہو گئے ہیں۔“

”کیا پتا کسی کام میں اب مجھے ہوں؟“

”ایسے بہلاؤں سے کیا میں بہل جاؤں گی ماروی؟“

”بہلانا تو پڑتا ہے ناں ادی..... ورنہ زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔“ ماروی کسی ناحق کی طرح اسے سمجھاتی۔

”زندگی اب کون سی آسان ہے؟“

یہاں کیوں آتی..... انہیں یاد کر کے کیوں روتی؟ وہ بڑے دکھ سے کہہ رہی تھی۔

”تو کیا زندگی ماروی سے بھی امتحان لے رہی ہے۔“ اس نے یہ آواز بلند سوچا تھا یا ماروی نے اس کی سوچ بڑھ لی تھی۔

”ہمیں تو پیدا ہوتے ہی ایسا امتحانی پرچہ تھا دیا جاتا ہے جسے ہم ساری زندگی حل نہیں کر پاتے۔ بس پرچہ تھا اس امتحانی ہال میں ہی بیٹھے رہتے ہیں۔ ہماری تو پوری زندگی ہی امتحان ہوتی ہے ادی۔ آپ کس امتحان کی بات کرتی ہیں۔“ اس نے بڑی گہری بات کی تھی۔

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں..... ماروی تو بھلا کیوں نہیں جاسکتی ان سے ملنے؟“

”کیا سائیں ہر روز نے آپ کو نہیں بتایا ادی؟“

”نہیں.....“ آمنہ شاہ نفی میں سر ہلا دیا۔

”میں تو ادی.....“ وہ بتانے ہی لگی تھی کہ تائی حاجراں نے اسے بلایا۔

”ماروی ذرا آکر میرے پاؤں داب دے۔“ ماروی معذرت طلب نظروں سے آمنہ شاہ کو دیکھتے ہوئے کارپٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے یہاں رہنا تھا اور وہ یہاں رہ کر تائی حاجراں اور ادی سکینہ کی مخالفت مول نہیں لے سکتی تھی۔ بلاشبہ سائیں ہر روز نے اسے آمنہ شاہ کے پاس چھوڑا تھا..... وہ اس کی دوسرا ہٹ کے لیے اسے اس کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ حالانکہ اپنے بابا سائیں کی حوصلی میں وہ اپنی ماں کے پاس بھی چھوڑ سکتے تھے

لیکن انہیں آمنہ شاہ کے دکھ کا احساس تھا اس کی تنہائی کا خیال تھا..... اماں نے انہیں بتایا تھا کہ سارا دن بیٹھی دیواروں سے باتیں کرتی ہے اور انہوں نے یہ بات ماروی کو بھی سمجھا دی تھی لیکن ماروی کو زمانے نے

جو سکھایا تھا اس نے اسے بتا دیا تھا کہ یہاں شاہوں کی

غزل

فلکت و ریخت کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
ابھتی سانسوں کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
دعائیں مانگی تھیں خوشیوں کی، کیا ملا ہم کو
غم و آلام کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
محبوبوں کا یہ سسکول ہو گیا خالی
نہ جانے نفرتوں کا سلسلہ کہاں تک ہے
بتائے زندگی، اب کس طرح گزاریں تجھے
میری کہانی کا یہ سلسلہ کہاں تک ہے
خواب بنتے ہی بنتے، جھپک گئی آنکھیں
خواب ٹوٹنے کا سلسلہ کہاں تک ہے

شاعرہ: رضیہ ناز، کراچی

”میرا بابا گورنمنٹ کے افسروں کی بات مان
جائے گا ناں..... میری شادی سارنگ نانا سے تو
نہیں کرے گا؟“

”ہاں.....“ اس نے مجھے یقین دلایا تھا اور
میں نے نہ سوچا نہ سمجھا نہ ادی سے ہی پوچھا اور ایک
آگ سے دوسری آگ میں کود گئی۔

”کیوں وہ عورت..... میرا مطلب ہے وہ
سارہ بی بی اچھی عورت نہیں تھی کیا؟“ آمنہ شاہ بے
تاب ہوئی۔

”پتا نہیں ادی۔“ ماروی نے انگلی کی پوروں
سے پکلوں کے کنارے پرانے آنسو کو پونچھا۔ ”اچھی
عورت تھی یا بری پر اس نے صرف اپنے فیدے
(فائدے) کا سوچا میرا نہیں ادی..... وہ مجھے
سارنگ سے بچانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے لے
کر گئی تھی۔“

”اس نے تجھے اپنی نوکرانی بنالیا تھا کیا؟“
آمنہ شاہ نے پھر اسی بے چینی سے پوچھا۔

”نہیں۔“ ماروی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔
”ادی تم تو اتنی پڑھی لکھی ہوتی عقل والی ہو، تمہیں

کیوں ہو گئی؟“

”یونہی ادی..... اور کیا بتاؤں..... میں تو خیر
تھی ہی جھلی..... بے عقل..... ادی تو بابا کو ایک بار
پھر سمجھا کر بلکہ لڑکر اپنے گوتھ چلی گئی..... اور میں دل
بھلانے کو اپنی سہیلی سے ملنے چل دی..... میری سہیلی
سارنگ کی نوای تھی۔ اُدھر میں نے سارنگ سائیں کو
دیکھا..... وہ چار بابائی پر بیٹھا بھجوریں کھا رہا تھا اور
مجھے گھور گھور کر دیکھتا جاتا تھا۔ میں ڈر کر کوشری میں
گھس گئی جہاں میری سہیلی تھی، وہ ہنس رہی تھی۔

”تو میری نانی بن جائے گی، تیرا بیابا میرے
نانا سے ہوگا، مجھے اماں نے بتایا ہے۔“ میں گھبرا کر
باہر نکلی اور تقریباً دوڑتی ہوئی اس کے گھر سے نکل
آئی۔ میرے پیچھے سارنگ کا اونچا ہتھہہ گونجا تھا جس
کی آواز میرے کانوں میں دور تک آئی۔ پھر مجھے
راستے میں سارہ بی بی نظر آئیں۔ میں بھاگتے
بھاگتے رک گئی۔ اس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

”تیری ادی کیسی ہے؟“

”ادی تو چلی گئی واپس اپنے گھر۔“

”تو چلے گی میرے ساتھ کراچی؟“

”مجھے سارنگ کا دیکھنا یاد آ رہا، مجھے مول کی
ہنسی یاد آئی..... تو میری نانی بنے گی۔“ سارنگ کی وہ
لال، لال آنکھیں یاد کر کے میرے جسم پر چوٹیاں
سی رینگنے لگی تھیں۔ اس کا ہتھہہ مجھے اپنے اندر چبھتا
محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے سر اثبات میں ہلادیا۔ وہ
یکدم خوش ہو گئی۔

”ٹھیک ہے، مغرب کے بعد اُدھر سر کنڈوں
کے پیچھے آ جانا۔“

”پھر مجھے واپس چھوڑ دو گی ناں ادی؟“ میں
نے اس سے پوچھا۔

”ہاں۔“

”کب.....؟“

”دو تین دن بعد۔“

چچ، چچ کرتی اور پھر ادی سے کچھ کہنے لگتی.....
بات تھی مجھے تو اس کی باتیں سمجھ ہی نہیں آ رہی تھیں۔
اس لیے میں اس کے جوتوں کو اس کے کپڑوں کو دیکھ
رہی تھی۔ پھر وہ چلی گئی تو ادی نے مجھے بتایا۔

”سارہ بی بی کہہ رہی تھیں تم اس کے ساتھ کراچی
چلی جاؤ تو تم اس ظلم سے بچ سکتی ہو جو بابا ستر سالہ
بڑھے سے تمہاری شادی کر کے کرنے والا ہے۔“
”کراچی؟ اس کے ساتھ اور تم لوگ.....؟“
حیرت سے میری آواز گنگ ہو گئی۔

”ہم.....“ ادی نے اپنی طرف اشارہ کیا۔ وہ
کہہ رہی تھی کہ وہاں وہ بڑے لوگوں سے گورنمنٹ
کے بندوں سے بات کرے گی اور وہ بابا کو منع کریں
گے کہ وہ یہ ظلم نہ کرے۔“

”تو؟“ میں نے ادی کا ہاتھ تھام لیا۔ ”وہ جا
کر خود ہی بات کر لے ناں گورنمنٹ کے بندوں
سے۔ میں کیوں جاؤں اس کے ساتھ؟“

”وہ کہتی ہے تمہارے جانے بتا بات نہیں بن
سکتی ماروی۔“

”تم میرے ساتھ چلو گی ادی؟“ مجھے سمجھ نہیں
آ رہا تھا کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔

”نہیں، میں بھلا کیسے.....؟ ادی پریشان ہو گئی
تھی۔ ”تمہیں اکیلے ہی جانا ہوگا ماروی۔“

”تو پھر میں نہیں جاؤں گی ادی۔“ میں نے
اس کے گلے میں بانٹیں ڈال دیں۔ ادی رونے لگی۔
روتے روتے چپ ہو کر اس نے مجھ سے کہا۔

”سن ماروی، بابا میری بات نہیں سنتا میں تجھی
سے بات کرتی ہوں وہ بابا کو سمجھائے۔ تجھی میرا بہنوئی
تھا۔“ ماروی نے آمنہ کو بتایا۔

وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی تو آمنہ شاہ
بہت اٹھناک سے اس کی کہانی سن رہی تھی چونکہ کر
اسے دیکھنے لگی۔

”ہاں بول ناں ماروی..... پھر کیا ہوا تو چپ

چائے پانی دیا تو وہ ادی سے کہہ رہا تھا۔
”تو تو پاگل ہو گئی ہے۔ میں کوئی انوکھا کام تو
نہیں کرنے جا رہا؟“ اور پھر بابا روٹی کھا کر کام پر
چلا گیا اور ہم دونوں بہنیں چائے اور روٹی سانے
رکھے ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں اور روٹی رہیں۔
اسی وقت ہمارے گھر میں وہ آ گئیں، سارہ بی بی.....
سارہ بی بی بڑی حویلی میں مہمان بن کر آئی تھیں۔
ہماری تو آنکھیں ہی پھٹ گئیں انہیں دیکھ کر، میں
نے چپکے سے ادی کو بتایا۔ ”یہ بڑی حویلی کی مہمان
ہیں۔ شہر سے آئی ہیں۔“

”پر ہمارے گھر کیسے آ گئیں؟“ ادی کی حیران
آنکھوں میں صاف لکھا تھا۔

”مجھے پتا ہوتا تو میں پوچھتی کیوں۔“ میں نے
آنکھوں ہی آنکھوں میں لاعلمی ظاہر کی تب سارہ بی بی
نے خود ہی عقدہ کھول دیا۔

”میں نے سنا ہے اس بچی کی شادی ایک ستر
سالہ بوڑھے سے ہو رہی ہے؟“ وہ میری طرف
اشارہ کر کے ادی سے کہہ رہی تھیں۔ ادی بوکھلائی سی
کھڑی تھی۔

”بیٹھیں..... بیٹھیں ناں بی بی۔“ اس نے
موڑھا اٹھا کر اپنے دوپٹے سے صاف کیا تھا حالانکہ
وہ صاف ہی تھا اور سارہ بی بی کو اس نے بیٹھنے کے
لیے کہا..... سارہ بی بی بیٹھ گئیں..... بیٹھنے کے بعد
انہوں نے نظروں ہی نظروں میں پورے گھر کا جائزہ
لیا اور اپنا تعارف کروانے کے بعد ہم سب کے
متعلق پوچھا۔

ادی اسے اپنے، میرے، بابا اور شہباز کے
متعلق بتا رہی تھی اور میں اس کے گورے گورے
ہاتھوں اور پیروں کو دیکھتی رہی اور اس کے خوب
صورت لباس سے اٹھنے والی خوشبو کو گہری سانس کھینچ
کر محسوس کرتی رہی۔ میرا دھیان اس کی باتوں کی
طرف تھا ہی نہیں۔ وہ بار بار تاسف سے مجھے دیکھتی

تو پتا ہوگا کہ اس نے کس فیدے کے لیے مجھے.....
 ”نہیں.....“ آمنہ شاہ کچھ سوچ کر کانپ گئی۔
 ”کیا وہ تم سے غلط کام کروانا چاہتی تھی؟“
 ”نہیں.....“ ماروی نے پھر نفی میں سر ہلایا تھا۔
 آمنہ شاہ اب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔
 ”ابھائیہ بتاؤ تجھے یہاں سے سیدھے کراچی
 لے گئی تھی یا کہیں اور؟“

”ادی اس شام اذانوں کے بعد جب بابا گھر
 پر نہیں تھا اور شہناز کہیں دوستوں کے ساتھ تھا، میں
 چپکے سے دروازہ کھینچ کر باہر نکل کر سرکنڈوں کے
 پیچھے آگئی۔ میں جو امتحان دینے جا رہی تھی مجھے اس
 کے بارے میں کچھ علم تھا، نہ پتا تھا اس پرپے میں کیا
 لکھا ہوا ہوگا۔ میں خالی ہاتھ خالی داغ کے ساتھ امتحان
 گاہ میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ سارہ بی بی سرکنڈوں کے
 پیچھے اپنی گاڑی کے پاس کھڑی میری راہ دیکھ رہی
 تھی۔ انہوں نے مجھے ایک بڑی سی چادر اوڑھا کر
 پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا تھا اور وہ میرے ساتھ ہی بیٹھ
 گئیں۔ ڈرائیور نے گاڑی چلا دی تھی۔ راستے
 میں کوئی ملا ہی نہیں ادی..... ملتا بھی تو اسے کیا خبر
 ہوتی کہ گاڑی میں ماروی بیٹھی ہے جو بوڑھے
 سارنگ کی مکروہ ہنسی سے ڈر کر بھاگ رہی ہے اور جو
 آج کے بعد پھر کبھی اپنے گھٹنہ آگے کی۔“
 آمنہ سانس روک کر اس کی داستان سن رہی تھی۔
 ”رات کو ہم حیدر آباد میں ٹھہرے تھے۔ وہاں
 سارہ بی بی کے کوئی جاننے والے تھے۔“

”میری ملازمہ ہے۔“ سارہ بی بی نے وہاں
 بتایا تھا۔ اور مجھے چپ رہنے کو کہا تھا پھر کراچی آکر
 اس نے مجھے اپنے خوب صورت گھر کے ایک کمرے
 میں ٹھہرایا۔ اس روز میری اس سے کوئی بات نہیں
 ہوئی۔ میں سارا دن اپنی ادی کو شہناز کو اور بابا کو یاد
 کر کے روتی رہی..... ادی کو پتا چلا ہوگا تو وہ روئی
 جیتی بین ڈالتی گھر آئی ہوگی۔ وہ ضرور بڑی حویلی بھی

گئی ہوگی اس نے بابا کو ضرور بتا دیا ہوگا کہ حویلی
 والوں کی مہمان بی بی مجھے اپنے ساتھ لے جاتا چاہتی
 تھی..... اور چاچا لطیف تو غصے سے پاگل ہو گیا
 ہوگا..... ایک عورت ٹرے میں کھانا رکھ کر مجھے دے
 گئی تھی۔ پروہ تو پہلا قدم ہی میرے حلق میں پھنسن گیا
 اور میں نے ٹرے پرے کر دی۔“

”تم نے اپنی طرف سے تو صحیح ہی کیا تھا
 ناں ماروی، آخر تمہیں یہ حق تو تھا کہ تم اس غلط فیصلے
 کے خلاف احتجاج کرتیں۔“ اسے خاموش دیکھ کر
 آمنہ شاہ نے کہا۔

”پتا نہیں غلط تھا یا صحیح۔ بروہاں اس اکیلے
 کمرے میں میرا دم گھٹتا تھا اور دل گھبراتا تھا۔ پتا نہیں
 میں نے دن سے رات کیسے کی تھی رورور کر تڑپ تڑپ
 کر میرے حلق میں کانٹے آگے آئے تھے۔ کمرے
 میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ تب وہی ملازمہ آئی کہ مجھے
 بی بی بلاتی ہیں۔ باہر تو جیسے دن اتر آیا تھا۔ پوری گونگی
 جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔ ملازمہ مجھے ایک بڑے
 سارے کمرے میں لے گئی جہاں بہت سارے لوگ
 تھے۔ وہ پورا کمرہ لوگوں سے بھرا تھا۔ میں خوفزدہ
 ہو گئی تو سارہ بی بی نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

”یہ ہے وہ مظلوم لڑکی جو غلط رسم و رواج کی
 بھینٹ چڑھانی جا رہی ہے۔ ایک ستر سالہ بڑھے
 کے ساتھ اس کا باپ اس کی شادی کر رہا تھا۔“ سارہ
 بی بی نے بڑی ساری تقریر کی وہ سب میری تصویریں
 بنا رہے تھے۔ مجھ سے سوال کر رہے تھے اور میں
 حیران آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی مجھے ان کی
 باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

”اوہ مائی گاڈ.....“ آمنہ شاہ کو یاد آیا۔ کوئی
 چار سال پہلے اس نے ٹی وی پر دیکھا تھا۔ سارہ بی بی
 حقوق نسواں کی علیحدہ کسی این جی او کی کرتا
 دھرتا..... اور بارہ سالہ ماروی پر ہونے والے ظلم کی
 داستان بیان کرتی..... مختار اں مائی کے واقعے کی

امتحان

والوں کو اور ٹی وی والوں کو بلا کر حقیقت بتا دیتی ہوں
 کہ سارہ تمہیں اغوا کر کے لائی تھی لیکن جب میں
 نے ساری بات بتائی کہ میں اپنی مرضی سے آئی ہوں
 تو وہ بہت مایوس ہوئی۔ ادی اس نے مجھ سے کہا کہ
 سارہ نے بہت پیسہ بنایا ہے۔ تمہیں کیش کروایا ہے
 اس نے اور ابھی اور پیسہ بنائے گی یہ جو ہماری قوم
 ہے ناں ماروی یہ ذرا سی جذباتی بلیک میلنگ پر اپنے
 خزانوں کے منہ کھول دیتی ہے۔ مجھے اس کی باتیں
 سمجھ نہیں آتی تھیں۔ لیکن مجھے لگا تھا کہ جیسے وہ سارہ
 بی بی سے جلتی تھی۔“

لیکن آمنہ شاہ ساری بات سمجھ گئی تھی۔ اور
 تاسف سے ماروی کو دیکھ رہی تھی اس کے ساتھ تو
 وہی ہوا تھا آسمان سے گرا ہجور میں اٹکا۔
 ”پھر تم ادا ہروز کے پاس کیسے پہنچیں؟“ آمنہ
 شاہ کا تجسس بڑھ گیا تھا۔

”ادی۔“ اس کی آنکھیں... برسنے لگیں۔
 ”میں ایک امتحان گاہ سے نکل کر دوسری امتحان
 گاہ میں آ بیٹھی تھی۔ سارہ بی بی کی سہیلی تو اچھی تھی.....
 میرے حالات پر دھی ہوئی تھی لیکن جو اس کا خاوند تھا
 ناں وہ ٹھیک نہیں تھا۔ بڑی غلط نظر تھیں تو میں بڑی
 مشکل سے اس کے خاوند سے خود کو چھڑا کر بھاگ
 آئی۔ گیٹ تک تو اس نے میرا پیچھا کیا۔ چھوٹا گیٹ
 کھلا ہوا تھا باہر کوڑے والا کھڑا تھا۔ چوکیدار اندر کوڑا
 لینے گیا تھا۔ میں باہر نکل کر ایک سمت تیز تیز چلنے لگی
 اور چلتے چلتے ہر وز سائیں کے گیٹ پر آ کر گر گئی۔“
 اس نے بانی کی داستان چند جملوں میں سمیٹ دی۔
 تائی جاجراں اسے آواز دے رہی تھیں۔ وہ پلو سے
 چہرہ پونچھتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

”تو، تو نے ادا ہروز سے کیوں نہیں کہا کہ وہ
 تجھے تیرے گھٹ چھوڑ آئے۔“
 ”سائیں نے کہا تھا یہ مشکل ہے پھر بھی وہ میری
 ادی سے ملے تھے۔ ادی نے کہا وہ بھی ادھر آنے کا نام

دھول ابھی اڑتی رہی تھی کہ یہ قصہ منظر عام پر
 آ گیا..... اور پھر حقوق نسواں کے لیے آواز بلند
 کرنے والوں کے بیانات، تبصرے..... پھر کسی
 اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر چھپی تھی۔

”ماروی کے قتل کی کوشش، باپ اور چاچا کی
 طرف سے۔“

”تو کیا پھر تمہیں سارہ واپس گھٹ لے گئی تھی؟“
 ”نہ ادی۔“ ماروی کی آنکھیں آنسوؤں سے
 لبرز تھیں۔

”وہ تو مجھے پتا نہیں کہاں کہاں لے پھری لیکن
 گھٹ لے کر نہ گئی۔ میں جب بھی کہتی تو وہ کہتی.....

”ایسا سوچو جی مت..... وہ تو اب تیرے خون
 کے پیاسے ہو گئے ہیں۔ جو واپس جاؤ گی تو کاری
 کر دیں گے۔“

”اور ایک دن دو بندے کوشی میں گھس آئے۔
 انہوں نے ڈھانٹے پاندھے ہوئے تھے۔ میں سارہ بی بی

کے ساتھ لان میں بیٹھی تھی۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر بھاگ
 کر اندر آ گئیں۔ انہوں نے پھر اخبار والوں کو بلایا اور
 کہا، مجھے قتل کر دیا جائے گا مجھے تحفظ ملنا چاہیے۔“

”وہ یقیناً تمہارے بابا اور چاچا ہوں گے۔“
 ”نہیں ادی۔“ ماروی نے ٹی میں سر ہلایا۔

”وہ میرے کوئی نہیں تھے..... انہوں نے چہرہ
 چھپا رکھا تھا لیکن ان کی آنکھیں، ہاتھ پاؤں..... قد

کاٹھ..... میں تم کھا سکتی ہوں کہ نہ وہ بابا تھے نہ چاچا لیکن
 سارہ بی بی نے اخبار والوں سے یہی کہا کہ وہ

میرے بابا اور چاچا تھے جو مجھے قتل کرنے آئے
 تھے۔ سارہ بی بی نے میرے تحفظ کی اپیل کی تھی.....

پھر ایک روز مجھے وہ اپنی سہیلی کے گھر چھوڑ کر خود
 اسلام آباد کی کام سے چلی گئیں..... اس کی سہیلی نے

مجھ سے پوچھا کہ کیا جج میرا باپ میری شادی کسی
 بوڑھے سے کر رہا تھا..... اگر یہ جھوٹ ہے تو مجھے

مٹا دو ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی اخبار

کے حوالے نہیں کرتی راتیل..... پچہ تمہاری گود میں پلے یا میری..... ہے تو مراد کا بیٹا ناں..... جو نہیں ہم سب کے پاس رہے گا۔“ وہ راتیل کی بانہوں میں سکون سے پڑے بچے کو ایک بار پھر چوم کر بڑے وقار سے واپس مڑ آئی..... اور واپس مڑتے ہوئے اس نے دیکھا مراد شاہ کی آنکھوں میں چمک تھی..... وہی چمک جو کبھی اسے دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آ جاتی تھی۔

راتیل کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور آمنہ سوچ رہی تھی کہ اس نے راتیل کو ایک مشکل اور مسلسل امتحان سے بچالیا۔

”ادی زندگی نے تم سے جو امتحان لیا تم اس میں کامیاب ہو گئی ہو۔“ اسی دوپہر اس کے پاؤں دباتے ہوئے ماروی اس سے کہہ رہی تھی۔ اور وہ چپ چاپ ماروی کو دیکھتی رہی۔ پتا نہیں وہ کامیاب ہوئی تھی یا ناکام لیکن وہ راتیل کو امتحان میں ڈال دینے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھی۔

☆☆☆

اور کئی سال گزرنے کے بعد آج جب مراد تین بچوں کا باپ ہے اور پوری ایمانداری سے پندرہ دن اس کے پاس حویلی میں اور پندرہ دن کراچی راتیل کے ساتھ گزارتا ہے کیونکہ باوجود بہت کوشش کے وہ اپنا دل اتنا بڑا نہیں کر سکتی تھی کہ راتیل کے ساتھ ایک جگہ رہ پائی۔ آج جب وہ سپرینا بھابی کے ساتھ مل کر ایک تحریک چلا رہی تھی لوگوں میں شعور جاگر کرنے کی تحریک، غلط اور بیخبر رسم و رواج کے خلاف صحیح اسلامی شعور کی آگاہی..... بظاہر وہ بڑی مطمئن اور خوش تھی لیکن آج بھی آمنہ شاہ جب بستر پر لیٹی تو یہی سوچتی۔

زندگی کبھی کبھی آدمی سے بہت بڑا امتحان لیتی ہے..... جیسے اس سے لیا..... راتیل سے لیا اور جیسے ماروی سے لیا.....

✽

زیادہ تر بیڑ پر ہے، میں اکیلا اسے چھوڑ کر نہیں آ سکتا..... مراد جلدی آؤں گا۔“ آمنہ شاہ کا دل مراد سے بات کر کے خوش تو نہ ہوا لائیاں پر اور بوجھ آن گرا۔

”مرد کے پاس تو ہزاروں بہانے ہوتے ہیں، ماروی۔ وہ یونہی لفظوں سے بہلائے رکھتا ہے مجھے..... لیکن اس کی توقع کے برعکس وہ آ گیا..... اور ناں ہاتھ نہیں آیا..... اس کی گود میں ایک ماہ کا بیٹا تھا جو اس نے آتے ہی آمنہ کی گود میں ڈال دیا۔

”یہ تمہارا ہے آمنہ..... میں نے راتیل سے کہہ دیا تھا..... پہلا بیچہ آمنہ کا ہوگا۔“ اس نے گود میں پڑے بچے کو دیکھا جو انگلیاں منہ میں ڈال لے کر مگر اسے دیکھ رہا تھا۔ مامتا کے سوتے اندر نہیں بھوٹ پڑے تھے اور آنکھیں برسے گی تھیں۔ اس نے بچے کو بے اختیار بانہوں میں پیچھے ہونے کی اس پیشانی چوم کر مراد کے ساتھ کھڑی راتیل کی طرف دیکھا..... معمولی شکل کی راتیل کے چہرے پر مامتا کا نور تھا اور ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ..... اپنی طرف اسے دیکھتے پا کر وہ آہستہ سے گویا ہوئی۔

”ہاں..... ادی..... اب یہ آپ کا ہی ہے۔“ اس مسکراہٹ کے پیچھے چھپے کرب کو پتا نہیں کیسے آمنہ شاہ نے محسوس کر لیا۔ کیسے اس نے راتیل کی مامتا کی ترب جان لی۔ اسے لگا جیسے اس مسکراہٹ کے پیچھے زخمی مامتا ترب رہی ہے اور زندگی بھی کبھی کبھی آدمی سے کیا امتحان لیتی ہے۔ ایسے ہی ایک امتحان کا اس وقت راتیل کو سامنا تھا۔ بچے کو گود میں لیے وہ اٹھی اور بچے کو راتیل کے حوالے کرتے ہوئے مراد کی طرف دیکھا۔

”میں ایک ماں سے اس کا بچہ نہیں چھین سکتی۔“ لیکن ادی میں اپنی خوشی سے آپ کو.....“ راتیل نے کہنا چاہا۔

”کوئی ماں اپنی خوشی سے اپنی اولاد اپنی سوکن

رو پڑی۔

”تم میرے لیے دعا کیا کرو، تم تو معصوم ہو، اللہ تمہاری دعا ضرور سنے گا۔“

”کیا دعا کروں ادی؟“

”تو دعا کرو، اللہ مجھے اس دنیا سے اٹھالے۔“

”نہ ادی نہ ایسی باتیں نہیں کرتے، اللہ سائیں ناراض ہوگا۔ اللہ سے صبر اور حوصلہ مانگو ادی، یہ امتحان تو حوصلے کے طفیل ہی پاس ہوتا ہے۔ موت مانگنا تو بددعا ہے ادی۔ تم نے دیکھا ہے ادھر نیلے پیچھے پچھلے سال سے گھر بار چھوڑ کر بیٹھے لوگ..... بے چارے سیلاب کے ہاتھوں ستائے ہوئے..... ہر روز ادھر کیمپ میں کوئی نہ کوئی مرتا ہے یا کوئی بیمار پڑ جاتا ہے، کبھی زندگی کو وہاں جا کر روتا کر لاتا دیکھو..... کس امتحان میں پڑے ہیں وہ لوگ.....“

”پڑے ہوں گے ماروی۔“ آمنہ شاہ کا دل بہت دکھی تھا۔ ”پر مجھے تو پناہ دکھ سب سے بڑا لگتا ہے۔“

”ادی تم مراد سائیں کو خود ہی فون کیوں نہیں کر لیتیں۔“

”میں.....؟“ اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں تم ادی اور کون..... ہمارا سائیں بھی تو کہتے ہوں گے ناں کہ آپ نے انہیں یاد ہی نہیں کیا..... آپ کو ان کی ضرورت ہی نہیں۔“

”ماروی وہ جانتا ہے کہ میں اس کے بغیر کیسے بل پل مری ہوں گی۔“

”ضرور پتا ہوگا ادی پر کبھی کبھی احساس جگانے کے لیے کنڈی تو کھکھٹانی پڑتی ہے ناں.....“ اس نے بڑے گری بات کی تھی اور اس نے کنڈی کھکھٹا دی تھی اور مراد بے چین ہو گیا۔

”میں تمہیں بھولا نہیں ہوں آمنہ، تم میری پہلی محبت ہو..... میں تمہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا بس مجبوری تھی..... رابی بیمار تھی ناں..... کئی مہینے سے وہ

نہ لے۔ ورنہ چاچا اور بابا اس کے ٹوٹے کر دیں گے یا پھر کسی غریب کے ساتھ کاری کر دیں گے وہ ناحق مارا جائے گا۔“ وہ آمنہ کو بات بتا کر تیزی سے باہر نکل گئی کہ تائی حبراں اسے پھر لپکا رہی تھی۔

آمنہ شاہ سوچتی رہ گئی کہ زندگی کبھی کبھی انسان سے کیسا امتحان لیتی ہے جیسے زندگی نے اس سے لیا اور زندگی نے ماروی سے لیا اور ماروی کے لیے اس کا امتحان بہت بڑا اور میرے لیے میرا۔ ماروی بے چاری تو مفت میں ماری گئی..... باپ، بھائی، بہن کبھی چھوٹے اور حاصل حصول کچھ نہ ہوا اور کمانے والوں نے اس کے طفیل بہت کچھ کمالیا۔ یہ کیسی منافق دنیا ہے۔ کئی دنوں تک آمنہ شاہ کو ماروی کے غم نے افسردہ رکھا۔ وہ تاسف سے ماروی کو دیکھتی رہی..... اور اپنا غم بھولے رہی..... لیکن پھر ہولے ہولے اسے لگا کہ ماروی تو ایک ہی بار گزر گئی سارے دکھوں پر سے، مجھے تو ہر لمحہ کانٹوں کی مسافت طے کرنی ہے۔ مراد کو راتیل کے سنگ دیکھنا آسان تو نہیں، ہر قدم..... امتحان..... ہر لمحہ مشکل.....

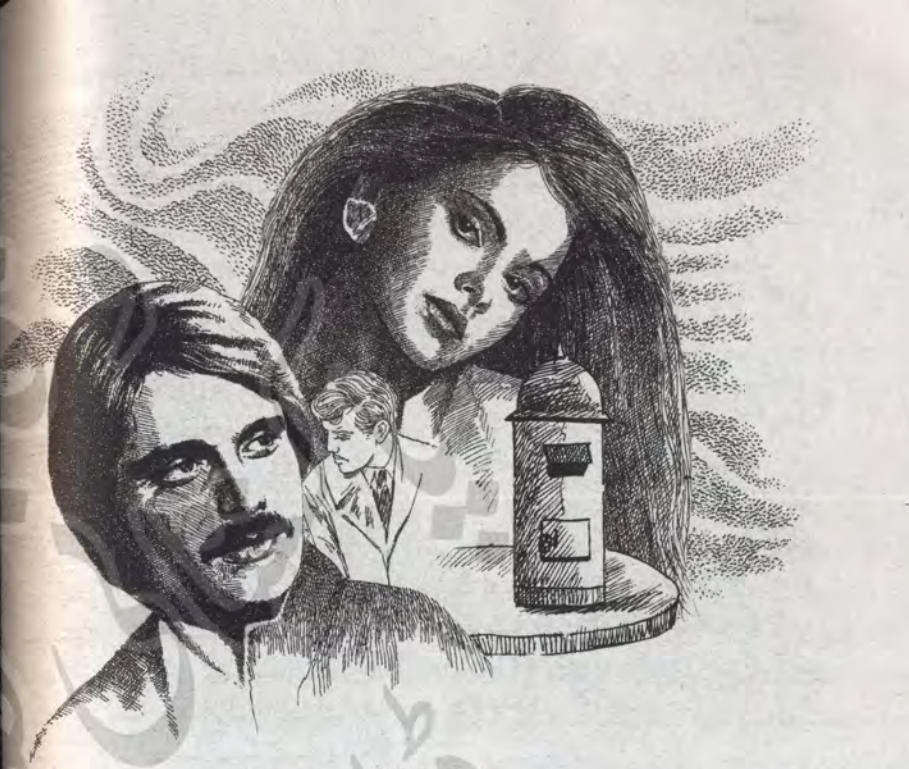
”زندگی تو ہر ایک سے ہی امتحان لیتی ہے ادی کوئی اس امتحان کو پاس کر لیتا ہے اور کوئی فیل ہو جاتا ہے۔“

”اور میں..... کیا میں اس امتحان میں پاس ہو گئی ہوں ماروی؟“ اور ماروی چپ کر جاتی اس کے پاس آمنہ کے سوال کا جواب تھا ہی نہیں یا پھر وہ دینا ہی نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

بہت سارے دن گزر گئے۔ آمنہ شاہ یونہی بے چین روح کی طرح گھر کے دالانوں اور غلام گردشوں میں پھرتی رہی..... ادا مراد کو کراچی اور راتیل کا ساتھ ایسا بھایا کہ وہ مرکز حویلی آیا ہی نہیں۔

”ماروی کسی روز مراد غم سے پھٹ جائے گا۔“ ایک روز آمنہ شاہ ماروی کا ہاتھ تھام کر



مکمل ناول



جانِ حاکم

عقیدہ محمدیگ

خود اپنے سے ملنے کا تو یارا نہ تھا مجھ میں
میں بھیڑ میں گم ہو گئی تنہائی کے ڈر سے
بے نام مسافت ہی مقدر ہے تو کیا غم
منزل کا تعین کبھی ہوتا ہے سفر سے
نکلے ہیں تو رستے میں کہیں شام بھی ہو گی
سورج بھی مگر آئے گا اس راہ گزر سے

ہجر و فراق کے بحر میں غوطہ زن معصوم دلوں کی دگداز داستان

ماہنامہ پاکیزہ 212 جنوری 2013ء

اس نے پوسٹ آفس کی راہ پکڑی۔ آج پھر وہ لیٹ ہو گیا۔ اماں کی تیز آواز نے اسے آخر کار واپس تلخ زندگی میں لا پھینکا جبکہ اس کا خواب تو صرف یورپ تھا۔ اس کے وہاں جانے کا بندوبست بھی ہو گیا تھا مگر خدا کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا..... اس کی بہن فاطمہ کی موت اور اس کے والد قیوم صاحب کے ہارٹ ایک نے اس کی دنیا پلٹ دی۔

ابا کی بیماری کے بعد گھر کا سارا بوجھ اس کے کندھوں پر آ پڑا۔ اپنے تاریک گھر میں وہ واحد چراغ تھا..... جو اپنے والدین کو اپنی بہن فاطمہ کے دکھ سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اپنوں کی موت کا دکھ کیسے کم ہو سکتا تھا۔ قیوم صاحب جو محکمہ پوسٹ آفس میں ملازم تھے ان کی جگہ اکرم نے سنبھالی اور بیرون ملک کی نکلون کو دیکھ کر دن گزارنے لگا..... آدھے گھنٹے میں وہ پوسٹ آفس پہنچا تو لوگوں کی لمبی قطار سے اسے یاد آیا کہ آج بجلی کے بل جمع کرنے کی آخری تاریخ تھی۔ اس نے تیزی سے اپنا کام نمٹایا اپنے کام سے فارغ ہوا تو سر میں درد سا اٹھنے لگا۔ اس کی وجہ بلوں پر پڑنے والی بار بار مہروں کی کھٹ کھٹ تھی۔ اس نے ایک بھر پور جمانی لی اور چہرے پر تیرن پوٹا کر لیا۔

”چاچا۔ چاچا ایک کپ چائے ملے گی۔“
”بیٹا سر میں درد ہے کیا؟“ خیر دین جو برسوں سے پوسٹ آفس میں صفائی کا کام دیکھ رہا تھا۔ اس نے چونک کر پوچھا۔ وہ جو ایک گھنٹے پہلے چائے کا کپ اسے دے چکا تھا اس کے دوبارہ طلب کرنے پر فکر مند سا ہوا۔
”ہاں، ہاں، چاچا۔ پچھلے کئی دنوں سے سر میں عجیب سا درد رہتا ہے۔“ اس نے اپنے سر کو دبا کر اکتا ہٹ ظاہر کی۔

”صبح جلد اٹھ جاتے ہو، نئی ملازمت میں ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ عادت پڑ جائے گی تو

سر درد دور ہو جائے گا۔ میں ابھی اپنے بیٹے کے لیے بڑھیا سی چائے لاتا ہوں۔“ خیر دین نے صفائی والا کپڑا ایک طرف رکھا اور شفقت سے بولا اور ساتھ ہی اس کے کندھے پر ہتھکی دے کر تسلی دی، جس کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ پوسٹ آفس کی ملازمت سے ناخوش ہے۔

خیر دین چائے لینے چلا گیا۔ اکرم نے آنکھیں موند لیں اور پھر اس نے اپنے جسم کو کرسی پر ڈھکیا چھوڑ دیا۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے تھک چکا تھا۔ ابھی اور اسے مزید تین گھنٹے وہاں بیٹھنا تھا۔ وہ نیند کی آغوش میں جانے ہی والا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز پڑی۔

”سنئے، سنئے۔“ اس نے ہڑ بڑا کر آنکھیں کھولیں تو سامنے اُنکے سیاہ چادر میں لپٹی لڑکی کو پایا۔ اس نے آنکھیں مسلیں اور پھر قلم ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا۔

”جی کیسے!“ وہ شائستگی سے بولا۔
”یہ خط پوسٹ کرنا ہے۔“ لڑکی نے اپنے پرس کی زپ کھول کر اس میں سے ایک خط نکالتے ہوئے بتایا۔

”رجسٹری یا پھر نارٹل پوسٹ؟“ اکرم نے اس سے خط پکڑ کر لندن کا ایڈریس پڑھ کر پوچھا۔

”رجسٹری کروانے کے کتنے پیسے ہوں گے؟“ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر نظریں جھکا کر پوچھا۔

”ایک سو اسی روپے!“ اکرم نے خط کا وزن کیا اور پھر خوشگوار موڈ میں بولا۔ وہ ایک دم مرجھائی گئی۔ اس کے پرس میں صرف ایک سو پچاس روپے تھے۔

”کتنے دنوں میں پہنچ جائے گا؟“ اس نے چادر سنبھال کر پوچھا۔ جیسے کوئی دوسرا اسے پوسٹ آفس میں نہ دیکھ لے۔

”میرے خیال میں دس دن یا پھر بندہ۔“ اکرم نے قلم اپنے کان میں اڑس کر جواب دیا۔ وہ پرس میں کچھ ٹوٹتی رہی۔
”رجسٹری کر دوں کیا؟“ اکرم نے خود سے اسے بے پروا دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”جی، جی..... مگر میرے پاس اس وقت ڈیڑھ سو روپے ہیں اگر آپ تیس روپے کا ادھار کر لیں؟“ اس نے نظریں چرا کر ادھار کا سوا ملے کیا۔

اکرم اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اکرم نے اسے معصوم سے چہرے کو لٹی لٹی اور خاموشی سے تمکثیں چسپاں کرنے لگا۔

”رجسٹری کر رہے ہیں؟ میں کل تیس روپے دے جاؤں گی۔“ اس کی آواز میں ٹی سی آگئی اکرم نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ کچھ سنبھلی۔

”جی ہاں، رجسٹری ہی کر رہا ہوں مگر یہ کیا؟“ اس نے خط کے دوسری جانب پر ایڈریس نہ دیکھا تو وہ چونکا۔

”کیا ہوا؟“ وہ گھبرا سی گئی۔ اکرم کے خط کو گھورنے پر وہ فکر مند ہو گئی۔

”میڈم اپنے گھر کا ایڈریس تو لکھ دیں۔“ اس نے شائستگی سے کہا۔

”میرے گھر کا..... کیوں؟“ وہ شک بھری نظروں سے اکرم کو دیکھنے لگی۔

”رجسٹری کے لیے آپ کو اپنا مکمل ایڈریس دینا ہوگا۔“ اکرم نے اسے پاس پڑے خطوط اٹھا کر دکھائے۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا کہ ایسا پوسٹ آفس کا اصول ہے۔

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا..... کہ آپ کسی اور کا ایڈریس لکھ دیں؟“ وہ کچھ دیر سوچ میں پڑ گئی پھر ایک دم بولی۔

”نو میڈم..... خط کا جواب آپ کو پھر نہیں آئے گا..... جس جگہ کا ایڈریس دیں گی خط وصول

کرنے والا اسی ایڈریس پر خط کا جواب پوسٹ کرے گا۔“ اکرم نے قلم اپنے کان سے ہٹا کر اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

وہ اپنے ہاتھوں کو مسلنے لگی..... اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی..... وہ بھی اس کی کیفیت سے سمجھ سا گیا۔

”کیا آپ اپنے گھر کا ایڈریس دے سکتے ہیں؟“ لڑکی نے فکر مندی سے پوچھا..... اور اپنی چادر کو سنبھالا..... جو سر سے اتر گئی تھی۔

”کیا.....! میں؟“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا..... پہلے ادھار اور پھر گھر کا ایڈریس اس کے لیے دونوں باتیں بہت عجیب سی تھیں۔

”پلیز..... آپ میری مدد کر دیں..... میں اپنے گھر کا ایڈریس نہیں دے سکتی۔ آپ پلیز میری بات کو سمجھیں۔“ اس نے بے بسی سے بتایا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اکرم کے لبوں پر ابھری اور اس نے خط پر قلم چلا دیا..... وہ اب سکون میں دکھائی دینے لگی۔

”جی آپ کا کام ہو گیا.....“ اکرم نے رسید کاٹ کر اس کے حوالے کی..... اس نے شکریہ کر کے رسید پرس کی اندرونی جیب میں حفاظت سے رکھی اور پھر شائستگی سے بولی۔

”خط کا جواب..... پلیز ذرا خیال رکھیے گا۔“ اس نے بات کو ادھورا چھوڑا۔

”جی..... جی ضرور..... آپ کی امانت ہوگی، آپ بے فکر ہو کر گھر جائیں۔“ اکرم نے اسے تسلی دی۔ لڑکی کے وہاں زیادہ دیر کھڑے ہونے سے باقی پوسٹ آفس کے ملازم اسے جینھی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

شکریہ..... ادا کر کے وہ چادر سنبھالے باہر نکل گئی۔ اکرم نے دور جاتی لڑکی سے نظریں نہ ہٹائیں۔

”بیٹا..... بیٹا!“ خیر دین کی آواز نے اسے

اس سحر سے آزاد کیا۔

”جی..... جی چاچا۔“ اس نے شرمندگی سے نظریں چڑائیں۔

”چائے پیٹا.....“ خیر دین نے ٹیبل پر کپ رکھا۔

”رحما آئی تھی کیا؟“ وہ پوسٹ آفس کے گیٹ پر تھی تو خیر دین نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس نے بنجیدگی سے پوچھا۔

”کون..... رحما..... چاچا؟“ اس نے چائے کا سب لے کر حیرانی ظاہر کی۔

”ارے وہی لڑکی جو ابھی ابھی گیٹ سے باہر نکلی ہے۔“ خیر دین نے کہا۔

”ہاں چاچا..... ایک لڑکی آئی تھی، کون ہے وہ؟“ آپ اسے جانتے ہیں؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔ وہ اس ابھی ابھی لڑکی کے بارے میں جاننے کے لیے بے قرار تھا۔

”رحما نام ہے اس کا..... بڑی پیاری بچی ہے، ہر جگہ ایک خط ڈال کر جاتی ہے، بہت پریشان نظر آتی ہے۔ جیسے کوئی کمبخت روگ اسے نکل رہا ہو۔“

خیر دین نے اک آہ بھری اور پھر صفائی والا کپڑا اٹھام لیا۔ اکرم نے چائے کا سب لیا اور رحما کے خط پر لکھا ایڈریس بار بار پڑھنے لگا۔

☆☆☆

رحما کی بھی عجب کہانی تھی۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ باپ بچپن میں فوت ہو گیا۔ اس کی ماں ثریا نے اسے پالا پوسا..... وہ اٹھارہ سال کی تھی جب اسے ارمغان نے پر پو پڑ کیا۔ ارمغان اس کے کالج کا بہترین اسٹوڈنٹ تھا۔ دونوں میں دوستی ہوئی اور پھر وہ لندن جاتے وقت رحما سے اپنی محبت کا اظہار کر گیا..... کہ وہ اس کی منتظر رہے..... رحمانے بھی اس کی دوستی کو محبت کا رنگ دے دیا..... اور اس کا شدت سے انتظار کرنے لگی مگر اب چار سال سے

وہ مسلسل خط لندن بھیج رہی تھی مگر دوسری جانب سے ارمغان نے کسی خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ جس سے آہستہ آہستہ وہ بکھرنے لگی۔ رحما اپنی ماں سے اپنا دلی کیفیت چھپائے اپنے لیے آنے والے ہر شے کو ٹھکرا دیتی..... ثریا، رحما کی نفی کو اپنی تنہائی کا سبب سمجھیں..... کہ ان کی بیٹی انہیں شادی کے بعد تنہا رہنے دینا نہیں چاہتی..... مگر ثریا کو رحما کی فکر تھی..... اس کے گھر کی فکر..... وہ ایک ماں تھیں..... ان کے بیڑوں میں رہنے والی عظمت خالہ جو ثریا کی پرانی کنبلی تھیں..... وہ ہمیشہ دلاسا دیتی رہیں..... کہ رحما اور نورین انشاء اللہ جلد ہی اپنے پیا گھر رخصت ہو جائیں گی..... اللہ کا کرم رہا..... تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ عظمت خالہ کی ایک بیٹی نورین، رحما کی ہم عمر تھی۔ نورین کے ابا کا انتقال دو سال پہلے ہوا تھا..... اب ان دونوں ماں، بیٹی کی کہانی بھی بالکل ثریا اور رحما جیسی تھی۔ ان کے گھر میں کوئی تکلف آتی تو ثریا دوڑی دوڑی جاتیں..... اور ثریا کے گھر کچھ ہوتا..... تو عظمت اور نورین بھاگے چلے آتے۔

دونوں گھروں میں بہت پیار تھا۔ نورین ایک اسکول ٹیچر تھی..... مگر ثریا کے جوڑوں کے درونے رحما کو گھر سے باہر جانے نہ دیا..... وہ گھر پر ہی سلائی کا کام کرتی..... ثریا بڑی بڑی دکانوں سے سلائی کا کام لے آتی تھیں۔ جس سے ان کا گزارہ ہوتا..... اب یہ ساری ذمے داری رحما نے سنبھال لی تھی..... اب وہ ماں کو زیادہ کام نہیں کرنے دیتی تھی اور خود ہی تمام دکانوں سے سلائی کا کام لے آتی تھی..... آج بھی وہ گھر سے سلائی کا کام لینے آئی تھی اور راستے میں پوسٹ آفس میں اسے دیر ہو گئی۔ اسے گھر جلد پہنچنا تھا..... اس لیے اس نے اپنے قدموں کو تیز کر لیا تھا..... جو جانتی تھی کہ اس کی بوڑھی ماں بے چین ہو جائے گی۔

وہ سارے راستے ارمغان کی سوچوں میں گم

رہی..... گھر اداسی لے کر پہنچی..... ثریا تخت پر بیٹھی مڑ جھیل رہی تھیں..... رحما کو دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی..... جو کئی بار گھڑی کو دیکھ چکی تھیں۔

”رحما میری بچی..... اتنی دیر کہاں کر دی.....؟“ اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

”اماں..... احمد بھائی دکان پر نہیں تھے..... ان کے چھوٹے بھائی سمیل نے کام دینے میں دیر کر دی.....“ اس نے کپڑوں کا شاپر تخت پر چھوڑا..... اور بیسن میں ہاتھ منہ دھونے لگی۔

”رحما..... تو نے صاف صاف بات کر لی..... ہاں..... کہ ہر قیص کے گلے کے پچاس روپے لیں گے۔“ ثریا نے شاہر کھولا..... اتنے زیادہ کپڑے دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

”جی اماں..... میں نے بات کر لی.....“ اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے جواب دیا۔

”ان کی طرف سے کیا جواب آیا.....؟“ وہ فکر مندی سے پوچھے لگیں۔ مہنگائی جو بہت تھی..... بے چاری کیا کر سکیں..... تنہا ماں، بیٹی کیسے گھر کا خرچ نہیں روپے فی قیص کے گلے پر چلا سکتی تھیں۔

”سمیل بھائی نے بات تو سن لی..... مگر کوئی جواب نہیں دیا۔“ اس نے تویے سے منہ پوچھا اور ماں کے پاس تخت پر آ بیٹھی۔

”انہیں جواب تو کوئی دینا چاہیے تھا۔“ وہ مزید فکر مند سی ہو گئیں..... ان کے گھر کا سہارا تو صرف سلائی کے کام پر تھا۔

”اماں..... کوئی نہ کوئی جواب دے دیں گے۔“ آپ فکر نہ کریں.....“ اس نے ماں کے ساتھ مڑ چھپتے ہوئے کہا۔

”تو رہنے دے..... میں مڑ جھیل رہی ہوں..... میری بیٹی بہت زیادہ تھک گئی ہے، بڑی تھک اس کے سر پر ہاتھ پھیرا.....“ جورات دیر تک سلائی کرتی رہی اور اب باہر کا کام کر کے لوٹی تھی۔

جان جان

”اماں..... میں بالکل نہیں تھکی ہوں اور یہ مڑ..... کی پرات مجھے دیتی..... میں چاول بنا رہی ہوں۔“ اس نے تخت سے مڑ..... کی پرات اٹھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... نہیں رحما..... باہر اور اندر دونوں کا کام کر دی..... تو بیمار پڑ جاؤ گی.....“ ثریا نے پرات مضبوطی سے پکڑی۔

”اوہو..... اماں..... آپ میری فکر چھوڑیں.....“ اس نے ماں سے پرات پکڑی..... تو رحما کا ہاتھ ثریا سے چھو گیا جو تپ رہا تھا۔

”اماں! آپ کو پھر بخار ہو گیا کیا؟“ اس نے ماں کو فکر مندی سے دیکھا۔

”نہیں..... نہیں..... بخار کب ہے.....“ ثریا نے خود کو چھو کر نفی کی..... درحقیقت وہ اپنی بیماری سے اپنی بیٹی کو مزید پریشان کرنا نہیں چاہتی تھیں۔

”اماں..... آپ آرام کیوں نہیں کرتیں.....“ صحن سے اسے نظر آ رہا تھا کہ ثریا نے سارے گھر میں جھاڑو دی ہے پھر وہ منہ بسورے بولی..... ”اماں جلدی سے جا کر دوانی لے آئیں.....“ اس نے ماں کو پیار سے کہا تھا۔

”معمولی بخار ہے..... دودھ پی کر سو جاؤں گی..... تو بھلی چٹکی.....“ ثریا نے پیار سے جواب دیا اور تخت پر لیٹ گئیں۔

وہ ماں کی حرکت پر خفا سی ہوئی۔ ”نہیں اماں..... بس میں عظمت خالہ کو بلا لاتی ہوں، آپ جلدی سے دوا لے کر آئیں۔“ اس نے ماں کا بازو پکڑ کر جانے پر زور دیا۔ ثریا ہنس دیں اور اپنی بیٹی کی محبت کی خاطر اٹھ بیٹھیں۔

”اچھا، اچھا..... ماسٹر نی..... گھر سے مجھے بھیج کر نورین کے ساتھ گپ شپ کا ارادہ ہے۔“ ثریا نے مسکراہٹ سے نورین کا نام لے کر چھیڑا۔

”اماں..... سمیل ہی ہے میری۔“ وہ مسکرائی۔

”تم جو ہر وقت اس کی یاد میں کھوئی کھوئی رہتی رہی۔“

ہو..... پچھلے چار سالوں سے اس نے کوئی خبر نہیں لی..... وہ تم سے دل لگی کر گیا..... اور تم اس کی دوستی کو سچی محبت مان بیٹھی ہو.....“ اس نے ہر لفظ چپا چپا کر کہا۔

”ارمغان جانے سے پہلے مجھے: مدد کرے گی“ تھاکہ میں اس کا انتظار کروں..... وہ میرا ہے۔“ اس نے اپنی آخری ملاقات یاد کر کے اسے بتایا۔ جو بات پہلے بھی کئی مرتبہ بتا چکی تھی۔

”تمہارے ارمغان نے اس دن کوئی رومینک مووی دکھائی تھی، نہ خط کا جواب نہ ہی کوئی فون نمبر..... کم از کم ایک میسج ہی میرے نمبر پر کر دے۔“ اس نے تیکھے لہجے سے ارمغان کو مجرم قرار دیا..... جس کے گھر کا ایڈریس..... اور فون نمبر رجمانے دے رکھا تھا۔

رجمان کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔ وہ تو اس سے سچی محبت کر رہی تھی..... کیسے کوئی مجبورہ اپنے محبوب کو بے ایمان کا لقب دے سکتی تھی..... رجمان بھی ایسی ہی کیفیت میں مبتلا تھی..... جہاں ارمغان کی کوئی برائی اسے برائی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

”تم اچھی طرح سے اپنے ذہن میں یہ بات گھسا لو..... ارمغان صاحب دل کے بے ایمان ہیں۔“ اس نے رجمان کے آنسوؤں کو دیکھ کر اپنے غصے کا اظہار کیا..... اور پاؤں پیچ کر باورچی خانے سے نکل گئی۔ رجمان نے اپنے آنسو دوپٹے سے پونچھے..... اور اس کی طرف لپکی..... جو باہر کے دروازے سے نکلنے والی تھی۔

”نورین..... نورین..... چاول تو کھاتی جاؤ..... روکو تو.....“ اس نے تڑپ کر پکارا۔

”چاول لندن اپنے نواب کو بھیجو..... جس کے علاوہ تمہارے لیے ہر شے بے معنی ہو گیا ہے۔“ وہ غصے سے مڑی اور تیکھے لہجے میں یہ کہہ کر گھر سے نکل

”چلو بے شک خفا رہو..... مگر میں تو مٹر پلاؤ کھا کے ہی جاؤں گی۔“ اس نے پیار سے کام لیا۔

”دل جلاتی رہو گی..... تو کیسے کجخت موڈ ٹھیک رہے گا۔“ رجمانے ایک خفا نظر اس پر ڈالی۔

”ایسا کرو مٹر..... کی جگہ چکن ڈال لو.....“ نورین نے دھلے مٹر..... کوسٹک کے پاس پڑا دیکھ کر اپنی رائے دی۔

”چٹوری..... سبزیاں صحت کے لیے زیادہ مفید ہوتی ہیں.....“ رجمانے پیاز گولڈن کر کے مٹر دیتی میں ڈال دیے اور چرچ چلاتی رہی۔

”اور محبت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے..... وہ انسان کو ناکارہ نہیں بنادیتی.....؟“ اس نے اداس لہجے میں پوچھا..... مگر رجمانے کوئی جواب نہیں دیا بدستور کام میں مگن رہی۔

”سب باتوں کا جواب ہے..... مگر اس سوال کا کیوں نہیں؟“ نورین نے اپنی بات پر زور دیا..... رجمانے آنکھیں نکالیں۔

”وہ نہیں آنے والا..... اس کا خواب چھوڑ دو.....“ نورین نے سختی سے کہا۔

”وہ آئے گا اور ضرور آئے گا.....“ اس نے بھی تلخی سے جواب دیا۔

”پچھلے چار سالوں سے خط لکھ رہی ہو..... کوئی جواب نہیں آیا تم کس امید پر ہو.....“ اس نے اپنا غصہ ظاہر کیا۔

”تمہیں مجھے رلانے میں مزہ آتا ہے کیا.....؟“ نورین کے یوں طنز یہ لہجہ پر وہ بھڑکی۔

”ہاں..... بہت مزہ آتا ہے۔“ نورین بھی سختی سے بولی۔

”تمہیں ارمغان کے علاوہ اور کوئی بات نہیں سوجھتی.....؟“ رجمانے تڑپ کر کہا..... اور چاول دیتی میں آہستہ آہستہ ڈالنے لگی۔

جانتی تھی کہ پچھلے ہفتے ان دونوں میں ارمغان کی وجہ سے جنگ چھڑ گئی تھی۔

”نہیں تو.....“ اس نے خفا سا جواب دیا۔

”اچھا..... ویری گڈ.....“ رجمان چکن میں گھر گئی۔ نورین بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ وہ پیاز چھیننے لگی..... ثریا نے چاول بھگوئے ہوئے تھے۔ نورین نے خاموشی سے اسٹول پر قبضہ جمایا۔

”کوئی کام ہے..... تو مجھے دے دو.....“ اس نے نظریں چرا کر اسے مخاطب کیا۔

”پہلے یہ جو موڈ آف ہے اسے آن کرو۔ لیوں پر مسکراہٹ لاؤ، اتنی افسردہ، افسردہ بہت خطرناک لگ رہی ہو۔“ رجمانے اسے چھیڑا..... تو وہ بھی ہنس دی۔

”خدا کا شکر ہے..... کہ بچی کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی.....“ رجمانے خوشی خوشی کہا اور دیتی میں تھوڑا سا سٹل ڈال کر چو لھے رکھ دی۔

”میں تم سے خفا تھی..... مگر اب خفگی دور ہو گئی..... زیادہ خفا رہ جو نہیں سکتی۔“ نورین نے معصومت سے اس دن کی ناراضی کے متعلق بتایا۔

”اچھا..... جی خفا کیوں..... خفا تو مجھے ہونا چاہیے..... جب بھی آتی ہو..... پہاڑ طنزوں کا اٹھالاتی ہو۔“ رجمانے منہ بسورا۔

”اپنی پیاری سہیلی کو سمجھانے کے لیے طنزوں کا پہاڑ اٹھالانی ہوں کہ آپ محترمہ جس راستے پر چل پڑی ہیں..... آپ کے لیے وہ راستہ اچھا نہیں.....“ اب بھی وہ سمجھانے سے باز نہیں آئی۔

اس کی بات پر رجمان خاموش رہی بلکہ خندیدہ ہو گئی۔

”اب کون خفا ہو رہا ہے.....؟“ اس نے رجمان کے چہرے کے تاثرات بھانپ کر جواب دیا۔

رجمانے کوئی جواب نہ دیا اور اپنا کام کرتی رہی۔

”اچھا! اپنی چادر دے..... میں خود ہی چلی جاتی ہوں.....“ ثریا نے اپنا دوپٹا رجمان کو دیا..... اور اس کی کالی چادر اوڑھ لی۔

”اماں پیسے ہیں کیا.....؟“ اس کے پرس میں خود پیسے نہیں تھے پھر بھی اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں وہ غزالہ سوٹ کے پیسے دے گئی.....“ ثریا نے تخت کی چادر کا کونا پلٹ کر اس کے نیچے سے دو سو روپے نکال کر اسے دکھائے۔

اس نے دل میں لاکھ لاکھ خدا کا شکر ادا کیا..... کہ اگر ثریا اس سے پیسے طلب کر لیتیں۔

”یہ رکھ لے.....“ ثریا نے سو کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں دیا۔

”اماں..... یہ بھی اپنے پاس رکھ لیں..... اس نے ماں کو پیسے واپس کر دیے۔“ انہوں نے مسکرا کر نوٹ رجمان کے پرس میں ڈال دیا۔

”نورین کے ساتھ کل گول گپے کھانے چلی جانا.....“ وہ مسکرا کر بولیں۔ ماں کی بات سن کر اس نے آنکھیں نکالیں۔ ثریا مسکراتے ہوئے گھر سے نکل گئیں اور وہ چکن کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

اس نے کچن میں چیزیں میٹیں..... اس کے ذہن پر ارمغان کی سوچ سوار تھی..... ”کیا وہ مجھے خط کا جواب دے گا..... شاید اس دفعہ ضرور..... میں نے اس دفعہ رجسٹری کی ہے..... اسے ضرور میرا خط وصول ہوگا۔“ دروازے پر دستک ہوئی تو اس کی سوچ ٹوٹی..... وہ جانتی تھی کہ نورین کو اس کی ماں نے بھیجا ہے۔ شام جو ہو رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے نورین کو کھڑا پایا۔

”آئیے..... آئیے۔“ رجمانے مسکرا کر اسے... خوش آمدید کہا..... وہ منہ بسورے اندر چلی آئی۔

”خفا ہو کیا؟“ رجمانے ٹہکی دبا کر پوچھا..... جو

گئی اور رحما ادا اس نظروں سے دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

اکرم نے تمام خطوط ڈبے میں ڈال دیے۔ اور پھر رحما کے خط کی طرف دیکھا۔ ایک عجیب سی بے چینی اسے ہو رہی تھی۔

”وہ لڑکی اتنی پریشان کیوں تھی۔۔۔۔۔ یہ خط اس کے لیے اتنا ضروری تھا کہ اس نے مجھ انجان انسان سے ادھار مانگ لیا۔۔۔۔۔ وہ کس مشکل میں ہے۔۔۔۔۔ شاید اس خط میں اس نے اپنی مشکل لکھی ہو۔۔۔۔۔ چاچا خیر دین بھی تو تیار ہا تھا کہ وہ ہر ہفتے لندن خط ڈالتی ہے، اس کا کیا راز ہے۔۔۔۔۔ زمانہ کہاں سے کہاں چلا گیا۔۔۔۔۔ اس کے پاس موبائل نہیں۔۔۔۔۔ شاید اس کے پاس نمبر نہیں ہوگا۔“ اکرم کے سر پر۔۔۔۔۔ رحما سوار تھی۔ آخر کار اس نے خود کی بے چینی دور کرنے کے لیے رحما کا خط ڈبے میں نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔۔۔۔۔ اور اس کے دل میں سکون سا چھا گیا۔

☆☆☆

”اتنا کام کرنے کی ضرورت کیا تھی۔۔۔۔۔ اب تمہارے اندر وہ پہلی جیسی طاقت نہیں رہی۔۔۔۔۔ بی بی کافی لو ہے۔۔۔۔۔ دودھ روز لیا کرو۔“ عظمت اور ثریا ڈاکٹر کے کلینک سے دوائی لے کر نکلی تھیں۔ عظمت نے انہیں صحت کی۔۔۔۔۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے ثریا کو چیک کر کے ہدایت دی تھی۔

”گھر کا تھوڑا بہت کام دیکھتی ہوں۔۔۔۔۔ بے چاری رحما پر بہت بوجھ ہے۔۔۔۔۔ رات کو سلائی۔۔۔۔۔ اور دن میں ہنڈیا۔۔۔۔۔ زندگی کا کیا بھروسہ۔۔۔۔۔ چاہتی ہوں کہ جلد سے جلد رحما کی شادی کر دوں۔“ ثریا نے چلتے چلتے عظمت سے اپنے دل کی بات کی۔

”تو رحما کی فکر کرتی ہے۔۔۔۔۔ اسی لیے تو بی بی اوپر نیچے ہوتا ہے۔ خدا پر چھوڑ دے۔۔۔۔۔ میں ماسی کلثوم سے نورین اور رحما کی بات کر چکی ہوں۔“

عظمت نے اس کے ساتھ چلتے چلتے بتایا۔۔۔۔۔ جو خود بھی دسے کی مریضہ تھیں۔

”ماسی کلثوم بہت عجیب رشتے لاتی ہے۔۔۔۔۔ جہیز سے ہر دفعہ بات رہ جاتی ہے۔“ ثریا نے افسردگی سے بتایا۔

”کوئی تو دنیا میں ہوگا۔۔۔۔۔ جو ہماری بچیوں سے بیاہ کرے گا۔۔۔۔۔ تم فکر کرنا چھوڑ دو۔۔۔۔۔ فکریں انسان کو کھٹا جاتی ہیں۔“ عظمت نے اپنی سہیلی ثریا کو دلاسا دیا۔ جو خود اپنی بیٹی کے لیے دن رات سوچتی رہتی تھیں۔۔۔۔۔ عظمت، ثریا کے ساتھ ان کے گھر آئیں کہ وہ نورین کو بھی ساتھ گھر لے جائیں۔

”نورین نہیں آئی کیا۔۔۔۔۔؟“ ثریا نے نورین کو کہیں نہ پا کر بیٹی سے پوچھا۔

عظمت تخت پر ثریا کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ انہوں نے حیرانی سے رحما کی طرف دیکھا۔

”اماں۔۔۔۔۔ وہ ابھی ابھی نکلی ہے۔۔۔۔۔ خالہ عظمت آپ کے لیے چاول لاؤں۔۔۔۔۔“ اس نے نظریں چرا کر کہا۔

”اے۔۔۔۔۔ ثریا۔۔۔۔۔ یہ دونوں ہر روز کسی نہ کسی بات پر منہ سجا لیتی ہیں۔۔۔۔۔ تم ذرا پوچھو اپنی بیٹی سے۔۔۔۔۔ کہ ان دونوں میں جھگڑا کس بات پر ہوتا ہے؟“ خالہ عظمت نے سر پر ہاتھ رکھ کر ثریا کو اطلاع دی۔

”ہائے۔۔۔۔۔ ہائے رحما۔۔۔۔۔ ایسی کیا بات ہے؟“ ثریا نے فکر مندی سے پوچھا۔۔۔۔۔ وہ بوکھلا سی گئی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں اماں۔ ایسی ویسی کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ میں چاول آپ کے لاتی ہوں۔“ وہ وہاں سے کھسکنا چاہتی تھی۔۔۔۔۔ اس کے چہرے کی رنگت بدلتی ہوئی۔

”نورین چاول کھا کر گئی کیا۔۔۔۔۔؟“ ثریا نے فکر مندی سے پوچھا۔

”نہیں اماں۔۔۔۔۔“ وہ شرمندہ سی ہوئی۔

”تو پھر ایسا کرتی ہوں کہ چاول گھر لے جاتی ہوں۔۔۔۔۔ تو مجھے پلیٹ میں نکال دے۔۔۔۔۔ خالہ عظمت تخت سے اٹھ گئیں۔۔۔۔۔ اور مسکرا کر بولیں۔

”جی خالہ۔۔۔۔۔ میں لاتی ہوں۔۔۔۔۔“ رحما بچن کی طرف بڑھی۔۔۔۔۔ بچن میں آکر وہ اپنی سانسیں بحال کرنے لگی۔ جو ڈر گئی تھی کہ اس کے دل کا راز اماں نہ جان لیں۔

☆☆☆

اکرم بستر پر لیٹا۔ تو اسے وہ خط یاد آیا۔ اس نے فوراً اٹھ کر بے تابی سے خط کو کھولا۔۔۔۔۔ تو ایک خوب صورت تحریر اس کے سامنے تھی۔

”ارمغان۔۔۔۔۔! آداب۔۔۔۔۔ تم کیسے ہو؟ اور کہاں ہو۔۔۔۔۔؟ مجھے یقین ہے کہ تم خیریت سے ہو گے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں مگر تم وہ کہاں۔۔۔۔۔ پچھلے چار سال سے ہزار خط تمہارے نام لکھ چکی ہوں۔۔۔۔۔ مگر تمہارا کوئی جواب نہیں ملا۔۔۔۔۔ تم نے وہاں جا کر کوئی فون بھی خیریت کا نہیں کیا، نورین کے سیل پر ایک میج ہی کر دیتے۔ میں ایک میج کے سہارے زندہ رہ لیتی۔۔۔۔۔ اب تو بے جان سی ہو کر زندگی کے دن کاٹ رہی ہوں۔ یہ تمہاری کیسی محبت ہے۔۔۔۔۔ جو تم میری آنکھوں کو آنسوؤں کا سیلاب دے رہے ہو۔۔۔۔۔ ہر روز اپنے دل کو بھلاتی ہوں کہ تم میرے ہو، صرف میرے۔۔۔۔۔ مگر دل و دماغ میں ایک تکرار چھڑ جاتی ہے، اگر تم میرے ہو تو میرے خط کا جواب دیتے۔۔۔۔۔ تمہاری آخری بات کے سہارے ہر رشتے کو تھکرا رہی ہوں، تمہارا انتظار کر رہی ہوں، جیسا کہ تم چاہتے تھے کہ میرے ہاتھوں میں صرف تمہارے نام کی مہندی سجے۔ میرے لیے تم ہی میری زندگی ہو، کیسے کسی کا ہاتھ تمام لوں۔ میرے ہاتھوں میں تمہاری مہک سائی ہے مگر اماں کی بے بسی مجھ سے

ماہنامہ پاکیزہ 220 جنوری 2013

دیکھی نہیں جاتی۔ وہ میرا بیاہ دیکھنا چاہتی ہیں۔۔۔۔۔ اماں کا خواب پورا کرنے کا سوچتی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے روح جسم سے نکل رہی ہو، تمہاری دوستی، تمہارا پیار جو میرے دل میں بسا ہے، خود کو کب تک زمانے کی نظروں سے بچاؤں گی جو میری سونی سونی آنکھوں میں تمہاری محبت، تمہاری دید کے منظر دیکھ کر مجھ پر ہستی ہیں۔ تم کیا بھو گے میری اذیت کو۔۔۔۔۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی تو مجھے سچ سچ خط میں لکھ کر اپنی محبت سے آزاد کر دو اور یہ خط میرا تمہارے لیے آخری ہوگا۔ اور میرا خط پھر بھی نہیں ملا۔۔۔۔۔ تو سمجھ لینا۔۔۔۔۔ کہ تمہاری رحما یہ دنیا چھوڑ کر چلی گئی۔۔۔۔۔ میں زہر کھالوں گی۔۔۔۔۔ شاید زہر سے مجھے اتنی اذیت نہ ہو۔۔۔۔۔ جتنی تمہاری بے پروائی مجھے دے رہی ہے۔“ خط کے آخر میں ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

”اس نے اپنی ساری قیمتی چیزیں سنہال کر رکھ لیں سوائے میرے“ اور آخر میں اس کا نام رحما لکھا ہوا تھا۔

اکرم کے بدن میں کرنٹ سا دوڑ گیا۔ خط میں جان دینے کی بات نے اس کو کون کر دیا۔ اس نے بار بار خط کو پڑھا۔۔۔۔۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔۔۔۔۔ اور چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔۔۔۔۔ جان دینے کی بات پڑھ کر اسے اپنی بہن فاطمہ یاد آ گئی۔ فاطمہ نے بھی تو محبت کی خاطر جان دے دی تھی۔۔۔۔۔ فاطمہ اس کی بہن اپنے کو لگ بھگ مشتاق سے پیار کر بیٹھی مگر ان کے والد قیوم صاحب نے ان کی محبت کو تسلیم نہ کیا۔۔۔۔۔ اور فاطمہ کی شادی اپنے ایک عزیز دوست اسلم کے بیٹے ذیشان سے طے کر دی۔۔۔۔۔ اکرم نے بہن کے حق میں آواز بھی اٹھائی۔ مگر ابانے ایک نہ سنی۔۔۔۔۔ اور فاطمہ کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی۔۔۔۔۔ فاطمہ نے جب اپنے ابا کے فیصلے کو بدلتا نہ دیکھا۔۔۔۔۔ تو اس نے خود کشی کو اپنا نصیب سمجھا۔۔۔۔۔ اور دنیا سے چل

ماہنامہ پاکیزہ 220 جنوری 2013

میں رکتی ہوں..... ورنہ میں چلی جاؤں گی۔“ اس نے چہرے پر مصنوعی خفگی سجا کر کہا تھا۔
 ”تعریف..... رحما پلینز کوئی آسان کام دے دو..... مجھے تعریف کرنی نہیں آتی۔“ ارمغان نے معصوم بن کر ہنستے ہنستے جواب دیا۔
 ”اوہ..... میں چلتی ہوں۔“ رحما نے اپنے قدموں کو حرکت دی۔

”ٹھہرو..... یار پلینز ایک منٹ تو دو، شاعر تھوڑی ہوں..... جو ایک ہی پل میں نظم سنا ڈالوں.....“ اس نے اپنے سر پر چپت لگا کر خود کو بے وقوف ظاہر کیا۔ رحما ہنس دی مگر اس نے سیٹ نہ سنبھالی۔

”یار! بیٹھ جاؤ، ریشمی میں بہت اچھی تعریف سوچ رہا ہوں۔“ اس نے رحما کو بیٹھنے کے لیے کہا اور اپنی کنبٹی پر انگلی رکھ کر سوچ میں ڈوب گیا۔
 ”ارمغان..... تعریف کے لیے اتنا وقت..... اس کا مطلب ہے کہ میں پیاری نہیں لگ رہی ہوں۔“ اس نے ارمغان کی دیری کو متنی رنگ دیا اور بھج سی گئی۔

”اوہو..... میڈم..... آپ چاند ہیں چاند.....“ اس نے تیشی نکال کر جملہ پھینکا۔
 ”یہ بہت برائی تعریف ہے۔ میں جا رہی ہوں۔“ اس نے ٹیبل پر سے کتابیں اٹھالیں رحما نے آنکھیں نکالیں اور چیخی۔

”یار! پوری تعریف تو سنو..... پھر چلی جانا۔“ ارمغان نے ایک دم اس کا ہاتھ تھاما اور مسکراتے ہوئے کہا۔

”بولیں.....“ وہ واپس کرسی پر بیٹھ کر خفگی سے بولی۔
 ”تم چاند ہو..... اور..... اور.....“ ارمغان سوچ میں پڑ گیا۔
 ”کیا..... اور.....؟“ رحما نے آنکھیں

لمبی۔ رحما کے خط نے اس کے پرانے زخم تازہ کر دیے۔ اس نے خط کو دراز میں رکھ دیا اور پھر سے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا..... مگر اسے اپنی بہن فاطمہ کا چہرہ نظر آنے لگا جو بستر پر بے جان پڑی تھی اور اس کے منہ سے سفید جھاگ نکل رہا تھا..... اماں کی چیخ و پکار کہ اس کی جوان بیٹی نے زہر کھالیا..... ابا کا یوں فاطمہ کو مردہ پا کر دل پر ہاتھ رکھ کر گر جانا۔ اس نے ڈر کے مارے آنکھیں کھول دیں..... اور لمبی لمبی سانس لینے لگا..... اس کا بدن کانپ رہا تھا..... اس نے پاس پڑا پانی کا جگ منہ سے لگالیا..... نیند اس کی آنکھوں سے بھاگ گئی تھی..... اسے رحما کی فکر لگی ہوئی تھی..... کہ کہیں وہ لڑکی بھی اپنی جان نہ دے دے۔

☆☆☆

وہ رات کے آخری پہر سلائی مشین پر کام کر رہی تھی..... آخر کار کام کرتے کرتے وہ تھک گئی تو صحن میں بچے تخت پر مشین ایک سائڈ پر رکھ کر لیٹ گئی..... چائڈ اپنی آب و تاب سے چمک رہا تھا..... اسے چاند کی آب و تاب ارمغان کی یاد میں لے گئی۔
 ”میں تمہیں کیسی لگتی ہوں؟“ وہ کالج کینٹین میں بیٹھی تھی..... اور ارمغان اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جو سرخ و سفید کڑھائی والا سوٹ پہنے بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

”سو..... سو.....“ ارمغان نے بیزاری سے جواب دیا..... اور دوسری ٹیبل پر بیٹھی لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔

”ارمغان..... ٹھیک ہے تم کہو تو میں چلی جاتی ہوں.....“ وہ خفگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اوہو..... یار..... مذاق کر رہا ہوں، بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ اس نے اپنے کان پکڑ کر اس کی تعریف کی۔
 ”بہت پیاری.....؟ میری تعریف کرو گے تو

نکال کر پوچھا۔ جو مذاق مذاق میں اب سچ مچ خفا ہو گئی۔

”تم چاند ہو..... اور میں تمہارا گرہن۔“

ارمغان نے سوچ کر جملہ کمپا اور پھر ہنسنے لگا۔

”گرہن.....؟“ رحما ہنس دی۔ ”یہ تعریف مجھے اچھی لگی۔“ رحما نے ہنسنے ہنسنے تالی بجائی اور

ارمغان نے رحما کے ہنسنے پر ایک لمبی سانس لی..... اور مسکراتے لگا..... اس کے لبوں پر اب بھی

مسکراہٹ تھی..... جب بارش کی بوندیں اس کے چہرے پر پڑیں..... تو وہ واپس ارمغان کی یاد سے

باہر آ گئی۔

”ارمغان تم کہاں چلے گئے ہو۔“ رحما کی آنکھیں بھر آئیں..... بارش نے تیزی دیکھائی..... اس کے آنسوؤں کی رفتار بھی تیز ہو گئی..... اور

ارمغان کی یاد اسے اذیت میں مبتلا کر گئی۔

☆☆☆

وہ کب سو گیا تھا..... اسے خود بھی پتا نہیں چلا..... اس کی ماں سیکینہ نے جگایا..... تو وہ چیخ مار کر اٹھا۔

”ہائے..... ہائے..... اکرم کیا ہو گیا ہے بیٹا۔“ سیکینہ بیٹے کی چیخ سے دل تھام کر بولی۔

”وہ..... وہ.....“ اکرم کچھ بھی نہ بول سکا..... وہ رات رحما کی بات سے کافی پریشان ہو کر سویا تھا۔

”میرا بیٹا گھبرا گیا ہے..... کوئی برا خواب دیکھ رہے تھے کیا؟“ سیکینہ نے اس کے سر پر پیار دے کو پوچھا۔

”ہاں..... ہاں.....“ اکرم نے نظریں چرائیں اور وال کلاک کی طرف دیکھا..... اسے آج پھر دیر ہو گئی تھی۔ ”اوہو..... صبح کے آٹھ بج چکے ہیں۔“ اس

نے جلدی سے چپل پہن لی۔

”میرے بچے کو یہ ملازمت اچھی نہیں لگ رہی۔“ سیکینہ نے مسکراتے ہوئے اکرم کے دل کی بات بیان

کی۔

”نہیں اماں..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ اکرم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

قیوم صاحب بھی اکرم کے کمرے میں بوجھل قدموں سے آکھڑے ہوئے۔

”سرکاری ملازمت میں پیسہ مناسب ہے اور تھوڑے دن کی اور بات ہے..... میں صحت مند

ہو جاؤں تو اکرم کے یورپ جانے کا دوبارہ ہندوستان کرتا ہوں۔“ انہوں نے بیوی کی بات سن لی تھی، وہ

سنجیدگی سے بولے۔

”نہیں، اباجی.....“ اکرم نے ادب سے نفی کی..... سیکینہ شوہر کی بات پر مڑھاسی گئی۔ جو بیٹی کی

موت کے بعد اب اکرم کی جدائی نہیں جاتی تھی۔

”کیوں..... بیٹا..... تیرا خواب یورپ تھا.....؟“ قیوم صاحب کھانٹتے ہوئے حیرت میں پڑ گئے۔

”رہنے دیں..... اگر اکرم کا دل نہیں چاہتا.....“ سیکینہ نے منہ بسور کر جواب دیا۔

”اچھا..... اچھا..... اپنی ماں کے لیے نہیں جانا چاہتا.....“ انہوں نے سیکینہ کے خفا چہرے کو دیکھ کر

ہنسنے ہنسنے بات کی..... اکرم بھی مسکراتے لگا۔

”پلیس اپنے کمرے میں آرام کیجیے..... بیٹے کو پہلے ہی ملازمت سے دیر ہو گئی ہے۔“ سیکینہ نے قیوم

صاحب کو اکرم کے بستر سے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور

اکرم کو تیار ہونے کی تاکید کر کے وہ باورچی خانے میں گھس گئی۔

☆☆☆

وہ گھر سے جلدی نکل آیا..... اس نے ناشتا بھی بے دلی سے کیا..... وہ رحما کا خط بھی جیب میں ڈال

لایا تھا..... پوسٹ آفس آکر اس نے رحما کے خط کو بار بار پڑھا..... جتنی دفعہ وہ خط پڑھتا..... اسے رحما کا اداس چہرہ نظر آتا..... وہ سوچ سوچ کر تھک

بچانے کی ہے پھر راستہ جیسا بھی ہو..... تمہیں یہ نہیں سوچنا چاہیے۔“ خیر دین نے اس کے سر پر پیار دے

کر جواب دیا..... جو انہیں بہت الجھا الجھا دکھائی دے رہا تھا۔

”شکریہ چاہا!“ اس نے ایک لمبی سانس بھر کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں چائے لے کر آتا ہوں۔“ خیر دین نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”چاہا..... چائے کے ساتھ ناشتا بھی کروادیں.....“ اس نے ہنسنے ہنسنے کہا..... جسے

اچانک بہت بھوک لگ گئی تھی..... خیر دین کی بات سے وہ کافی مطمئن ہو چکا تھا..... خیر دین مسکراتے

کمرے سے نکل گیا..... اور اس نے قلم سنبھال لیا۔

☆☆☆

دوپہر میں وہ سلائی مشین لیے بیٹھی تھی..... ثریا کدو چھیل رہی تھیں تو دروازے پر دستک ہوئی اس

سے پہلے ثریا دروازے کے لیے اٹھیں..... رحما اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آپ بیٹھی رہیں اماں، میں دیکھتی ہوں۔“ اس نے دوپٹا سنبھالا..... اور باہر دروازے کی طرف

لپکی۔

”کون.....؟“ رحما نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ارے ثریا میں ہوں..... کلثوم بی بی.....“ کلثوم بی بی نے اپنی تیز آواز کو مزید تیز کر کے جواب

دیا۔

”اُف خدایا..... یہ مصیبت کہاں سے آچکی.....؟“ رحما منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی..... مگر

مجبوراً اسے دروازہ کھولنا پڑا..... ماں جو گھر پر موجود تھی..... ورنہ وہ کبھی دروازہ نہ کھولتی..... اس نے دروازہ کھولنے کے بعد دل سے کھول دیا..... کلثوم بی بی برقع اتار کر فوراً اندر داخل ہوئی۔

”توبہ..... توبہ..... اس عذاب برساتی گرمی

گیا..... کہ وہ رحما کی جان کیسے بچا سکتا ہے..... اس نے نیند بھی کل مکمل نہیں لی تھی..... اس نے آنکھیں

موند لیں تو فاطمہ کی طرح رحما کے منہ سے جھاگ نکلتا دیکھ کر وہ گھبرا سا گیا اور پھر سوچوں میں گم ہو گیا کہ وہ

کیسے رحما کی جان بچائے..... کیسے ارمغان سے رابطہ کرے..... کیسے رحما کی مدد کرے اس نے خط پڑھ

کر اپنی جان کو عذاب میں ڈال دیا تھا..... وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا..... تب ہی خیر دین کی آواز نے اسے

چونکا یا۔

”بیٹا..... بیٹا چائے پیو گے کیا.....؟“ خیر دین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”ہاں..... چاہا.....“ اکرم نے ایک لمبی سانس بھری۔

”کوئی بات ہے کیا؟ بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہو۔“ قیوم صاحب خیریت سے ہیں ناں؟“

خیر دین نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... چاہا..... اب اٹھیک ہیں، بس چاہا..... سر درد نہیں جاتا.....“ اکرم نے

افسردگی سے بتایا۔

”ابھی ایک تیزی چائے لاتا ہوں، سر درد بھاگ کھڑا ہوگا.....“ خیر دین نے ٹبل صاف کی اور

مسکراتے ہوئے کہا..... خیر دین کمرے سے جانے لگا تو اکرم نے اسے مخاطب کیا۔

”چاہا! چاہا! ایک بات پوچھنی تھی؟“ اکرم نے سنجیدگی سے کہا جو رحما کی مدد کے لیے سوچ رہا

تھا۔

”ہاں..... بیٹا! پوچھو۔“ خیر دین نے پیار سے کہا۔

”چاہا! کسی کی جان بچانے کے لیے چاہے

راستہ صحیح نہ ہو..... مگر اس راستے سے جان بچ جائے تو

کیا یہ صحیح عمل ہوگا؟“ اکرم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نیک کام ہے..... اور تمہاری نیت تو جان

”رحما..... کپڑے دھو رہی تھی..... شاید وہ چھت پر کپڑے ڈالنے لگی ہو۔“ ثریا نے نورین کو اطلاع دی۔

”اچھا..... خالہ میں چھت پر چلی جاتی ہوں۔“ اس نے تیزی دکھائی۔

”ارے نورین..... ایک پکڑے سے مجھے کچھ نہیں ہوگا..... لا ذرا دے.....“ ثریا کے منہ میں پانی بھر گیا..... نورین کے ہاتھ کے گرما گرم پکڑے سے کوئی محبت ہی انکار کر سکتا تھا۔

”خالہ ایک چپکے سے کھائیں..... رحما اور اماں کو خبر مل گئی تو دونوں میری جان کے پیچھے پڑ جائیں گی۔“ اس نے بیسی نکال کر ایک پکڑا ثریا کے ہاتھ میں تھما دیا جسے ثریا نے چھت سے منہ میں رکھ لیا..... کئی دنوں سے وہ بغیر نمک کا کھانا کھا رہی تھیں۔

نورین پکڑوں کی پلیٹ سمیت چھت پر پہنچی..... رحما کپڑے نچوڑ کر تار پڑا رہی تھی۔

”میڈم کام ختم ہو گیا کیا؟“ نورین نے مسکرا کر پوچھا۔

”نورین..... تم..... آہا اور یہ پکڑے.....“ رحما خوش ہو گئی۔

”ناراضی دور کرنے کے لیے پکڑے تو بنا کر لانے ہی تھے.....“ اس نے ہنستے ہنستے ایک پکڑا رحما کے منہ میں ڈالا۔

”اف..... اتنی مرج.....“ رحما نے پکڑا کھاتے ہوئے کہا..... اور باقی کپڑے تار پر پھیلانے لگی۔

”اچھے نہیں ہیں کیا؟“ نورین نے منہ لٹکا کر پوچھا۔

”مزے کے ہیں..... میری جان..... بہت.....“ رحما نے خالی ہائی اٹھائی اور ایک پکڑا اس کے منہ میں ڈالا۔

”میں تمہاری جان ہوں..... واہ..... مجھے

امانت ہو پھر تمہیں اپنی جان لینے کا کوئی حق نہیں، میں باہر صرف تمہارے لیے آیا ہوں..... تمہیں دنیا کی ہر خوشی دینے کے لیے..... میں نے یہاں کبھی کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھا..... کیونکہ تم میری زندگی ہو۔ اور اپنے دل و دماغ کو سمجھا دو کہ میں صرف تمہارا ہوں، صرف تمہارا..... تمہاری دعاؤں سے مجھے یہاں اچھا کام مل گیا ہے مگر چھٹی نہیں ملتی..... بہت جلد لوٹ آؤں گا..... تم خود کو نقصان دینے سے پہلے میرا سوچ لینا..... اپنا خیال رکھنا..... تمہارے اگلے خط کا منتظر رہوں گا۔

فقط تمہارا
ارمغان“

اس نے خط مکمل کیا اور پھر خط کو پڑھ کر ایک مرتبہ تسلی کی..... کہ یہ خط رحما کی زندگی کو دوبارہ سے امید پر قائم کر دے گا..... اور وہ جان دینے کا خیال دل سے نکال پھینکتے گی..... وہ مطمئن ہو گیا جس کا چین خط نے چھین رکھا تھا۔

☆☆☆

”خالہ..... خالہ..... رحما کدھر ہے؟“ نورین ہاتھ میں پلیٹ تھا سے ثریا کے کمرے میں پہنچی۔

”کیا لائی ہو.....؟“ ثریا جو دوپہر کو کچھ دیر آرام کرنے کے لیے لیٹی تھیں خوشی خوشی اس سے پوچھا۔

”پکڑے بنائے تھے..... رحما کو پسند ہیں ناں.....“ نورین نے ہنستے ہنستے کہا۔

”میرے لیے نہیں ہیں کیا؟“ وہ منہ بسور کر بولیں۔

”خالہ آپ کے لیے نہیں..... پہلے ہی بی بی ہائی رہتا ہے..... اماں نے ہدایت دے کر مجھے گھر سے بھیجا ہے کہ آپ سے پکڑے دور رکھوں..... نمک، مرج تیز ہے۔“ نورین نے فکر مندی سے عظمت کی بات بیان کی۔

لے کر اس کی تعریف کی۔ وہ خاموشی سے واپس باورچی خانے میں آگئی..... اس نے غصے سے چولہا جلایا..... اور فرنگ سے آٹے کی رات نکالی..... کلثوم بی بی دوپہر میں اس لیے ان کے گھر پہنچی تھی کہ دوپہر کا کھانا کھا کر جائے گی۔ یہ تقریباً تین سال سے ہو رہا تھا..... جس کی اسے عادت ہو چکی تھی۔ وہ کام سے جلد سے جلد فارغ ہو کر سلائی کا کام دیکھنا چاہتی تھی۔ باورچی خانے میں ثریا کی آواز آئی۔

”رحما! ماسی کے لیے آلیٹ پیاز والا بنا دینا..... کلثوم بی بی کا دل چاہ رہا ہے۔“ ثریا نے آواز دے کر ہدایت دی۔

”جانتی ہوں..... اس ماسی کلثوم کے کرتوت کو..... کہیں کھانا پینا نہیں ملتا..... تو ہمارے گھر کا رخ کر لیتی ہے.....“ وہ بڑبڑاتی رہی اور اپنا کام کرتی رہی۔ اسے کلثوم ماسی ایک آنکھ نہیں بھائی تھی کیوں وہ اچھی لگتی..... اس کے دل میں ارمغان جو بسا ہوا تھا۔

☆☆☆

اکرم نے قلم اٹھایا اور رحما کو خط لکھنا شروع کیا..... ایک لفظ لکھ کر پھر اس نے صفحہ پھاڑ دیا۔

”کیا لکھوں..... کہاں سے شروع کروں۔“ وہ خود سے مخاطب ہوا..... اور پھر سوچ میں پڑ گیا..... اس نے آج سے پہلے کبھی کسی کو خط نہیں لکھا تھا..... آہستہ آہستہ اس کا قلم چلنے لگا۔

”پیاری رحما! آداب..... تمہارا خط ملا، دل کو سکون ملا مگر یہ جان کر افسوس ہوا کہ تم پچھلے کئی سالوں سے خط لکھ رہی ہو..... مگر مجھے تمہارا کوئی خط موصول نہیں ہوا..... میں تو خود تمہارے خط کا انتظار کرتا رہا ہوں..... اور یہ سوچتا رہا کہ شاید تم مجھے بھول گئی ہو مگر اب تمہارا خط پا کر میری جان میں جان آئی..... یہ بڑھ کر بہت دکھ ہوا کہ تم زہر کھا کر اپنی جان دے دو گئی..... تم میری

سے خدا بچائے۔“ اس نے رحما سے بیزاری سے کہا۔

”کون ہے..... رحما؟“ کمرے میں سے ثریا کی آواز ابھری۔

”ارے ثریا میں ہوں، کلثوم..... ہمیں یاد کرنا چھوڑ دیا تم نے..... دیکھ لو خود ہی تمہارے گھر حاضری لگوانے چلی آئی ہوں۔“ کلثوم بی بی نے اپنی تیز آواز سے بات کرتے کرتے چارپائی پر قبضہ جمایا..... جہاں ثریا بیٹھی ہوئی تھیں۔

”تم خود عید کا چاند ہو جاتی ہو؟ وہ کدو کا منٹے ہوئے مسکرا کر بولیں۔

”اری رحما..... ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا تو لا دو..... حلق خشک ہو گیا ہے۔“ اس نے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے برسا منہ بنایا۔

”رحما! شربت بنا دو.....“ ثریا نے رحما کو ہدایت دی..... اس نے مجھے دل سے باورچی خانے کا رخ کیا۔

”چوہدری صاحب کے گھر سے پیدل چل کر آ رہی ہوں۔“ اس نے خود کو معصوم ظاہر کیا..... اور اپنی ٹانگیں دبائے لگی۔

رحما غصے سے شربت بنانے لگی..... باورچی خانے تک اسے چوہدری صاحب کا نام سنائی دیا۔

”توبہ ہے..... ہزار دفعہ رشتے کے لیے اماں انکار کر چکی ہیں..... پھر بھی یہ چوہدری صاحب کا نام لینا نہیں بھولتی..... کمبخت.....“ رحما نے شربت کا گلاس پرچ میں رکھا..... اور کمرے میں آگئی..... کلثوم بی بی حسب معمول اس کے قہیدے پڑھ رہی تھیں۔

”بہت پیارا لڑکا ہے، سچ میں ہیرا ہے..... رحما کی شادی ہو گئی تو بہت خوش رہے گی..... انہیں رحما جیسی لڑکی چاہیے..... ماشاء اللہ سے ہماری رحما میں وہ سب خوبیاں ہیں جو چوہدری صاحب کے..... کمرے کو چاہئیں.....“ اس نے رحما سے شربت کا گلاس

ہونے دی۔“ نورین نے اپنی قمیص کی آستین چڑھا کر کہا۔

”یہ راز راز ہی رہنے دو..... ورنہ تم میری جان کھا جاؤ گی۔“ رحمان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”ایسی بات ہے تو یہ خط واپس نہیں دوں گی۔“ اس نے خط اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیا۔

رحمان بے صبری سی ہوئی..... اور اس سے خط چھیننے لگی..... نورین ہتے ہتے چھت کی سیڑھیاں چڑھ گئی اور اس نے اوپر جا کر رحمان کو منہ چڑا کر خط دکھایا تو رحمان اس کے پیچھے بھاگی۔

☆☆☆

وہ تین دن کے بعد اسے نظر آئی..... اسے دیکھتے ہی وہ گھبرا گیا..... کہ کہیں اسے خط کے راز کا علم تو نہیں ہو گیا۔ اس نے اپنے کام پر توجہ کرنی اور اس سے انجان ہو گیا۔

”سنیں.....“ اس نے شائستگی سے اسے پکارا۔ وہ پیلے سوٹ میں بہت کھلی کھائی دے رہی تھی۔

”یہ خط پوسٹ کر دیں۔“ اس نے بیگ سے لفافہ نکالتے نکالتے کہا۔

اس نے خاموشی سے لے لیا..... رحمان اسے پیسے تھما دیے۔

”رجسٹری کر دوں؟“ اکرم نے نظریں چرا کر پوچھا۔

”جی ہاں..... آپ کا بہت بہت شکریہ.....“ رحمان آہستہ سے کہا۔

”شکرے کی کوئی بات نہیں.....“ اس نے نظریں بدستور جھکائے..... جواب دیا..... وہ اس سے نظریں ملانے سے ڈر رہا تھا۔ رجسٹری کی رسید کاٹتے

کاٹتے اس کے ہاتھ لرز رہے تھے..... وہ رسید لے کر پوسٹ آفس سے نکلی تو اس کی انکی سانس بحال ہوئی۔ اس نے رحمان کے جانے کے بعد بے صبری سے

خط نکالا اور پڑھنے لگا۔

چھوڑا اور کمرے میں آکر بے صبری سے ارمان کا خط کھول لیا۔ خط پڑھتے پڑھتے وہ منہ میں کہنے لگی ”مجھے یقین تھا کہ تم میرے ہو..... صرف میرے۔“

پھر اس نے خط کو سینے سے لگالیا۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ چار سال کے بعد ارمان نے اسے اپنی خبر دی تھی۔ وہ خط میں کھوئی ہوئی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی..... اس نے خط کو اپنے بستر کے نیچے چھپالیا اور خوشی خوشی جا کر دروازہ کھولا تو سامنے نورین کو اس کی بیس پکڑے پایا۔

”تھینک یو رحمان..... یہ لو اپنی قمیص.....“ اس نے مسکراہٹ کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔

رحمان جھٹ سے اسے گلے سے لگالیا..... وہ حیرت میں پڑ گئی۔

”کیا ہوا.....؟ خیریت! نورین نے خوشی خوشی پوچھا۔

”اندر تو آؤ۔“ رحمان اس کا ہاتھ تھامے اندر چلی آئی..... نورین کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

رحمان بستر کی چادر اٹھائی اور ارمان کا خط اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور..... مسکرانے لگی۔

”یہ..... خط کس کا ہے؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”تمہارے بے ایمان بھائی کا.....“ رحمان ہتے ہتے جواب دیا۔

”جج.....؟“ نورین نے خوشی سے پوچھا اور خط اونچی آواز سے پڑھنے لگی..... رحمان کا چہرہ دمکنے لگا۔

اس کا انتظار جو ختم ہو گیا تھا۔

”یہ خط کس کے گھر پر آیا ہے؟“ ایک دم نورین جج اٹھی۔

وہ ہنسنے لگی..... اور پیار سے نورین کے گلے میں بانٹیں ڈال دیں۔

”میں پوچھ رہی ہوں، یہ کیا راز ہے..... کس کے گھر کا ایڈریس تم نے دے دیا اور مجھے خبر بھی نہیں

کہ وہ اس کی جان دینے والی بات سے کافی اسیٹ تھا۔ وہ سفید چادر میں بہت پیاری لگ رہی تھی مگر اس کے چہرے پر رونق نہیں تھی۔ جوں جوں وہ اس کے پاس آتی گئی اکرم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اس نے انجان بن کر خود کو کام میں مصروف کر لیا۔

”سنیں.....“ اس نے اکرم کو مخاطب کیا۔

اکرم نے بے پروائی سے نظریں اٹھائیں اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ نہیں رحمان اس کی چوری نہ پکڑ لے۔

اس نے پرس سے نکال کر تیس روپے اکرم کی طرف بڑھائے۔ ”یہ اس دن کا ادھار.....“ وہ شائستگی سے بولی۔

”آپ کے خط کا جواب بھی آ گیا ہے۔“ اکرم نے تیس روپے پکڑے اور پھر نظریں چرا کر بولا۔

”جج..... کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“ اس نے چونک کر بڑی بے صبری سے پوچھا۔

”جی ہاں.....“ اکرم نے الماری کے نچلے خانے کو کھولا..... اور اس میں سے وہ خط نکال کر اسے تھما دیا۔

”شکریہ..... بہت بہت.....“ اس نے بے تابی سے خط..... کھولا اور جلتے جلتے ہی خط کا لفافہ پوسٹ آفس میں پھینکا..... اکرم کے دل کو قرار سا آ گیا..... وہ خط پڑھتے پڑھتے اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی اور خط کا لفافہ جس پر کوئی لکٹ چپاں

نہیں تھا وہ اکرم نے جا کر اٹھالیا۔

”محبت کجخت اتنی ہی ظالم ہوتی ہے جو انسان کو ہر چیز سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ سوائے اپنے محبوب کے۔“ وہ بڑبڑاتا ہوا اپنی سیٹ پر بیٹھا۔

☆☆☆

وہ گھر پہنچی..... تو رٹیا گھر پر نہیں تھیں..... اس نے دروازے کو لاک کیا، کپڑوں کا شاپروہیں تخت پر

بہت اچھا لگا کہ تم نے مجھے اپنی جان بنا لیا..... اور باقی سب کو بھول گئی ہو۔“ نورین نے ہتے ہتے اس کو چھیڑا۔

”ہاں جی..... آپ کے علاوہ میری کوئی جان نہیں.....“ وہ اور نورین سیڑھیاں اتر کر کمرے میں آ بیٹھیں۔

رحمان نے ایک پکڑا پھر اٹھایا جس سے نورین بہت خوش ہو گئی۔

”ججی میں ہر آنے والی ڈاک پر نظر رکھتی ہوں..... مگر ارمان کا کوئی خط نہیں ہوتا۔“ اس نے رحمان کو تلی دے کر بات کی۔

”کوئی اور بات کرو یہ بات بھول جاؤ۔“ وہ پکڑے کھاتے کھاتے بولی۔ وہ جو پچھلے چار سال سے نورین کو اپنے گھر کی ڈاک کا خیال رکھنے کی تاکید کرتی تھی اس نے بے پروائی سے بات ختم کی۔

”مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ تم نے حقیقت کو تسلیم کیا اور خوابوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا۔“ نورین بھی پکڑا کھاتے ہوئے بولی ارمان کے نام سے

رحمان کو بے فکر دیکھ کر وہ مطمئن سی ہو گئی کہ اس کی سہیلی ارمان کی جھوٹی محبت سے آزاد ہو گئی ہے۔

رحمان نے نورین کی بات پر نظریں چرائیں..... جس نے اکرم کا ایڈریس خط پر لکھوایا تھا اور نورین اس سے انجان تھی۔ اس نے مزید بات کو چلنے نہیں دیا اور نورین سے اس کے اسکول کے متعلق باتیں کرنے لگی۔

☆☆☆

اکرم نے بیس دن کے بعد رحمان کو پوسٹ آفس میں آتے دیکھا۔ اس نے جلدی سے سیٹ سنہالی اور اپنی الماری کے نچلے خانے کو کھولا اور اپنے لکھے

خط کو دیکھا جو لفافے میں بند تھا۔ اسے بس ڈر تھا کہ کہیں رحمان اس لفافے پر ٹک نہ ہونے کی وجہ سے اس پر شک نہ کرے وہ رسک لے رہا تھا۔ صرف اس لیے

”ہا ہا ہا..... تو خوش ہو جا، میری آزادی کو غلامی کی جو شکل مل رہی ہے۔“ نورین نے منہ بنا کر اس کے گانے پر جواب دیا۔

”چل جلدی سے اچھا سانا شتا بناؤ..... میرے خیال میں حلو اپوری منگوا لو..... منہ بیٹھا ہو جائے گا۔“ رحما اس کے پاس بستر پر آ بیٹھی..... اور خوشی سے حکم دیا۔

”اچھا جی..... پہلے اپنی ٹریٹ دو..... پھر میں اپنی دوں گی۔“ نورین نے ہنستے ہنستے کہا۔

”میری کب منگنی ہوئی ہے؟“ اس نے حیرانی دکھائی۔

”ارمغان کا خط جو آیا ہے۔ اس کی ٹریٹ مانگ کر رہی ہوں۔“ نورین نے وضاحت کی۔

”اچھا بابا..... دے دوں گی۔ کنجوس مت بنو..... اور حلو اپوری کھلاؤ۔“ رحمانے منہ بسور کر تکیہ بانہوں میں سنبھالا۔

”اچھا میڈم..... حلو اپوری منگوا دیتی ہوں۔ اماں تو گھر آجائیں۔“ نورین نے ہنس کر کہا۔ ”تم بتاؤ جناب! ارمغان کب تک آ رہا ہے..... اس نے کچھ بتایا؟“ اب کے نورین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”بہت جلد آ رہا ہے۔“ رحمانے خوشی سے کہا۔

”ریٹلی..... اس کا مطلب ہے کہ دونوں سہیلیوں کی قسمت جاگ انھی۔ تم بھی باہر چلی جاؤ گی اور میں بھی۔“ اس نے خوشی خوشی جواب دیا۔

”ہاں..... مگر ہماری اماؤں کا کیا ہوگا؟“ رحما نے فکر مند سا چہرہ بنا لیا۔

”اوہو..... یہ تو میں نے بھی نہیں سوچا۔“

نورین کا چہرہ بھی مرجھا سا گیا۔

”تم لوگوں کو سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہر لڑکی نے اپنے گھر جانا ہوتا ہے،“ شکرہ نے غمت خالہ نے ان دونوں کی آخری باتیں ہی سنی تھیں جو اپنی ماں کی جدائی کے لیے فکر مند ہو رہی تھیں۔

”گلتا ہے کوئی اچھی خبر ہے..... جو تم دونوں کھی کھی کر رہی ہو۔“ ثریا نے ہنستے ہنستے پوچھا۔

”ثریا میں نے تیری بیٹی کا رشتہ طے کر دیا ہے۔“ عظمت نے ثریا کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”کیا مطلب ہے..... رحما کا رشتہ؟“ ثریا کا چہرہ فق ہو گیا..... رحما بھی ماں کے جواب پر الجھ سی گئی۔

”تیری نورین بیٹی کا رشتہ میں نے طے کر دیا..... احتشام کے بیٹے وہاب کے ساتھ۔“ عظمت نے وضاحت کی۔

”بہت، بہت مبارک باد۔“ ثریا نے مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔

”عظمت خالہ بہت شاندار پیارٹی مجھے دیجیے گا..... میں نے بہت دعائیں کی تھیں۔“ رحمانے خالہ عظمت کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”نورین کے ساتھ ساتھ میں تیرے لیے بھی ہزار دعائیں کرتی ہوں۔“ خالہ عظمت نے ہنس کر کہا۔

”بس رحما کے لیے بھی اچھا سا رشتہ مل جائے..... تو دونوں کی شادی جلد از جلد کر دیتے ہیں۔“ ثریا اپنے دل کی بات زبان پر لے آئیں۔

”خدا کرم کرے۔“ عظمت نے سنجیدگی سے کہا۔

”اماں میں نورین کے پاس جاتی ہوں۔“ اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا..... اس کے چہرے کا رنگ جوفیق ہو رہا تھا..... وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

ثریا لڑکے کے متعلق بات چیت کرنے لگیں..... اور عظمت خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

”میری پیاری بہنیا..... بنے گی دلہنیا..... ج کے آئیں گے دولہے راجا.....“ رحمانے نورین کو دیکھا تو زور زور سے گلا چھاڑنے لگی۔

”خالہ آپ.....؟“ اس نے حیرانی دکھائی۔

”نورین کا رشتہ پکا ہو گیا.....“ عظمت خالہ نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اطلاع دی۔

”کیا.....؟“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”بچ..... وہ میرا دیور احتشام جو لندن میں رہتا ہے اس نے کل رات فون کر کے اپنے بیٹے وہاب کے لیے نورین مانگی ہے۔“

”خالہ..... نورین کدھر ہے؟ کبجنت خود نہیں آئی؟“ اس نے خوشی خوشی پوچھا۔

”وہ تو آ رہی تھی، میں نے اسے روکا کہ ثریا کو اچھی خبر میں سناؤں گی۔“ عظمت نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور ثریا کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں..... رحما بھی خوشی خوشی ان کے پیچھے چل دی۔

ثریا سو رہی تھیں..... عظمت ان کی چارپائی پر ہی بیٹھ گئیں۔

”اماں..... اماں!“ رحمانے ماں کو آہستہ سے جگایا۔

”ہاں..... ہاں۔“ ثریا آنکھیں مسل کر بولیں۔

”اماں، خالہ عظمت آئی ہیں..... دیکھیں تو.....“ رحمانے خالہ عظمت کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ثریا نے پھر آنکھیں موند لیں..... اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔

”اٹھ بھی جاؤ..... میری لاڈلی سہیلی۔“ عظمت ثریا کا کندھا ہلا کر ہنس کے بولیں۔

”ہاں..... ہاں..... اٹھ رہی ہوں..... ایسی کیا بات ہے..... جو تم ج، صبح مجھے جگانے آگئی ہو۔ محلے میں کوئی فوت تو نہیں ہو گیا۔“ ثریا انگڑائیاں لیتے لیتے انھیں۔ رحما ہنسنے لگی..... عظمت نے بھی قہقہہ لگایا..... ثریا حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

”پیارے ارمغان! آداب!“

تمہارا خط ملا..... یوں لگا جیسے پوری دنیا میری مٹھی میں آگئی ہو، تم خیریت سے ہو، خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا..... اور تم میرے ہواس پر خود کو خوش قسمت سمجھا کہ میری سچی محبت اب بھی تمہارے دل پر حکمرانی کر رہی ہے۔ تم کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھتے۔ خط میں پڑھا تو لبوں پر مسکراہٹ چھا گئی..... تمہیں ثبوت دینے کی ضرورت نہیں..... تم میرے ہو یہ میرا دل ہمیشہ گواہی دیتا رہا..... تمہارے خط کو پا کر میری ساری غلط فہمیاں دور ہو گئیں اور اب زندگی اچھی لگنے لگی ہے۔ تم کب واپس آ رہے ہو، جلدی آ جاؤ، مجھے صرف تمہارے پیار کی ضرورت ہے، تم دنیاوی چیزوں کے لیے مجھ سے دور نہ رہو، مجھے پیار کے علاوہ کسی چیز سے کوئی غرض نہیں..... ایسا نہ سمجھ لینا کہ میں تمہارا انتظار کر کے تھک چکی ہوں..... میں تو ہمیشہ تمہاری منتظر رہوں گی..... خط کا جواب جلد دے دینا۔“

آخر میں اس کا نام رحما..... اور شعر لکھا ہوا تھا۔

”تیری محبت نے عجب اک روشنی بخشی میں اس دنیا کو اب پہلے سے بہتر دیکھ سکتی ہوں۔“

اکرم نے خط کو پڑھا تو اک عجیب سا سکون اسے اپنے اندر اترتا محسوس ہوا..... اس نے اپنی آنکھیں موند لیں اور زرب لب کہنے لگیں نے اس کی جان کو بچا لیا..... میں نے اس کی جان کو بچا لیا۔“

☆ ☆ ☆

صبح وہ منہ ہاتھ دھو رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی..... اس نے جلدی سے ہاتھ دھو کر نکلا بند کیا اور دروازے کی طرف پسکی۔

”کون ہے؟“ اس نے بیزار سی پوچھا۔

”میں ہوں بیٹا خالہ عظمت.....“ عظمت نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

ماہنامہ پاکیزہ 230 جنوری 2013ء

ماہنامہ پاکیزہ 281 جنوری 2013ء

www.pdfbooksfree.pk

دیکھا۔

”بس تیرے ابا اور میں سوچ رہے تھے..... بلکہ تیرے ابا نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر تیری نظر میں کوئی لڑکی ہے تو بھی صاف صاف ہمیں بتادے ہم اسے بڑی خوشی کے ساتھ گھر لے آئیں گے۔“

سیکنہ نے ہنستے ہوئے بیٹے سے کہا۔

”اماں..... میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔“

یہ کہہ کر وہ کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔

”کیوں.....؟“ سیکنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ابھی میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہوا ہوں..... اس نے جواب دیا۔“

”گھر میں بہو آجائے گی تو ہم دونوں بوڑھے لوگوں کو بھی خوشی مل جائے گی اور پھر تیرے بچے ہوں گے تو گھر میں دوبارہ سے خوشیاں لوٹ آئیں گی۔“

سیکنہ نے افسردگی سے اپنی بیٹی کو یاد کیا۔ اس کی آنکھیں رُخم ہو گئیں۔

”اماں..... آپ فکر نہ کریں بہت جلد آپ کو اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔“ اس نے ماں کو تسلی دی جبکہ اس نے شادی کا سوچا تک نہیں تھا۔

☆☆☆

اس نے رات کو پھر خط کھول لیا..... اور پڑھنے لگی۔

”پیاری رحما.....!“

آداب! تمہارا پیارا سا خط ملا..... دل خوش سے جھوم اٹھا..... کہ میں نے تمہاری مسکراہٹ واپس کر دی..... مجھے اندازہ ہے کہ تم نے میرے لیے کتنے آنسو بہائے ہیں، مجھ سے وعدہ کرو کہ تم بھی اداس نہیں رہو گی اور تمہیں معلوم ہے کہ میں جب اداس ہوتا ہوں تو تمہیں سوچتا ہوں، اداسی بھاگ جاتی ہے کہ پاکستان اُڑ کر آ جاؤں..... بس کچھ کام ادھورے ہیں..... بہت جلد انہیں مکمل کر کے تمہارے پاس لوٹ آؤں گا پھر ہم اپنا نیا گھر بسائیں

تو پیار سے بولتی ہوں۔“ نورین کہتے ہوئے گلاس میں پانی اٹھیل کر جلدی جلدی پینے لگی۔

”آہستہ پانی پیو..... کہیں سانس کی نالی میں نہ چلا جائے۔“ رحمانے ہنس کر کہا۔

”نہیں جاتا جناب..... کچی ہڈی کی بنی ہوئی ہوں۔“ وہ ہنسی۔

”جیسے ماسی کلثوم کچی ہڈی ہے.....“ رحمانے کام کرتے ہوئے ماسی کلثوم کو یاد کیا۔

”یاد آیا..... وہ ماسی کلثوم اماں اور خالہ ثریا سے تیرے لیے چوہدری صاحب کے رشتے پر اصرار کر رہی ہیں۔“ نورین نے اسے بتایا۔

”ہاں، ہاں میں جانتی ہوں..... اماں نے تو صاف انکار کر دیا تھا۔“ رحمانے بے پروائی سے کہا۔

”اچھا..... مگر میں نے تو اماں کی زبانی سنا ہے کہ خالہ ثریا کہہ رہی تھیں کہ چوہدری صاحب کو دیکھنے میں کیا حرج ہے۔“

”کیا.....؟“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”ریشی..... رحما..... میں نے سمجھا شاید تمہیں سب معلوم ہوگا۔“ نورین نے حیرانی سے جواب دیا۔

رحما فکر مند ہو گئی کہ اماں کو اس نے صاف صاف انکار بھی کر دیا تھا پھر وہ کیوں چوہدری صاحب کو دیکھنا چاہتی ہیں۔

”کچھ نہیں ہوگا..... بس تم ارمغان سے کہہ دو کہ وہ پاکستان آ کر تم سے شادی کرے..... یا کم از کم اپنے والدین کو بھی بھیج دے بات کرنے۔“ بانی خالہ ثریا کو میں دیکھ لوں گی.....“ اس نے اپنی کھیلی کو دلا سا دے کر گلے سے لگا لیا مگر رحما کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

☆☆☆

”وہ تیری نمو خالہ کی بیٹی کرن کیسی لگتی ہے تجھے؟“ اس نے کھانا کھاتے ہوئے ماں کو حیرت سے

گا تو کیا ہوگا مگر اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں موند لیں وہ خود کو فریش کرنے کے لیے لمبی لمبی سانس لینے لگا۔

☆☆☆

دو پہر کو وہ سلائی سے فارغ ہوئی تو اس نے ثریا کو کپڑوں کا شمار تھمایا کہ امجد بھائی کو سلے کپڑے دے آئیں اور حساب کتاب بھی مکمل کر آئیں..... ثریا گھر سے نکل آئیں اور وہ باورچی خانے میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے برتنوں کو صاف کیا تو اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی..... اس نے مڑ کر دیکھا تو نورین کو پایا۔

”تم نے مجھے ڈر دیا۔“ رحما دل پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

”اچھا..... ایسی بھی بد صورت نہیں ہوں۔“ وہ منہ بسور کر کہنے لگی۔

”ہا..... ہا.....“ اس کا قبچہ چھوٹ گیا۔

”یہ جناب کیا پکایا جا رہا ہے؟“ اس نے ہنڈیا میں ڈوئی چلائی تو نورین نے چکن کو بھوتے دیکھ لیا۔

”چکن قورمہ بنا رہی ہوں۔“ وہ خوشی سے بولی۔

”خیریت تو ہے ناں..... کوئی آ تو نہیں رہا.....“ اس نے فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی تو کھیر کا ڈونگا دیکھا جسے رحمانے بادام پستے سے سجایا ہوا تھا۔

”آج ارمغان کی سالگرہ ہے.....“ رحمانے کر بولی۔

”واہ جی واہ..... بے ایمان بھائی کی سالگرہ ہے..... پہلے کیوں نہیں بتایا؟“

”تمہیں کیوں بتاتی..... اور پلےز اب تو اسے بے ایمان بھائی کہنا چھوڑ دو۔“ رحمانے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

”یار میں گفت لے کر آتی اور بے ایمان بھائی

”اماں..... آپ تنہا کیسے رہ سکتی ہیں؟“ نورین نے افسردگی ظاہر کی۔

”اتنے اچھے موقع پر اداسی اچھی نہیں لگتی۔“ عظمت نے اس کا ہاتھ چوما۔

”خالہ جان دیکھ لیں..... رونے کا بہانہ بنا کر حلوا پوری کھلانے سے بچ رہی ہے۔ چل جلدی سے پیسے خالہ کو دے، وہ بازار سے جا کر حلوا پوری لے آئیں۔“ رحمانے اس کی اداسی کا موضوع پلٹ دیا۔

”ہاں، ہاں اماں حلوا پوری لادیں، رحما کو ٹریٹ دینی ہے۔“ اس نے جلدی سے اپنے بیگ کو سنبھالا اور اماں کو پیسے دیے۔

”تم دونوں گپ شپ کرو، میں ابھی جا کر لاتی ہوں۔“ خالہ عظمت نے چادر اوڑھی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

وہ پھر بیس دن کے بعد پوسٹ آفس پہنچی..... اکرم نے خاموشی سے خط اسے دے دیا۔ اس نے خط لے کر شکریہ ادا کیا۔ وہ مزید بات کرنا چاہتی تھی مگر اکرم نے معذرت کی کہ اسے کسی سے ملنے جانا ہے۔

وہ سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا..... اس نے رحما سے بے پروائی ظاہر کی جیسے وہ اس کے خط آنے یا دینے کے مسئلے کو زیادہ اہمیت نہیں دے رہا ہے۔ جب وہ پوسٹ آفس سے باہر نکلی تو اکرم نے سیٹ سنبھالی اور سوچنے لگا۔

”کیا میں رحما کے احساسات سے کھیل رہا ہوں..... اسے جب سچ کا علم ہوگا..... تو اسے کتنا دکھ ہوگا..... شاید وہ مجھے غلط آدمی سمجھے..... کہ میں نے اس کی زندگی کو مذاق بنایا۔ مگر میں تو صرف اس کی جان بچانا چاہتا تھا..... صرف جان..... کیونکہ میں اپنی بہن کی جان نہ بچا سکا.....“ اس نے اپنی کینٹی اپنے ہاتھ سے مسکئی شروع کر دی۔ وہ رحما کے یوں خطوط کے سلسلے سے ڈر رہا تھا کہ سچ جب سامنے آئے

”مائی فٹ..... یہ لڑکی خود کو کیا سمجھتی ہے.....
اس کا میں وہ حال کروں گا کہ بس دیکھتی رہ جائے
گی۔“ اس نے استغنیٰ پھاڑتے ہوئے کہا..... ماہم
آفس میں نئی لڑکی آئی تھی جو ایک شریف گھرانے
سے تعلق رکھتی تھی، عیاش طبیعت حبیب احمد کی نظر اس
پر پڑ گئی تو اسے ڈنر کی دعوت دے دی۔ معصوم ماہم
نے ڈنر پر جانے سے انکار کیا کر دیا..... حبیب پاگل
ہی ہو گیا..... اور اسے بار بار اپنے روم میں بلانے
لگا..... ماہم نے حبیب کی حرکت کو نوٹ کیا پھر تنگ
آ کر اس نے استغنیٰ دے دیا..... جو حبیب کو ہضم نہیں
ہو رہا تھا۔

”مجھے ماہم چاہیے..... اپنے آفس میں.....
جاؤ اور اسے بلا کر لاؤ.....“ اس نے غصے سے حکم دیا۔
”سر..... وہ نہیں آئے گی۔“ مسکیر ٹری نے
ڈرتے ڈرتے کہا۔

”تو اٹھا کر لے آؤ.....“ حبیب کی آنکھیں
غصے سے سرخ ہو گئیں۔

”سر..... اگر آپ کو مناسب لگے تو اک بات
کہوں؟“ اس نے شائستگی سے پوچھا۔

”ہاں..... بولو..... کیا کہنا چاہتے ہو.....“
حبیب نے غصے سے سیل فون پر پھر ماہم کا نمبر پر پس
کیا..... دوسری طرف ٹیل جاری تھی مگر کسی نے فون
نہیں اٹھایا۔

”سر آپ ماہم کے مسئلے کو بھول جائیں.....
کہاں آپ..... اس مڈل کلاس لڑکی کے ساتھ آپ کا
کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔“

”حیدر..... اپنی حد میں رہو.....“ وہ چیخا۔

”جی سر..... جیسا آپ کا حکم..... میں اسے اٹھا
کر کہاں لے کر پہنچوں..... آپ اپنا ٹائم ٹیبل
بتادیں.....“ حیدر نے سر جھکا کر پوچھا۔

”پرانی حویلی میں۔“ اس نے غصے سے کہا۔

”جی، میں کل حاضر ہوتا ہوں.....“ حیدر نے

لندن آ جاؤں گی..... پھر خوب مزے کریں گے۔“
اس نے نورین کے گلے میں بائیں ڈال دیں۔
”ارمغان پاکستان کب آئے گا؟“ نورین
نے اپنے آنسو پونچھے ہوئے پوچھا۔

”آجائے گا..... بہت جلد..... اور موڈ ٹھیک
کر دو..... اور بتاؤ کہ تم نے کون سا رنگ اپنے نکاح کے
لیے سوچا ہے۔“ وہ دونوں کپڑوں اور زیور کی باتیں
کرتے لگیں کہ کیسا زیور اور کیسے جوڑے وغیرہ.....

☆☆☆

وہ ہنڈاسٹی سے اتر اور غصے سے اپنے آفس
میں آ پہنچا..... اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی.....
سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے مگر اس کی
سیٹ خالی تھی۔ وہ غصے سے اپنے کمرے میں آ بیٹھا۔
اس نے کال ملائی..... دوسری طرف ٹیل
جاری تھی۔

”خود کو کیا سمجھتی ہے..... ایسی لڑکیوں کو تو میں
اپنے جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔ مجھے بھلا مجھے
انکار کر دیا..... میں اس کی ایسی کی تیبی کر دوں
گا.....“ وہ غصے سے منہ میں بڑبڑاتا رہا مگر دوسری
طرف سے کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

”سر کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“ اس کے
سکریٹری نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں آ جاؤ، پہلے کون سا باہر کھڑے ہو.....“
اس نے غصے سے جواب دیا۔

”جی سر.....“ وہ شرمندہ سا ہوا اور پھر ایک بند
لقافداس کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ اس نے نجی سے پوچھا اور نمبر
ری ڈائل کرنے لگا۔

”سر..... مس ماہم نے استغنیٰ دے دیا ہے۔“
سکریٹری نے سر جھکا کر بتایا۔

”کیا.....“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا.....
اس نے سیل فون چھوڑا اور ماہم کا استغنیٰ پڑھنے لگا۔

آ رہی تھی۔ اس نے آواز تیز کر دی۔

تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی
محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو
یہ عشق نہیں آساں..... بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے
میوزک پر اس کے ہاتھ خود بخود دھن دھن کر رہے
لگے..... اسے اپنی کیفیت قوالی جیسی محسوس ہو رہی
تھی۔

☆☆☆

ایک ہفتے کے بعد نورین نے اسے اطلاع دی
کہ اس کے چچا نکاح کی رسم کرنے پاکستان آ رہے
ہیں۔

”واہ کیا خبر دی..... یار تم لندن چلی
جاؤ گی..... وہاں تم اپنے میاں کے ساتھ پلینز پلینز
ارمغان سے ملنے ضرور جانا..... میں اگلے خط میں
ارمغان سے تمہاری شادی کا ذکر ضرور کروں
گی۔“ رحمانے ایک ہی سانس میں بات ختم کیا۔
”تمہیں..... میری جدائی سے کوئی فرق نہیں
پڑے گا۔“ وہ منہ بسور کر بولی..... اور اس کے بستر پر
بیٹھ گئی..... رحمانے وہ دیکھ کر بہت سلائی کا کام کیا
تھا..... اس لیے وہ کرسی دی کرنے کی غرض سے لیٹی
ہوئی تھی مگر نورین کے نکاح اور لندن جانے کی
اطلاع نے اسے تازہ دم کر دیا۔

”یار! فرق پڑے گا..... مگر خوشی ہوگی کہ تم
اچھے گھر جا رہی ہو، مجھے لندن سے چیزیں بھیج دو گی
کیا؟“ رحمانے خوشی خوشی پوچھا۔

”اف رحما..... مت تنگ کرو..... میں اداس
ہوں، اماں..... اور تمہیں چھوڑ کر کیسے رہ پاؤں
گی..... اور پھر لندن کے مائوں میں ایڈجسٹ کرنا بہت
مشکل ہے۔“ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”اوہو..... میری پیاری سہیلی رونا نہیں.....
میں بھی تو بہت جلد ارمغان کے ساتھ بیاہ کر کے

گے۔ صرف میں..... اور تم اپنی سچی محبت کے
ساتھ..... تمہارے خط کا منتظر رہوں گا۔

تمہارا ارمغان“
اس نے مسکرا کر خط سینے سے لگا لیا اور خوابوں
میں چلی گئی۔ ایسا گھر جہاں صرف خوشیاں ہی خوشیاں
ہوں گی۔ وہ اپنے گھر کے خوابوں میں کھوئی ہوئی
تھی..... کہ شریا کی آواز نے اسے جوقا دیا۔

”رحما..... رحما..... چھت سے کپڑے اتار
لاؤ، لگتا ہے بہت زور کی آندھی آنے والی ہے۔“ رحما
نے خط جلدی سے الماری میں چھپایا..... پھر تیزی
سے چھت کی میز حیاں چڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ بستر پر آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ رحما کا مسکراتا
چہرہ اس کی نظروں میں چھا گیا۔ اس نے جھٹ سے
آنکھیں کھول دیں..... اور پھر میز کی دراز میں سے
رحما کے سارے خط نکال کر پڑھنے لگا۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ چھا گئی..... پھر
آہستہ آہستہ اس کی مسکراہٹ اڑ گئی..... اس نے
افسردگی سے خود کو مخاطب کیا۔

”اکرم اگر رحما کوچ کا علم ہو گیا تو وہ نوٹ کر
بکھر جائے گی..... میں تو اسے خوابوں کی دنیا دے
رہا ہوں..... میں ایسا کب تک کرتا رہوں گا.....“

اس نے اپنے دل سے پوچھا اور پھر دراز میں سے
اک کاغذ اور فلم نکال لیا..... اسے رحما کے لیے خط
لکھنا تھا..... اس کا دل جو اس کے قابو میں نہ تھا اور
پھر اکرم نے کب خط لکھنا شروع کیا..... اور کب ختم.....

اسے معلوم نہ ہوا..... وہ عجیب نظروں سے خط پڑھنے
لگا..... اسے لگا جیسے ہر لفظ اس کے دل سے نکلا
ہو..... مگر خط کے آخر میں ارمغان کا نام پڑھ کر اس کا
دل یک دم بجھ سا گیا کہ وہ اکرم ہے ارمغان نہیں۔

اس نے اپنی اداسی دور کرنے کے لیے فی وی
آن کیا..... فی وی پر نصرت فتح علی خان کی قوالی

دوکان کے کسی بھی گوشے میں اور ملک ٹھہر جائے

گھر بیٹھے

رسالے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ سسٹمز ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ ماہنامہ سرگرمشت

بقاعدگی سے ہر ماہ حاصل کریں، اپنے دروازے پر

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 7,000 روپے

بقیہ ممالک کے لیے 6,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد

رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ تم اسی حساب سے

ارسال کریں، ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر

رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ آپ کی طرف سے پیادوں کے لیے بہترین تحفہ بھی ہو سکتا ہے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا مانی گرام کے

ذریعے تم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے تم بھیجنے پر

بھاری بینک فیس عاید ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

رابطہ: شمر عباس (فون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیروز ٹرسٹ ہاؤسنگ اتھارٹی میں کوئٹہ روڈ، کراچی

فون: 35895313 ٹیکس: 35802551

دیں، میری اماں، میرے ابا مر جائیں گے..... پلیز مجھے یہاں سے جانے دیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ..... وہ بری طرح رو رہی تھی

”کیوں جانے دوں..... تم نے مجھے بے عزت کرنے سے پہلے سوچا تھا۔“ وہ چیخا۔

”سر مجھے معاف کر دیں..... سر پلیز..... میرے والدین کو دنیا والے مار ڈالیں گے اگر میں آج گھر نہ پہنچی..... پلیز مجھے جانے دیں۔“ ماہم نے کانپتے ہونٹوں سے اپنے لیے فریاد کی۔

”میں یہی تو چاہتا ہوں کہ تم اس معاشرے میں ایک لغت بن جاؤ.....“ وہ ہنسا۔

”سر! آپ پلیز مجھے جانے دیں..... آپ جیسا کہیں گے، میں ویسا ہی کروں گی۔ پلیز مجھے آزاد کر دیں، میرے گھر نہ جانے سے میری باقی ہنوں کا مستقبل ڈوب جائے گا۔“ اس نے بے تحاشا روتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری ذات تک محدود ہوں..... تمہارے گھر والوں کا میں نہیں سوچنا چاہتا..... اور ہاں، مجھے تم سے کوئی غرض نہیں رہی..... بس تم دو دن تک یہاں ہی رہو گی، جب تمہارے گھر اور محلے والوں کو تمہاری غیر موجودگی کا احساس ہو جائے گا اور لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے لگیں گے تو حیدر تمہیں آزاد کر دے گا۔“ اس نے اوپنی آواز سے جواب دیا۔

”سر..... خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیں۔“

”فون حیدر کو دو۔“ حسیب نے غصے سے کہا۔

”سر! مجھے چھوڑ دیں..... سر مجھے چھوڑ دیں۔“

دوسری طرف سے حسیب نے فون کٹ کر دیا..... وہ مطمئن دکھائی دینے لگا۔

ماہم نے دیوار کا سہارا لے لیا..... وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ حیدر نے سیل فون اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

مطمئن ہو کر کہا۔ ”پھر میں ماسی کلشوم سے تیرے لیے اچھا سارشتہ ڈھونڈنے کے لیے بول دوں گی..... ویسے چوہدری صاحب کا گھر بھی بہت اچھا ہے۔“

”آپ..... وہاں گئی تھیں کیا؟“ وہ سہم گئی۔

”ہاں..... کلشوم ماسی نے بہت زور لگایا تو سوچا کہ دیکھ لیتی ہوں..... لڑکا بہت پیارا ہے۔“

اور ماشاء اللہ سے کماتا بھی خوب ہے۔“ وہ کچھ پرجوش ہو گئیں۔

”اماں..... چلیں آپ سوچائیں..... زیادہ دیر تک آپ کے لیے جاگنا مناسب نہیں۔“ اسے ماں کی بات پر کچھ اور نہ سوچا بس بیزار سامنے بنالیا۔

”ثریا اس کے ذمے پر خاموش ہو گئیں..... رہا کے چہرے پر فکر کے آثار چھانے لگے کہ کہیں اس کی ماں کو ارغمان کی محبت کا شک نہ ہو جائے۔“

☆☆☆

”سر..... وہ ماہم کو ہم حویلی لے آئے ہیں.....“ سیکرٹری حیدر نے ادب سے اپنے کارنامے کا اظہار کیا۔ وہ چند ساتھیوں کے ساتھ ماہم کو زبردستی راستے سے اٹھا کر حویلی لے آیا تھا۔

”اوہ..... گریٹ.....“ اس کی آواز میں خوشی بھر آئی۔

”سر آپ کب تک آئیں گے..... اچھا اور کوئی حکم.....؟“

”پلیز مجھے یہاں سے جانے دیں.....“ ماہم نے تڑپ کر کہا..... جس کی آواز فون پر حسیب نے سن لی۔

”ماہم کو فون دو.....“ حسیب نے فخریہ انداز میں کہا۔

”جی سر.....“ حیدر نے فوراً حکم مانا..... اور سیل فون ماہم کو تھما دیا۔

”سر..... سر..... پلیز مجھے یہاں سے جانے

مر جھکا کر کمرے سے باہر نکلتا چلا جا۔“

”حیدر..... کل نہیں..... آج رات کو.....“

حسیب نے اپنے ہاتھوں کو ملتے ملتے حکم دیا۔

”جیسی آپ کی مرضی.....“ حیدر کا چہرہ پیلا پڑ گیا..... اور وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔ حسیب احمد نے آنکھیں موند لیں اور لمبی لمبی سائیں لے کر اپنے غصے کو قابو کرنے لگا۔

☆☆☆

اس نے اماں کو کھانا کھلایا اور دوائی ہاتھ میں پکڑا دی۔

”چلیں..... جلدی سے کھالیں.....“

”بس یہ دوائی دینا تو نہیں بھولتی..... باقی سب باتوں سے بے پروا رہتی ہے۔“ ثریا نے آہ بھر کر کروٹ دوسری طرف کی۔

”کون سی باتوں سے بے پروا ہوں میں؟“

رحمانے مسکرا کر پوچھا۔

”اپنی شادی کے حوالے سے کیوں نہیں سوچ رہی..... دیکھ..... اگلے ہفتے نورین کا نکاح ہو رہا ہے پھر تو بھی اپنے متعلق سوچنا شروع کر دے۔“ ثریا نے اپنے دل کی بات ظاہر کی۔

”اچھا..... اچھا..... تو میرے متعلق سوچ سوچ کر آپ بلند پریش ہو رہی ہیں۔“ اس نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔ ثریا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”بہنی میں چاہتی ہوں کہ تو جلد اپنے گھر کی ہو جائے..... میرے سوا اس دنیا میں کون ہے تیرا..... اگر خدا نخواستہ مجھے کچھ ہو گیا..... تو تیرا کیا ہوگا۔“ ثریا نے مصہومیت سے سمجھایا۔

”اماں..... ایسی غلط باتیں مت کیا کریں..... خدا کا کرم ہمیشہ اس گھر پر رہے گا..... اور میں بہت جلد شادی کا سوچ لوں گی..... آپ فکر کرنا چھوڑ دیں اماں۔“

”بس جلد ہی کوئی جواب دینا.....“ ثریا نے

شاید فرق میں دیکھو..... انہوں نے سر پر ہاتھ رکھ کر سوچتے ہوئے کہا۔

رحما باورچی خانے کی طرف بڑھی..... اس نے فرق کھولا..... اور گلاب کے تازہ پھولوں کی ٹوکری نکالی اور باورچی خانے میں ہی گجرے بنانے کا کام کرنے لگی۔

خالہ عظمت اوپر کا کام سمجھا کر نیچے آجینیں..... اور تھکے لہجے میں بولیں۔

”نورین نہیں آئی کیا؟“ انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھ کر فکر مندی سے کہا۔

”اوہو..... خالہ عظمت دلہن کے نخرے سمجھیں..... آجائے گی۔“ رحمانے تیرے گجرے کے لیے سوئی میں دھاگا ڈالا۔

”تم بھی بیوٹی پارلر چلی جاتیں..... آج تھوڑی انہوں نے نورین کو دلہن بنانا ہے..... نکاح کی تقریب میں تین دن ہیں ابھی۔“ خالہ عظمت نے منہ بسور کر جواب دیا۔

”خالہ عظمت! میری پیاری خالہ..... فیصل، اسکن پالش وغیرہ آج ہوگی تو پھر ہماری نورین رانی کی طرح دکے گی۔“ اس نے دھاگا ڈال لیا اور پھول پرونے لگی۔

”ہمارے وقتوں میں یہ سرخی پاؤڈر نہیں تھا..... اور یہ سرخی پاؤڈر سے بھی کوئی بھلا خوب صورتی بڑھتی ہے۔“ خالہ عظمت نے فرق سے پانی کی بوتل نکالی..... اور پانی کا گلاس بھر کر اس کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔

”خالہ جی، آپ کا داماد لندن سے آیا ہے اور لندن میں تو گوری گوری رنگت کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ اس لیے تو نورین ہماری اسکن پالش کروا رہی ہے۔“ اس نے کھی کھی کر کے جواب دیا۔

”ہاں..... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ وہاب کو نورین پسند آئی چاہیے۔“ خالہ عظمت آہستہ آہستہ

بٹھی تھی اس کا اس نے اکرم سے اظہار کر دیا۔

”اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے، اس نے یہاں آپ کی پریشانی حل کرنے کو شاید مجھے بھیج دیا۔“ وہ مسکرایا۔

”کیا..... آپ ڈاک خانے کی پوسٹ سے خوش ہیں؟“ اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں۔“ اکرم نے خود کو سنبھالا..... وہ یوکلہ سا گیا کہ رحما کو اس کے دل کا حال کیسے معلوم ہو گیا۔

”میں جب بھی آتی ہوں..... آپ کے چہرے پر فکر مندی کے تاثرات ہوتے ہیں..... اس لیے خود ہی اندازہ لگا لیا۔“ کئی دنوں سے اکرم جو اس سے نظر میں چڑا کر خود کو مصروف ظاہر کر رہا تھا۔

”اس کا مطلب ہے کہ آپ چہرہ پڑھ لیتی ہیں.....“ اکرم نے خوش دلی سے کہتے ہوئے رسید اس کے ہاتھ میں تھادی۔

”شکریہ..... مگر میں چہرہ نہیں پڑھ سکتی۔“ مذاق کر رہا تھا۔“ وہ ہنس کر بولا۔

”جی“ میں چلتی ہوں.....“ اس نے چادر سنبھالی..... اور پوسٹ آفس کے گیٹ کی طرف قدم بڑھادیے۔ اکرم کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا..... اور وہ پھر سارا دن مسکراتا رہا۔

☆☆☆

نورین کا گھر بہت پیارا سا ہوا تھا..... عظمت خالہ نے اپنی ساری جمع پونجی اس دن کے لیے رکھی ہوئی تھی، وہ جامنی کمر کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی اور انتظامات میں آگے آگے تھی۔

”خالہ عظمت! تازہ پھول آگئے ہیں تو نکادیں..... وہ گجرے بنانے ہیں ناں!“ اس نے پت پت پر کھڑی عظمت خالہ سے پوچھا جو اوپر چھت کی منڈیروں کی سجاوٹ کروا رہی تھیں۔

”ہاں رحما..... باورچی خانے میں دیکھو.....

تہارے دل کی بات پڑھنے کا بھی سننے کا شدت سے انتظار ہے۔

قائل نہیں میں رونے کی پھر بھی کبھی کبھی تنہائی میں کچھ دیر رونا اچھا لگتا ہے فقط تمہاری رحما“

☆☆☆

اکرم نے صبح صبح پوسٹ آفس میں اسے دیکھا..... اسے دیکھتے ہی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”سنیں.....“ وہ کام میں مصروف ہو گیا تو وہ پاس آکر بولی۔

”جی.....“ اس نے سر اٹھا کر بیزاری سے جواب دیا۔

”یہ خط پوسٹ کر دیں.....“ رحمانے مسکرا کر کہا..... وہ ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”جی.....“ اس نے لفافہ ہاتھ میں پکڑ لیا اور نکٹ چسپاں کرنے لگا۔

”میں آپ کی بہت مشکور ہوں.....“ اس نے شائستگی سے کہا..... اور اپنی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ وہ خاموش رہا۔

”آپ ڈاک خانے میں نئے آئے ہیں؟“ اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

”جی ہاں.....“ وہ مسکرایا۔

”آپ کی ملازمت میرے لیے مبارک ثابت ہوئی.....“ اس نے تھوڑا مسکراتے ہوئے کہا۔

”شکریہ کہ میں کسی کے کام تو آیا۔“ اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

”میں آپ کے لیے دعائیں کرتی ہوں..... آپ میرے لیے فرشتے جیسے ثابت ہوئے۔ آپ نے میری امانت کو سنبھال کر ہمیشہ میرے حوالے کیا۔“ وہ خوشی سے اپنے دل میں جو مان اسے دے

”ہمارے مالک کو جو چیز پسند آجائے وہ چھین لیتے ہیں، تمہیں سوچ سمجھ کر حبیب صاحب کو جواب دینا چاہیے تھا..... اب یہاں سڑی رہو..... حیدر نے یہ کہہ کر اپنے قدم دروازے کی طرف بڑھا دیے۔“

”پلیز مجھے جانے دو..... پلیز مجھے چھوڑ دو.....“ وہ دونوں ہاتھ جوڑتی اس کے پاؤں پڑ گئی۔ حیدر نے ٹھوکر سے اسے دور پھینکا اور کمرے سے باہر آکر دروازے کو باہر سے لاک لگانے لگا۔

☆☆☆

آدھی رات کا وقت تھا اور وہ بستر پر لیٹی سخت بے چین تھی۔

”مجھے ارمان سے شادی کی بات کرنی چاہیے۔“ اس نے گویا خود سے پوچھا اور اٹھ کر لائٹ جلا کر خط لکھنے بیٹھ گئی۔

”پیارے ارمان! آداب!

تم کیسے ہو.....؟ میں خیریت سے ہوں..... اور خوش بھی ہوں..... میری پیاری سہیلی نورین کی شادی ہونے والی ہے اور تمہیں پتا ہے کہ وہ لندن تمہارے شہر جا رہے گی..... میں نے تو اسے تم سے ملنے کے لیے پہلے سے کہنا شروع کر دیا ہے مگر نورین کا کہنا ہے کہ میں بھی لندن آؤں..... میں لندن کیسے آسکتی ہوں..... میں نے تو لندن آنے کا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا..... اماں نے بھی میری شادی کے لیے زور دینا شروع کر دیا ہے..... اماں چوہدری صاحب کے گھر بھی جا چکی ہیں۔ میرے رشتے کے لیے اور انہیں پسند بھی آگیا ہے مگر میری خاموشی کی وجہ سے وہ چپ رہتی ہیں۔ ارمان کیا تم مجھے اپنا نا چاہتے ہو یا پھر..... نورین کا کہنا ہے کہ میں بچ

بچ اپنے دل کی بات تمہیں بتا دوں اور میرے دل میں کیا ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ خط کے جواب کی منتظر رہوں گی..... اپنے دل کی بات لکھ دی ہے،

”تم پہلے اپنا سوٹ مکمل کر لیتیں..... اب مجھے مہندی کون لگائے گا.....“ اس نے منہ بسور کر پوچھا۔

”اچھا..... تو کام سے آئی ہوں.....“ رحمانے اس کی بات پکڑی۔

”جی نہیں..... کام سے نہیں آئی ہوں..... بلکہ تم سے حق سے کام کروانے آئی ہوں.....“ اس نے قہقہہ لگا کر زور سے جواب دیا۔

”وہاب کا فون آیا ہے کیا؟“ رحمانے پیار سے پوچھا۔

”جی..... آیا ہے۔“ اس نے بظاہر بے پروائی سے جواب دیا۔

”بھائی کا مزاج کیسا ہے؟“ رحمانے بے تابی سے پوچھا۔

”جیسا دیس ویسا بھیں..... اچھی طرح سے بات کی.....“ نورین نے نظریں چڑا کر جواب دیا۔

”اچھا..... جی اس کا مطلب ہے کہ مجھ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے..... بتاؤ کیا کیا باتیں ہوئیں۔“

رحمانے نورین کو چٹکی کاٹی۔ ”آف تو بہ..... کوئی بات نہیں..... بس ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔“

”یار شادی کے بعد اپنا سیل فون مجھے دے دینا..... میں ارمغان سے بات کر لیا کروں گی.....“

اس نے منہ بسور لیا۔

”تم سیل فون بھی رکھ لو..... مگر بے ایمان بھائی فون نہیں کرے گا..... کبجس جو ٹھہرے.....“

نورین نے اسے چھیڑا۔

”اور وہاب بھائی کون سا شہزادہ چارلس نہیں؟ وہ منہ بسورے بولی۔

”بہنوئی کی عزت کرو..... کہیں اس نے سن لیا تو تمہاری پیاری بہن کی ہڈیاں نہ توڑ دے.....“ اس نے مصموں چہرہ بنا کر کہا۔

”ہڈیاں توڑ کر تو دکھائے..... جان نہ نکال

لو.....“ ثریا نے دوپٹا سنبالا اور گھر سے باہر نکلتے ہوئے کہہ گئیں..... نورین نے کنڈی لگائی..... اور کمرے میں رحمانے پاس جا پہنچی..... رحمانے کا سارا بیان سلائی مشین پر تھا۔

”اسکن کلر..... واہ جی..... واہ..... مجھ سے زیادہ روپ تمہارا نکھرے گا.....“ رحمانے سوٹ کا دوپٹا اس نے سر پر اوڑھ کر ہنستے ہنستے کہا۔

”جج..... کیا.....؟“ رحمانے مشین روک کر پیار سے پوچھا۔

”جی ہاں..... اب میری طرف دیکھو.....“

فیشل ٹھیک طرح سے ہوا؟ نورین نے سائنڈ ٹیبل سے آئینہ اٹھا کر اپنے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں..... اچھی لگ رہی ہو.....“ چہرہ بہت کھلا کھلا لگ رہا ہے۔“ رحمانے پیار سے جواب دیا مگر

تمہارا چہرہ تو بغیر فیشل کے دمک رہا ہے..... کیا ارمان کا خط آیا ہے..... جس میں تم سے شادی

کرنے کی اطلاع ہے؟“ نورین نے ہنس کر پوچھا۔

”نہیں..... اس کا خط نہیں آیا..... مگر میں نے اپنے دل کی بات لکھ دی اسے..... اب اس کے جواب کی منتظر ہوں.....“ وہ بدستور سلائی کرتے ہوئے بولی۔

”اچھا..... تو بے ایمان بھائی کو تم نے بتایا.....“

کہ میں ان کے پاس لندن آ رہی ہوں۔“ اس نے ہنستے ہنستے پوچھا۔

”اب وہ بے ایمان نہیں رہا.....“ وہ بھی ہنس کر بولی۔

”شادی جب کرے گا..... تو ایمان دار بھائی

بانتب دوں گی.....“ اس نے رحمانے کا دوپٹا نہ لگا کر ہنستے ہنستے اسے چھیڑا۔

”تو بہ..... شرم کرو..... کتنے خطوں کے جواب دے چکا ہے..... تمہیں تسلی نہ جانے کب ہوگی۔“

رحمانے مشین پر ہاتھ چلایا۔

ہوگا۔“ اکرم الماری میں سرگھسا کروالٹ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بولا۔

”دوست..... کون سا دوست؟“ قیوم صاحب نے ہنسی دبا کر پوچھا۔

”ابا..... مذاق مت کریں..... حمزہ کراچی سے ملنے آیا ہوا ہے.....“ اکرم نے اپنے پرانے دوست کے متعلق بتایا۔

”اچھا..... تو گھر پر آ جاتا..... ہم سے بھی مل لیتا..... ہم نے کون سے اس سے پیسے چھین لینے تھے.....“

سیکنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اماں! میں ایسا کرتا ہوں..... آپ کی حمزہ سے فون پر بات کرو دیتا ہوں۔“ اس نے سیل فون

جیب سے نکالا تو اس کے ہاتھ میں اس کا والٹ آ گیا۔ سیکنہ اور قیوم صاحب دیکھ کر حیرت زدہ

ہو گئے۔ سیکنہ نے قہقہہ لگایا۔

”بچہ بغل میں..... اور ڈھنڈورا شہر میں.....“

بابا بابا..... قیوم صاحب ہنس کر بولے دونوں کے قہقہوں سے کرا گونج اٹھا..... اور وہ دم دبا کر اپنے گھر سے باہر نکلا۔

☆☆☆

”ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ نورین تو بچپان میں نہیں آ رہی.....“ نورین ان کے گھر آئی تو ثریا

اس کی بلائیں لینے لگیں۔

”دہن..... آئی ہے، رحمانے کدھر ہو.....“ ثریا نے اسے باہر سے آواز دی۔ وہ اپنی قمیص سی رہی تھی جو

اس نے نورین کے نکاح پر پہنٹی تھی۔

”اماں..... نورین کو کمرے میں بھیج دیں..... میں اپنی قمیص سی رہی ہوں..... ابھی لائٹ چلی جائے گی۔“ رحمانے اپنی مجبوری بتائی۔

”خالہ..... اماں نے آپ کو گھر بلوایا ہے۔“ نورین اور ثریا ہنس دیں۔

”اچھا..... میں جاتی ہوں، دروازے پر کنڈی

پانی کے گھونٹ لینے لگیں۔

☆☆☆

”اماں! یہ..... یہاں میں نے اپنا والٹ رکھا تھا.....“ اکرم نے نگلی سے نکلیے اٹھا کر کہا۔ سیکنہ

نے ادھر ادھر دیکھا..... مگر والٹ کہیں نہیں ملا۔

”بٹا تجھے یاد ہے نا..... کہ تو نے یہاں ہی رکھا تھا.....“ سیکنہ نے بستر کی چادر ادھر ادھر اٹھا کر فکر

مندی سے پوچھا۔

”جج..... اماں..... وہ مجھ سا گیا۔ قیوم صاحب بھی کھانٹے کھانٹے کمرے میں آ پہنچے۔

”بٹا والٹ میں زیادہ پیسے تو نہیں تھے؟“ قیوم صاحب بھی تھوڑا پریشان ہوئے۔

”نہیں..... پیسے زیادہ نہیں تھے..... مگر کچھ ضروری کاغذات والٹ میں تھے.....“ اس نے رحمانے کا خط یاد کر کے جواب دیا۔

سیکنہ نے سارا کرا چھان مارا..... مگر اکرم کا والٹ کہیں پڑا نہ ملا۔

”باہر نہیں گرا دیا ہوگا..... کچھ نہیں ہوتا اللہ مالک ہے.....“ قیوم صاحب نے بیٹے کو تسلی دی۔

”باہر یہ لڑکا نہیں گرا کر آیا..... نہیں رکھ کر بھول گیا ہے۔ کل اس کے جوتے نہیں مل رہے تھے، آدھے

گھٹے کے بعد اسے یاد آیا کہ جوتے تو موچی کو دے کر آیا ہے۔“ سیکنہ نے بیڈ کے نیچے دیکھتے ہوئے بتایا۔

”بابا.....“ قیوم صاحب ہنس دیے۔ ”تمہارا کیا مطلب ہے، ہمارے بیٹے کو بھولنے کی بیماری ہو گئی ہے۔“

”نہیں..... بھولنے کی نہیں..... مگر آج کل اس کا ذہن کہیں اور کھویا، کھویا رہتا ہے۔“ سیکنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”نہیں اماں ایسی ویسی کوئی بیماری مجھے نہیں لگی ہوئی..... آپ پلینز جلدی سے مجھے والٹ ڈھونڈ دیں..... میرا دوست کافی شاپ میں میرا منتظر

لوں.....“ رحمانے ہنس کر کہا۔

”اچھا..... اچھا..... اب کام چھوڑو..... اور مہندی لگا دو لگے گی تو سوکھے گی تو یہی رنگ آئے گا۔“ نورین نے فکر مند غماز پر کھڑی نے رات کے نو بجو بجادے تھے۔

”لاؤ..... مہندی دو۔“ رحمانے سلائی مشین ایک طرف کی..... اور اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

”کیا..... مہندی تم نہیں لائیں؟“ وہ چیخی۔ رحمانے معصوم چہرہ بنا کر نفی کی کہ وہ مہندی نہیں لاسکی۔ ”ارے بابا مہندی فریج میں رکھی ہے..... فریج میں۔“ اس سے پہلے کہ نورین اس پر ہاتھ چلاتی اس نے چیخنا شروع کر دیا۔ نورین مسکراتے لگی..... اور رحمانے بھی مسکراہٹ میں اس کا ساتھ دیا۔

☆☆☆

اسے غیبت نہیں آرہی تھی کہ وہ اب کیا جواب دے گا۔ نورین کی شادی کا حال پڑھ کر وہ پشیمان تھا..... کہ رحما کو کب تک وہ انتظار میں رکھے گا..... پھر سوچنے لگا کہ وہ کیوں رحما کے لیے فکر مند ہے..... اسے کیوں نہیں خود سے الگ کر دیتا۔ اب اسے خط کا کوئی جواب نہیں دینا چاہیے..... اسے ارمغان کے خواب سے نکالنا ہوگا..... اس نے لائٹ آن کی..... اور رحما کے لیے خط لکھنے لگا۔

”پیاری رحما!“

آداب!

میں خیریت سے ہوں..... اور چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ہمیشہ خود کو خوش رکھو گی..... رحما میں پاکستان واپس نہیں آسکتا..... میری کچھ مجبوریاں ہیں..... میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا..... اس لیے صاف صاف لکھ رہا ہوں..... میں تم سے شادی نہیں کر سکوں گا..... تم کسی اور کا ہاتھ تھام لو..... جو تمہیں ہمیشہ خوشیاں دے..... میں نے

چار سال تمہیں اپنا منتظر بنائے رکھا..... میں تمہارا مجرم ہوں..... تم مجھے جو سزا دینا چاہتی ہو مجھے منظور ہے مگر خود کو اذیت مت دینا..... میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔ خط کے جواب کا منتظر رہوں گا۔“

اس نے ارمغان کے نام سے اختتام کیا اور پھر لفافے میں خط ڈال کر رکھ دیا مگر اس کے اندر..... ایک کشمکش جاری تھی۔

”میں رحما سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو جاؤں گا۔ وہ کیا سوچتی ہے کیا کرتی ہے..... اس سے بے خبر ہو جاؤں گا مگر میں اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا..... تو کیا میں رحما سے محبت کر بیٹھا ہوں..... نہیں..... نہیں..... میں یہ خط اسے دے کر یہ سلسلہ بند کروں گا۔“ اس نے خط کو ہاتھوں میں تھام لیا۔

پھر اسے نہ جانے کیا ہوا اس نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے..... اور لمبی لمبی سانسیں اپنے اندر اتارنے لگا..... اسے رحما سے محبت ہو چکی تھی..... جس سے وہ بے خبر تھی۔

☆☆☆

وہ تمام مہمانوں کے پاس جا، جا کر ان سے کھانے پینے کے متعلق پوچھ رہی تھی کہ خالہ عظمت نے اسے پکارا۔

”رحما! دو لٹے میاں سے پوچھو اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔“ عظمت خالہ نے فکر مند سے کہا۔

”اچھا خالہ، میں اماں سے کہتی ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ آپ باقی مہمانوں کے لیے کولڈ ڈرنک کا انتظام دیکھ لیں۔ میں دولہا بھائی کے پاس جاتی ہوں۔“ رحمانے بڑی ذمے داری سے جواب دیا۔

اس نے ہال میں نظریں دوڑائیں..... اسے اپنی ماں ثریا کہیں نظر نہ آئیں۔ ”یہ اماں کدھر گئیں۔“ اس نے فکر مند سے

سوچا..... اور پھر اسٹیج کی جانب چل پڑی..... وہاں سکن کلر کی شیروانی میں بہت پیارا لگ رہا تھا..... اس کے آس پاس دوست بیٹھے ہوئے تھے جو اس کے ساتھ کپ شپ کر کے تھقبہ تھقبہ لگا رہے تھے۔ وہ پہلا گھبرائی..... مگر خود پر قابو پا کر اسٹیج پر چڑھ گئی۔

”دولہا بھائی..... آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟“ وہاب کے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک تھی۔ وہاب نے اس کی طرف مسکرا کر نفی میں سر ہلایا اس سے پہلے کہ وہ اسٹیج سے اترتی..... کسی نے اسے مخاطب کیا۔

”سینس میڈم.....“ اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہاب کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ایک شخص نے اپنی جانب اشارہ کیا۔

”جی..... کیسے۔“

”دولہے بھائی کی آپ کو فکر ہے..... ہماری کوئی فکر نہیں۔“ اس نے کچھ طنزیہ انداز میں کہا۔

”رحما! یہ حبیب احمد ہیں..... میرے بچپن کے ساتھی اور بہت بڑے بزنس مین ہیں۔“ وہاب نے اس کا تعارف کروایا..... وہ اسے انکڑا سا لگا۔

”جی، آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟“ رحما بڑی خوش اخلاقی سے بولی۔

”جی ہاں..... مجھے ہر چیز کی ضرورت ہے.....

آپ بتائیں..... آپ میری کون سی ضرورت پوری کر سکتی ہیں۔“ حبیب نے ہنس کر جواب دیا۔

وہ شرمندہ سی ہو گئی..... اس نے اپنا دوپٹا سنبھالا..... باقی اس کے دوست مسکراتے لگے۔

”رحما..... اس پاگل کی کوئی بات دل پر نہ لگائیں..... یہ شروع سے چھیڑ چھاڑ میں خوش رہتا ہے۔“ وہاب نے حبیب کا کندھا دبا یا۔

”یار باز آؤ میری اکلوتی سالی ہے۔“ وہاب نے آنکھیں دکھا کر اس سے کہا۔ رحما مڑی تو حبیب نے پھر اسے مخاطب کیا۔ ”میڈم سینس! وہ مجبور آرکی۔“

جان جان

”آپ نے دودھ والی رسم کب کرتی ہے..... مجھے کسی کام سے کہیں جانا ہے..... کیا آپ ابھی کر سکتی ہیں.....؟“ حبیب احمد نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”دودھ والی رسم آپ کے لیے نہیں..... وہ خاص دولہا بھائی کے لیے ہے..... اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو چلے جائیں.....“ رحمانے بے رحمی سے کام لیا۔

”اُف..... آپ غصے میں بہت پیاری لگتی ہیں..... کسی نے آپ کو کبھی بتایا.....؟“ حبیب احمد مسکرا کر بولا..... اس کا دل رحما کے لیے عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔

”شٹ اپ.....!“ اس نے غصے سے کہا..... اور اسٹیج سے اتر گئی۔

”یار میری سالی ہے، کیوں اپنی بھابی سے مجھے جوتے لگوائے گا۔“ وہاب نے ہنس کر کہا۔

”میری گرل فرینڈ اچھی رہے گی..... تمہارا کیا خیال ہے؟“ اس نے دور کھڑی رحما کو دیکھ کر وہاب کے کان میں آسکتی سے پوچھا۔

”شٹ اپ یار..... یہ تمہارے ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے..... بہت شریف لڑکی ہے..... اس کا خیال دل سے نکال دو..... میں اس کا بہنوئی ہوں، مجھے سب پکڑ لیں گے۔“

”اوکے..... نہیں خیال لے کر آتا..... مگر اس کا خیال اگر دل نے دوبارہ جگایا تو پھر کچھ نہیں کہہ سکوں گا۔“ اس نے ہنس کر وہاب کو جواب دیا..... وہاب مسکراتے لگا..... حبیب احمد کی نظریں رحما سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

☆☆☆

وہ رو رہی تھی..... وہ اس کے پاس آکھڑا ہوا..... اسے معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ ”یہ رومال رکھ لیں۔“ حبیب نے رومال اپنی

آئی تھے۔“ وہ مسکرا کر بولا تو نورین بھی وہاب کو مسکراتا دیکھ کر خوش ہوئی۔ وہ اس وقت ایک ہول میں ڈنکر رہے تھے۔

”اچھا..... بھابی کدھر ہیں، مجھے بھابی سے بات کرنی ہے۔“ حبیب نے ہنس کر جواب دیا۔

”نہیں، نہیں تو نورین سے بات نہیں کر سکتا.....“ وہاب نے ہنس کر جواب دیا۔

”کون ہے؟“ نورین نے مسکرا کر پوچھا۔

”تمہارا پیارا دیور حبیب ہے..... جو تم سے بات کرنے کے لیے بے تاب ہے۔“ وہاب نے مسکرا کر سیل فون نورین کو دے دیا۔

”السلام علیکم! بھابی جی..... آپ کیسی ہیں؟ میرا تحفہ پسند آیا.....؟“ حبیب نے اپنے ڈائمنڈ سیٹ کے متعلق پوچھا۔

”سچ بہت پیارا تحفہ تھا اور آپ کی چوڑیاں بھی ویل ڈن ہے۔“ نورین نے اس کی تحریف کی۔

”تھینک یو بھابی جی..... وہ آپ سے اک انفارمیشن چاہیے تھی۔“ اس نے ہنس کر کہا۔

”انفارمیشن کیسی انفارمیشن.....؟“ نورین نے حیرت سے پوچھا۔

”رحما کے متعلق انفارمیشن چاہتا ہے شاید۔“ وہاب نے قہقہہ لگایا۔

”دیکھ لیں، میرے منہ کی بات میرے دوست نے چھین لی۔“ حبیب نے ہنس کر کہا۔ دوسری طرف فون پر وہاب کی آواز بجی گئی تھی۔

”رحما کے متعلق کیسی انفارمیشن.....؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”بھابی! اس کا کوئی بوائے فرینڈ تو نہیں..... یا پھر اس کی منگنی تو نہیں ہوئی ہے؟“ حبیب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”مگر حبیب تم کیوں پوچھ رہے ہو..... کیا بات دریافت کی۔“

”ہے؟“ وہ گھبراہٹ سے پوچھا۔

نورین دن ہو رہے تھے۔ نورین نے بس ماں سے فون پر ہی بات کی تھی۔

”آپ فکر مند نہ ہوں..... مجھے دیجیے فون..... میں وہاب بھائی سے بات کرتی ہوں۔“ رحمانے خالہ عظمٰی کے پاس آکر بیٹھے ہوئے خوشی سے فون اٹکا۔

”نہیں..... نہیں، جیسی اس کی سرال والوں کی مرضی ہوگی..... وہ مجھ سے ملنے آجائے گی۔“ خالہ عظمٰی نے فون کو مضبوطی سے تھام لیا۔

”خالہ یہ بیٹیاں بھی کتنی ظالم ہوتی ہیں۔ رخصت ہونے کے بعد اپنے گھر کو ہی بھول جاتی ہیں۔“ اسے نورین پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے وہاب سے یہاں آنے کی ضد کیوں نہیں کی۔

”نہیں میری جان..... بیٹیاں ظالم نہیں ہوتیں..... بلکہ ماںیں سخت دل ہو جاتی ہیں۔ جو بیٹیوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہی یہ بات ذہن میں بٹھا کر رخصت کرتی ہیں کہ جیسے سرال والے کہیں ان کی بات کو آنکھوں میں سجالینا..... اور بس ان کا جنازہ ہی اس گھر سے نکلے..... ان کی مرضی کے بغیر میکے کا رخ کیا..... تو ان کے لیے میکے کے دروازے بند ہوں گے۔“ عظمٰی خالہ نے اپنے آنسوؤں کو چھپا کر رحما کے سر پر پیار دیا۔ رحما کی آنکھوں میں بھی نمی تیرنے لگی۔

”خالہ میں بھی تو آپ کی بیٹی ہوں..... آپ نورین کو مت یاد کیجیے۔“ اس نے خالہ عظمٰی کو گلے سے لگالیا۔

اور خالہ عظمٰی نے اپنے دے آنسوؤں کو اس کی جھولی میں گرانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

”وہاب..... تو کیسا ہے؟ بھابی کیسی ہیں؟“ حبیب احمد نے اسے کال ملائی اور وہاب کی خیریت دریافت کی۔

”خیریت تو ہے جو میری خیریت پوچھنے کی یاد

اور کسی کو نہ پا کر فوراً ہال سے غصے میں باہر نکل گیا۔

☆☆☆

صبح صبح بچی..... اسے خالہ عظمٰی کے گھر جانا تھا اور گھر کی صفائی کرنی تھی..... اس لیے فجر کی نماز پڑھ کر اس نے پہلے اپنے گھر کا کام نمٹایا اور خالہ عظمٰی کی طرف جا پہنچی۔ خالہ عظمٰی چائے بنا رہی تھیں اور کسی سوچ میں گم تھیں۔

”خالہ! یہ کیا آپ نے اکیلے اکیلے چائے پی لی..... میرا انتظار تک نہیں کیا.....“ اس نے جھاڑو سنبھالی اور صحن کی صفائی کرنے کا ارادہ کیا۔

”بس سوچ رہی ہوں بیٹی تو اپنے اور میرے گھر کا کام کیسے سنبھالے گی..... اس لیے چھوٹا موٹا کام خود ہی کر لوں۔“ خالہ عظمٰی نے پیار سے جواب دیا۔

”نورین کا فون آیا تھا کیا؟“ وہ جھاڑو دے کر پوچھنے لگی۔

”ہاں..... آیا تھا..... تمہارا پوچھ رہی تھی..... تم سے کوئی ضروری بات کرنی تھی اسے..... مگر پھر رات کی وجہ سے اس نے کہا کہ کل فون کر لوں گی۔“

”مجھے یاد کر رہی ہوگی.....“ رحمانے اسے یاد کر کے مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔

”ہاں..... ہاں مجھ سے بات کر کے تو رو پڑی تھی..... وہاب اسے مری لے کر گیا ہے۔“

”سچ..... خالہ۔“ اس نے خوشی سے پوچھا۔

”ہاں، ہاں..... ایک ہفتے کے بعد گھر کا پتھر لگائے گی۔“ خالہ عظمٰی نے سنجیدگی سے بتایا۔

”خالہ وہ ہم سے ملنے آجانی..... وہاب بھائی نے تو گھر کا پتھر بھی نہیں لگایا.....“ رحمانے صحن کا کچرا سمیٹ کر ٹوکری میں ڈالتے ڈالتے انفرادی ظاہر کی۔

”بس بیٹی..... جیسے ان لوگوں کی مرضی.....“ خالہ عظمٰی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ رخصتی کو

حبیب سے نکال کر اسے دیا۔

”ضرورت نہیں.....“ نورین گاڑی میں وہاب کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ خالہ عظمٰی، ثریا کے گلے لگی ہوئی تھیں..... ان کی لاڈ و بیٹی آج جو انہیں چھوڑ کر پیا گھر جا رہی تھی۔

”یہ میرا کارڈ رکھ لیں..... آپ کو کسی چیز کی ضرورت یا کوئی کام ہو..... پلیز مجھے یاد کر لیجیے گا۔“ حبیب نے اسے اپنا کارڈ اٹھایا۔ اس نے کارڈ پکڑا اور پھر غصے سے ایک طرف پھینکا۔

”یہ..... کیا..... آپ کو تمیز نہیں.....“ وہ تقریباً چیخا۔

”مجھے تمیز ہے..... مگر آپ شاید اپنی حد بھول رہے ہیں۔“ اس نے غصے سے کہا۔

”تم غریب لڑکیاں ہر وقت اپنی عزت کا ڈھول کیوں بجاتی رہتی ہو..... اس سے تم لوگوں کو کیا فائدہ ملتا ہے.....“ اس نے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر لا کر پوچھا۔

”مجھے لگتا ہے..... آپ کو عزت بے عزت لفظ میں کوئی فرق نہیں لگتا..... اس لیے آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں.....“ اس نے غصے سے جواب دیا۔

”میرا دل کر رہا ہے..... کہ تمہیں.....“ اس نے بات کو ادھورا چھوڑ کر قہقہہ لگایا۔

”آپ کا دل کرتا رہے گا..... مگر آپ کا کوئی خواب پورا نہیں ہونے والا ہے..... آپ اپنی امیری کا ڈھول کسی اور کے گلے میں باندھیں۔“ وہ یہ کہہ کر خالہ عظمٰی کی طرف بڑھی..... اس نے رحما کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”سنو تو ڈیر.....“ وہ شوخ ہوا۔

رحمانے زور سے طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا..... اور ہاتھ چھڑا کر خالہ عظمٰی اور اپنی ماں کی طرف بھاگی..... حبیب نے اپنے ارد گرد دیکھا.....

مسلم نہیں ہے۔“ اس نے ماں کو ہنستے ہنستے بتایا۔
”تو سچ کہہ رہا ہے کیا؟“ سکیئہ نے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور اس کا چہرہ سمجھ سا گیا۔
”نہیں اماں..... میں مذاق کر رہا ہوں۔“ اس نے ماں کی گھبراہٹ کو دیکھ کر ہنستے ہنستے نفی کی۔
”خدا کا کرم میرے گھر پر رہے..... میں تو ڈر گئی تھی کہ کیسے غیر مسلم لڑکی میرے خاندان کو سنبھالے گی.....“ سکیئہ نے منہ میں کچھ پڑھا۔ اور پھر اکرم کے ارگرد دھونکا۔
اکرم مسکرانے لگا..... اور سوچنے لگا کہ وہ اب سب سچ رہا کو بتا دے گا اور اسے اپنے گھر کی رانی بنا کر رکھے گا۔

☆☆☆

”آپ تین گنا زیادہ رقم دے کروہ زمین خرید لیں.....“ اس نے کمپنی کے منیجر کو حکم دیا اور پھر فائل پر نظر ثانی کرنے لگا۔
”سر اس سے کمپنی کو فائدہ نہیں ہوگا۔“ توصیف نے کمپنی کے حق میں بات کی۔
”میں آپ کا باس ہوں یا پھر آپ.....؟“ حبیب نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی..... اور منیجر کو طنزیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
”سر.....! اس سے آپ کو بھاری نقصان ہوگا۔“ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔
”نقصان مجھے ہوگا..... پیسہ میرے اکاؤنٹ سے جا رہا ہے آپ کے نہیں.....“ حبیب نے جیسے اسے جتایا۔
”کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“ حبیب کے دوست نے دروازہ کھول کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔
”اوہ جواد..... کم ان..... تجھے اجازت لینے کی ضرورت کب سے پڑنے لگی ہے۔“ وہ اپنے دوست کو گلے سے لگا کر بولا۔
”جناب کے کیا حال ہیں؟“ جواد نے مسکرا کر

”اچھا..... تو پھر تیرا چہرہ کیوں جھوٹ کی گواہی دے رہا ہے۔“ سکیئہ نے ہنس کر کہا۔
”نہیں تو.....“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سرخ ہوتے چہرے پر ملے۔
”بیٹا محبت چھپی نہیں.....“ ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
وہ شرمندہ سا ہو گیا..... اور اس نے نظریں جھکا لیں..... اس کا دل رحما کے لیے دھڑک رہا تھا۔
”میں تیرے ابا سے بات کر دوں.....؟“ سکیئہ نے خوشی سے پوچھا۔
”نہیں..... اماں ابھی نہیں؟“ وہ ڈر سا لگیا..... جانتا تھا کہ رحما تھوڑی اس کی محبت کے سینوں میں ڈوبی ہوئی ہے، وہ ہی اس کے خواب دیکھ رہا ہے۔
”کیوں.....؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔
”اماں میں نے رحما سے ابھی اپنے دل کی بات نہیں کی ہے۔“ اس نے نظریں جھکا کر بتایا۔
”تو دیر کس بات کی ہے بیٹا.....؟“ سکیئہ نے فکر مندی سے پوچھا۔
”اماں میں بہت جلد اس سے بات کر لوں گا۔“ آپ فکر نہ کریں۔“ اس نے ماں کی گود میں سر رکھ دیا۔ وہ مطمئن سا ہو گیا کہ اس کی ماں اس کے ساتھ ہے۔
”میں تو رحما کو اپنا دوسرا..... دو پٹا دوں گی..... جو تیری دادی نے مجھے دیا تھا..... ابھی تک میں نے حفاظت سے سنبھال کر رکھا ہے۔“ سکیئہ بڑبڑاتے ہوئی..... اور شرٹ پریشن لگانے لگی۔
”اماں اگر رحما کو دو پٹا پسند نہیں آیا تو.....؟“ اس نے ہنسی دبا کر ماں کو پھینکا۔
”کیوں نہیں پسند آئے گا..... کیا وہ میم ہے؟“ سکیئہ گھبراہٹ سے گئی۔
”ہاں اماں، میں تو یہ بتانا بھول گیا..... کہ رحما

محبت صرف ارمغان ہے۔

☆☆☆

”اکرم بیٹا..... یہ سوئی میں دھاگا ڈال دے.....“ سکیئہ ہاتھ میں اس کی شرٹ پکڑے اندر داخل ہوئی۔ اس نے بستر پر رحما کے خطر کھے ہوئے تھے..... ماں کو دیکھ کر بوکھلا سا گیا..... اور خطوط کو سمیٹنے لگا۔
”یہ خط کس کے ہیں؟“ ایک خط بستر سے گر پڑا..... جس پر اس کی نظر پڑی..... اور اس نے رحما کا نام پڑھ لیا۔
”یہ رحما کون ہے؟“ اس نے ماں سے خط چھپت لیا تو سکیئہ نے ہنسی دبا کر پوچھا۔
”اماں! یہ خط میرے کسی دوست کے ہیں۔“ اس نے خط دراز میں رکھ دیے اور نظریں چرا کر بولا۔
”اچھا..... تمہارے دوست کے ہیں، ایسا کون سا دوست ہے..... جو اپنے ذاتی خط تمہیں دے جائے۔“ سکیئہ نے ہنس کر پوچھا۔
”اماں! سچ یہ خط میرے نہیں.....“ وہ شرمندہ سا ہوا۔
”رحما نام تو بہت پیارا ہے، دیکھنے میں کیسی ہے۔“ وہ اکرم کے ساتھ ہی بیٹھ گئی اور پیار سے بولی۔
”اماں! یہ سوئی اور ننگی دیجیے..... میں دھاگا ڈال دوں۔“ اس نے ماں کے ہاتھ سے سوئی اور ننگی تھام لی۔
”یہ سوئی میں دھاگا ڈالنا میری بہو کا کام ہے، رحما کو کب گھر پر لا رہا ہے؟“ سکیئہ نے پیار سے پوچھا۔
”اماں..... سچ میرے اور رحما کے درمیان کچھ بھی نہیں ہے۔“ اس نے سوئی میں دھاگا ڈال کر ماں کو تھما دیا۔

بات اپنے میاں اور اس کے دوست سے شیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔
”بھائی.....! مجھے رحما اچھی لگی ہے اور میں سوچ رہا ہوں..... کہ اس سے دوستی کی جائے.....“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔
”رحما بہت حساس لڑکی ہے اور لڑکوں سے یوں دوستی نہیں کرتی۔“ نورین نے سنجیدگی سے کہا۔
”اس نے اس کی محبت کو چھپالیا۔“
”اچھا تو پھر کیا شادی اس سے کر لوں۔“ وہ شوخ ہوا۔
”شادی.....؟“ نورین کے منہ سے بے ساختہ نکلا..... حبیب ہر طرح سے ایک اچھا لڑکا نظر آ رہا تھا۔
”ہاں، ہاں..... نورین اس سے کہہ دو..... اگر شادی کرنا چاہتا ہے، گھر بسانا چاہتا ہے تو پھر رحما سے ہم بات کرتے ہیں۔“ وہاب نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔
”اچھا حبیب بھائی..... میں آپ کو بعد میں جواب دیتی ہوں۔“ اس نے ارمغان کا سوچ کر بات کو ٹالا، دل میں تو وہ کافی خوش تھی۔
”بھائی! آپ جب واپس جائیں تو پلیز ضرور بات کریں۔“ اس نے فون رکھنا چاہا تو دوسری طرف سے حبیب نے پیار سے درخواست کی۔
”اوکے..... میں کوشش ضرور کروں گی۔“ نورین نے ہنس کر کہا اور خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔
”توبہ ہے اس طوفانی لڑکے کا بھی..... اس پر شادی کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ اب یہ رحما سے شادی کرنے کے لیے آسمان زمین ایک کر دے گا.....“ وہاب نے اس کی فطرت ظاہر کی۔
نورین خاموشی سے کھانا کھانے لگی..... اس نے کوئی جواب نہیں دیا..... جو جانتی تھی کہ رحما کی

پوچھا۔

”فٹ فٹ“ اس نے ہنس کر کہا اور ساتھ ہی جواد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

اس نے کرسی سنبھالی تو حسیب بھی اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ تو صیف سر جھکائے کھڑا تھا۔

”جواد تو کیا لے گا، چائے، کافی؟“ حسیب نے مسکرا کر پوچھا اور تیل بچا دی۔

”کافی پلا دے یار۔۔۔۔۔ مگر بہت مزے کی۔۔۔۔۔“ جواد نے ہنستے ہنستے کہا۔

”جی سر۔۔۔۔۔“ دو منٹ کے بعد ایک ملازم کمرے میں آ پہنچا۔ اور ادب سے بولا۔

”نور بابا دو کافی کے کپ گرما گرم بھجوا دیجیے۔“ حسیب نے مسکرا کر کہا۔ بوڑھے ملازم نے سر ہلایا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”کوئی ضروری بات تم لوگ کر رہے تھے؟“ اس سے پہلے کہ حسیب، جواد سے مزید بات کرتا۔۔۔۔۔

جواد نے ہنس کر کہا۔

”اوہو۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ تو صیف تم زمین خرید لو۔۔۔۔۔ بے شک تمہیں چار گنا زیادہ رقم دینی پڑے، سمجھے۔“

”جی سر!“ اس نے سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”چار گنا زیادہ رقم کیوں دے رہے ہو؟“ جواد نے فکر مندی سے پوچھا۔

”یار وہ زمین ہماری فیٹری کو سوٹ کرتی ہے۔ میں نے زمین پسند کر لی تھی مگر مصروفیت کے باعث اس کے مالک سے بات نہیں کر سکا۔ اس دوران اس نے کسی اور سے سودا طے کر دیا۔۔۔۔۔ اس لیے بھاری رقم دے کر خریدنی پڑ رہی ہے۔“ حسیب نے اپنا مسئلہ بتایا۔

”کیا یہ نقصان نہیں ہوگا؟“ جواد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نقصان کیا۔۔۔۔۔؟ نقصان تب ہوتا جب وہ زمین میرے ہاتھ سے نکل جاتی۔“ حسیب نے مسکرا کر جواب دیا۔

”تو ابھی تک نہیں بدلا۔۔۔۔۔ جو چیز تجھے پسند آ جاتی ہے۔۔۔۔۔ تو اسے حاصل کر کے ہی چھوڑتا ہے۔“ جواد نے ہنس کر اس کی فطرت بتائی۔

”ہا۔۔۔۔۔ ہا۔۔۔۔۔ کون سی گاڑی پر آیا ہے؟“ حسیب نے ہنس کر پوچھا۔

”توبہ، توبہ میں گاڑی نہیں لایا ہوں، یاد ہے تجھے میری بائیک کالج کے دنوں میں پسند آ گئی تھی اور تو نے مجھ اس کے دو گنا پیسے زیادہ دے کر خرید لی تھی۔۔۔۔۔ جبکہ میں بیچتا رہ گیا کہ میری بائیک جیسا ماڈل دوسرے لیتے ہیں مگر تو اپنی ضد پر اڑ گیا تھا۔“ جواد نے ہنستے ہنستے کالج کا واقعہ یاد کیا۔

”وہ بہت اچھے دن تھے۔۔۔۔۔ دوستوں کی یاد آتی ہے، تجھے کوئی ملا؟“ حسیب نے تجسس سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ بس تیرے اور وہاب کے علاوہ کوئی بھی نہیں ملا۔“

”سارے سب کے سب مر تو نہیں گئے۔“ حسیب نے قہقہہ لگایا۔

”شاید۔۔۔۔۔“ جواد نے بھی اس کے قہقہے کا ساتھ دیا۔ نور بابا کافی ٹرے میں سجا کر ٹیبل پر رکھ گئے اور دونوں نے گرم گرم کافی سے لطف اندوز ہونا شروع کر دیا۔

☆☆☆

وہ اسے گرین رنگ کے سوٹ میں نظر آئی۔۔۔۔۔ اکرم نے نیت کر رکھی تھی کہ آج وہ صاف صاف اسے ہر بات سچ بتا دے گا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔۔۔۔۔ جب وہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

”السلام علیکم!“ اس نے ادب سے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام۔۔۔۔۔“ اکرم نے بھی شائستگی سے جواب دیا۔

”کیا میرا کوئی خط آیا۔۔۔۔۔؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔۔۔۔۔ اس نے شادی کے حوالے سے ارمان سے جو بات خط میں کی تھی۔۔۔۔۔ اب وہ خط کا جواب شدت سے پڑھنا چاہتی تھی۔

”جی نہیں۔۔۔۔۔“ اکرم نے خط کی نفی کی۔ اس کا چہرہ مرجھا سا گیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ آپ نے اپنے گھر کی ڈاک ٹھیک طریقے سے دیکھی تھی؟“ رحمان نے افسردگی سے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔“ اکرم نے پھر نفی کی۔ وہ اسے ارمان کی یاد سے نکالنا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے لب کھولتا۔۔۔۔۔ رحمان اس سے انجان ہو کر باہر کی طرف چل دی۔ اس کے خود سے یک دم بے پروا ہونے سے اکرم کا دل بچھ سا گیا۔

”بیٹا تجھے رحمان کو سچ بتا دینا چاہیے تھا۔“ خیر دین اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔۔۔۔۔ اور اس نے اکرم کے کندھے کو دبایا۔

”جی۔۔۔۔۔ کون سا سچ؟“ اکرم، خیر دین کی بات پر بوکھلا سا گیا۔۔۔۔۔ جو بے خبر تھا کہ خیر دین کو اس کا نہیں پتا ہے۔ خیر دین نے اس کے سر پر پیار دیا۔

”تمہارا مقصد اس کی جان بچانا تھا۔۔۔۔۔ اپنی جان کو عذاب میں ڈالنا نہیں تھا۔۔۔۔۔“ وہ افسردگی سے کہہ کر اپنے کام پر چلا گیا۔

اکرم دو اس نظروں سے پوسٹ آفس کے باہر والے دروازے کو کتنے لگا۔ جیسے رحمان پھر آ کر اسے صرف اسے اہمیت دے گی۔۔۔۔۔ جو ارمان کا۔۔۔۔۔ خط نہ لے کر اس سے لاتعلقی ہو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ مرجھائی مرجھائی گھر پہنچی۔۔۔۔۔ ثریا اس کا

جان جاں

انتظار کر رہی تھیں۔۔۔۔۔ اس نے گھر میں قدم رکھا۔۔۔۔۔ تو ثریا نے اسے خوش خبری دی۔

”نورین گھر آئی ہے۔۔۔۔۔ کب سے تیرا سب انتظار کر رہے تھے۔۔۔۔۔ ابھی ابھی وہ اپنے گھر گئی ہے۔۔۔۔۔ وہاں رات کا کھانا کھانے آئے گا۔۔۔۔۔ عظمت فکر مند تھی۔۔۔۔۔ تجھے لینے چار دفعہ آئی تھی۔۔۔۔۔ جاؤ جلدی سے کپڑے رکھ کر اس کے گھر چلی جاؤ۔“ ثریا نے اس سے کہا۔

”اماں۔۔۔۔۔ یہ پیسے رکھ لیں۔“ اس نے ایک ہزار کا نوٹ ماں کو تھمایا۔

”ایک ہزار کیوں۔۔۔۔۔ ہمارا حساب تو تین ہزار کا تھا۔۔۔۔۔“ ثریا نے فکر مندی سے پوچھا۔

”اماں! امجد بھائی نے جتنے پیسے دیے ہیں اتنے ہی لے آئی ہوں۔ آپ جا کر حساب کتاب کیجیے گا۔۔۔۔۔ دکان پر کافی رش تھا۔۔۔۔۔ اس لیے امجد بھائی ٹھیک طریقے سے بات نہیں کر سکے۔“ رحمان نے تھکے تھکے لہجے میں بات کی۔ اس کا دھیان ارمان کے جواب کی طرف تھا جو نہیں آیا تھا۔

”اچھا ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ تو جلدی سے جا اور میں بیٹھے میں آٹس کریم لے آتی ہوں۔۔۔۔۔ نورین میری بھی بیٹی جیسی ہے۔“ ثریا نے اس سے رائے لی۔

”ہاں۔۔۔۔۔ اماں آپ ان بیٹیوں میں سے آٹس کریم لے آئیں۔۔۔۔۔ میں خالہ عظمت کو میٹھا بنانے سے منع کرتی ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے ہاتھ منہ دھویا۔۔۔۔۔ اور تو لپے سے منہ خشک کرتے ہوئے بولی۔

”کپڑے تبدیل کر لے۔۔۔۔۔ دیکھ کتنا پرانا سوٹ پہن رکھا ہے۔“ ثریا نے اسے نصیحت کی۔

”اماں! میں ان کپڑوں میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ اور مجھے کیا کوئی دیکھنے آ رہا ہے؟“ وہ ہنسی۔

”نہیں بیٹا۔۔۔۔۔ تجھے دیکھنے تو کوئی نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ مگر تیرے ایسے کپڑوں کی وجہ سے نورین پر کوئی انگلی نہ اٹھا دے۔۔۔۔۔“ ثریا نے نورین

جوڑوں کے درد سے نجات پائیے!

ہزاروں لوگوں کی طرح اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے مسائل سے نجات حاصل کیجئے

JOINTA

HERBAL ANALGESIC CREAM

جوڑوں پر روزانہ چھ لاکھ لگائیے

درد سے جان چھڑائیے

• بے حد موثر ہر بل فارمولا = Rs.300/-

• PCSIR سے تصدیق شدہ

• ہر بل ہونے کی بدولت کوئی سائنڈیٹکٹ نہیں

• ماہرین کی نگرانی میں تیار کردہ

جوائنٹا کریم

جوڑوں کے درد سے نجات کا پیغام

آپ کے نام!

جوائنٹا کریم بذریعہ کوریئر/وی پی پی

اپنے گھر منگوانے کیلئے فون کیجئے

0315-3830001, 0315-3830002

(کراچی میں جو امیکا کم حاصل کرنے کیلئے)

مراد میڈیکو اسٹڈیہ کروڈ، نزد خانان ہسپتال 0213-4943664

786-786 میل سٹور بلاک 1، گستان جوہر، نزد جی جی سٹور 0213-4010647

یاد رکھیے، جو امیکا کریم کی اور دوسرے میڈیکل اسٹور یا

رابطہ نمبر کے ذریعے حاصل نہیں کی جاسکتی

نورین نے سر پر ہاتھ مارا۔

”کیا ہوا..... وہ آنا چاہتا ہے تو آنے دو.....“ وہاب بھائی سے بار بار اسے نہ لانے کی ضد کرو گی تو کہیں ان کا بھی موڈ آف نہ ہو جائے.....“ رحمان نے پیاز گرم تیل میں ڈال دی اور چیخ چلائے گی۔

”اوکے..... اگر تم کہتی ہو تو پھر منع نہیں کرتی۔“ نورین نے وہاب کو میٹج ٹائپ کرنا شروع کر دیا..... وہ مطمئن ہو گئی کہ رحما کو کوئی اعتراض نہیں۔

”یار شادی شدہ لائف کا حال تو سناؤ..... کہاں کہاں گھوم کر آئی ہو؟“ اس نے کام کرنے کے ساتھ ساتھ نورین سے شری لہجے میں پوچھا۔

”بہت اچھا تجربہ رہا۔“ نورین نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

”ہا ہا ہا..... وہاب بھائی کیسے لگے؟“ اس نے چیخا۔

”بہت اچھے..... بہت خیال رکھنے والے ہیں..... میری تو دعا ہے کہ تمہیں بھی ایسا ہی شوہر نصیب ہو..... تم نے ارمغان بے ایمان بھائی سے شادی کا پوچھا؟“ نورین نے یک دم اس کے اور ارمغان کے متعلق پوچھ لیا۔

”میں نے خط میں تمام بات لکھ دی ہے۔“ وہ مرجھا سی گئی۔

”خط کا جواب آیا کیا؟“ نورین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں.....“ اس نے نظریں جھکا لیں۔

”اگر اس نے شادی کے متعلق پھر کوئی بات نہ لکھی..... تو کیا کرو گی؟“ نورین کے چہرے پر حلقی ظاہر ہونے لگی۔

”میں نہیں جانتی.....“ اس نے افسردگی سے پوچھا۔

”تمہیں کوئی تو فیصلہ لینا ہوگا..... اپنے لیے

کھلانا چاہتی ہیں۔“ اس نے اپنی ماں کے دل بات بیان کی۔ خالہ عظمت نے گھڑی پر نظریں نکالیں..... سہ پہر کے چار بج رہے تھے..... وہ چادر سنہالے تیزی سے نکل گئیں..... رحمان نے نوکری سے پیاز اٹھا کر چھینٹی شروع کر دی۔ اس نے نورین کو کچھ غصے میں پایا۔

”کیا ہوا.....؟ کس کو میٹج کر رہی ہو؟“ اس نے پیاز کاٹنے کاٹنے پوچھا..... نورین اس سے بے پروا ہو گئی۔

”وہاب کو میٹج کر رہی ہوں..... کہہ رہے ہیں کہ ان کا دوست حبیب بھی ڈزریہاں ہی کرے گا..... اور میں منع کر رہی ہوں۔“ نورین نے پھر میٹج ٹائپ کر کے وہاب کو فلفی کی۔

”حبیب..... کون حبیب؟“ رحما کو یک دم یاد آیا..... کہ اس نے نورین کی شادی پر ایک لڑکے کو تھپڑ مارا تھا..... کہیں وہ لڑکا تو نہیں۔

”حبیب..... وہاب کا بیٹ فریڈ ہے..... شادی پر جو وہاب کے ساتھ ساتھ تھا۔“ نورین نے اسے یاد دلایا۔

”نہیں..... نہیں حبیب؟“ اس نے انجان بن کر جواب دیا۔

”کیا تمہاری اس سے کوئی بات چیت ہوئی تھی۔“ نورین نے یک دم پوچھا..... وہ حبیب کے دل کی بات رحما سے کرنا نہیں چاہتی تھی..... جو جانتی تھی کہ رحما غصے میں آ کر اس سے خفا ہو جائے گی اور سارا موڈ خراب ہو جائے گا۔

”نہیں.....“ رحمان نے اس سے سچ چھپایا کہ کہیں وہ اس سے خفا نہ ہو جائے کہ اس نے وہاب کے بیٹ فریڈ کو طمانچہ مارا تھا۔

نورین کے سیل فون پر پھر میٹج آیا..... وہ خود سے بولی۔

”توبہ ہے میری بات کو سمجھ نہیں رہے۔“

کے سرال والوں سے ڈر کر کہا۔

”اچھا..... اماں..... پھر میں کپڑے تبدیل کر لیتی ہوں.....“ اس نے ماں کے ماتھے پر بوسا دیا..... جو بہت فکر مند دکھائی دے رہی تھیں کہ وہاب کے گھر والے آ گئے..... تو کہیں کسی بات پر نقص نہ نکال دیں۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی..... تو اپنے بستر پر سرخ رنگ کا استری شدہ سوٹ پڑا دیکھا..... اسے ثریا کی آواز آئی۔

”میں بازار جا رہی ہوں..... تیرا سوٹ استری کر کے رکھا تھا اسے پہن لینا.....“ ثریا یہ کہہ کر چلی گئیں..... اور رحما جلدی سے تیار ہونے لگی۔

☆☆☆

”چکن قورمہ..... اور نان منگوا لیتے ہیں۔“ رحمانے ہدایت دی۔

”نہیں..... نہیں..... وہاب کو چکن پلاؤ اچھا لگتا ہے..... اماں چکن پلاؤ بنالیں۔“ نورین نے میٹج کرتے کرتے جواب دیا۔

”چکن پلاؤ مجھ سے اچھا نہیں بنتا..... رحما تو بناوے۔“ عظمت خالہ فکر مندی سے بولی۔

”ہاں، ہاں رحما تیرا چکن پلاؤ لا جواب ہے..... وہاب بہت خوش ہوں گے۔“ نورین موبائل پر بڑی تھی۔

”خالہ عظمت آپ وہی اور تھوڑا چکن اور لے آئیں.....“ اس نے مرغی کا گوشت دیکھ کر بتایا۔

”میں بازار جانے والی تھی..... ثریا کے ساتھ چلی جاتی ہوں..... اور بیٹھے میں نورین کیا رہیں.....؟ خالہ عظمت نے بیٹی سے پوچھا۔ جس کا دھیان سیل فون پر لگا ہوا تھا۔

”اماں رحما سے پوچھ لیں۔“ وہ چوکی۔

”خالہ آپ فکر نہیں کریں..... اماں آکس کریم لینے لگی ہیں..... وہ اپنے داماد کو بیٹھے میں آکس کریم

ہاں ملائی۔

”بس اب بار بار چیزوں کا تذکرہ مت کریں..... بھائی اس میں سوٹ ہیں..... آپ کے لیے بھی لایا ہوں خالد۔“ اس نے ثریا کو مخاطب کیا۔
 ”نہیں..... نہیں بیٹا اس کی ضرورت نہیں۔“
 ثریا بوکھلا سی گئیں۔

”آپ بھی تو میری ساس جیسی ہیں۔ آپ یہ میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ لیں۔“ وہاب نے ایک قیمتی سوٹ ثریا کے ہاتھ میں تھمایا..... اور ایک سوٹ عظمت خالد کے حوالے کیا..... باقی دو سوٹ بچے تھے..... نورین نے دونوں سوٹ اٹھا کر کمرے میں رکھ دیے کہ خالد ثریا کو علم نہ ہو کہ حبیب کی مہربانیاں رحما کی وجہ سے ہیں..... سامان سمیٹ کر وہ چن میں آگئی۔

”چلو وہاب سے ملو..... تمہارے متعلق پوچھ رہے ہیں.....“ نورین نے نظریں چرا کر کہا۔

”تم جو لھے کے پاس کھڑی رہو..... پلاؤم پر ہے..... اور سالن تیار ہے..... سلاڈ بھی بن گیا ہے..... بس رستے کے لیے یہ سلاڈ کاٹ لو..... میں ابھی آتی ہوں..... پھر تمہاری مدد کرتی ہوں۔“ اس نے نورین سے کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی..... ثریا کچن میں آکھڑی ہوئیں..... ان کے ہاتھ میں ڈبوں سے بھر ایک شاہر تھا۔

”اماں یہ کیا ہے.....؟“ رحمانے حیرت سے پوچھا..... ثریا سے جواب دیا نہیں جا رہا تھا۔
 ”بیٹا یہ حبیب احمد لایا ہے..... کھانے کا سامان ہے.....“ ثریانے کچن کی ٹیبل پر رکھا۔

نورین نے شاہر کھولا اور ڈبے نکالے..... کسی ڈبے میں شامی کباب تو کسی میں مٹن چانپ کسی میں چائیز چاول..... تو کسی میں لیگ پیسز..... اتنی چیزیں دیکھ کر سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کوئی دکھ دینا نہیں چاہتا تھا۔

”تو جلدی سے اپنی محبت کے بارے میں اسے بتا دے۔“ سیکنے نے اس کے بجھے چہرے کو ہاتھوں میں تھام لیا..... اور پھر اس کے سینے سے لگ گئی..... وہ ماں کو دلاسا دیتا رہا..... جو بری طرح سے کانپ رہی تھی کہ کہیں فاطمہ کی طرح اکرم بھی اسے چھوڑ کر چلا نہ جائے۔

☆☆☆

”حبیب بھائی..... یہ اتنا کچھ لے کر آنے کی کیا ضرورت تھی.....“ اپنے گھر میں پھلوں کے ٹوکڑے، مٹھائیاں اور سوٹ دیکھ کر..... وہ حیرت زدہ سی ہو گئی۔

”پہلی دفعہ اک بھائی اپنی بہن کے گھر آیا ہے.....“ اس نے مسکرا کر سنبھالی۔

”وہاب آپ نے بھی منع نہیں کیا؟“ نورین نے آنکھیں دکھائیں..... عظمت اور ثریا اپنے گھر میں اتنا کچھ دیکھ کر پشیمان سی ہو گئیں۔

”بھائی! یہ اس ڈبے میں رس ملائی ہے، یہ فرنیچ میں رکھ دیں۔“ حبیب نے جلدی سے بتایا۔
 ”یہ رس ملائی ہم دونوں کی بہت فیورٹ ہے..... خاص طور پر تمہارے لیے لائے ہیں.....“ وہاب نے نورین کو اپنی پسند سے آگاہ کیا۔

حبیب نے چاروں طرف نظر دوڑائیں..... وہ وہاں نہیں تھی۔

”اماں یہ حبیب احمد ہیں، وہاب کے بہترین دوست اور حبیب بھائی یہ میری اماں..... اور یہ میری خالد ثریا ہیں، رحما کی والدہ.....“ نورین نے آپس میں سب کا تعارف کرایا۔

ثریا نے خوش خوشی دونوں کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا۔

”بیٹا اتنا کچھ لانے کی کیا ضرورت تھی..... یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔“ ثریانے بھی عظمت کی ہاں میں

”اماں بھوک نہیں ہے.....“ اس نے شائستگی سے جواب دیا۔

”تیرا رحما سے جھگڑا ہوا ہے کیا؟“ سیکنے اس کے پاس آئی تھی..... اور سر پر پیار دے کر پوچھنے لگی۔
 ”اماں..... میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ رحما اور میرے درمیان جو آپ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“ اس نے تلخ لہجے میں بات کی۔

”تو پھر تم دونوں کا کیا رشتہ ہے..... مجھے بتا کیوں نہیں دیتے، اپنی بیٹی فاطمہ کو کھو چکی ہوں، تجھے کھونے کا حوصلہ میں نہیں رکھتی..... کیا رحمانے تیری محبت کو ٹھکرا دیا ہے؟“ سیکنے نے بے صبری سے پوچھا۔
 ”نہیں..... اماں..... ایسی بات نہیں ہے۔“

اس نے ماں کو تسلی دی اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیا وہ تجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی.....؟ اس نے تجھ سے دل لگی کی ہے۔ تو مجھے اس کے گھر کا پتا دے..... میں خود جا کر اس کا رشتہ لیتی ہوں، وہ نا سمجھ ہے..... جو میرے پیارے بیٹے کی محبت کو ٹھکرا رہی ہے۔“ سیکنے بولتی چلی گئی۔

”اماں..... ایسی ویسی کوئی بات نہیں..... آپ غلط سوچ رہی ہیں..... آپ مطمئن رہیں، میں رحما سے جلد بات کرتا ہوں۔“ اس نے ماں سے ساری بات کو چھپا لیا۔

”تو سچ کہہ رہا ہے؟ اگر وہ تجھے دھوکا دینا چاہتی ہے تو میں اس کے گھر جا کر اس کی ماں سے ساری بات کروں گی کہ اس نے میرے موصوم بچے کو دھوکے میں رکھا.....“ سیکنے کی آنکھیں سرخم سی ہو گئیں..... وہ غلط سوچتی جا رہی تھی..... اس کی وجہ فاطمہ کی موت بھی تھی۔

”اماں..... رحما نہیں جانتی کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں..... پلیز آپ مطمئن رہیں..... اس طرح تو آپ اپنی صحت خراب کر لیں گی۔“ ماں کو روتے دیکھ کر اس نے سچ بول دیا..... وہ اپنی ماں کو

نہیں..... تو خالد ثریا کا سوچو انہیں کس بات کی سزا دے رہی ہو۔“ نورین نے جی سے کہا۔

”پلیز..... مجھ سے ارمغان کے ٹاپک پر بات مت کیا کرو.....“ اس نے چاول پانی میں بھگوئے اور اپنی بات کہہ کر پھر خاموش ہو گئی۔ نورین بھی اس کے بجھے چہرے پر خاموش ہو گئی..... کافی دیر کی خاموشی کے بعد نورین نے چپ توڑی۔

”تمہارے پاس ارمغان کا نمبر ہے کیا.....؟“

اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”نہیں.....؟“ اس نے تیزی سے جواب دیا۔

”تم اس سے دو ٹوک بات کر لو۔“ نورین نے اسے مشورہ دیا..... اس سے پہلے کہ وہ لب کھولتی.....

خالد عظمت شاہر پکڑے کچن میں آکھڑی ہوئیں۔

”جلدی کرو..... جلدی..... کہیں دو لہا بیٹا گھر پہنچ جائے اور تم لو کیوں کا کام ہی نہیں ہو۔“ اتنے میں ثریا بھی آکس کریم اٹھائے آ گئیں۔

”یہ لو..... نورین اسے فرنیچ میں رکھو..... اور کوئی کام ہے تو مجھے بتاؤ، میں دیکھتی ہوں۔“

”خالد ثریا آپ نے تو ریڈی میڈ کام کیا ہے..... اماں کی طرح گھر میں شکرے بیٹھے کا کام نہیں لیا.....“ نورین آکس کریم پیک فرنیچ میں رکھتے ہوئے بولی۔

”بازار سے اور کچھ وہاب کی پسند کا منگوانا ہے تو بتا دے..... میں لے آتی ہوں.....“ ثریا نے مسکراہٹ کے ساتھ اس سے فرمائش پوچھی۔ نورین نے خالد ثریا کو گلے سے لگا لیا..... خالد عظمت اپنی بیٹی کو خوش دیکھ کر بلند آواز میں خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگتے لگیں کہ رحما کو بھی وہاب جیسا ہم سفر مل جائے..... جس پر رحمانے نظریں چرا لیں۔

☆☆☆

”یہ کیا.....؟ کھانا دیے کا ویسا بڑا ہے۔“ سیکنے نے اکرم کے کمرے میں کھانا رکھا دیکھ کر کہا۔

ارمغان نام کے شخص سے محبت کرتی ہے۔ وہ مجھ سے ملنے پوسٹ آفس نہیں آئی تھی۔ وہ خط ڈالنے آئی تھی۔ ”اکرم نے اسے تفصیل بتانی شروع کی۔“ تجھے کیسے پتا چلا۔ کہ وہ ارمغان سے محبت کرتی ہے۔“ ”فہد نے حیرت سے پوچھا اور اکرم نے رحما کے پہلے خط سے آخری خط تک کے تمام حالات فہد کو بتا دیے۔ فہد بھی تمام بات سن کر فکر مند ہو گیا۔

”اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں اس کی جان بچاتے بچاتے اپنی جان اس کے ہاتھوں میں دے بیٹھا ہوں۔ اور وہ بے چاری اس بات سے بے خبر ہے۔“ اکرم نے افسردگی سے بتایا۔

”یار۔۔۔۔۔ تمہاری کہانی سن کر میں خود اپ سیٹ ہو گیا ہوں۔ اس لڑکی سے نہ تو تم محبت کا اظہار کر سکتے اور نہ ہی تم اس سے جدا ہو سکتے ہو۔ تمہیں اپنی محبت کے لیے رسک تو اٹھانا پڑے گا۔ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا؟ کبھی نہ کبھی تو سچائی کھلے گی۔“ فہد نے بات کرتے ہوئے اپنی جیب سے رومال نکال کر ماتھے سے پسینے پونچھا۔ وہ اکرم کے لیے بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

”تو پھر یا میرے لیے دعا کرو۔ کہ خدا مجھے کوئی راستہ دکھا دے جس سے میں رحما کو پالوں۔“ اکرم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اپنی محبت کا اعتراف کیا۔

”تو فکر نہ کر۔۔۔۔۔ اللہ بہت عظیم ہے۔ سب بہتر ہو جائے گا۔۔۔۔۔ میں کچھ سوچ لوں۔۔۔۔۔ پھر تجھے جواب دوں گا۔“ فہد نے اسے تسلی دی۔

جبکہ۔۔۔۔۔ اس سے اکرم کے لیے کوئی بات سوچی ہی نہیں جا رہی تھی۔ اکرم نے پھر ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون بند کر دیا اور کافی دیر تک پریشان رہا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔

(باقی آئندہ)

سے بھی پوچھ لیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ یار ماشاء اللہ سے ایک عدد بیوی کے نخرے پھیل رہا ہوں۔“ اس نے قہقہہ لگا کر بتایا۔

”تو نے شادی کر لی۔۔۔۔۔ مجھے بتایا تک نہیں۔“ اکرم چیخا۔

”ہاں یار۔۔۔۔۔ شادی یہاں نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ شادی تو جرمنی میں ہوئی تھی، بس جرمنی ماموں نے بلوایا تھا اور پھر اپنی بیٹی کا ہاتھ مجھے تھما دیا۔۔۔۔۔ سعدیہ بہت پیاری عادت کی مالک ہے تو کسی دن ملنے گھر پر آجا۔“ فہد نے خوش خوش اسے دعوت دی۔

”انشاء اللہ۔۔۔۔۔ ضرور چکر لگاؤں گا۔“ اس نے خوشی سے کہا۔

”اور سنا۔۔۔۔۔ تو کب شادی کر رہا ہے؟“ فہد نے شرارتا پوچھا۔

”میں ابھی پتا نہیں۔۔۔۔۔“ اس نے ہنس کر جواب دیا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ کوئی تلاش کر کے رکھی ہوئی ہے۔“ فہد نے اسے چھیڑا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہے تو؟ مگر اک مشکل میں پھنسا ہوا ہوں۔۔۔۔۔ اس لیے تو تجھے فون کیا۔“ اکرم نے سنجیدگی سے بتایا۔

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔ سب خیریت تو ہے نا؟“ فہد نے سیل فون کو مزید کان کے پاس کیا۔ اور شائستگی سے بولا۔ اسے قاطعہ کی موت کا علم تھا۔ وہ اپنے دوست اکرم کے لیے پریشان سا ہو گیا۔

”رحما کی ملاقات مجھ سے پوسٹ آفس میں ہوئی تھی۔“ اکرم نے ہلکے سے بتایا۔

”ملاقات ہو گئی۔ تو پھر اپنے دل کی بات کر لے۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟“ فہد نے پوری بات سننے بغیر کہا۔

”یار پر ایلیم یہ ہے کہ وہ مجھ سے نہیں، کسی

ہوں۔۔۔۔۔ اور پلیز مجھے یہ لپ اسٹک نہیں لگانی۔۔۔۔۔“ اس نے نورین سے اپنا بازو پھرا لیا۔۔۔۔۔ اور پکن سے باہر نکل گئی۔ نورین دل ہی دل میں دعائیں کرنے لگی کہ کہیں حبیب اور رحما کی کسی بات پر جھڑپ نہ ہو جائے اور یہ ڈنر کسی بڑی جنگ کے نام نہ ہو جائے۔ اس لیے کام کرتے کرتے اس کے لب دعا کے لیے ہل رہے تھے۔

☆☆☆

”مجھے اماں کو سچ نہیں بتانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔ مجھے اپنی محبت کا اعتراف نہیں کرنا چاہیے تھا اگر رحمانے مجھے انکار کر دیا تو میں کیا جواب اماں کو دوں گا۔۔۔۔۔“ وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا مگر اس کے ذہن پر یہ باتیں سوار تھیں۔ اس نے ٹی وی بند کیا اور اپنے ایک پرانے دوست فہد کو فون ملا یا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“ فہد نے شائستگی سے کہا۔

”یار۔۔۔۔۔ میں اکرم۔۔۔۔۔ کیسا ہے تو۔۔۔۔۔؟“ اکرم نے افسردگی کو دور کیا۔ اور یار سے بولا۔

”بہت دنوں کے بعد میری یاد آئی۔“ فہد نے طنز پر جملہ پھینکا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں بس پوسٹ آفس کی نوکری میں بھنس گیا ہوں۔“ اکرم نے سنجیدگی سے بتایا۔

”یار تم نے ایم اے کیا ہے۔۔۔۔۔ کہاں پوسٹ آفس میں بیٹھے ہوئے ہو۔۔۔۔۔ میرے ساتھ میری فیکٹری میں آ جاؤ۔“ فہد نے اس کی قابلیت کے مطابق نوکری کے لیے اسے رائے دی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں بس پوسٹ آفس کی نوکری ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ اور پھر ابانے کافی ادھار لیا ہوا ہے۔ ادھار اتر جائے گا تو شاید پھر برنس کی طرف آؤں۔“ اکرم نے اپنی مشکلات سے اسے آگاہ کیا۔

”چلو خوش رہو۔۔۔۔۔ اور سناؤ شادی ہوئی کیا؟“ فہد نے ہنس کر پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اور تیری کیا؟“ اکرم نے اس

”خالہ حبیب دل کا بہت اچھا لڑکا ہے۔“ نورین نے مسکرا کر بتایا اور ربک سے پیٹیں لیں اور سب چیزیں پلیٹوں میں سجانے لگی۔۔۔۔۔ ثریا مسکرا کر کچن سے باہر چلی گئیں۔

”اگر اتنی چیزیں اس نے لے کر آئی تھی تو ہمیں فون کر دیتا۔ ہم پلاؤ نہ بناتے۔“ رحمانے منہ بسور کر کہا۔

”یار! اپنی خوشی سے لایا ہے۔۔۔۔۔ اب کیا ساری چیزیں فرنیچر میں رکھ دوں۔۔۔۔۔ اور اس کے سامنے خالی پلاؤ رکھوں۔“ نورین نے ہنس کر جواب دیا۔

”نہیں پتا ہے اس سے ہماری انسلٹ ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے دعوت دی۔۔۔۔۔ اور وہ ہی کھانے پینے کا سامان اٹھا لیا۔“ اس نے شاپر میں جوس کی بوتلیں دیکھ کر خفا خفا لہجے میں کہا۔

”یار۔۔۔۔۔ کوئی انسلٹ نہیں۔ وہ اب بھی تو ساتھ تھے۔۔۔۔۔ شاید پیسے وہ اب نے دیے ہوں۔۔۔۔۔“ نورین نے اس کے منجھے چہرے کے لیے جھوٹ بول دیا جبکہ وہ جانتی تھی کہ یہ سب حبیب نے اس کے لیے کیا ہے۔

”اچھا۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ تمہاری سسرال ہے۔ تمہیں پتا ہوگا بھلا مجھے کیوں اعتراض ہو۔۔۔۔۔“ اس نے ہاتھ دھو تے ہوئے کہا اور پکن سے باہر نکلنے لگی۔

”یار۔۔۔۔۔ ٹھہرو تو۔۔۔۔۔“ نورین نے اس کا بازو تھام لیا۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔ اب؟“ رحمانے خفگی سے کہا۔

”یار! تھوڑی لپ اسٹک تو لگا لو، ایسے چہرے سے ملو گی۔ تو وہ دونوں بھاگ کھڑے ہوں گے۔“ نورین نے ہستے ہستے اس کے بکھرے بالوں کو سلجھایا۔

”آف نورین۔۔۔۔۔ میں جیسی ہوں۔۔۔۔۔ اچھی



ابھرتی ہوتی فنکارہ اور ماڈل
یعنی جعفری موجود ہیں جو نہ
صرف خوش شکل، خوش رو،
خوش مزاج ہیں بلکہ ان کی
بات چیت اور اطوار میں خوش
اخلاقی اور بلا کی معصومیت
ہے..... اور ان سے بالمشافہ
ملاقات کر کے ہمیں تو بے حد
مزہ آیا اور ان کی بھرپور گفتگو
سے ہم بہت محظوظ بھی
ہوئے..... آئیے جعفری
سے گفت و شنید کا آغاز
کرتے ہیں۔

پاکیزہ..... جی جعفری
پاکیزہ کے قارئین کے
لیے آپ نے اپنی بے
پناہ مصروفیات میں سے
وقت نکالا۔ یہاں ہم اپنی
اور قارئین کی جانب سے
پیشگی شکریہ ادا کرتے ہیں۔
پہلے تو یہ بتائیے کہ آپ کو کسی
رسالے کے لیے انٹرویو دینا کیسا
لگتا ہے؟

جعفری..... نارمل لگتا
ہے، پارٹ آف دی جاب ہے۔ میرا
خیال ہے اگر Interviewer
خراب ہو تب Irritating
situation ہو سکتی ہے۔ دیے ابھی تک اچھا لگ
رہا ہے۔ ابھی کم ہی انٹرویوز دیے ہیں۔

پاکیزہ..... کیا یہی آپ کا اصل نام ہے یا اس
شعبے میں آکر یہ نام رکھا؟
جعفری..... میرا نام قرۃ العین جعفری

ہے، ح حرف نکلتا تھا تو دادا دادی نے یہ
نام رکھا اور یعنی نام سے ہی پکارا گیا۔
پاکیزہ..... آپ کی تاریخ پیدائش،
جائے پیدائش اور برج؟
جعفری..... 9 جون، کراچی
..... جوزا
پاکیزہ..... اپنے فیملی بیک
گراؤنڈ کے بارے میں کچھ
بتائیے؟

جعفری..... میرے
والد اظہر جعفری نے
MBA امریکا سے کیا، ساری عمر وہ
بینکنگ کے شعبے سے وابستہ رہے ہیں اور اسی سلسلے میں وہ
ملکوں ملکوں فرائض انجام دیتے رہے جیسے سنگاپور، سعودی
عرب، ملائیشیا اور یہاں پاکستان وغیرہ..... میرے گریڈ
پیشہ میں کراچی میں ہوتے تھے۔ میری ماما گل رعنا
جعفری نے کراچی یونیورسٹی سے امتیازی حیثیت سے
انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کیا کچھ عرصہ وہ ایڈورٹائزنگ کے



INTERVIEW قاری بزم میں



جعفری عینی جعفری سے دلچسپ ملاقات نزدہت اصغر

نازکی اُن کے لب کی کیا کہیے
پچھڑی اک گلاب کی سی ہے
میر اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

دلکش قارئین پاکیزہ! آج ان صفحات پر آپ
سے ایک ایسی ہی ہستی سے ملاقات کروانی جارہی ہے
جو میر تقی میر کے ان اشعار کی جتنی جاگتی تصویر ہے.....
جی ہاں! آج ہمارے ساتھ ٹیلی وژن اسکرین کی



ماڈلنگ کے لیے ضروری ہے کہ کافیزہ نس بہت ہو اور جو خوبیاں ایک ماڈل کے لیے ضروری ہیں وہ ہوں اگر انجکشن کی بات ہے تو اس فیلڈ میں لو انجکشن ماڈلز بھی دیکھی ہیں جو کامیاب بھی ہیں۔ ان میں ماڈلنگ کے بہت guts ہیں۔ تعلیم انسان کو groom کرتی ہے آپ کو ہر ماحول میں move کرنا آجاتا ہے۔ ہاں اگر بات brand ambassador کی ہو تو اسے ویل انفارمڈ اور کوالیفائڈ ہونا چاہیے کیونکہ وہ ایک پروڈکٹ represent کر رہی ہوتی ہے face ویلو تو میٹر ضرور کرتی ہے مگر آپ کی over all physical looks بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس شعبے میں ٹریننگ بھی ضروری ہے۔

پاکیزہ: یعنی ماشاء اللہ آپ کو خدا نے حُسن اور مصوویت دونوں سے نوازا ہے اور کردار بھی اس کے حساب سے ملے شوہر میں آنے کی اصل وجہ یہ تو نہیں؟

یعنی جعفری: حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں looks do matter لیکن صرف اسی کے بھروسے پر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ صرف beauty کامیابی کی ضمانت نہیں ہاں کسی حد تک تو صحیح ہے۔ میں نے جتنی بھی ماڈلنگ کی ہے مجھے تو مشکل لگی کہ لوگ آج کل بے وقوف نہیں ہیں صرف چہرہ دکھانا مقصد نہیں بلکہ آپ کو expressions بھی لانے ہیں۔ body language matter کرتی ہے اس میں بھی سب کافی محنت سے کام کر رہے ہیں۔ فیضی نہیں کہ face value سے آپ ہٹ ہو گئے جب تک محنت سے کام نہیں کیا جائے تو آپ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ایسا نہیں کہ صرف خوب صورتی کی بنا پر آگے آیا جائے اس کے پیچھے محنت اور اپنے پروفیشن میں لگن سے کام کرنا ہوتا ہے۔ اس میں آپ کو patience بھی چاہیے یعنی بیوی تو ہو

پاکیزہ: اداکاری کے شعبے میں آنے کا کیا سبب ہوا؟ اس سے پہلے آپ کی فیملی سے کوئی اس جانب آیا؟

یعنی جعفری: یہ سمجھ لیں کہ شروع سے ہی شوق تھا۔ اصل میں، میں اپنی پرسنل لائف میں بھی بہت loud، energetic، dramatic اور loud ہوں تو germs تو یقیناً بچپن سے ہی ہوں گے۔ میرے فیملی ممبرز یہی کہتے ہیں جیسی تم تھیں اسی طرح کے شعبے میں آگئی ہو۔ شوق تو تھا ہی پر بابا مجھے کہتے تھے کہ صرف ایکٹنگ کی تعلیم حاصل نہ کرو، ہاں تم اپنی اسٹڈیز مکمل کر لو پھر اپنا یہ شوق بھی پورا کر لینا۔ ماما میں بھی کافی ٹیلنٹ تھا مگر وہ باقاعدہ اس طرف نہیں آئیں۔ ویسے ماما، بابا دونوں کی طرف سے میں پہلی فرد ہوں جو اتنی جگہ اتنا شوق میں آئی۔ اس سے پہلے میری دو خالائیں نشاط ظلمی اور عذرا رحیمی الدین اسی شعبے سے وابستہ ہیں۔

میرے پرنسپل پاکستان آگئے کچھ نیلی میں home sick ہو گئی تھی اس لیے میں وہاں نہیں رہ سکی۔ کام تو خیر اچھا چل رہا تھا مگر اتنے دنوں سے گھر والوں سے دور تھی تو میں بھی ان کے پاس کراچی چلی آئی۔ ویسے اگر آپ کا کسی کام میں دل نہ لگ رہا ہو تو پھر اسے کرنے میں مزہ نہیں آتا نہ ہی کام ٹھیک طریقے سے ہو پاتا ہے پھر یہاں آکر ایکٹنگ کی طرف آگئی۔ تھوڑا تھیر کیا ہوا تھا۔ میں اپنی دوستوں سے کہتی رہتی تھی کہ مجھے ایکٹنگ کرنی ہے۔

پاکیزہ: اگر ہم غلط نہیں تو آپ نے چند سال پہلے ایک ایڈ میں کام کیا تھا پھر آپ غائب ہو گئیں اور اب اداکاری کرتی نظر آئیں۔ ماڈلنگ کرنا کیسا لگا؟

یعنی جعفری: اصل میں مجھے ایکٹنگ کے شعبے میں ہی آنا تھا اس دوران ماڈلنگ کی آفر ہوئی دراصل اشارٹ میں نے ایکٹنگ سے ہی کیا گھر والوں کی سیریل آن ایئر دیر سے آیا اور ایڈ پہلے آ گیا اس وجہ سے لگتا ہوگا۔ اصل میں آپ جب کسی شعبے میں کسی سسٹم میں آ جاتے ہیں تو یہ سب ساتھ ساتھ چلتا ہے، ماڈلنگ، ایکٹنگ وغیرہ۔ ویسے میں اپنے آپ کو ماڈل نہیں کہوں گی، میں ایکٹریس ہی ہوں کیونکہ جتنے بھی شوٹ میں نے کیے شاید چار پانچ ہی ہوں گے وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ جنہیں میں یا میری فیملی پرستی جانتے تھے۔

even جو designers کے لیے بھی کام کیا ہے ان سب کو میں پہلے سے جانتی تھی۔ اتنا پروفیشنل اس شعبے میں کام نہیں کیا ہے جو out fits مجھے سمجھ آئے جو decent بھی لگے اسی کے لیے کام کیا۔

پاکیزہ: ایک ماڈل کے لیے کیسا ہونا ضروری ہے؟ تعلیم کس حد تک ضروری ہے اور کیا ایک کامیاب ماڈل ایک کامیاب ایکٹریس ہو سکتی ہے؟

یعنی جعفری: بالکل بھی ضروری نہیں کہ ایک کامیاب ماڈل کامیاب ایکٹریس بھی ثابت ہو۔

شعبے سے وابستہ رہیں ہم لوگوں کا چونکہ abroad جانا رہتا تھا اس لیے مستقل جاب نہ کی اب وہ سوشل ورک کرتی ہیں مختلف جگہ volunteer کرتی ہیں اور ایک اچھی ہاؤس وانف بھی ہیں۔ مجھ سے چھوٹی دو بہنیں ہیں مہر جعفری اور سارہ۔ مہر نے فلم میاگنگ کے شعبے میں تعلیم حاصل کی اور اس نے حال ہی میں seedling کے نام سے ایک فلم پروڈیوس کی ہے جسے نیویارک کے سٹی فلم فیسٹیول میں دو ایوارڈز ملے ہیں اس میں بیسٹ ایکٹریس کا ایوارڈ آمنہ شیخ کو ملا ہے، اب ساؤتھ ایشین فلم فیسٹیول کے لیے بھی جاری ہے۔ اسے ڈائریکشن کا بہت شوق ہے۔ سب سے چھوٹی بہن سارہ ابھی لندن سے ماسٹرز کی ڈگری لے کر آئی ہے۔

پاکیزہ: اپنے تعلیمی کیریئر کے متعلق کچھ بتائیں؟

یعنی جعفری: میں نے اپنا O/Alevel تو کراچی سے ہی کیا ہے پھر بچلر مارنٹریال کینیڈا سے کیا اس میں major subject میرا مارکیٹنگ تھا۔

پاکیزہ: جب آپ نے اتنی اچھی تعلیم حاصل کی تو وہیں یا پاکستان میں آکر جاب کرنے کا کیوں نہیں سوچا؟ ایکٹنگ اور ماڈلنگ کی طرف ہی کیوں آئیں؟

یعنی جعفری: (اس سوال کا جواب یعنی نے خاصی تفصیل سے دیا) انجکشن کمپلٹ کرنے کے بعد پہلے میرا ارادہ وہیں کینیڈا میں جاب کرنے کا تھا میری کینیڈین ٹیشنٹی بھی ہے تو میں نے وہاں کام کرنے کا سوچا۔ میرے parents اس وقت سنگاپور میں تھے انہوں نے اسٹڈیز مکمل ہونے کے بعد مجھے وہاں بلایا کہ گھر سے کافی عرصہ دور گزار لیا اب ہمارے پاس آ جاؤ۔ سنگاپور میں بھی fresh graduates کے لیے کافی مواقع ہیں مارکیٹنگ اور ایڈورٹائزنگ میں۔ سو میں وہاں چلی گئی اور وہاں میں نے دو سال تقریباً کام بھی کیا پھر اسی دوران

میں involve ہوں تو جیسے ایک سین میں، میں بالکل ڈوب گئی۔ دل سے feel کیا اور حقیقت میں روئی بھی ہوں مگر بعض دفعہ glycerine کی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے۔

پاکیزہ H..... آج کل نامور رائٹر حسینہ معین کے ایک ڈرامے میں آپ کو ایک مرکزی کردار دیا گیا ہے۔ آپ کو ان کے لکھے ڈرامے میں کام کرنا کیسا لگ رہا ہے؟

یعنی جعفری H..... یقیناً بہت اچھا! جب پتا چلا کہ مجھے اس پروجیکٹ کے لیے بلایا ہے تو میں بہت ایکسائٹڈ تھی۔ وہاں آفس میں سب بیٹھے تھے تو یہ ڈکشن ہو رہی تھی کہ کراپاؤں گی کہ نہیں کیونکہ اس وقت میں نے کوئی مرکزی کردار strike کر دیئے والا نہیں کیا تھا مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ یہ کوئی دو سال پہلے کی بات ہوگی کیونکہ یہ کہ یکٹر بڑا تھا ایک پوری journey ہے مایا کی بہت مختلف جیوشنز ہیں مجھے پورا اسکرپٹ بتایا گیا تھا ایک indentity crisis ہے بہت کچھ دکھانا ہے اب حسینہ آپا کا کئی مرتبہ فون آیا ہے کہ بیٹا جو میں سوچ رہی تھی جیسا میں چاہتی تھی تم نے ویسا ہی پر فارم کیا ہے کافی سراہا جا رہا ہے اقبال انصاری نے بھی کہا ویل ڈن ہم خوش ہیں تم نے جشن کیا کہ ان کا کہنا تھا کہ یہ لڑکی یا تو پلے کو destroy کر سکتی ہے یا بنا سکتی تھی تو critics کے حلقے سے بھی پذیرائی مل رہی ہے۔ میں بھی بہت ڈری ہوئی تھی۔ ویسے مجھے اس وقت کہا گیا تھا کہ اردو پلے دیکھو اور حسینہ معین کے لکھے ڈرامے میں نے دیکھے ان کا اسٹائل ٹریٹ منٹ وغیرہ۔

پاکیزہ H..... کیا اداکاری کرنے کے لیے کسی ایکٹیوی سے تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے؟
یعنی جعفری H..... ویسے تعلیم تو ہر شعبے میں اہم ہے اور آپ کے لیے ہر قدم پر helpful ہوتی ہے مگر تربیت بھی matter کرتی ہے۔ کچھ

اگر میرا کہیکٹر بھی مضبوط ہو مگر دیگر چیزیں غیر اطمینان بخش ہوں؟ جب بھی کام نہیں ہو پاتا۔ بہت سارے ٹیکنیٹز ہوتے ہیں جنہیں دیکھنا پڑتا ہے۔ سب کچھ correct ہونے کے بعد even ایک lighting کے upsets کی کسی بھی معمولی چیز کی وجہ سے کبھی پروجیکٹ بیٹھ بھی سکتا ہے۔ اس لیے تمام چیزوں کو دیکھ اور تسلی کر کے فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ H..... artists کے ساتھ کیمسٹری اور کیمکس اور کیمکس کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ ایک ٹائپ کے ہی روٹز کروں گی۔ ابھی تو initial stage ہے۔ یہ ضروری ہے کہ جو بھی کردار ملے اس میں کام کرنے کی گنجائش ہو اور مزہ آئے۔ میں پورا 360 دیکھ کر رہی کردار لیتی ہوں۔

پاکیزہ H..... اب تک کے ادا کیے گئے کرداروں میں سے کون سا کردار نبھانا مشکل لگا۔ اور کون سب سے اچھا لگا؟
یعنی جعفری H..... مایا مشکل بھی اور بہت اچھا بھی۔

پاکیزہ H..... اسکرپٹ میں جیسا کردار لکھا ہوتا ہے وہی ادا کرتی ہیں یا خود بھی کچھ variations دیتی ہیں؟

یعنی جعفری H..... جی بالکل discussions ہوتی ہیں کہ اس act میں کتنی emotion کو کس حد تک لاؤ ڈرنا ہے۔ جیسے ایک سین میں رونا ہے تو کس intensity سے پھر ہر دفعہ رونے کا سین کس طرح کرنا ہے۔ ظاہر ہے ہر مرتبہ تو گلائیں پھاڑ سکتے ہیں۔ چویشن کے حساب سے expressions اور emotions کو portray کرنا ہوتا ہے دونوں کی out put ہوتی ہے۔ اچھا ڈائریکٹر سنتا ہے پھر باقاعدہ سین کے حساب سے کچھ ایڈیاکٹ کرنا ہوتا اس کی گنجائش ہوتی ہے یہ ایک ٹیم ورک ہے سین

بات یہ ہے کہ ہمارے پرانے رائٹرز ابھی تک لکھ رہے ہیں جیسے حسینہ معین کے پلے آج کل آرہے ہیں پھر اردو کے اچھے ناٹرز dramatize کیے جارہے ہیں۔ عیسوہ احمد، فائزہ افتخار، فرحت اشتیاق، محمد احمد وغیرہ لکھ رہے ہیں اور اب تو نئے ڈائریکٹرز اس شعبے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، سو ہمارا ڈراما تو ہمیشہ سے اچھا ہے جیسے pty کے ڈرامے وغیرہ اور جدید ٹیکنالوجی اور تربیت کے ساتھ مزید اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ TV dramas کی respect کا لیول کافی بڑھ رہا ہے۔

پاکیزہ H..... اس شعبے میں کن سینئرز سے متاثر ہیں؟ اور کیوں.....؟

یعنی جعفری H..... اب تک جتنے سینئر آرٹسٹ کے ساتھ بھی کام کیا ہے جیسے جاوید شیخ، بہروز... ہزاری صبا ریون..... تو بہت اچھا لگتا ہے۔ پرانے ڈراموں کی اگر بات کریں تو جہاں تک میں نے دیکھے ہیں ان میں شہناز شیخ، مرینہ خان، ثانیہ سعید، نادیا چیل، بشری انصاری اور حنا دلپذیر وغیرہ اس کے علاوہ ایک لمبی فہرست ہے ظاہر ہے ان کے کام کی وجہ سے پسند ہیں۔ لگتا ہے میں بھی ان جیسا کام نہیں کر پاؤں گی۔ even کامیڈی کرنا بھی اتنا مشکل ہے جیسے حنا دلپذیر کی کامیڈی..... کامیڈی کرنا عام ڈراما کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔ سیریس ایکٹنگ میں کافی گنجائش ہوتی ہے۔ روتے ہیں، ہنستے ہیں، ایکپریشن دیتے ہیں مگر کامیڈی میں ٹائٹلنگ اور abrupt action کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے یہ سینئر آرٹسٹ بہت ٹیلنٹڈ ہیں کہ سب کچھ بڑے آرام سے کر لیتے ہیں۔ کامیڈی ہو یا سیریس۔

پاکیزہ H..... اسکرپٹ میں کیا چیز دیکھ کر کسی کردار کو نبھانے کی ہامی بھرتی ہیں؟

یعنی جعفری H..... بہت ضروری ہے ہر ہر چیز کو دیکھنا صرف رائٹر یا ڈائریکٹر کو نہیں دیکھنا اسکرپٹ میں

اور کوئی کوالٹی نہ ہو اور پٹ ہو جائیں ایسا بالکل نہیں ہے۔
پاکیزہ H..... ناظرین میں آپ کی پہچان کون سے کردار سے ہوئی؟

یعنی جعفری H..... ویسے میں نے بہت زیادہ کام تو کیا بھی نہیں ہے، ابھی ڈھائی تین سال ہی ہوئے ہیں آج کل تو مایا کا کردار پہچان بنا ہوا ہے۔ ویسے ”آگ“ چینل پر dreamers ڈراما آتا تھا وہ خاص یوتھ پتھ تھا۔ اسے لوگ ابھی تک یاد کرتے ہیں اس کے حوالے سے ملتے ہیں وہ کافی پاپولر تھا کیونکہ انٹرٹینمنٹی بھی دیکھا جا رہا تھا۔ لوگ 2 dreamers کے انتظار میں ہیں، شاید مایا کے اس کردار کو میری پہچان کہہ سکتے ہیں۔ حسینہ معین کا لکھا اقبال انصاری کی زیر نگرانی بنا۔ پروجیکٹ مجھے ملا شاید میں اس لحاظ سے کافی blessed ہوں کہ اتنا بڑا کپ بھی آیا اور پروجیکٹ بھی ملا۔ میری پہچان بنا، کافی appreciation مل رہی ہے۔

پاکیزہ H..... آپ کا بچپن پاکستان سے باہر گزرا اب آپ کو یہاں ایڈجسٹ کرنا کیسا لگتا ہے؟
یعنی جعفری H..... تھوڑا تو مشکل ہوتا ہے نہیں سے آکر رہنا وہ بھی کینیڈا، سنگا پور وغیرہ ہے۔ مگر جیسا میں نے کہا کہ 6th grade سے ہائی اسکول تک یہیں تھے اور ویسے بھی گرینڈ پیئرش اور دیگر فیملی بھی تھی تو پاکستان آتے جاتے رہتے تھے۔ حالات سے واقف رہتی تھی۔

پاکیزہ H..... آپ کا سب سے پہلا پلے؟
یعنی جعفری H..... اصل میں کئی پلے ایک ساتھ آن ایئر گئے، زپ بس چپ رہو، بدتمیز، dreamer اور عید کا لاگ پلے بھی تھا۔

پاکیزہ H..... پاکستانی ڈرامے کے معیار کے متعلق کیا کہیں گی؟
یعنی جعفری H..... بہت ہی اچھا ہے، اچھی



رومانس بھی ہو سب فیلنگز ہوں تو مجھے ادا کرنے میں مزہ آئے گا مجھے اسی لیے مایا کے رول میں بہت مزہ آیا کہ اتنا کچھ ایک کردار میں کرنے کو ملا۔ غصہ، رونا، چیخنا، چلاتا، مارنا، پیننا وغیرہ I am very happy اتنا کچھ کرنے کو ملا ہے مگر اب بھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

پاکیزہ: آپ یہاں شو بیز کے ماحول سے مطمئن ہیں؟
عینی جعفری: اچھا ماحول ہے اور بھی بہتر ہو سکتا ہے۔

پاکیزہ: کیا آج کی پڑھی لکھی بوجھ کو اس شعبے میں آنا چاہیے؟

پاکیزہ: ضرور آنا چاہیے اسپیشلی مووی میکنگ میں اس لیے کہ یہ انڈسٹری بالکل بیٹھ چکی ہے۔ تو تھ آئے گی تو ہر لحاظ سے بہتری آئے گی۔ آج

اس میں پیسہ انویسٹ کرنے سے لوگ گھبراتے ہیں۔ سینما دیکھنا بالکل ختم ہو گیا ہے تو ان حالات کی بہتری کے لیے لوگ نئے ٹاپکس لائیں، نئے ٹیلنٹ کے ساتھ آئیں تو بہت اچھا ہے وہ بالکل discourage نہ ہوں بلکہ آگے بڑھیں اب تو اس شعبے میں تعلیم اور ٹریننگ کی سہولیات بھی بہت ہیں۔

پاکیزہ: شہرت ملنے کے بعد کیا لگتا ہے؟
نجی زندگی کتنی متاثر ہوتی ہے؟

عینی جعفری: (بڑی مصہویت سے) میں اتنی famous ہوں ہی نہیں باہر بھی کم جاتی ہوں مگر ظاہر ہے جب لوگ کام کے حوالے سے آپ کو پہچانتے ہیں، جانتے ہیں، پسند کرتے ہیں، آپ کے کام پر بات کرتے ہیں تو یقیناً اچھا لگتا ہے۔ ویسے اب عادی ہوئی ہوں لوگ آؤ گراف لینے ہیں مگر ایسا بالکل

رہے تو کوئی حرج نہیں مگر شارٹ کٹس یا odd means ایڈاپٹ کرنا سستی شہرت کے لیے یا صرف glamour کے لیے کام کرنا۔ تو ہرگز نہیں کروں گی۔ بالی ووڈ میں بھی ہر طرح کا کام ہو رہا ہے جیسے آرٹ موویز میں ابھی recent مووی ”برنی“ مجھے بہت اچھی لگی اس طرح کا کوئی کیریئر ہو۔

پاکیزہ: یہاں کن لوگوں کے ساتھ کام کرنے میں مزہ آیا؟ کس ڈائریکٹر کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے؟

عینی جعفری: ابھی تو اتنا کام نہیں کیا مگر جتنا بھی کام کیا ہے اچھی ڈائریکشن میں کیا ہے اور ابھی تو بہت کام کرنا ہے تو ایسے ڈائریکٹرز کے ساتھ موقع ملتا رہے گا۔

پاکیزہ: اپنے ساتھی آرٹسٹ میں کون پسند ہے؟

عینی جعفری: یہ بھی بہت لمبی فہرست ہے ویسے جن کے ساتھ اب تک کام کیا ہے سبھی اچھے ہیں۔

پاکیزہ: کیا ایک اہمیت میں کوئی اولڈ رول ملے تو کر لیں گی؟

عینی جعفری: ہاں کر تو سکتی ہوں بلکہ ابھی فیلڈ میں بات ہو رہی تھی تو مجھے کہا گیا کہ آپ ابھی 16 سے 28 سال تک کی عمر کے رول آرام سے کر سکتی ہیں یعنی پہلی قسط میں اگر پندرہ سولہ سال کی لڑکی دکھائی جائے اور آخر تک وہ بچوں کی ماں بھی بن جائے تو وہ کیریئر میں کر سکتی ہوں اس سے اولڈ تو معلوم نہیں.....

پاکیزہ: کس قسم کا کردار ادا کرنے کی خواہش ہے؟

عینی جعفری: مجھے fairy tales بچپن سے ہی بہت پسند ہیں جیسے کوئی کردار ہو سنڈریلا، سلیپنگ بیوٹی وغیرہ۔ اس میں چاہے

technicalities سمجھنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ ہمارے جتنے بھی سینئر آرٹسٹ ہیں وہ کہیں سے ٹرینڈ نہیں ہیں مگر اتنا اچھا کام کیا اور کر رہے ہیں میرا خیال ہے God gifted ہوتا ہے۔ تربیت شاید پالش کر دیتی ہے یہ آپ کے اندر کے ایموشن کا اظہار ہے۔

پاکیزہ: شوٹنگ کے دوران پیش آنے والا کوئی دلچسپ واقعہ؟ کوئی بات؟

عینی جعفری: ایسا کچھ خاص نہیں ابھی فوری تو کوئی واقعہ یا دن نہیں آ رہا ہاں بارش میں بھیگنے کا سین تھا تو اس کی وجہ سے طبیعت خراب ہو گئی تھی بخار ہو گیا تھا۔

پاکیزہ: بیرون ملک بھی آپ نے شوٹنگ کیں وہاں کام کرنا کیسا لگتا ہے گھر سے دوری وغیرہ کا احساس.....؟

عینی جعفری: میں نے ویسے بھی ابھی تک کافی زندگی تو باہر گزاری ہے ٹریولنگ کا بہت شوق ہے خاص طور پر جب کئی نئی جگہ جانا ہو۔ اگر زیادہ عرصہ رہنا پڑے تو اگلی فیلنگز ہوں گی۔

پاکیزہ: آپ کے خیال میں پاکستانی نوجوانوں میں شو بیز کے حوالے سے کتنا ٹیلنٹ ہے؟

عینی جعفری: بہت زیادہ ٹیلنٹ ہے، ہمارے سینئرز تو ہیں ہی باصلاحیت مگر ٹیکنیکل زبھی کم نہیں۔ بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور کافی پروفیشنل ہو کے کر رہے ہیں۔

پاکیزہ: اگر پڑوسی ملک سے کام کرنے کی آفر ہوئی تو کیا لگے گا؟ accept کریں گی؟

عینی جعفری: کام کی آفر..... نارل لگے گا، میں پہلے یہ سوچوں گی میرا تعلق کہاں سے ہے اگر میں اپنے رول کے ذریعے اپنے بچہ کو represent being a muslim and being a pakistani میری شناخت قائم

نہیں ہے کہ جیسے کوئی بڑا آرٹسٹ چلا جائے اور مجمع لگ جاتا ہے۔

پاکیزہ: ایکٹنگ کے معاوضے سے کس حد تک مطمئن ہیں؟ اور پہلے معاوضے کا کیا کیا تھا؟

عینی جعفری: ہاں ٹھیک ہے۔ ویسے ابھی یاد نہیں کیا کیا تھا شاید بہنوں کے لیے کچھ لے لیا ہو کچھ اپنے لیے شاؤنگ وغیرہ۔

پاکیزہ: اپنی بہنوں یا پیئرٹس کے لیے گفٹ خریدتی ہیں؟

عینی جعفری: بہنوں کے لیے کبھی کچھ لے لیتی ہوں کبھی ماما کے لیے ویسے ماما بابا کے پاس تو خود ہی سب کچھ رہتا ہے ہاں بس نوکرن کفٹس سمجھ لیں۔

پاکیزہ: ایکٹنگ کے علاوہ آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟

عینی جعفری: I love to read



ہیں انگلش موویز کی بات ہے تو مجھے یاد ہے میں کافی چھوٹی تھی جب Titanic دیکھی تھی کوئی بیس دفعہ تو ضرور دیکھی ہوگی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مووی دیکھنے کے بعد میں گھنٹا بہ تو ضرور روئی ہوں گی لیونارڈو کے ڈوبنے کے سین پر مجھے لگتا تھا میں بھی مر جاؤں گی، میں اتنا روئی تھی کہ pillow بھگ گیا تھا کہ شاید میں ختم ہی ہو جاؤں گی۔

پاکیزہ ✎ فرصت کے لمحات میں ٹی وی چینل پر کیا دیکھنا چاہتی ہیں؟

یعنی جعفری ✎ میں ٹی وی یا مووی دو طرح سے دیکھتی ہوں یعنی جب بہت تھکی ہوئی ہوں تو صرف ریلیکس ہونے کے لیے یہ میرے relaxing hours ہیں کہ تھکی ہوئی ہوں، اکیلی ہوں تو ٹی وی لگا لوں، کوئی مووی ہو یا شو ہو بس خوب آرام سے انجوائے کروں اور دوسرے میں سیکھنے اور ایکنگ پر غور کرنے کے لیے یہ دیکھتی ہوں کہ آج کل کس طرح کے ڈرامے، شوز وغیرہ چل رہے ہیں۔

پاکیزہ ✎ پسندیدہ تفریح اور تفریحی مقام کون سا ہے، پسندیدہ ملک؟

یعنی جعفری ✎ میوزیکل تھیٹر جانا، آؤٹ ڈور جانا، کوئی نئی جگہ ڈسکور کرنا ویسے اب تک جہاں گئی ہوں سب اچھے ہیں، اب ساؤتھ امریکا جانا چاہوں گی۔

پاکیزہ ✎ ناپسندیدہ شخصیت / جملہ / نصیحت؟

یعنی جعفری ✎ مجھے آرٹی فیشل اور جھوٹے لوگ ناپسند ہیں اور جو خود کو کبھی نہیں کہہ سب جانتے

ہیں ان کی الگ حیثیت ہوتی ہے مگر میرا خیال ہے آپ کسی بھی وقت کسی بھی اتج میں اچھے فرینڈز بنا سکتے ہیں، میرے ہمیشہ اچھے دوست رہے ہیں، کیا پتا کیا وقت ہو، کیسا دور ہو زندگی، ہمیں کہاں سے کہاں لے کر جائے تو بچپن کے دوست ساری عمر نہیں رہ پاتے۔

پاکیزہ ✎ بچپن کی کوئی دلچسپ شراکت؟ کیا ڈانٹیں بھی کھائیں؟

یعنی جعفری ✎ (بے اختیار ہنستے ہوئے جواب دیا) اتنی زیادہ مجھے ڈانٹیں پڑی ہیں کوئی ایک تو بتائی نہیں سکتی، میں بہت شرارتی تھی۔

پاکیزہ ✎ اپنی childhood میں پلے لیٹڈ یا ڈرنی جیسی جگہوں پر گئیں؟ کیا اب بھی دل چاہتا ہے؟

یعنی جعفری ✎ بہت زیادہ میں تو اب بھی جاتی ہوں یہاں بھی اور ڈرنی ورلڈ بھی اور جب فیملی ہوگی تو اسے بھی لے جانا چاہوں گی میں تو خود بھی ابھی بچی ہی ہوں۔

پاکیزہ ✎ ایک زمانے میں Jurassic Park مووی کا بہت چڑچاہا آپ نے کتنے شوق سے وہ دیکھی؟

یعنی جعفری ✎ ہاں میں نے ضرور دیکھی ہے 3D میں بھی بہت مزہ آتا ہے ظاہر ہے اتنی بڑی اسکرین پر دیکھنے کا اپنا ہی لطف ہے۔

پاکیزہ ✎ اپنی کوئی پسندیدہ مووی کس اداکار اور اداکارہ سے متاثر ہیں؟

یعنی جعفری ✎ کوئی ایک نہیں ہے بس سائنس فکشن پہ aliens کے ٹائپس سے متاثر کر سب پسند ہیں۔ بہت موویز دیکھیں انڈین، پاکستانی، انگلش جب چھوٹی تھی تو ایجنٹا بچن بہت پسند تھے میں کہتی تھی کہ یہ میرے الو سے ملے ہیں پھر عامر خان کی ساری موویز دیکھیں جو جیتا وہ سکندر بہت پسند آئی۔ پاکستانی بھی دیکھتی ہوں بہت سارے آرٹسٹ پسند

میرے پاس ہمیشہ کوئی نہ کوئی بک رہتی ہے۔ کہیں travel کرنا ہوتا ہے تو بک پڑھتی رہتی ہوں اور اپنے فیلڈ کی وجہ سے movies کی وی شووز اور ڈرامے وغیرہ دیکھنے کا شوق ہے۔ بہت زیادہ موویز دیکھتی ہوں چاہے انگلش، انڈین یا پاکستانی اور ٹریولنگ کا بھی بہت شوق ہے۔ جب بھی موقع ملتا ہے آؤٹنگ پر جاتی ہوں۔ I love swimming۔

چم بھی جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✎ گھر والے آپ کی پرفارمنس پر کیا کہتے ہیں؟

یعنی جعفری ✎ سب ہی اپنی اپنی جگہ critics ہیں، بتاتے رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ تو ماما critical ہیں اگر کوئی دوسرا برائی نہ بھی ڈھونڈے تو ماما میرے کام میں ڈھونڈ لیتی ہیں کہ تم نے ایسا کیا، ایسا کرنا چاہیے تھا ویسے ماما، بابا، پچھو، خالہ نہیں سب ہی supportive ہیں۔

پاکیزہ ✎ اپنی فیملی میں سب سے زیادہ دوستی کس سے ہے؟

یعنی جعفری ✎ دوستی تو ظاہر ہے بہنوں سے ہے اور کرناز سے بھی ہے۔

پاکیزہ ✎ دوستی کے بارے میں کیا کہیں گی؟ کیا بچپن کے دوست ہمیشہ رہنے چاہئیں یا الگ الگ دور کے؟

یعنی جعفری ✎ (گہرائی سے سوچتے ہوئے) دوستی بہت پیارا اور بے غرض ایک خوب صورت رشتہ ہے۔ فرینڈز وہ ہوتے ہیں جو آپ کو judge نہیں کرتے ان میں expectations نہیں ہوتیں ان سے آپ ہر چیز، ہر بات شیئر کر سکتے ہیں اور بلا کسی جھگ، پریشانی اور خوف کے فیملی بھی جج کرتی ہے اپنے اپنے رشتوں کے حساب سے بچپن کے دوست بچپن کے ہوتے ہیں ان کے ساتھ پرانی یادیں وابستہ ہوتی

ہیں اور وہ بھی جن کے پاس sense of humour سرے سے ہی نہ ہو اور یہ جملہ ”تم یہ نہیں کر سکتیں تم لڑکی ہو بیٹا! اس لیے یہ نہیں کر سکتیں“ یہ سننا کبھی بھی بہت بُرا لگتا ہے۔

پاکیزہ ✎ گھوٹے پھرنے کی کس حد تک شوقین ہیں؟

یعنی جعفری ✎ بہت، بہت زیادہ۔

پاکیزہ ✎ sun set کا نظارہ کرنے کس کے ساتھ جانا پسند کریں گی؟ اور لانگ ڈرائیو پر کس کے ساتھ جانا چاہیں گی؟

یعنی جعفری ✎ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ابھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی جن کے ساتھ sun set پر جانا پسند کروں گی اور لانگ ڈرائیو پر تو ظاہر ہے ابھی تو اچھے دوست ساتھ ہوں مگر ابھی کراچی میں

لانگ ڈرائیو سیکورٹی رسک ہے۔

پاکیزہ ✎ فطری طور پر محفل پسند ہے یا

پاکیزہ ✎ فطری طور پر محفل پسند ہے یا

تہائی پسند؟

یعنی جعفری Gemini..... دوڑی پر سٹائی کے مالک ہوتے ہیں اس لحاظ سے کبھی ہر وقت لوگوں میں رہنا اچھا لگتا ہے۔ فرینڈز ہوں، فیملی ممبرز ہوں، فیوز ہوں اور کبھی بھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی شکل نہیں دیکھتی بس اکیلے تہائی، سکون میں رہنے کو دل چاہتا ہے (ایسا شاید سب کے ساتھ ہی ہوتا ہے قارئین آپ کا کیا خیال ہے؟)

پاکیزہ Gemini..... آپ کی زندگی کا کوئی ناقابل فراموش خوشگوار لمحہ؟

یعنی جعفری Gemini..... ماشاء اللہ ابھی تک اتنے خوشگوار لمحات گزرے ہیں کہ کوئی ایک چھٹنا مشکل ہے۔ یوں سمجھ لیں جب بھی ہماری ساری فیملی اکٹھا ہوتی ہے، ہم سب خوب مزہ کرتے ہیں، خوب رونق لگاتے ہیں، وہی moments میرے لیے قیمتی بھی ہیں اور ناقابل فراموش بھی۔

پاکیزہ Gemini..... اپنی شاپنگ خود کرتی ہیں؟ کیا خریدنا اچھا لگتا ہے؟

یعنی جعفری Gemini..... زیادہ تر خود ہی کرتی ہوں اور میں ہر لڑکی کی طرح بہت شوقین ہوں اس معاملے میں..... کپڑے، جوتے، accessories، خوب لیتی ہوں۔ ظاہر ہے گھر کا سامان تو ابھی نہیں لیتی۔ (بشتے ہوئے جواب دیا)

پاکیزہ Gemini..... قریبی لوگوں کی سالگرہ یاد رہتی ہے؟ اگر ہاں تو کیا لکھ دینا پسند کرتی ہیں؟

یعنی جعفری Gemini..... اب اتنی اچھی یادداشت بھی نہیں ہے میری۔ ہاں گفت دینے کی بات ہے تو لڑکیوں کو دینے کے لیے چوائس ہوتی ہے، لڑکوں کو میرا خیال ہے چاکلیٹس ٹھیک ہیں ویسے سمجھ نہیں آتا کہ کیا دیں مکے میچ ہے۔

پاکیزہ Gemini..... گھر میں کچھ سیلیبرٹ کرنا اچھا لگتا ہے یا باہر پارٹی کرنا؟

یعنی جعفری Gemini..... دونوں جگہ اچھا لگتا ہے۔ اپنی ہر تھوڑے تو گھر پر ہی منانا اچھا لگتا ہے مگر کبھی بھی convenient نہیں ہوتا تو باہر بھی چلے جاتے ہیں۔

پاکیزہ Gemini..... اچھا ذرا اپنی ڈرینگ کے متعلق بتائیے، کیسے ڈریس پسند کرتی ہیں؟

یعنی جعفری Gemini..... ویسے ویسٹرن ڈریس میری وارڈروب میں زیادہ ہیں، casual بھی ہیں مگر گرمیوں میں یہاں میرا خیال ہے لان سونگ ہی زیادہ بہتر رہتی ہے۔

پاکیزہ Gemini..... آج کل کے فیشن کے بارے میں کیا خیال ہے؟ فیشن کس حد تک اختیار کرنا چاہیے؟

یعنی جعفری Gemini..... اچھا ہے گرمیوں کے لحاظ سے تو loose ہی کپڑے ہوں ویسے میں اتنا follow نہیں کرتی بس وہی اپنائی ہوں جو مجھے سوٹ کرے، کمفرٹ دے اور پسند آئے۔ کرنٹ ٹریڈز میں جو اچھا لگ رہا ہو ضرور پہنیں لیکن اندھا دھند نہیں۔

پاکیزہ Gemini..... اپنی اسکن اڈاٹ اور اسماٹ نیس کا کس حد تک خیال رکھتی ہیں؟

یعنی جعفری Gemini..... ابھی recently خیال رکھنا شروع کیا ہے ورنہ کوئی بھی سوپ، فیس، واش یا بیوٹی کریم وغیرہ استعمال کر لیتی تھی اور اب تو میری ماما نے اسکن کیئر وغیرہ کے حوالے سے برانڈ چیزیں لا کر دی ہیں کیونکہ شوٹنگ کے لیے میک اپ، لائٹنگ اور unrest کی وجہ سے آپ کی اسکن ڈائریکٹ متاثر ہوتی ہے ظاہر ہے پہلے تو اتنا میک اپ نہیں کرتی تھی۔

زیادہ ڈائٹ کا شس نہیں ہوں جنک فوڈ پسند ہے اپنے پاکستانی روایتی کھانے اور سو سے پکڑے وغیرہ بھی چلتے رہتے ہیں۔ ویسے weight کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ ہاں جم جاتی ہوں۔

پاکیزہ Gemini..... گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنے

ساتھ کیا ضروری چیز رکھنا چاہتی ہیں؟

یعنی جعفری Gemini..... سٹیل فون۔ hand sanitizer اور lipgloss

پاکیزہ Gemini..... اپنی شخصیت کو متاثر کن پرنسپل بنانے کی تین ٹپس.....

یعنی جعفری Gemini..... ہمیشہ بوؤں کی بات کو غور سے سنیں جو ہم سے زیادہ تجربہ کار ہیں۔ یہی میں نے اب تک سیکھا ہے اور جیسے کہ آج کل ہر کوئی جلدی میں ہے تو اپنے آپ کو روک کر اپنے elders کو اپنی فیملی کو ٹائم دینا چاہیے۔ ایجوکیشن تو ظاہر ہے پہلی ترجیح ہونی چاہیے اور اگر آپ کر سکتے ہیں تو ٹریولنگ ضرور کریں نئی جگہ، نئے لوگوں سے مل کر، بہت کچھ آپ سیکھتے ہیں اور اب تو انٹرنیٹ کی سہولت ہے اس کے ذریعے آپ پوری دنیا دیکھ سکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں اور اپنی شخصیت کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

پاکیزہ Gemini..... زندگی گزارنے کے لیے پیسے کی کیا اہمیت ہے؟

یعنی جعفری Gemini..... زندگی گزارنے کے لیے پیسے کی اہمیت تو ہوتی ہے مگر ہر رشتے پر یا ہر جذبے پر پیر ترجیح نہیں ہونی چاہیے۔ یہ reality ہے مگر ایسا نہ ہو کہ آپ millionaire ہو کے بھی miserable اور painful life گزار رہے ہوں۔ ایک حد تک ضروری ہے۔

پاکیزہ Gemini..... ان چار الفاظ کو اہمیت کے حساب سے ترتیب دیں۔

شہرت، دولت، عزت، محبت۔

یعنی جعفری Gemini..... 1- محبت 2- عزت 3- دولت 4- شہرت

پاکیزہ Gemini..... رشتے داری بھانا کیا لگتا ہے؟

کیا خاندانی تقریبات میں جاتی ہیں؟

یعنی جعفری Gemini..... بہت اچھا لگتا ہے سب فیملی ممبرز سے ملنا، تقریبات میں جانا۔ سب سے ملنا جلنا

وہ آئے بزم میں.....

اچھا لگتا ہے۔ سب کزنز سے بھی دوستی ہے۔ بچپن بھی ساتھ ساتھ گزرا اور blood relation کی تو بات ہی اور ہوتی ہے۔ دوستوں کی اہمیت اپنی جگہ مگر آپ کی فیملی اور relatives آپ کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ کو دلی خوشی فیملی کے درمیان ہی رہ رہتی ہے۔

پاکیزہ Gemini..... ذرا بتائیے کہ آپ کی زندگی میں کوئی ایسا آیا..... مطلب دوست سے بڑھ کر کوئی.....؟

یعنی جعفری Gemini..... (سوال کو تھوڑی دیر بعد سمجھ کر بھر پور تہقہہ لگاتے ہوئے بولیں) نہیں..... نہیں کوئی نہیں ملا..... crushes وغیرہ تو ہوتے رہتے ہیں سب لڑکیوں کی طرح مگر جس سنس میں آپ پوچھ رہی ہیں وہ نہیں..... ہاں لوگ اچھے لگتے ہیں پسند بھی آتے ہیں مگر..... بس

پاکیزہ Gemini..... لائف پارٹنر میں کیا خوبیاں دیکھنا چاہتی ہیں؟

یعنی جعفری Gemini..... ایجوکیشن اور Strong career تو خیر ضرور ہو مگر یہ ضروری ہے کہ respect ful ہو اس میں generosity sense of humour بھی میری نظر میں کافی important ہے adventurous ہو، بہت زیادہ سویر نہ ہو۔

پاکیزہ Gemini..... اچھا یہ بتائیں ان خوبیوں والا لائف پارٹنر کب آپ کی زندگی میں شامل ہوگا؟

یعنی جعفری Gemini..... یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو پتا ہوگا۔

پاکیزہ Gemini..... شادی کو میرن ہو یا رنچ؟

یعنی جعفری Gemini..... سچ بتاؤں جب میں ذرا چھوٹی تھی تو مجھے لگتا تھا کہ شادی تو صرف نو میرج ہی ہونی چاہیے اس کے علاوہ نہیں۔ اس وقت ظاہر ہے زیادہ سمجھ نہیں تھی مگر اب لگتا ہے ایسا بالکل ضروری نہیں۔ آپ جن پر trust کرتے ہیں ظاہر ہے وہ



پاکیزہ..... گاڑی میں کس سٹریک
CD یا کیسٹ ہر وقت موجود رہتی ہے؟
صوفیانہ کلام سننا کس حد تک پسند ہے؟
یعنی جعفری..... کسی کی بھی نہیں
میں زیادہ ریڈیو سنتی ہوں۔ صوفیانہ کلام
بھی اچھا لگتا ہے۔ coke
studio میں صوفیانہ کلام سنتی ہوں پھر
عابدہ پروین، نصرت فتح علی، راحت فتح
علی خان اور بھی بہت سارے نام ہیں۔

پاکیزہ..... آپ نے ہمیں بتایا
ہے کہ مطالعے سے آپ کو کافی دلچسپی ہے
کن رائٹرز کو پڑھا؟
یعنی جعفری..... ہر ٹاپک
پر تمام رائٹرز کی بکس پڑھتی ہوں، اب تو
مجھے اردو ناولز اور شارٹ اسٹوریز پڑھنے
کے لیے بھی کہا گیا ہے اردو پڑھنا تھوڑا
مشکل لگتا تھا مگر کافی کوشش کی ہے تو
بہتری آگئی ہے۔

پاکیزہ..... علامہ اقبال کا کوئی شعر سنائیں؟
یعنی جعفری.....
محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں کہ پہ جو ڈالتے ہیں مکند
وہی جہان ہے تیرا جو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
پاکیزہ..... اچھا آپ جتنی کھانے کی شوقین
ہیں تو خود بھی کبھی پیکنگ یا کوکنگ کی ہم نے سنا ہے آپ کی
ماما دیسی، جائیزہ کا کئی تیشل سب بہت اچھا بناتی ہیں؟
یعنی جعفری..... وہ تو خیر بہت اچھا بناتی ہیں
مگر میں نے ابھی تک ایسا کچھ نہیں کیا لیکن مجھے اپنے
آپ پر پورا یقین ہے کہ جب موقع آئے تو میں کوکنگ کر
لوں گی۔ جسے میری بہت ساری فرینڈز جو بالکل بھی
اس کا شوق نہیں رکھتی تھیں اب شادی کے بعد اتنی اچھی

پیار کرتے ہیں؟
پاکیزہ..... اپنے چاہنے والوں کے لیے کوئی
بات؟
یعنی جعفری..... شکریہ کہ مجھے پسند کر رہے
ہیں، میرا کام دیکھتے رہیں مجھے feedback دیں
اور اپنی زندگی میں بہتر سے بہتر کریں کہ آپ سب کچھ
کر سکتے ہیں۔
پاکیزہ..... میوزک کیسا سننا پسند ہے؟ کوئی
پسندیدہ گانا؟

یعنی جعفری..... ہر قسم کا میوزک اچھا لگتا
ہے۔ لائٹ، پاپ، راک، انگلش یا اردو کوئی بھی ہوا
کل تو میری بہن مایا کا ٹائٹل سوگت ہی میری زبان پر
ہے۔ آپ یقین نہیں کریں گی کہ ابھی کسی دن میں اور
میری بہن مہرنے تین گھنٹے یہی سوگت گا کر اپنی چھوٹی
بہن سارہ کے کان پکا دیے۔

پاکیزہ..... پسندیدہ گلوکار/موسیقار؟
یعنی جعفری..... کوئی ایک نہیں سب پسند
ہیں۔ ابھی صنم ماروی کو بھی سنا ہے اور قمر العین بلوچ
جس نے ہم سفر کا گیت گایا ہے وہ پسند آیا ہے۔ یہاں
تو بہت بینڈز ہیں 'coke studio' اچھا لگتا ہے
اس میں بہت سے اچھے سنگرز آتے ہیں۔

پاکیزہ..... ہمارے علم میں آیا ہے کہ آپ کی
خالہ عذرا محی الدین خود بھی بہت اچھی سنگر ہیں خاص
طور پر گیت اور غزل گانے میں..... آپ ان سے متاثر
ہو کر گلوکاری کی طرف کیوں نہیں آئیں؟

یعنی جعفری..... ہاں وہ بے شک ہیں جبکہ
مجھے انہوں نے بھی اور دیگر لوگوں نے بھی کہا ہے کہ
تمہاری آواز بہت اچھی ہے، تم اسے waste نہیں
کرنا اور بس تھوڑا سا ریاض کرنے کی ضرورت ہے اگر
میں ٹریننگ کر لوں تو اچھا لگ سکتی ہوں ویسے ابھی وقت
ہے کرنا چاہیے ورنہ تو وقت نکل جائے گا۔ اس فیلڈ
میں جتنا ریاض ہو، شوق ہو، اتنا ہی اچھا ہوتا ہے۔

لوگ آپ کے لیے اچھا ہی سوچیں گے تو صرف لو
میرج تو بالکل نہیں ضروری..... ہاں تھوڑی بہت انڈر
اسٹینڈنگ ایک آدھ مینگ کے بعد ہو سکتی ہے۔ ہم
دنیا میں دیکھتے ہیں کہ کسی ایک کو بھی مکمل کامیاب یا
نا کام نہیں کہہ سکتے دونوں ہی میرج کو ہوا یا رنج چلتی
بھی ہیں اور نہیں بھی..... رنج میرج میں فیکل سپورٹ
بہت ہوتی ہے اور بھی لو میرج بھی بہت کامیاب ہوتی
ہے۔

پاکیزہ..... اپنی موجودہ زندگی سے کس حد
تک مطمئن ہیں؟
یعنی جعفری..... یہ سمجھ لیں کہ اپنی لائف میں
ابھی بہت کچھ achieve کرنا ہے..... کہہ سکتے
ہیں کہ ابھی journey میں ہوں total
satisfaction تک جاتا ہے۔

پاکیزہ..... اپنے پیاروں سے اظہار محبت
کیسے کرتی ہیں؟
یعنی جعفری..... میری excitement
سے، میرے attitude سے اظہار ہو جاتا ہے۔
میں اتنا گفٹ وغیرہ سے اظہار نہیں کرتی۔ میرے
emotions میرے behaviour سے پتا
چل جاتے ہیں۔

پاکیزہ..... آپ کی رائے love اور
romance کے بارے میں کیا ہے؟
یعنی جعفری..... john lennon کے
مطابق "It matters not who you
love, where you love, why
you love, when you love or
how you love, it matters only
that you love"

"یہ اہم بات نہیں ہے کہ آپ کس سے پیار کرتے
ہیں، کہاں کرتے ہیں، کیوں کرتے ہیں، کب کرتے
ہیں اور کیسے کرتے ہیں صرف یہ ضروری ہے کہ آپ

کوکنگ وغیرہ کرتی ہیں شاید میں بھی کر لوں جب
ضرورت پڑے گی تو.....
پاکیزہ..... کھیلوں سے کتنی دلچسپی ہے ان
ڈوریا آؤٹ ڈور..... پسندیدہ کھیل، کھلاڑی؟
یعنی جعفری..... ہاں بورڈ گیمز بھی،
اسپورٹس میں مجھے کرکٹ اور فٹ بال دیکھنا بہت اچھا
لگتا ہے اور Ice skating بھی بہت پسند ہے
swimming دیکھنا اور کرنا بھی اچھا لگتا ہے، فٹ
بال پلیئر رونالڈو۔

پاکیزہ..... اللہ تعالیٰ سے کتنی دوستی ہے؟
یعنی جعفری..... بالکل جی..... بہت زیادہ.....
میں پوری پوری باتیں کرتی ہوں اللہ تعالیٰ سے اور جیسے انسان
کی سیکنڈ ٹیجر ہوتی ہے ناں کہ یہ کرنا ہے تو یوں سمجھ لیں کچھ بھی
ہو جائے میری لائف میں تو اللہ تعالیٰ سے پوچھتی ہوں کہ
کیوں ہوا، ایسا کیوں ہے اور کچھ اچھا ہو جائے تو پروردگار کا
فورا شکر ادا کرتی ہوں۔ ٹھیک یہ اللہ تعالیٰ بس یہ سمجھ لیں کہ



بیاد علامہ محمد اقبال

بین المدارس مقابلہ تحت اللفظ

شہناز

خاص تشریف لائے۔ مقابلہ تحت اللفظ کے منصفین میں محترمہ نشاط نقوی اور محترمہ مسز محمد علی شامل تھیں۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جہاں میزبان اسکول کے حافظ عبدالستین نے تلاوت کلام پاک سے دلوں کو منور کیا وہیں رائیل بھارانی نے نعت رسول مقبول سے سماں باندھ دیا۔ میزبان اسکول کی پرنسپل محترمہ اسامہ صدیق صاحبہ نے اپنے خطاب میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور ان کی شاعرانہ خصوصیات کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں نوجوان نسل کے لیے تشعل راہ قرار دیا۔ طلبہ نے نہایت دلکش انداز میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی نظمیں پڑھیں۔ تقریب میں شامل ہر شخص طلبہ کے پُر اعتماد لہجہ اور خوب صورت انداز

مورخہ 15 نومبر 2012ء کو ڈی اے ماڈل ہائی اسکول بیچ ویو کراچی میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی ۱۳۵ ویں سالگرہ کی خوشی میں ”بین المدارس مقابلہ تحت اللفظ“ کا انعقاد کیا گیا۔ اس خوب صورت تقریب کی مہمان خصوصی ماہنامہ پاکیزہ ڈائجسٹ کی ایڈیٹر محترمہ انجم انصار صاحبہ تھیں۔ مقابلے میں ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کے تحت چلنے والے تمام اسکولوں کے طلبہ نے حصہ لیا۔ طلبہ کی درجہ بندی اس طرح کی گئی تھی کہ پہلے درجے میں جماعت دوم اور سوم کے طلبہ کو رکھا گیا جبکہ دوسرے درجے میں جماعت چہارم اور پنجم کے طلبہ شریک ہوئے۔ ڈی ایچ اے ایجوکیشن ڈائریکٹر ایٹ کے ایڈیشنل ڈائریکٹر کرنل (ریٹائرڈ) مروت حسین بطور

مامادونوں کا اثر ہے۔
پاکیزہ H..... کس قسم کے لوگ اچھے لگتے ہیں؟
پہلی ملاقات میں کیا دیکھتی ہیں؟
یعنی جعفری H..... دوسروں کی عزت کرنے والے ہوں۔
down to earth بہت زیادہ اکڑو اور رُوڈ لوگ پسند نہیں، لائٹ موڈ ہوں
over all ہر شخصیت کا جائزہ لیتی ہوں۔
پاکیزہ H..... اپنی شخصیت کو مختصر اس طرح بیان کریں گی؟

یعنی جعفری H..... میں ایک پُر اعتماد، صاف گو، ہلکا پسند کرنے والی خالستا ایک پاکستانی لڑکی ہوں اور میں ایک مکمل Gemini ہوں جیسا کہ پہلے بھی بتا چکی ہوں موڈ کے حساب سے کبھی extrovert اور کبھی introvert ہوں۔
پاکیزہ H..... یعنی آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنے مصروف شیڈول سے وقت نکالا۔ آپ سے مل کر اور آپ کے خیالات جان کر بہت اچھا لگا۔
یعنی جعفری H..... مجھے بھی اچھا لگا اور تمام پڑھنے والوں کے لیے میری طرف سے ڈھیر ساری دعائیں۔

جی پُزدوق قارئین! امید ہے یعنی جعفری سے...
بھرپور ملاقات آپ کو پسند آئی ہوگی۔ اگلی مرتبہ کبھی اور ہر دُعا پر ہستی کے ساتھ حاضر ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ کی فرمائشوں کا بھی پورا خیال رکھا جائے گا۔ اب اجازت دیجیے اس بات کے ساتھ کہ خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھیے، آپ کی قیمتی آرا کا انتظار رہے گا۔
خدا حافظ!

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں مگر یہ راستے منزل تک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکتے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں



میں اللہ کو ہر وقت یاد رکھتی ہوں۔
پاکیزہ H..... اپنے ملک کی ترقی کے لیے کیا کچھ سوچتی رہتی ہیں؟
یعنی جعفری H..... سب سے پہلے تو ایجوکیشن لیول اچھڑو ہو۔ ابھی بہت زیادہ ضرورت ہے اس کی اور کوئی ایسا آئے جو لانگ ٹرم میں ملکی خوش حالی اور ترقی کا سوچے اور اس ملک کی آنے والی نسلوں کی بہتری کے لیے بھی کام کرے اور کچھ ایسا ہو کہ ملک دشمن عناصر کی سرگرمیاں ختم ہوں، غیر ملکی قرضوں سے نجات ملے اور پاکستان کے اپنے resources جو قدرت نے ہمیں وافر عطا کیے ہوئے ہیں ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے جیسے solar power oil, gas, minerals وغیرہ
پاکیزہ H..... سیاست میں کس حد تک دلچسپی ہے، نیوز چینلوں دیکھتی ہیں۔ نیشنل یا انٹرنیشنل کون سا لیڈر پسند ہے؟

یعنی جعفری H..... اب کچھ حد تک دیکھتی ہوں۔ پہلے تو مجھے کچھ نہیں پتا ہوتا تھا اور لیڈر تو کوئی خاص نہیں۔
پاکیزہ H..... ابھی تو خیر آپ خود کافی یکم ہیں مگر کیا بننے آنے والوں کے لیے اداکاری کا کوئی انٹرویو ٹیوٹ ہونے کا ارادہ ہے؟

یعنی جعفری H..... ہاں ہونا تو چاہیے، جیسے باہر agents ہوتے ہیں۔ پوری پوری managements ہوتی ہیں چلیں وہ تو خیر بڑے لیول کی بات ہے مگر یہاں بھی ایسا ہونا چاہیے ویسے ٹریننگ کے لیے بھی، اب یہاں کام ہو رہا ہے اور ہونا چاہیے۔

پاکیزہ H..... آپ کی شخصیت پر والدین میں سے کس کا اثر زیادہ ہے؟
یعنی جعفری H..... ویسے میرے جاننے والے تو یہی کہتے ہیں کہ بالکل تم اپنی ماما ہو، شکل سے بھی عادتوں سے بھی ویسے میری شخصیت پر میرے بابا اور



بہنوں کی محفل

مدیر

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ
☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔
لیجیے نیا عیسوی سال بھی شروع ہونے کو ہے۔ ہم بفضلِ خدا 2013ء میں داخل ہو رہے ہیں۔ زندگی کا نیا دائرہ شروع
ہونے کو ہے کہ وقت آگے بڑھ رہا ہے، آگے اور آگے۔

وقت کی یہ خوبی ہے کہ کسی صورت رکتا نہیں ہے اس لیے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے مگر ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ ہم وقت
ضائع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں بھی رو کر بھی سو کر۔ ہم خوب وقت بردار کرتے ہیں۔ عزیز بہنو! وقت
کی قدر کیجیے یہ بھی لوٹ کر نہیں آتا۔ تو آئیں آج اپنے آپ سے یہ وعدہ کریں کہ کبھی وقت کا زیاں نہیں کریں گے اور نہ ہی اپنی
ذات سے کسی کو کوئی دکھ پہنچائیں گے..... ٹھیک ہے ناں!

اللہ کے کرم سے عکس ناول اپنے اختتام کو پہنچا اور ہمارے قارئین نے اسے پسندیدگی کی سند دی۔ اس ماہ میرے پاس اس
قدرون آئے ہیں کہ میں تعداد نہیں بتا سکتی۔ اسی طرح ڈاک کا بھی یہ عالم ہے کہ ہر خط لکس کی تحریفوں سے بھرا ہوا ہے۔ غیرہ احمد
ہماری ماہ تازہ مصنفہ ہیں اور وہ بہت جلد دوسرا ناول لے کر آئیں گی۔ بس تھوڑا سا انتظار کر لیں۔ اس ماہ سے ہم اپنی بے حد پیاری
مصنفہ رفعت سراج کے نئے ناول امانت کی پہلی قسط شائع کر رہے ہیں یقیناً یہ ناول آپ کو بہت پسند آئے گا۔ رفعت سراج بھی
ہماری بڑی خوب صورت لکھاری ہیں اور لفظوں کو کلیوں کی طرح کوندھنے میں انہیں کمال حاصل ہے۔ یہ نیا ناول آپ کو کیسا لگا،
آپ کی رائے کا انتظار رہے گا عزیز بہنو! پاکیزہ میں خط لکھنے کے لیے ہمارا ایڈریس نوٹ کر لیجیے۔ آپ کی بھی سلسلے میں شامل
ہونے کے لیے خط لکھیں۔ ایڈریس ایک ہی رہے گا وہ یہ ہے مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ C-63 III ایف ٹینس۔ ڈیفنس کمرشل ایریا،
مین کورنگی روڈ، کراچی۔

اور اب آئیں اپنے کچھ بیٹے چٹارے دار خطوط پڑھنے سے پہلے درود ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔
اس کے بعد صرف تین باتیں کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے
ضرور دعا کریں (ابھی پڑھ لیجیے)

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

پہلے سرگرمیوں پر ایک نظر۔

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ معاشرے میں قلم کی امانت کو عبادت و دیانت کے رشتے میں جوڑنے کا عزم لیے ویمن رائٹرز فورم کراچی کے
زیر اہتمام چوتھا سالانہ رائٹرز کنونشن منعقد کیا گیا۔ جس کے مذاکرے کیا تحریر پر بڑی ریوئے انقلاب ہے میں شرکت کرنے والوں
کے نام مصنفہ عطیہ عمر، ڈاکٹر عزیزہ انجم، حمیرہ قریشی اور صائمہ اسامیہ۔ رائٹرز فورم پاکستان کی صدر فرحت طاہر نے
جن رائٹرز کو انعامات دیے ان کے نام یہ ہیں۔ آسیہ بنت الاسلام، حلیمہ عثمان، اسیری گوری، نصرت یوسف، راحمہ
خان، طلعت نفیس، شمیم فاطمہ، آمنہ رحمت، حمیرا خالد، نگہت یاسین، ڈاکٹر سلیس سلطانہ چغتائی، فراح نعیم۔ اس
کنونشن میں خواتین کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ مجھے دلی افسوس ہے کہ میں اپنی مصروفیات کے باعث اس میں بطور
مہمان اسپیکر شرکت نہیں کر سکی۔

☆ ہماری پیاری مصنفہ سیمہ مناف کا نیا سیریل میں گناہ گار نہیں خوب دھما دھما شروع ہو گیا ہے۔ (مبارکوں)

ماہنامہ پاکیزہ 273 جنوری 2013



دائیں سے اسکول ٹیچرز۔ پرنسپل اسامہ صدیق اور انجم انصار

بیاں پر جھومے اور داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مقابلے
کے دوران اسکول ہذا کے طلبہ نے کلام اقبال کا کر
حاضرین کے دل موہ لیے۔ پروگرام کے آخر میں
مہمان خصوصی محترمہ انجم انصار صاحبہ نے اپنے
خطاب میں علامہ محمد اقبال کو زبردست خراج تحسین
پیش کیا۔



دائیں سے ڈائریکٹر (کرنل) مروت حسین پرنسپل اسامہ صدیق اور مہمان خصوصی انجم انصار

ماہنامہ پاکیزہ 272 جنوری 2013

انتقالِ مُرملال

☆ ہماری مصنفہ سلمیٰ غزل کراچی کے بھائی بدیع الزمان خان انتقال کر گئے۔
☆ پاکیزہ کی تمبرہ نگار جمین ہانگی، بھیرہ کے کرن صیر شاہ سعودی عرب میں انتقال کر گئے۔
☆ پاکیزہ کی تمبرہ نگار ذکیہ ایوب کی بہن یاسمین، لاہور میں انتقال کر گئیں۔

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے ایک باسورہ فاتحہ اور تین باسورہ اخلاص پڑھ کر ان کی مغفرت کے ساتھ یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین..... ثم آمین۔

کچھ ماہ بارہ نسیم، کراچی سے۔ ”تھیل کا پیالہ سب سے خوب صورت افسانہ رہا۔ پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ عکس کی آخری قسط نے جی خوش کر دیا، بہترین کی اور میری جان رفعت سراج کا انٹرویو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ جوانی کی رفعت سراج اور تین بچوں والی رفعت سراج کی تصاویر میں بہت فرق محسوس ہوا۔ رفعت لگتا ہے تم کھانا بہت اچھا پکائی ہوگی۔ جب ہی تو تمہارے میاں بھاری بھر کم نظر آئے۔ رفعت تمہاری باتیں مجھے بہت اچھی لگیں کہ تم جو اچھی لگتی ہو۔ شیریں حیدر نے بھی کمال کی تحریروں کی ہے اور جلتگر پڑھ کر تو ہنس فہس کر رہا حال ہو گیا۔ کیسے نئے آئیڈیاز دیے ہیں تم نے۔ میری بہن رضوانہ بھی تمہاری تحریروں کی فین ہے۔“ (پنڈید کی کا شکر ہے اور رضوانہ سے کہنا کہ وہ اپنی رائے مجھے ارسال کرے)

کچھ سیمنا مناف، کراچی سے۔ ”شدید مصروفیات کے باعث بھی پاکیزہ پڑھ رہے بنائیں رہ سکتی۔ عکس کی آخری قسط لا جواب رہی۔ پڑھ کر دل خوش ہو گیا اور رفعت سراج تمہارا انٹرویو تو کئی بار پڑھا وہ بھی تصویریں بھی بہت اچھی ہیں مگر مزید ہونی چاہیے تھیں۔ تمہاری لمبے بالوں والی تصویر تو ہے ہی نہیں۔ دیگر تحریروں میں تو خوبی دیکھیں مگر بھنوں کی محفل پوری پڑھی کہ اس کے توسط سے بھی تو سب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ اس لیے پیاری بھنو خوش رہیں میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔“ (سیمنا بھی خوش و خرم اور صحت مندر ہو اور پی دی سے فرصت ملے تو افسانے بھی لکھ لیا کرو)

کچھ عذرا ایک، لاہور سے۔ ”رضیہ بٹ اور حاجرہ مسرور کے انتقال کی خبر پڑھ کر دکھ ہوا۔ آپ ان کے خاندان کے اراکین اور ان کے چاہنے والوں کی تمبرہ کی تعزیت پہنچا دیں۔ میں نے ان کی تحریروں پڑھ کر لکھنا شروع کیا تھا۔ خاص طور پر میں رضیہ بٹ کے ناول بے حد شوق سے پڑھا کرتی تھی اور ان کے ڈرامے جب ریڈیو پر آتے تھے وہ سن کر رویا بھی کرتی تھی۔ اردو ادب کے دو بڑے ستارے غروب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔“ (آمین)

کچھ کھٹ پروین، کراچی۔ ”پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ اس ماہ عکس کے علاوہ کچھ نظری نہیں آیا۔ آخری قسط بہترین رہی۔“ (نوازش)

کچھ فوزیہ خان، جدہ سے۔ ”میں پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ انجم آپ پاکیزہ کے توسط سے بہت سوشل سروس کر رہی ہیں۔ خاص طور پر مجھے آپ کا سمجھانا بے حد پسند آتا ہے۔ جوان لڑکیوں کے بہت سے مسائل ہوتے ہیں اور غیرہ احمد نے بہت خوب صورت انداز میں ناول لکھا ہے۔ لڑکیوں کا حوصلہ بڑھایا ہے، مشکل وقت کا سامنا کرنا سکھایا ہے۔ انہیں مضبوط بنایا ہے۔ اس ناول کا تقسیم بے حد انزویک اور خوب صورت رہا ہے اور یہ پہلی قسط ہے اسے اختتام تک بے حد خوب صورتی سے چلا ہے۔ میری مبارکباد آپ غیرہ احمد تک پہنچا دیں۔“ (پنڈید کی کا شکر ہے، غیرہ احمد بھی شکر یہ کہتی ہیں)

کچھ یاسمین رشید، کراچی سے۔ ”میں تو عرصہ دراز سے غیرہ احمد کی تحریروں کی فین ہوں۔ یہ ناول بھی بہت شاعرانہ رہا۔ آخری قسط اور آخری سین نے تو کمال کر دیا۔ عکس جیسی لڑکیاں ہمارے معاشرے میں نظر نہیں آتیں مگر اب آتی چائیں۔ اس ناول نے قربانی کا درس دیا ہے جو بہت اچھا ہے بہت ہی اچھا۔“ (پنڈید کی کا شکر ہے)

کچھ فریدہ اشفاق، کراچی سے۔ ”ایک عرصے بعد جلتگر میں بہت روانی اور آمدمحسوس ہوئی۔ محاروں کے محل استعمال نے اسے بہت خوب صورت بنا دیا۔ ظاہر ہے کہ کرداروں کو لے کر چلنا تو انجم انصاری کے قلم کا کھیل ہے۔ رفعت سراج کا انٹرویو اچھا لگا مگر انہوں نے اپنی زندگی کی کہانی بہت مختصراً انداز میں بیان کی ہے۔ ناہید سلطانہ اختر بہت اچھا لکھ رہی ہیں گلاس مرتبہ شاید روانی میں غالب کے شعر میں کچھ ہو گیا ہے۔ عکس کا انجام بہت تیزی کے ساتھ ہوا مگر اچھا لگا۔“ (پنڈید کی کا شکر ہے)

کچھ سمیرا حمید فاروقی، کراچی سے۔ ”اس ماہ کا ناپ آف دی لسٹ افسانہ شیریں حیدر کا رہا۔ بہترین لکھا، پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ناہید سلطانہ اختر بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ معذرت کے ساتھ قیصرہ حیات کا ناول مجھے پسند نہیں آ رہا، پسند تو مجھے گزشتہ ماہ امیر مہم کا ناول

☆ ہماری پیاری مصنفہ رخ چوہدری کی بہن ریحانہ نصیر کا بہت جلد نکاح ہو رہا ہے۔ (بیشکی مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ثمرۃ العین عبداللہ، کراچی کے ہاں تین بیٹوں کے بعد بیٹی ہوئی ہے۔ جس کا نام نور عائشہ رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی پرانی تمبرہ نگار پروین قاسم کے ہاں نواسی ہوئی ہے۔ (مبارک باد)
☆ اسلام آباد میں مقیم میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر تھیل انصاری کا پرموشن ہو گیا ہے۔ اب وہ گریڈ 20 میں آگئے ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆ ہماری مستقل تمبرہ نگار ڈاکٹر ممتاز ضیا کی بھانجی کاشفہ کی شادی گزشتہ دنوں عزیز بی انتخاب کے ساتھ ہوئی۔ (مبارک باد)
☆ مصنفہ شہلا خاں، ایم ایٹ آباد جی سعادۃ حاصل کر کے آگئی ہیں۔ (مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل تمبرہ نگار اور شاعرہ ناہید بنت نور، واہ سینٹ ورکس کے ہاں پہنچی ہوئی ہے جس کا نام عرفہ مقبول رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ آپ سب کی دعاؤں کے طفیل ہماری شاعرہ اور تمبرہ نگار شگفتہ شفیق کی طبیعت اب بہتر ہونا شروع ہو گئی ہے۔ (ماشاء اللہ)

☆ ہماری مستقل تمبرہ نگار رخسانہ امجد، لکھنؤ اسپتال سے اب گھر آگئی ہیں اور ان کی طبیعت بھی ٹھیک ہے۔ (ماشاء اللہ)
☆ ہماری افسانہ ناول نگار عذرا ایک، لاہور کی طبیعت بھی اب بالکل ٹھیک ہے۔ (ماشاء اللہ)

☆ اس ماہ ہماری مصنفہ عقیلہ حق کے حوالے سے کئی پیاری خبریں ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کی نوسالہ بیٹی کائنات حق نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے اور وہ آل کراچی فیم القرآن کے مقابلے کے لیے بھی منتخب ہوئی ہے۔ دوسری بیویہ کہ ان کا بیٹا اور بیٹی وچہ حق اور کائنات حق پاکستان ٹیلی ویژن سے شروع ہونے والے بچوں کے پروگرام چلڈرن انسائیکلو پیڈیا کے میزبان منتخب ہو گئے ہیں اور تیسری خبر یہ کہ وہ دبیر کی چھینوں میں بچوں کے ساتھ ملک سے باہر جا رہی ہیں۔ (مبارک ان مگر شادی کی سالگرہ کی دعوت ثنا کر جانا) عقیلہ حق کی شادی کی سالگرہ دو نومبر میں ہوتی ہے مگر وہ دبیر یا جنوری میں تقریب کریں گی۔ (بیشکی مبارک باد)

☆ ہماری پیاری شاعرہ اور پاکیزہ کے بے حد پرانی تمبرہ نگار شمسہ الماس اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ ان دنوں ناروے سے پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ ہماری پیاری مصنفہ، شاعرہ اور مستقل تمبرہ نگار سعدیہ ہاشم، سرگودھا ایک پیارے سے بیٹے کی ماما بن گئی ہیں۔ بچے کا نام مصطفیٰ فیصل رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ امریکا میں مقیم پاکیزہ کی مستقل قاری کھٹ خان زادہ کی طبیعت اب کافی بہتر ہے۔ (ماشاء اللہ)

☆ دبیر اور جنوری میں ہماری ان بھنوں کی سالگرہ ہے۔ (بے حد مبارک باد)

☆ میری بوسیدہ آرزو عظیم کی شادی کی سالگرہ اور بیٹی کی آفاق کی بھی دبیر میں ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تمبرہ نگار پروین وحید کی سالگرہ ہے۔

☆ سبین فیصل کی شادی کی سالگرہ ہے۔

☆ پاکیزہ کی تمبرہ نگار جمین ہانگی کی سالگرہ ہے دبیر میں۔

☆ مصنفہ بل ملک، لاہور کی سالگرہ ہے دبیر میں۔

☆ پاکیزہ کی تمبرہ نگار صبا نور، لیہ آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری غم، بلوچران آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تمبرہ نگار صفیہ بیگم، لاہور میں آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔

☆ 11 جنوری کو شمیم مجید کی شادی کی گیارہویں سالگرہ ہے موروثی۔ (مبارک باد)

☆ صادق آباد کے گھر آنے میں سمیرا امجد، احمد جاہد اور شاہ رخ مجاہد کی سالگرہاں ہیں۔

☆ پاکیزہ کی تمبرہ نگار عمیدہ وحید کی تینوں ننوں صائمہ، شازیہ اور امیرہ کی سالگرہاں ہیں۔

قادری کی فیصلے کی صلیب بہت سی آنکھیں کھولنے کی بہترین کوشش ہے۔ مکافات عمل اسی کو کہتے ہیں۔ زندگی میں حجاب کو کورٹ میں جو کچھ سننے کو ملا خدا کی دشمنی کی بجائی کے ساتھ بھی ایسا نہ کرے۔ صائد اکرم کا پہلی بارش بہت اچھا تھا۔ ہلکا ہلکا انداز ان کا زیادہ پسند آتا ہے۔ شیریں حیدر کا میرا پیارا ساموئی واقعی بہت پیارا تھا۔ شوکت رانا الطاف کی تحریر دل کو ہلانے والی تھی، مبارک باد۔ عالیہ جی بیٹوں کو سلام مگر سرال والوں کو کچھ تو سزا ملتی۔ شیخ خانم کی بھی بس ٹھیک تحریر تھی۔ رفعت سران کا انٹرویو اچھا لگا۔ رفعت کی ایک تصویر بس میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ سمندر کے کنارے کھڑی ہیں وہ سلطانہ مہر سے بہت مل رہی ہیں۔ رفعت کی باتوں میں صرف سنجیدگی نمایاں تھی جبکہ ان کے ناولوں میں ہر طرح کی ورائٹی ہوتی ہے۔ بہنوں کی محفل پاکیزہ کا ڈرائنگ روم ہے جس میں ہر بہن اپنے آپ کو خاص مہمان سمجھتی ہے کیونکہ میزبان بھی تو خاص ہے۔ جلیزنگ میں واردائیں میں کھانے کا نقشہ پڑھ کر دکھ بھی ہوا۔ پاکیزہ ڈائری میں فرح اچھا کا ہم کو کھول گئے بہت پسند آیا ہے۔ محفل کا افسانہ کب آ رہا ہے؟“ (تبرے کا شکریہ)

کچھ مائرہ کیور، شکلیہ یاسمین، چکوال سے۔ ”پاکیزہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ ہمارے بھائی علی رضا کو بھی یہ ڈائجسٹ بہت پسند ہے۔ ہم پورے ماہ اسی کو پڑھتے رہے ہیں۔ سب سے اچھا سلسلہ شاعری کا ہے، اس میں خوب مزے کے شعر پڑھنے کو مل جاتے ہیں۔ بہنوں کی محفل بہت اچھی لگتی ہے۔ اس میں شریک سب بہنوں کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔ میرا دور میری بہن کا پسندیدہ ناول عکس ہے۔ اس کی بے حد تعریف۔“ (اس محفل میں خوش آمدید۔ آپ کی تعریف اور سلام پہنچایا جا رہا ہے)۔ کچھ مدحت، لاہور سے۔ ”بائی پاکیزہ پڑھ کر اور آپ سے بات کر کے بہت اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہی نہیں ہے کہ آپ سے ہم دور رہتے ہیں۔ ناول عکس کی آخری قسط پڑھی ہے، بہت لطف آیا ہے۔ میری ڈیڑھ ساری مبارک باد پہنچا دیں۔“ (آپ کی مبارک باد پہنچائی جا رہی ہے)

کچھ رخسانہ امجد ملکوال سے۔ ”میں پاکیزہ سے ایسی محبت کرنے والی ہوں آپریشن کے بعد اسپتال سے آئی تو آتے ہی پاکیزہ دیکھا اور اس کی سطر سطر پڑھ کر ایک خوشی ہی اندر آئی۔ بہنوں کی محفل میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ اس کے صفحات کم نہیں ہونے چاہئیں میں تو بار بار پڑھتی ہوں اور ایسا لگتا ہے کہ سب سے ملاقات ہوگئی ہو۔ باجی میں کچھ کہہ رہی ہوں کراچی آکر آپ سے مل کر مجھے دلی خوشی ہوتی ہے اور آپ نے اپنی کتاب کا جو مجھے تحفہ دیا تھا وہ میں نے سنبھال کر رکھا ہے اور روزانہ اسے دیکھتی ہوں، پڑھتی ہوں۔“ (پیاری رخسانہ مجھے بھی تم سے مل کر بے حد خوش ہوئی تھی)

کچھ مسز رابعہ وقار، راول پنڈی سے۔ ”عمیرہ احمد کا ناول عکس بہترین انجام کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔ ان کے ناول پڑھ کر لڑکیاں، خواتین بہت کچھ سیکھتی ہیں۔ ان کے ناول زندگی کے تجربات سکھاتے ہیں۔ ویل ڈن بے حد خوب صورت بے حد یونیک انجام ہوا۔ میری مبارک باد قبول کریں۔“ (عمیرہ احمد شکریہ کہہ رہی ہیں)

کچھ نزہت اشفاق، کراچی سے۔ ”میں کوشش کرتی ہوں کہ ہر ماہ اپنا تبصرہ بھیجوں مگر بعض مرتبہ دیر ہو جاتی ہے۔ نومبر کے شمارے میں ام مریم کا ناول مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ میں نے پہلے بھی آپ کو یہ مشورہ دیا تھا نئی رٹائرڈ تحریریں کم سے کم لگایا کریں۔ دسمبر کا ناول اچھا ہے۔ عکس اچھا ہے۔ ناہید سلطانہ اختر کے ناول کی قسط اچھی ہے۔ اسما قادری نے اچھا لکھا ہے۔ شیریں حیدر نے تو کمال ہی کر دیا۔ خوب صورت ترین افسانہ ہے۔ شوکت رانا الطاف کا ناول اوسط درجے کا رہا۔ صباح یوسف، شیخ خانم اور عقیل حق کے افسانے بس ٹھیک ہی رہے۔“ (ام مریم، ہماری نئی مصنفہ ہیں۔ ہم نے انہیں سمجھا بھی ہے کہ آئندہ بولڈ موضوعات پر لکھنے کے بجائے معاشرتی موضوعات پر قلم اٹھائیں۔ آپ کی طرح ہماری تبصرہ نگار بہنوں کو بھی ان کا انداز تحریر پسند نہیں آیا ہے مگر ام مریم نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ آئندہ اس بات کا خاص خیال رکھیں گی اور میں بھی ہوں کہ ہمیں اپنی نئی مصنفات کو موقع بھی دینا چاہیے اور انہیں سمجھانا بھی چاہیے۔ ہم تو ابھی کھینے کے عمل سے گزر رہے ہیں تو یہ نئی مصنفات بھی یقیناً ضرور سیکھیں گی اور آئندہ بہت اچھا لکھیں گی)

کچھ فرحت احمد، کراچی سے۔ ”پاکیزہ کے معیار کا گراف ماشاء اللہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس دفعہ پورا رسالہ ہی بہت اچھا لگا۔ کوئی افسانہ بھی کم نہیں لگا۔ عکس اور زندگی کے تو کیا کہنے۔ عکس کی آخری قسط پڑھ کر خوشی کے ساتھ ایک عجیب سا افسوس ہوا کہ اب رسالے کے انتظار کی بہت سی وجوہات میں سے ایک ختم ہونے جا رہی ہے۔ ہم تو بہنوں کی محفل اور اپنے پسندیدہ سلسلوں اور جلیزنگ کا بھی اسی شدت سے انتظار کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں اتنے ہی اچھے لگتے ہیں جتنے تاؤز اور افسانے۔ ایک مرتبہ کہیں بات ہو رہی تھی تو میں نے بہنوں کی محفل کے بارے میں کچھ کہا اور ایک رسالہ پڑھنے والی دوست نے بڑی حسرت

بھی نہیں آیا تھا مگر اس ماہ خطوط کی محفل میں خاصا پسند کیا گیا ہے۔ صائد اکرم ہمیشہ اچھا نہیں لکھتی ہیں مگر مرتبہ انہوں نے بہت اچھا لکھا ہے۔ عمیرہ احمد کے ناول کا اختتام اچھا رہا۔ رفعت سران کی تحریریں ہمیں بہت پسند ہیں مگر انٹرویو میں کبھی سی بی یا شاید مجھے مزید جاننے کی خواہش تھی۔ باقی سب تحریریں کوئی خاص نہیں لگیں۔“ (پیاری میرا ہر قاری کی پسند نا پسند مختلف ہوتی ہے۔ کسی کو کچھ پسند آتا ہے تو دوسرے کو کچھ اور..... اور ہمیں سب کی پسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ رہی بات رفعت سران کے انٹرویو کی تو وہ بے خوف و خطر بولنے والی خاتون ہیں اور انہوں نے ہر سوال کا جواب بڑی عمدگی سے اور سحر پور دیا ہے)

کچھ مسرت رانی، حیدر آباد، کراچی سے۔ ”رفعت سران کا انٹرویو بہت پسند آیا مگر تصویریں بے حد کم تھیں۔ رفعت تو بالکل نازکی کی گویا ہیں لگتا ہی نہیں ماشاء اللہ نینچوں کی ماں ہیں۔ وہ تو ان کی بہن لگ رہی ہیں مگر انٹرویو میں انہیں اپنی ہم عصر رائٹرز اور سبیلوں کا بھی ذکر کرنا چاہیے تھا پھر بھی پڑھ کر بہت پسند آیا۔ شوکت رانا الطاف، اسما قادری اور شیریں حیدر کے ناول و افسانے بہترین رہے۔ عمیرہ احمد نے تو کمال ہی کر دیا۔ بڑی ٹاپ کی قسط رہی۔ میری جانب سے انہیں مبارک باد پہنچا دیں۔“ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے، عمیرہ احمد شکریہ کہہ رہی ہیں)

کچھ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ ”مجھے شمارے حسب روایت مجموعی طور پر اچھے تھے۔ اللہ لفظ جغت الفاظ میں پڑھا جائے یا طاق میں اصل بات یہ ہے کہ کس اس اہم مبارک کا دور ہونا چاہیے زیادہ سے زیادہ اور دیکھتے ہی کبھی سبیلہ عظیمہ، غز اللہ شید، نجف اعظمی کی تحریریں بھی اچھی اور با مقصد تھیں۔ انجمن تھیں دل پر دھک دینے کی ضرورت نہیں تھی اچھی تحریروں کے لیے دردل ہمیشہ کھلا ہوتا ہے۔ عقیدہ بہن آپ نے کیسے کہہ دیا کہ آپ کی تحریریں پڑھتی۔ میں پاکیزہ کی ہر تحریر پڑھتی اور ان پر با مقصد تبصرہ بھی کرتی ہوں۔ اچھی نیت کے ساتھ۔ دسمبر کے شمارے میں تم نے بہت اچھا پیغام دیا ہے۔ عکس بہت اچھی طرح اختتام پذیر ہوا۔ عمیرہ نے شہر بانو کو عکس کی سوکن بنا کر مجھے خوش کر دیا، ہماری بہنیں جس طرح دوسری شادی (شوہر کی) پوری ایکٹ کرتی ہیں اسے سن کر نہیں سمجھتی، حالات کے مطابق رد عمل ہونا چاہیے اور ذہن و دل کشادہ رکھنے چاہئیں یہ میری رائے ہے۔ آپ ناراض نہ ہوں اور ہاں اب عمیرہ احمد کا انٹرویو آنا چاہیے۔ قیصرہ حیات اچھا لکھ رہی ہیں مگر تو قیر کا کردار اچھا نہیں لگ رہا بہن کی دوست اگر پسند ہی آئی ہے تو پوز کرنے کے بہتر طریقے بھی ہیں۔ مجھے منظور ہے عقیدہ کے اپنے انداز کی اچھی تحریر ہے اور فیصلہ کی صلیب بھی با مقصد اچھی تحریر ہے۔ زندگی، زندگی کی تلخ اور شیریں حقیقتوں کو اجاگر کر رہی ہے، نسیم پرتو آتا ہے۔ حجاب کے انجام سے خوف آ رہا ہے بہت بدینیت شخص سے بے جا ریا کا لہر دیا گیا ہے۔ پہلی بارش گواہی گئی۔ شیریں حیدر بہت دلچسپ تحریر لائیں۔ ایک بہت ہی حقیقت کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ شوکت رانا کی تحریر بہت دن بعد پڑھنے کو ملی۔ اچھی لگی۔ خارزار عشق اچھی تحریر ہے اس میں ایک مثبت پیغام ہے کہ اس طرح کی سوچ ہو تو کافی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ نزہت اصغر کے لیے بھی اچھا لکھا ہے کہ وہ کسی بہانے بزم میں آئیں۔ رفعت سران سے ملنا اور ان کے بارے میں جاننا بہت اچھا لگا اپنے پسندیدہ اور اچھے مصنفین کے بارے میں جاننا، ان کے حالات و خیالات سے آگاہی ایک دوسرے کو اور قریب لاتی ہے۔ یہ جان کر بہت اچھا لگا کہ اب ادیبوں کو اتنا اعزاز یہ ملنے لگا کہ وہ مہرہ سال کی عمر سے خود مختار ہو جائیں، یہ ادیبوں کا حق ہے مگر روزگار سے نجات اچھی تخلیق کا باعث بنے گی۔ رفعت بہن اپنے مداحین کو دعاؤں میں یاد رکھنے کا شکریہ یہ بھی سچ ہے کہ جب تک زندگی ہے ہر بل بننے موضوعات سامنے آتے رہیں گے۔ آپ کی شاعری بھی ٹھیک ہے مگر نثر کا مقابلہ نہیں۔ شائستہ زریں کا سروے اچھا ہے۔ نیلوفر جمالی کی کئی ان کہی کی تعریف و تحائف اچھی لگی۔ نیلوفر پاکستان آ رہی ہیں جان کر بہت اچھا لگا، ہو سکتا ہے ملاقات ہو جائے تو بہت ہی اچھا لگے گا۔ اب انجمن محفل میں آتے ہیں خدا کرے نیا سال، ہم سب کے لیے اور تمام عالم اسلام کے لیے مبارک ثابت ہوا، امن۔ تمہارا پیغام ہر آنکھوں پر انشاء اللہ اپنی برائیاں چھوڑنے کی کوشش کریں گے کامیابی کے ساتھ۔ گفتگو کے لیے دلی دعائیں۔ جن بہنوں کو خوشی نصیب ہوئیں انہیں بہت مبارک التجلی عروج، رضیہ بٹ اور حارہ مسرور کی وفات دکھ کا باعث بنی ہے ہر حال اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہمیں اس نے لے لیں۔ عذرا کو ان کی نجوی پر شاباش ڈائری کے صفحات بھی بند کر دیے۔ پاکیزہ ڈائری اچھی ہے مگر عظمیٰ تمہاری تحریر بھی پڑھنا چاہتے ہیں، وقت نکالو۔ جلیزنگ کے دونوں خاکے بہت چمکارتے دار تھے وہ محفلوں میں کھانے پر مشتمل کی طرح ٹوٹ پڑنے والوں کے لیے خاص طور پر، دیکر ملے لگی اچھے ہیں۔“ (طویل تبصرے کا شکریہ)

کچھ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ”عکس اختتام کو پہنچا۔ عکس کے حوصلے کی داد دیتی ہوں۔ انجام اچھا لگا۔ عکس کے دونوں بچوں کے نام پیارے لگے۔ عمیرہ کو اتنا اچھا ناول لکھنے پر اور آپ کو اتنا اچھا ناول چھپانے پر مبارک باد۔ قیصرہ حیات کے ناول میں کئی کہانیاں ایک ساتھ چل رہی ہیں۔ یہی تو سمجھانے کا انداز بہت اچھا ہے۔ عقیل حق کے افسانے میں بھی نصیحت نظر آئی۔ اسما

ہوگا لیکن مجھے اعتراض یہ ہے دو زمانوں کی کہانی ہے اور اس وقت ریویوٹ کہاں ہوتے تھے؟ شایدین رحمن کا شعر ٹھک ہے جا کر دل پر لگا۔ روحانی مشورے بہت اثر انگیز ہوتے ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے، آمین۔ سندیہ بھی اچھا سلسلہ ہے۔ پاکیزہ ڈائری عظمیٰ اچھی سجاتی ہیں لیکن اس دفعہ صفحات ذرا کم لگے۔ آپ کا ادارہ زبردست رہا اور بھنوں کی محفل میں آپ نے صبح فرمایا کہ کم از کم ایک عادت تو ہم چھوڑ سکتے ہیں۔ اگر سب نے ایک، ایک بری عادت چھوڑ دی تو لاکھوں کروڑوں بری عادتیں ختم ہو جائیں گی (اللہ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے، آمین)

کچھ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ ”نیا قمری اور عیسوی سال مبارک ہو۔ اللہ کرے یہ سال سب کے لیے اچھا ہو اور ہمارے ملک کے حالات اچھے ہو جائیں۔ رفعت سراج کا انٹرویو اچھا لگا۔ انجم باجی سالانہ نمبر شپ کر کے قسم سے ٹرسکون ہو گئی ہوں۔ حباب یوسف نے اچھے موضوع پر لکھا۔ ہر بندہ وقت آنے پر اس کیفیت سے گزر سکتا ہے۔ اللہ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے۔ شوکت رانا الطاف کی تحریر بہت عرصے بعد نظر آئی کہاں غائب تھیں۔ اچھا لگا ان کا ناول پڑھ کر۔ شیریں حیدر نے بہت اچھے موضوع پر لکھا۔ بعض رشتے نکلنے نازک ہوتے ہیں اور ان میں ہی اگر کھوٹ ہو تو انسان کسی کو بتاتے ہوئے بھی کتنا کچا کچا سا لگتا ہے۔ قیصرہ حیات کا کہیں دیپ جلتے کہیں دل اچھا جا رہا ہے۔ ہر رشتے میں توازن رکھا جائے تو دوسرے کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ حاجرہ سرور کے انتقال کی خبر پڑھ کر دکھ ہوا۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور مرحوم کے لواحقین کو صبر دے، آمین۔“ (تبصرے کا شکریہ)

کچھ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ”اس بار دمبر کا پاکیزہ یعنی سال 2012ء کا آخری شمارہ میرے ہاتھوں میں پچھلے ماہ کے سرورق کی طرح اس بار ماڈل نے سر پر حجاب کیا ہوا تھا کیا یہی اچھا ہو کہ پاکیزہ کے ہر سرورق پر ایسی طرح حجاب والی ماڈل کی تصویر ہو۔ عکس کی آخری قسط عتیہہ احمد کے قلم کا نچوڑ تھی۔ اس کہانی کا انجام ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ المذبح سے بھر پور عکس نے کمال کر دیا ہے۔ عتیہہ احمد سے گزارش ہے کہ آئندہ بھی پاکیزہ کے لیے ایسی طرح کا ناول شروع کریں۔ میرا سندیہ، شعر اور خط شائع فرماتے کا بہت بہت شکریہ۔“ (یہ آپ کا اپنا ماہنامہ ہے آپ اپنے مراسلات محبت سے ارسال کریں)

کچھ جنیٹ باجی، بھیرہ سے۔ ”پاکیزہ ڈائری میں ذوالخوین، انعم حنیف، امینہ عنید، عیلم کامران کے مراسلات پسند آئے۔ فریدہ خانم لاہور کی غزل اچھی لگی۔ جہلم سے کرن جہانگیر کا انتخاب بھی زبردست ہے اور ڈگری کالج لاہور کی پرنسپل صاحبہ فرخ زیا کی کیا بات ہے۔ زیا باجی آپ سے مل کر بہت اچھا لگا۔ سلسلے و ناول میں عکس اور زندگی اچھے موڈ پر ہیں۔ ذکی خلیل کا ناول خواب، حقیقت اور سراسر دل کو لگا۔ ناولٹ، افسانے سب اپنی مثال آپ ہیں اور آپ جی آپ کا خصوصی مضمون دل غم سے بوجھل ہے زبردست تحریر ہے۔ آپ تو میرے دل میں ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ خدا آپ کو زندگی کے ہر مقام پر کامیابیوں سے نوازے، آمین۔“ (پسندیدگی کا شکریہ)

کچھ فائزہ فاروق سحر، لاہور سے۔ ”زنت بدل گئی ہے اور لاہور میں کافی سردی ہے۔ اللہ کرے کراچی میں امن قائم ہو۔ نیا سال سب کے لیے خوشیاں لے کر آئے۔ پاکیزہ پڑھتے ہوئے مدین گزرتی ہیں یہ برسوں کی عادت ہے۔“ (اچھی عادت بدلتی بھی نہیں چاہیے۔ نیا سال سب کا پرائزن اور محبت گزرے، آمین)

کچھ فریدہ افتخار امریکا سے۔ ”میں بارہویں منزل سے سانسے نیو یارک کے خوب صورت منظر سے محفوظ ہو رہی ہوں۔ سامنے دریا بے بدلتن ہے۔ دن رات موٹر بوٹ چلتی ہیں رات کو یہ منظر الف لیلوی داستان کی طرح لگتا ہے۔ بیٹا ہو بے حد خیال رکھ رہے ہیں۔ امید ہے کہ اچھا وقت گزرے گا۔ درجنیا میں دو عدد بھانجیاں رہتی ہیں۔ ان کی طرف بھی جانے کا ارادہ ہے۔ وہی میں ایک ماہ رہی تو انہوں نے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ مزے مزے کے کھانے بنانا کران کو کھلاتی رہی۔ میرے یہاں آنے پر میرا ساڑھے تین سالہ نواسہ کدو میں مجھے تلاش کرتا رہا اور فرمائش بھی کرتا تو کو ابھی بلا میں۔ جیتے رہیں، خوش و آباد رہیں، آمین۔ وہی میں دیکھ بک شاپ ڈھونڈتے ڈھونڈتے آخر ڈھونڈ ہی لی اور ہم نے اپنا فروڈی کا پیارا پاکیزہ حاصل کیا۔ پڑھا اور لطف اندوز ہوئے۔ امریکا میں بھی تلاش جاری رکھیں گے۔ اتوار کے روز دیکھی ریسٹورنٹ کھانے کے لیے گئے لاہوری بھائی کے تندوری لال آئے کی پٹلی روٹی اور پالک نے بے حد مزہ دیا۔ میرا بیٹا بتا رہا تھا کہ یہ کئی سال پہلے یہاں آیا اور بزنس کامیابی سے چلا رہا ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ ان کا ایک بیٹا میرے بیٹے کے ساتھ بینک میں جاب کرتا ہے۔ ماں باپ کی محتو کا پھل ان کی نیک اور قابل اولاد کی شکل میں سامنے آ جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا

سے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ بھی پڑھتی ہیں۔ خیر اپنی، اپنی پسند اور دلچسپی کی بات ہے۔ ہم تو مرے جاتے ہیں رسالے کے لیے۔ ایک، ایک دن بھاری ہوتا ہے جب رسالہ نہیں ملتا۔ ہمارے شوہر روزانہ بک اسٹال پر جا کر معلوم کرتے ہیں کہ آیا کہ نہیں کیونکہ وہ خود بھی مطالعے کے بہت شوقین ہیں۔ ہمارے گھر میں جاسوسی، اردو ڈائجسٹ بھی آتے ہیں۔ مگر خواتین کے رسالوں میں صرف پاکیزہ ہی آتا ہے اور میں پاکیزہ کے علاوہ سسٹمز، جاسوسی اور اردو ڈائجسٹ بھی بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ ہم دونوں ہی کو پڑھنے کا بہت شوق ہے اب بھی میں آپ کو خط لکھ رہی ہوں اور میرے شوہر سانسے بیٹھے سسٹمز پڑھ رہے ہیں اور مرے کی بات یہ ہے کہ دوبارہ پڑھ رہے ہیں کیونکہ جاسوسی ابھی تک آپانیں اور دوسرا کوئی رسالہ ہے نہیں۔ اب تو لائبریری سے بھی کتابیں لا کر اور وہاں جا کر سب پڑھ لی ہیں۔ اس لیے دوبارہ دوبارہ پڑھ کر مزے لیتے ہیں جبکہ رات کے دو بج رہے ہیں۔ ویسے تو ہم دیر سے سونے کے عادی ہیں۔ ویسے تمام افسانوں میں مجھے میونہ خورشید کا قصیدہ لکھول دے میرا بہت پسند آیا۔ دوسرے افسانے بھی بہت اچھے لگے اور یہاں دستک دردل پر میں انجام نے صرف دستک ہی نہیں دی بلکہ بری طرح دھڑ دھڑا دیا یعنی اپنے چونکا دینے والے اور غیر متوقع انجام کے ساتھ بہت پسند آیا۔“ (نوازش)

کچھ نسیم رضا ذوالفقار، فیصل آباد سے۔ ”مفتی عروج کے بعد فرزانہ کھیل چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو جدائی کا داغ دے کر اللہ سے جالی، اللہ تعالیٰ اسے کروٹ کروٹ جنت عطا کرے، آمین۔ سب سے پہلے ادارے میں آپ کا دہن بنی لڑکیوں کے لیے پیغام پڑھا خدا کرے ہمارے معاشرے کی ساس، بہویں ادارے کی طرح کی ہو جائیں تو ہمارے گھر خوف صورت کے بجائے خوب صورت ہو جائیں۔ قرآن پاک کا ترجمہ اور اسانے محمد پڑھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھتی ہوں اور میری دعا ہے کہ کم از کم میرے کہنے پر میرے پیارے پاکیزہ کی سماجی پیاری بہنیں ترجمہ ہی پڑھنا شروع کر دیں، آمین۔ عکس مراد نے تو چھ لکھی ہی لگاؤ اور اتنے بڑے بچوں کی ممانہیں۔ واہ نام کیا اپنی ہی طرح کے منفرد رکھے۔ سسز ایلیس کے عکس کو یہ کہنے پر کہ میں نے تمہارے دوبارہ داخلے کے لیے بہت سے rules violate بھی کیے اور باپ پاس بھی اور تم rules کے خلاف کام کرنے سے انکار کر رہی ہو تو عکس نے کتنے خوب صورت طریقے سے جواب اور قائل کیا سسز ایلیس کو کہ اگر آپ سسز ایلیس کی اسٹوڈنٹ ہوتیں تو آپ کو بھی مشکل ہوتا۔ عیبت سب کا کوئی شہر ایسا بساؤں میں نشانی ہی رہی۔ گل کے نلے کی طرح صبا خاں کے ایندو کو بارہ اپنانے اور سیل کے نوٹسرواں کو نلے کی خوشی ہوئی۔ مفتی عروج کا پرانا افسانہ دے کر بہت ہی اچھا کیا، شکریہ۔ زندگی میں، میں بھی شریا کی طرح یہی کہوں گی کہ ایمان سے دل خوش کر دیا ویل اوپن انصاری نے۔ نور امین ساحرہ کی لومیرج کی گریں، یہ کیا بات ہوئی لومیرج تو مرد کرتے ہیں اور بھانے بیوی کو اپنی اماں ابا کے آگے کر دیں۔ رابعہ نیازی کی چاندی بھو اور آپ کے جلتے گنگ نکلے تیری تلاش میں، میں ایک ہی بات سے اتفاق کیا گیا کہ لڑکا خود ہی ڈھونڈ لے لڑکی۔ عقیدہ حق کی آئیڈیل پڑی۔ آپنی جب بھی کوئی ذہنی بیمار ہو تو مافریات کے پاس لے کر جاتے ہیں جب مافریات ہی آئیڈیل کے مانند ہو تو کیا ملے ہے؟ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔“ (تبصرے کا شکریہ)

✉ بہن ایس، ایم، سندھ سے۔ اگر آپ مجھ پر بھروسہ کرتی ہیں تو اپنی سچی کہانیاں بے شک ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ہی لکھ کر مجھے بھیج دیں اور اگر نہیں کرتیں تو نہ بھیجیں۔ یہ آپ کی اپنی مرضی ہے۔ آپ اپنی کہانی شائع بھی کرنا چاہ رہی ہیں اور ڈر بھی رہی ہیں۔ اس کے لیے میں آپ کو مشورہ دوں گی کہ آپ کے بتائے ہوئے فرضی نام سے بھی کہانی لکھی جاسکتی ہے۔ باقی آپ کا جو دل چاہے فیصلہ کریں۔ ویسے کہانی یہ کیا، جو ابھی تک مجھے معلوم نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کھوپا ہوا اور لگا چوڑا والا معاملہ ہو۔

کچھ عقیدہ حق، کراچی سے۔ ”مجھے غزال رشید صاحبہ کا افسانہ سارہ کی گڑیا بے حد پسند آیا، پوری کہانی میں غزال کا مزاج جھلک رہا تھا۔ اب آتے ہیں دمبر کے پاکیزہ کی طرف، ڈائجسٹ بہت خوب صورت رہا۔ ڈائجسٹ مکمل رہا ہر تحریر زبردست۔ عکس کی آخری قسط بہت مکمل رہی۔ عکس نے ہم سب کو ایک ڈور میں باندھ رکھا تھا۔ قیصرہ حیات بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ شوکت رانا الطاف کی یہ تحریر بھی ہمیشہ کی طرح خوب صورت رہی۔ نزہت امیر صاحبہ نے رفعت سراج کا انٹرویو کیا بہت اچھا لگا۔ ناہید سلطانہ اختر کا ہر کردار ہمارے آس پاس موجود ہے۔ صائمہ اکرم کا مکمل ناول اب تک نہیں پڑھا کہ تبصرہ بھیجے کی جلدی ہے لیکن امید ہے اچھا ہوگا کیونکہ صائمہ ایک اچھی رائٹر ہیں۔ افسانوں میں شیخ خانم کی تحریر پڑھی، تحریر اچھی تھی لیکن یہ بات مجھ میں نہیں آئی کہ ایک پتھر لڑکی کو صرف بھروسے کی بنیاد پر ایک انجانے ملک بھیج دینا کم از کم اس کے علم میں تو آنا چاہیے تھا۔ شیریں حیدر کی تحریر پڑھی بہت اچھا لگا۔ ایک ایسا ہی طوطا مجھے بھی چاہیے۔ جیش کا پیالہ وہی برسوں پرانی روایتی کہانی۔ دادا کے ساتھ کیا تو تمہارے ساتھ بھی

کے پاکیزہ میں سب سے پہلے عکس کی آخری قسط پڑھی۔ عیسیرہ احمد میری فیورٹ رائٹر ہیں اور میں نے ان کی ہر تحریر ہمیشہ پڑھی ہے مگر معذرت کے ساتھ کہوں گی کہ عکس میں وہ بات نہیں تھی جیسا کہ عیسیرہ احمد کے اور ناولز میں تھی۔ قیصرہ حیات کا ناول میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ میں نے بھی کسی رائٹر کے ناول میں مردوں کو بات بات پر روئے یا آنکھیں نم کرتے یا ان کی ہیر و منہ کو منہ بناتے نہیں دیکھا۔ قیصرہ حیات کے لکھنے کے اسٹائل میں وہ چمکی نہیں ہے۔ مرد کو ہمارے معاشرے میں مرد آہن کہا جاتا ہے مگر ان کے ہیر و منہ کو روئے سے اور ہیر و منہ کو منہ بنا کر یا شکل خراب کر کے بات کرنے سے فرصت ہی نہیں۔ بہر حال صائمہ اکرم نے بھی متاثر نہیں کیا۔ ان کی ہر کہانی کا ایک ہی نام ہوتا چاہے، اتفاق..... کیونکہ ان کی ہر کہانی ایک حسین اتفاق بنتی ہوتی ہے۔ بھی ہیر و منہ کے لیے بھی ہیر و منہ کے لیے اور ایسے اتفاق عام زندگی میں ذرا کم ہی ہوتے ہیں۔ اس ماہ شریں حیدر نے اچھا لکھا۔ اس کی کہانی کا موضوع پاکیزہ میں ہی چھپنے والی ایک رائٹر عابدہ رؤف صاحبہ کے ناول کلاں سے مشابہت رکھتا تھا بہر حال پھر بھی انہوں نے بہت اچھا لکھا۔ باقی رائٹر نے بھی اچھا جلتی رنگ اس مرتبہ اچھا تھا۔“ (گڑیا! بعض مرتبہ ایسا سب کے ساتھ ہوتا ہے کہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔ آپ کو عیسیرہ احمد کا یہ ناول ان کے دوسرے ناولز کے مقابلے میں کم لگا۔ زیادہ تر بہنوں کو یہ ناول سب سے زیادہ اچھا لگا ہے، ہر بہن کی رائے مختلف ہوا کرتی ہے۔ کسی کو قیصرہ حیات کا ناول بہت پسند آ رہا ہے اور آپ کو بالکل پسند نہیں آیا۔ ہر شخص کی پسند ناپسند مختلف ہوتی ہے۔ آپ نے عرصہ دراز بعد پھر لکھا ہے اس کے لیے ممنوں ہوں امید ہے کہ آئندہ بھی لکھتی رہیں گی)

بھ عاصمہ ملک، کراچی سے۔ ”میں یوں تو 1998ء سے پاکیزہ کی قاری ہوں پر خاموش نہیں کاتی وقت میں نے خطوط کے ذریعے شرکت بھی کی ہے پھر شادی ہو گئی اور یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ اب دوبارہ جوڑنے کا ارادہ ہے۔ عقیدہ حق نے بہت اچھے طریقے سے ایک اصلاحی افسانہ پڑھنے کا موقع دیا۔ صباح یوسف نے بھی جیسے سمندر کو کوزے میں بند کیا اور خامی کا مایاب بھی رہیں۔ بہت خوب، صائمہ اکرم نے یوں تو کسی خاص موضوع پر بات نہیں کی مگر چونکہ ہمیشہ سے ان کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ قاری یوں نہیں ہوتا۔ اس لیے ناول اچھا ہوا اور ادوار اور جی شریں حیدر نے تو جیسے گولڈ میڈل حاصل کر لیا اس شارے کا۔ وہ کہتے ہیں ناں کہ کینگ لگے پتھری اور رنگ بھی چمکا آئے۔ سچ مزہ آ گیا۔ بے حد شاندار شوکت رانا الطاف کے بارے میں کیا کہیں..... سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ آپ اپنی آپ یقین کریں گی کہ ان کی کہانی پوری سچائی کے ساتھ تقریباً ساٹھ فیصد میری زندگی جیسی ہے۔ میں آج شادی کے چار سال بعد اپنی اماں جی کے گھر واپس آ گئی ہوں۔ میرے تین بیٹے جو جنم، دو سال کے ہیں اور چھوٹی بیٹی محض پانچ ماہ کی ہے۔ وہ وہاں اپنے دادا دادی کے پاس ہیں اور بقول ان کے وہ ان کے بچے ہیں۔ میرے پاس نہیں رہ سکتے اور میرے گھر ٹوٹنے کی وجہ بھی یہ سب کچھ ہی ہے اور بے شک وہ ذات برحق بھی اپنے ہندوں کو تنہا نہیں چھوڑتی۔ میں بھی اس پاک ذات کی طرف سے ناامید ہرگز نہیں ہوں۔ آپ سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ رفعت سراج سے مل کر اچھا لگا اور یقیناً بہت کچھ کہنے کو ملا اور ہاں عیسیرہ احمد کو بھی وہ آئے بزم میں لائیں۔ جلتی رنگ میں کم تر نہ مزہ دیا۔ باقی سلسلے بھی مناسب ہیں۔“ (پسندیدگی کا شعر یہ آپ کے لیے دعا گو ہیں)

بھ یا مبین کنول راجپوت، پسرور سے۔ ”سب سے پہلے تو عکس کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ عکس کی آخری قسط رات دیر تک جاگ کر پڑھی۔ بہت مزہ آیا کہانی مختلف، حیران کن اور خوب صورت مراحل سے گزر کر بہت ہی اچھے انجام کو پہنچی۔ عیسیرہ احمد مبارک باد کی حق ہیں اور پاکیزہ بھی جنہوں نے اسے شائع کیا۔ دوسری مبارک باد یا مبین نشاط اختر کو بیٹے کی پیدائش پر ہے۔ دیر آید درست آید اللہ تعالیٰ نے گیارہ سال بعد انہیں اولاد دینے سے نوازا بڑی خوش ہوئی۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے، بہت مبارک!۔ اللہ تعالیٰ تو مولود کو رحمت و سلامتی کے ساتھ ہر خضر عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ صائمہ اکرم کی پہلی بارش اچھی رہی۔ قیصرہ حیات کہیں دیکھ جلتی رنگ میں بہت کچھ کہیں۔ جلتی رنگ اچھا لگا۔ خارزار عشق پسند آئی۔ بہنوں کی محفل میں جگہ دینے کا شکریہ۔ وہ آئے بزم میں رفعت سراج صاحبہ کا انٹرویو پڑھ کر دل میں مسرت ہوئی اور مزہ بھی آیا۔ ان سے اتنی اچھی ملاقات کر دینے کا شکریہ۔ اس سال کا آخری شمارہ یعنی دسمبر 2012ء کا پاکیزہ بے حد اچھا لگا۔ سرور ق کی ماڈل لگتا ہے نئے سال کو آتا دیکھ کر کچھ سوچ رہی ہے۔ پیشگی مبارک باد۔ اللہ کرے نیا سال تمام انسانیت کے لیے امن اور خیر کا سال ہو۔ ہمارے نیک ارادوں کی تکمیل کا سال بھی ہو۔“ (آمین، ثم آمین)

بھ فہر النساء، ہنگ کانگ سے۔ ”پہلی مرتبہ آپ کو خط لکھ رہی ہوں۔ امید ہے کہ آپ ضرور حوصلہ افزائی کریں گی۔ پاکیزہ مجھے بہت ہی پسند ہے۔ باجی میں پاکیزہ کا ہر ماہ شدت سے انتظار کرتی ہوں۔ یہاں ہنگ کانگ میں پاکیزہ جس پاکستانی شاپ سے دستیاب ہے وہ ہمارے گھر سے کافی فاصلے پر ہے۔ باجی سب سے پہلے میں اپنی پسندیدہ قسط عکس کا ذکر کر دوں گی۔ عیسیرہ احمد کو

ہو سکتی ہے۔ آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ فی الحال میں اختر شماری کے بجائے کار اور موٹر بوٹ شماری کر رہی ہوں۔ دعا ہے کہ اپنے ملک میں امن، خوش حالی، سکون اور اللہ تعالیٰ کی لازوال رحمتوں کے طفیل بے شمار نعمتوں کی بارش ہو، آمین۔ ترقی یافتہ قوموں کی خوشحالی کا راز ہی دیانت، محنت میں ہے مفت خوری اور ہڈ خرازی میں نہیں۔ اللہ ہماری نسلوں کو شادیاں و کامرانی دے جو ملک و قوم کا نام روشن کریں۔“ (پس یہی کہہ سکتی ہوں کہ اللہ سب کو اپنی امان میں رکھے)

بھ امیس جبار خان، آزاد کشمیر سے۔ ”انسان اپنے بچپن میں جو کچھ سیکھتا ہے وہ اس کے دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے پھر وہ ساری عمر اسے خاموش نہیں کر سکتا۔ میں نے جب شعور کی منزل پر قدم رکھا تو پاکیزہ کو اپنے آس پاس پایا۔ پہلے پہل اس کا خوب صورت سرورق توجہ کا باعث بنا لیکن اب پاکیزہ کی مستقل قاری ہوں۔ میری خالہ طولی عرصے سے پاکیزہ کی خاموش قاری ہیں۔ شاید جب سے اس کا پہلا پرچہ شائع ہوا تھا۔ پاکیزہ اپنے نام کی طرح پاکیزہ ہے۔ ایسی باتیں جو ہمارے بڑے ہمیں نہیں سمجھا سکتے، وہ اتنی عمدگی سے ہمارے ذہن نشین کر دیتی ہیں کہ پتا ہی نہیں چلتا۔ یہ یقیناً آپ کی شانہ روز محنت کا نتیجہ ہے کہ پاکیزہ روز بروز پاکیزہ تر ہوتا جا رہا ہے۔ انتم آئی، ہمارا آپ سے ایک مضبوط قلبی تعلق بن گیا ہے۔ اللہ آپ کو اور تمام مصنفین کو خوش و خرم سلامت رکھے تاکہ آپ یونہی تمام لڑکیوں کی تربیت کا فریضہ انجام دیتی رہیں۔ میرا پہلا خط ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ شائع ہوئے ہو لیکن آپ اسے پڑھیں کی ضرور۔“ (گڑیا! اس محفل میں خوش آمدید۔ آپ باقاعدگی سے تبصرہ کریں اور مراسلات بھی بھیجیں، حوصلہ افزائی لازمی ہوگی)

بھ رضوانہ بدر، بہاول پور سے۔ ”حیران پریشان ہونا چھوڑیں اور ہمیشہ کی طرح گلے گلے جائیں۔ ساری خطائیں معاف کر دیں، مسکرائیں پلیز۔ آپ کی اپنی بہت پیاری رضوانہ بدر آپ کی خدمت میں حاضر سلام قبول کیجیے۔ آئندہ غیر حاضر نہیں ہوں گی۔ دراصل باجی کیا بتاؤں..... دل و صوفی تا ہی رہا ہر قسم کے رات دن۔ زندگی اتنی مصروف رہی کہ دن کا بوش تھانہ رات کا۔ ایک دن سوچا یا یہ کوئی زندگی ہے کہ اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے لہذا دو جاہ میں سے ایک کا انتخاب کر لیا۔ اب جناب ہم ہوں گے، پاکیزہ ہوگا، فی وی کے ڈرائے ہوں گے بھولی ہوئی سہیلیاں ہوں گی۔ شاعرہ رضوانہ بدر کو کئی زندگی دی جائے گی اور جناب رقص میں سارا جنگل ہوگا۔“ (گڑیا! جرم آؤ اور چھاجاؤ۔ ہاں اب غائب مت ہوجانا)

بھ سمیرا امجد، صادق آباد سے۔ ”شریں حیدر کی کہانی سب سے زیادہ اچھی لگی۔ پاکیزہ ڈائری اچھی لگی۔ عکس اپنی مجھے مت بھلایا کریں۔ جلتی رنگ اچھا لگا۔ امینہ عندلیب، سلوانوالی آپ کی صحت یابی کے لیے دعا کر رہی ہوں۔ معراج انکس کے لیے دعا مانگ رہی ہوں۔ آج کل میں روزے رکھ رہی ہوں۔ عکس کی آخری قسط پسند آئی۔ میری مبارک باد پہنچا دیں اور ان سے کہیں ایک مرتبہ اپنی تصویر پاکیزہ میں ضرور دیں۔“ (آپ کی رائے پہنچانی جاری ہے)

✉ ایک بہن، پنجاب سے۔ آپ نے فون پر مجھ سے دل کی بندشیں یابیں کھولنے کا نسخہ شائع کرنے کو کہا تھا۔ روحانی مشورے کا کام چا چکا ہے۔ اس لیے میں آپ کو اسی محفل میں بتا رہی ہوں کہ صبح نہار منہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اول گیارہ مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں۔ اس کے بعد 41 مرتبہ سورہ فاتحہ، ایک سو پندرہ مرتبہ یا سلام پڑھیں آخر میں گیارہ مرتبہ درود ابراہیمی پڑھیں۔ دو دیکھی گلاب دھو کر ان میں ایک چھوٹی الائچی اور چار دانے سیاہ مرچ کے ڈال کر دم کریں اور پانی کی طرح چلائیں۔ پورے چالیس دن کرنے کے بعد میٹ کر والیں۔ انشاء اللہ دل کی بندشیں یابیں کھل جائیں گی۔ آپ ریشم کے پیسے کسی غریب یا یتیم کو دے دیں اور شکرانے کے نفل پڑھنا اپنا معمول بنالیں۔ ہمارے بے شمار قارئین اس نسخے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں جس میں ڈاکٹر بھی شامل ہیں۔ اپنی دعاؤں میں اپنی باجی کو یاد رکھیں، آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔

✉ مسز وقار، پنجاب۔ مسز احسن، کراچی۔ مسز امینہ احسن، لاہور سے۔ آپ سب نے نام تو ان کا مطلب پوچھا ہے جو عیسیرہ احمد نے اپنے ناول میں استعمال کیا ہے۔ پیاری بہنوں اس نام کا مطلب عیسیرہ احمد ہی بتا میں گی۔

بھ ناز گل ایبو، حیدر آباد سے۔ ”میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ میں ایک خاموش قاری ہوں پاکیزہ کی کیونکہ کافی عرصے تک میرا تبصرہ باقاعدگی سے پاکیزہ کی زینت بنتا رہا ہے۔ ہاں یہ اور بات کہ کچھ عرصے سے میں نے لکھنا بند کر دیا تھا جس کی وجہ کچھ گھریلو معاملات تھے۔ اس عرصے میں ٹیپنگ کے شعبے سے منسلک ہو گئی اور کافی عرصے تک اس باعث پیشے سے وابستہ رہنے کے بعد آج الحمد للہ میرا اپنا اسکول ہے۔ پاکیزہ ہر ماہ ہمارے گھر آتا ہے اور میں اسی شوق سے پڑھتی ہوں جس شوق سے شادی سے پہلے پڑھتی تھی۔ سوچا اس ماہ کے پاکیزہ کے بارے میں کچھ تبصرہ بھی ہو جائے۔ اگر میرا تبصرہ بے لاگ ہو جائے تو معذرت! ادھر

✍️ عذرا کنول، ڈی جی خان سے۔ اللہ کا شکر کرتے مجھ سے رابطہ کیا۔ میں تمہارے دیے گئے ایڈریس پر تم سے براہ راست رابطہ کر رہی ہوں۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

✍️ ڈاکٹر شگفتہ قیصر، کراچی۔ اس محفل میں خوش آمدید۔ پیاری بہن، ہر ایک کی پسند ناپسند مختلف ہوتی ہے۔ کسی کو کچھ پسند آتا ہے کسی کو کچھ..... آپ کے خط لکھنے کا بے حد شکر ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمیں خط لکھتی رہیں گی۔ ہاں آپ کی شکایات ہم نے نوٹ کر لیں۔

✍️ ستارہ شیخ، سندھ سے۔ قاری بہنوں سے مشورہ مانگ رہی ہیں کہ پوٹس کے مطابق ان کا پورک ایسڈ بڑھ گیا ہے جو کہ (6-2) آیا ہے، اس ضمن میں ہماری بہنیں انہیں کوئی آزمودہ مشورے دینے چاہیں تو بڑے پائیزہ دے سکتی ہیں کہ وہ کھانے پینے میں کیا احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔ وہ ان دنوں خاصی پریشان ہیں۔ (توجہ دیں)

✍️ سیدہ فرزانہ بخاری، لاہور سے۔ تمہاری جانب سے خصوصی مبارک بادناہید سلطانہ اختر، قیصرہ حیات اور غزالہ رشید کو پہنچا رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے آمین اور میرے قارئین ہمیشہ تمہارے لیے دعا گو رہیں گے۔

✍️ دی احمد، الگ۔ گڑیا سنی ہو، تمہارا اداس سا مختصر سا خط پڑھ کر پریشان ہو گئی ہوں۔ اللہ تمہیں اپنی عافیت میں رکھے۔ آمین۔

✍️ سحر جاوید، جگہ نامعلوم۔ آپ کی ای میل ملی حوصلہ افزائی ضرور ہوگی۔ ہمارے ہاں موصول ہونے والی تمام تحریریں پڑھی جاتی ہیں۔

✍️ ثوبیہ علی، نامعلوم مقام۔ ابھی آپ کا افسانہ پڑھا نہیں گیا۔ پڑھنے کے بعد رائے دے سکوں گی۔

✍️ صائمہ قیصر باغی، راول پنڈی سے۔ ”یوں تو پائیزہ کے تمام سلسلے تمام کہانیاں بہت پسند ہیں مگر کبھی کبھی جو انٹرویوز لگ جاتے ہیں وہ بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔ یہاں پائیزہ دیر سے ملا اس لیے ابھی کہانیاں پوری نہیں پڑھ بائی ہاں اپنی پیاری رائے رفعت سراج کا انٹرویو پڑھا بہت اچھا لکھا ہے ایک تو عمر بعد زہت اصغر کی تحریر نظر آئی دوسرے انٹرویوز میں پسند اور نا پسند پر بھی نہیں تھا بلکہ معلوماتی اور..... اور بہت کچھ سکھانے والی باتیں تھیں۔ اس کے لیے پائیزہ کو مبارک باد۔ امید ہے آئندہ بھی رائے کے انٹرویو ایسی طرح آتے رہیں گے۔“ (شکریہ)

✍️ زہرا پروین، میرپور خاص سے۔ ”سب سے پہلے آپ کا شکر ہے کہ میرے بارے میں خبر شائع کی۔ میری پائیزہ سے بہت برائی دانستی ہے اس لیے اس کا ایک ایک حرف میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ عمیرہ احمد کے انٹرویو کا انتظار ہے۔ دیگر تمام رائے رفعت سراج کی تحریریں بھی پسند آئیں اب رفعت سراج کے ناول کا شدت سے انتظار ہے۔ وہ آئے بزم میں اچھا سلسلہ ہے۔ اس میں رفعت سراج کا بہت بھرپور انٹرویو شائع ہوا۔ ان کی باتیں اور زہت کے سوال پڑھ کر بہت لطف آیا۔ آپ نے کافی کچھ پوچھا اتنی بڑی اور کہنہ مشق رائے کا اتنا ہی سنجیدہ انٹرویو ہونا چاہیے تھا۔ اس کے لیے زہت اصغر کو مبارک باد..... شوکت رانا الطاف کی تحریر ایک عرصے بعد پڑھنے کو ملی۔ اس کا قاری کی تحریر موجودہ حالات کی غماز ہے۔ کچھ نئے نام بھی نظر آئے۔“ (تبرکے کا شکر ہے)

✍️ ارم احتشام، ملتان سے۔ ”ناہید سلطانہ آپ کا ناول بہت زبردست جارہا ہے لیکن ایک بات میں انہیں مٹانا چاہا رہی تھی کہ اب پاک فوج کے لفٹننٹ انچیف خاصی تنخواہ لے رہے ہیں۔ کچھ یہی بیٹنا تیس سے پچاس ہزار تک۔ اس لیے اب انہیں میں سے دو وقت کھانے کی ضرورت نہیں۔ شوکت رانا آپ نے بھی لکھا لیکن شاید اس کہانی کو کچی کہانیاں یا سرگزشت میں شائع ہونا چاہیے تھا اور یہ بھی وقت اور حالات کے ساتھ کہانیوں میں بھی فرق لانا چاہیے۔ اس کا قاری کی تحریر زبردست تھی۔ کراچی کے حالات کے تناظر میں پڑھ کر ایسے کئی خاندانوں کا دکھانہ ہی دکھ محسوس ہوا۔ صائمہ اکرم کے ٹھنڈے موسم سے بھر پور کٹے ٹھٹھے ناول نے مزہ دیا۔ جیش کا پیالہ بھی اچھی تحریر تھی لیکن کچھ اور ہو گئی کہ کچھ زیادہ ہو گیا۔ اپنے بڑھاپے کا سوچ کر خوف

خراج تحسین اتنی بہترین کہانی لکھنے پر۔ اللہ تعالیٰ عمیرہ احمد کو ہمت دے۔ عطیہ عمر کا صراط مستقیم بھی سبق آموز ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت نہیں غلط نیت پسند ہے۔ قیصرہ حیات کا ناول کتب دپ چلے گئے ہیں دل اپنی روانیوں کے ساتھ جاری ہے۔ سارہ کی گزرا بغیر رشیدی کی تحریر نے گڑا دیا۔ ماڈل کوڈتے دار ہونا چاہیے۔ باجی آپ کا تازوں ہانگ ہانگ میں بارہ سال سے کم عمر بچوں کی غفلت سے ہم ہو جائے یا ماں باپ کھر میں اکیلا چھوڑ دیں..... خدا خواستہ کھر میں حادثہ ہوتا ہاں باپ کو مڑا ہوا جاتی ہے۔ خواب، حقیقت اور سرباب ڈیکہ ٹیلی کی بہترین تحریر ہے۔ ہمارے پاکستانی معاشرے کے لیے سبق آموز کہانی۔ باجی میری سبکی انداز بھی لندن میں ہوتی ہے۔ بالکل سبکی کہانی ہے۔ انداز ایس سی ہے جس کا اس کا شوہر گھٹا اور کام چور ہے۔ میرا دل سبکی کے حالات پر خون کے آنسو روتا ہے حالانکہ اس کے خاندان میں سب لڑکے ماشاء اللہ کیپٹن، میجر، ریک کے تھے لیکن اس کی امی نے انگلیڈ میں مقیم لڑکے کا نرس کر رہے رہے۔ باجی آپ میری سبکی کے لیے ضرور دعا کریں۔ تحسین اختر کی عمیرہ قرآن پڑھ کر دل خون کے آنسو روایا۔ آج کے دور میں مسلمان ہر جگہ ذلیل ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ حقوق العباد سے غفلت ہے۔ ہم جھوٹی نمود و نمائش کے پیچھے لگے ہیں۔ عمیرہ قرآن کے گوشت کے اصل حقیقت ہی ہمارے نادار مسلمان بہن بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ مایہ ناز مصنفہ ناہید سلطانہ اختر کا شاہکار ناول زندگی بہترین جارہا ہے۔ اللہ کے اویس انصاری اور تقدیم کی شادی ہو جائے۔ مڈر جیسے لوگ قابل رحم ہیں جو اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں ڈرتے اور کسی کی بنی کی زندگی خراب کرتے ہیں۔ یہ کہانی بچوں کے لیے سبق آموز ہے۔ قیامت سی قیامت نادیدہ جہانگیر کی بہترین تحریر تھی۔ ہمیں احتجاج کرنا چاہیے لیکن پرامن طریقے سے تاکہ ہزاروں مریض بروقت اسپتال پہنچیں اور ان کی جان بچ سکے۔ ام مریض کی تحریر تھی۔ ہمیں احتجاج کرنا چاہیے کہ نام زد یا بے انا کا سفر کی بالکل سبکی نہیں آئی۔ بالکل بے جان اور نا پختہ ذہن کی تحریر تھی۔ کہانی کا کوئی معیار نہیں تھا۔ ام مریض میری باتوں کا براہ راست ماننے گا۔ پائیزہ نو جوان بچیاں بھی پڑھتی ہیں۔ آپ اپنی کہانی میں کیا پیغام دینا چاہتی ہیں؟ شادی گندی گڈے کا ٹھیل نہیں ہوتا۔ پچاس گھنٹہ انگلی کی بہترین تحریر تھی۔ ہمارے معاشرے میں سسرال والے خود جو مرضی کریں بہوؤں پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہیں۔ جلیزنگ پڑھ کر بہت مزہ آیا۔“ پیاری بہن قمر اس محفل میں خوش آمدید۔ بھرپور تبرکے کا شکر ہے)

✍️ ڈاکٹر کنول ستار، جام شورو سے۔ ”عمیرہ احمد کا پورا ناول بہت اچھا تھا۔ ایک فاصلہ مسلسل ایک رابطہ مسلسل، منبزل بلاک کیسے لگاتے جاتے ہیں یہ سیکھا۔ زندگی میں ایک لڑکی ہو کر اپنی لڑکی ہونے کے وصف کو برقرار رکھتے ہوئے بھی آپ آگے جا سکتے ہیں۔ آپ لڑکتے ہیں آپ زندگی جی سکتے ہیں یہ سیکھا خیر دین کا بیانیہ اور فارمولہ شائد تھا۔ ایک جیسے لوگ میں نے اپنی یونیورسٹی میں بہت دیکھے ہیں۔ سب سے اچھا سین وہ تھا جب عکس شیردل اور شہر بانو کے گھر آتی ہے اور اس نے بلیک سوٹ کے ساتھ ریلڈ اسٹاک لگائی ہوتی ہے اور شیردل کا ٹشو پیروہہ خاص طور پر طے سے اپنے والٹ میں رکھتی اور پھر گھر جا کر دیکھتی ہے۔ اس سے زیادہ خوب صورت کوئی محبت کوڈ فیضان نہیں کر سکتا۔ سب سے اچھا ڈائلاگ جو مجھے لگا کہ میں اس کے لیے روٹی بھی پر اسے پانے کی خواہش نہیں تھی میری بھی۔ سب سے تفریحی سین چوہوں والا تھا۔ سب سے اچھا لمحہ وہ تھا جب خیر دین، عکس کے اسی گھر آتا ہے اور اسے پتا نہیں ہوتا کہ یہاں عکس پوٹ ہے۔ اسے اک لمحے میں سمجھ میں آ گیا تھا کہ عکس وہاں کس حیثیت سے کھڑی تھی۔ سب سے قابل تعریف چیز وہ تھی جب عکس اپنے گلیکوز کے ساتھ دل کی دکان پر آتی ہے اور خیر دین جانے لگتا ہے اور وہ اسے نانا کہہ کر بلاتی ہے۔ ایک لڑکی کی نفاس سب کی ریڑھی پر نظر آتی ہے۔ ایک چیز جو مجھے عکس کے بعد نظر آنے لگی تھی اپنے آپ میں وہ نمایاں کارل ہو گئی۔ وہ اور بات ہے کہ اس کے بعد میں نے زیادہ کارل گئے بہت شروع کر دیے ہیں۔ اس ناول میں کیا تھیں تھا۔ محبت اور انتہا کو چھوٹی محبت، مجرہ، جدوجہد، صبر، مجھداری، طبقاتی تفریق، غصے میں کیے جانے والے فیصلے، بچھتاوے، غرور، تقدیر کا وار، شکر کا پھل۔ خیر دین ایک اچھا اور بہترین کریکٹر تھا مگر پھر بھی عکس آل ٹائم فیورٹ رہی۔ شیردل شاید ہیرو نہیں تھا۔ شاید اسی لیے ہر شوہر نظر نہیں آتی اور شہر بانو کے پاس خوب صورتی کے علاوہ کچھ نہیں تھا اور صرف خوب صورتی کچھ نہیں ہوتی۔ شیردل سے زیادہ مجھے غنی انصاری پسند تھا۔ عکس کی دوستی غنی انصاری سے قابل رشک رہی۔ صبح و آندھانہ ہوتا تو بہت تفصیلی تبصرہ لکھتی۔ ڈیو ساری دعائیں۔“ (آپ کی محبت رائے سننے کے بعد عمیرہ احمد نے آپ کا شکر یہ ادا کیا ہے)

✍️ سیما یاسمین، کراچی سے۔ ”ہم نے رفعت سراج کی بے شمار تحریریں پڑھی ہیں اور ان سے مل چکی ہیں مگر ان کا طویل ترین انٹرویو بے حد روکھا پھیکا سا لگا۔ وہ تو ان کے جوابات، اس قدر سنجیدگی اور فلسفہ لیے ہوئے تھے کہ بڑی حیرت ہوئی۔“ (سیما جی! بعض مرتبہ سنجیدگی سے بات کرنے کو کبھی تولد چاہتا ہے)

عزیز قارئین عمیرہ احمد کے ناول کے بارے میں آپ لوگوں کے خطوط مسلسل موصول ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ فروری کے شمارے میں عمیرہ احمد آپ سے سیر حاصل گفتگو کریں گی اس سلسلے میں اپنی شرکت یقینی بنانے کے لیے جلد سے جلد اپنی آرا بھیج دیں۔

تھریگی بھر پور مکمل..... جھٹک پیر عمرہ جی۔ قیصرہ جی دیپ تو بہت اچھے جلائے تھے لیکن اب لگتا ہے کہ باری دل جلنے کی ہے۔ اور تو قیر صاحب کے دل سے بھی دھواں نکلتا شروع ہو گیا ہے۔ دوسری طرف ردا بھی جلنے کی تیاری میں لگی ہے اور شیلہ صاحبہ نے تو آتے ہی ساس، دیور کا دل جلانا شروع کر دیا ہے یا اللہ شملہ کو عقل دینا، اچھی تحریر ہے۔ اساقادری کی تحریر بہت پر لطف رہی خاص طور پر اپنا اور عادل کی نوک جھونک کافی مزیدار تھی۔ شیریں حیدر کا بیارامونی بظاہر تو لگا کہ عامی کہانی ہوئی لیکن طوٹنے کی بولی اسے خاص بنائی اور اللہ بجائے ایسے سر سے جو قرآن گو دہیں رکھ کر جھوٹ بول رہا تھا سب تعلیم کی کمی ہے قیامت کے دن اللہ کے سامنے جھوٹ کا پردہ کھلنے پر شرم نہیں آئے گی۔ تو یہ تو یہ، استغفر اللہ من ذلک۔ ناہید سلطانہ اختر کی زندگی تو اب سانس روک کر پڑھتے ہیں۔ ہر ہر ایک سے بڑھ کر ایک کے مصداق پر لطف ہوتا ہے۔ بہت مزے کی ہو گئی ہے زندگی لیکن جواب کے لیے پریشانی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جی اس کی حفاظت فرما نا الطاف سے رفعت سراج کا انٹرویو پسند آیا۔“ (عکس یہ)

کچھ لکھتی آرا، کراچی سے۔ ”ہماری طرف سے عمرہ اور پاکیزہ کی تمام ٹیم کو دی مبارک باد۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ اور اب باری بھی عقلیت کی مجھے منظور ہے جو ایک نافرمان اولاد کے لیے سبق آموز عبرت کا نشان تھی۔ صباح یوسف کی جیتل کا پیالہ حقیقت کو چھوٹی ایک منفرد اور متاثر کن تحریر تھی جسے پڑھ کر مکافات عمل سے خوف آئے لگا اور اب باری بھی اپنی پسندیدہ رائٹر شیریں حیدر کی تحریر۔ میرا بیارامونی کی جو میرے خیال میں اس ماہ کی سب سے خوب صورت اور اچھوتی منفردی تحریر تھی جسے پڑھ کر مزہ آگیا اور مونی کی یہ خوب صورت روداد اور تحریر سب کو سنانے کو دل چاہنے لگا۔ شیخ خاتم کی خازن ابرحق بس سوسو رہی کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑی اور اب باری... وہ آئے بزم میں ملاقات رفعت سراج سے ملنے کی جن کی خوب صورت تحریروں نے عوام میں تہلکہ مچایا ہوا ہے رفعت کی باتیں اور ان کے بارے میں پڑھ کر مزہ آیا سوائے ایک بات کے کہ جس سے مجھے ان سے اختلاف ہے وہ یہ کہ عورت کی خاطر اصول و وقار بھلا دینے والے مرد انہیں زہر لگتے ہیں۔ سروے میں حسینہ معین اور نیلوفر عباسی کے بارے میں 2012ء کا میاں کی سافر اور دیگر خواتین کے بارے میں پڑھ کر مزہ آیا۔“ (عکس یہ)

کچھ فیصلہ آصف خان، ملتان سے۔ ”عمرہ احمد کے عکس کی آخری قسط میں گویا سمندر کو کوڑے میں بند کر دیا گیا۔ تمام کردار خصوصاً چڑیانے اپنے نرم دل اور رحم و کرم پر مبنی جذبات کو کچ رنگ دیا۔ زندگی میں ہر طرح کے انسانوں سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ تنہم کی قسمت پر دکھ بھی ہوتا ہے اور حجاب کے مردانہ وار حوصلے کی داد دینی بھی پڑتی ہے۔ الطاف کو ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے حجاب کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اب مسئلہ نا کا پیدا ہو گیا ہے۔ کہیں دیپ جٹ کہیں دل بھی قیصرہ اچھے انداز میں آگے بڑھا رہی ہیں اصل تماشے تو تب شروع ہوں گے جب شملہ کا دلہنا پاترے گا۔ عقلیت پسند واقعی ماؤں کو بہت اچھے طریقے سے سبق دیا۔ فیصلہ کی صلیب نے بہت افسردہ کیا۔ گھنڈو زعم انسان کے گھر اجاڑ دیتا ہے۔ اس تحریر سے بڑھ کر اور کیا جھوٹ ہوگا۔ اللہ پاک بری گھڑی سے بجائے، آئین۔ جیتل کا پیالہ مکافات عمل کی روشن دلیل ہے۔ صائمہ اکرم کی پہلی بارش نے لطف کی پھوار میں بھگو ڈالا۔ نا بھی میں کیے گئے غلط فیصلے نے ماہر کو کائناتوں پر لا کھڑا کیا۔ شیریں حیدر نے بہت دلچسپ انداز میں ثبوت پیش کیا۔ شوکت رانا الطاف نے بہت عرصے بعد پاکیزہ کی رونق بڑھائی۔ مجھے رنگ دے خالفتا معاشرتی تحریر تھی۔ شیخ خاتم کی خازن ابرحق بھی انہونی تحریر تھی۔ صد شکر یہاں کوئی خود غرض نہ تھا کہ بھی تو درست انداز میں۔ اس بار تمام تجاریر ایک سے بڑھ کر ایک لگیں۔ رفعت سراج میری پسندیدہ لکھاری ہیں۔ ان کا تفصیلی حال اور منفرد باتیں جی جان سے پسند آئیں، ہر کام محنت و لگن مانگتا ہے۔“ (پسندیدگی کا شکریہ)

ملو عزیز قارئین کرام! تقریبی سال کا دوسرا مہینہ صفر شروع ہو چکا ہے۔ اس ماہ استغفار اور تیر اکلمہ کثرت سے پڑھیں اور صدقات بڑھادیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر و عافیت کے ساتھ رکھے، آمین۔ آئیے اس محفل کے اختتام پر سب ساتھ مل کر دعا مانگتے ہیں۔ یا ارحم الراحمین میرے جسم کو شفا، میرے دل کو اپنی ذات کا یقین کامل اور آنکھوں کو نور بصیرت عطا فرما اور جب تک زندہ رہوں اپنے ذکر کو شیخ شامیری زبان پر جاری فرما دے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے اور تو مجھ سے راضی رہے، آمین..... ختم آمین۔

یاجبیب یاجبیب یاجبیب

دعا گو
آپ کی اپنی باجی
انجم انصار

ضرور آیا اور سب سے مزے کی چیز رفعت سراج کا انٹرویو۔ رفعت میری پسندیدہ ترین رائٹر میں سر فرہست ہیں۔ ان کی ہر کتاب مجھے حفظ ہے اور میری لائبریری میں موجود بھی ہے لیکن ایک شکایت نہ ہوتی ہے انہوں نے انٹرویو کا حق ادا نہیں کیا۔ کچھ عقلی سی محسوس ہوتی رہی۔ سوالات اس سے بہتر طریقے سے بھی کیے جاسکتے تھے بہت ہی فلسفیانہ انداز تھا۔ جلتزنگ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ وارداتیں پڑھ کر تو ڈر سا لگ رہا ہے کسی بھی تقریب میں جاتے ہوئے۔ ویسے بھی کھانا کم پڑ جائے تو اب ہم گھر میں اس طریقے کو آزما کے دیکھیں گے، بابا! کتھر میں بھی بڑا ہی اچھا پیغام چھپا ہوا تھا۔ قیصرہ حیات بھی اشارتوں تو بڑا اچھا تھی ہیں اور پھر غیر ضروری طوالت کا شکار ہو چالی ہیں جو یوریت پیدا کرتا ہے۔ میرے خیال سے تو کسی بھی ناول کی سات سے آٹھ زیادہ اقساط نہ ہوں تو بہتر ہے۔ باقی قارئین سے بھی رائے لیں۔“ (تھیرے کا شکریہ)

کچھ عمیرہ وکیم، گوجرانوالہ سے۔ ”خیر دین کا کردار مجھے عکس ناول نے اپنی اچھی ڈی کر رکھی تھی اور نہ ہی کسی تعلیمی ادارے سے کوئی شقیٹ۔ ہاں مجھے اس میں سے تھوڑی تھوڑی اشفاق احمد کی خوشبو آئی۔ میرے خیال میں خیر دین اس ناول کی جان ہے۔ زندگی کے اسرار و رموز بے ہمیں اور اپنی نواسی کو روشناس کروانے والی ہے۔ عتی غائبہ عمرہ نے کسی کو ذہن میں رکھ کر ہی تخلیق کی تھی۔ میں برملا کہوں گی جیڑ کا مل کے بعد عمرہ کی یہ بیٹہ تحریر ہے گو کہ زندگی گزار ہے سے لے کر عکس تک میں نے ہمیشہ عمرہ کی ہر تحریر پڑھی ہے مگر بہت نہیں کر پائی کہ عمرہ کی کسی چیز کو طبعیت پیش کروں۔ خداوند کریم کے عطا کردہ وسیع ذہن کو مجر شش ہاتھوں کو جن سے یہ الفاظ رقم طراز کرتی ہیں یا پھر ان آنکھوں کو جن سے گز کر یہ تحریر ہم تک پہنچی۔ عمرہ احمد کو غالباً ایک عدد نظر کا چشمہ تو لگا ہی ہوگا۔ دماغ کا کام اتنی باریک بینی سے..... واہ واہ۔ غرض تعریف اس خدا کی جس نے عمرہ احمد کو بنایا۔ عمرہ ویسے آپس کی باتیں کیا آپ سافٹ اسپون ہیں؟ (ہاں ہیں) عکس کے ختم ہونے پر دل اداس ہے مگر رفعت سراج کے ناول کا پڑھ کر الگ خوشی ہوئی۔ مجھے ان کا طراز لا ہونی، کبھی نہیں بھول سکا۔ پاشا کا کردار ایک لازوال شاہکار تھا۔ خیر ان کی تحریر پر باریتھیر ناول پڑھنے کے بعد کروں گی۔“ (جی ضرور)

کچھ شائلہ سہیل جاوید، کراچی سے۔ ”عمرہ کو خدا نے وہ صلاحیتیں دی ہیں جو بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتی ہیں۔ خدا انہیں سلامت رکھے۔ اس دفعہ آخری قسط نے ہمیں عورت کا ایک بے مثالی روپ دکھایا۔ سونکوں کا یہ روپ، شیر دل بڑا ہی خوش نصیب مرد تھا مگر عکس جیسا وسیع ظرف خدا کی کسی کو بھی ودیعت کرتا ہے۔ انسانوں کے روپ میں فرشتہ عکس اس معیار پر پوری اتری۔ میں ایک دفعہ پھر عمرہ کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ اساقادری کی فیصلے کی صلیب ایک بہترین کاوش تھی۔ مکافات عمل کا ایک نمونہ۔ ناہید سلطانہ نے زندگی میں زندگی کے ہر روپ سے ملوایا زندگی حقیقت میں ایک پہیلی ہے۔ ہماری عدالتوں کی بالکل صحیح منظر کشی کی۔ مرد جب اپنے اوچھے پن پر اترتا ہے تو ہر طرح سے نیچے کر جاتا ہے۔ خدا سب کو ان ذلتوں سے محفوظ رکھے، آمین۔ وہ آئے بزم میں نہبت اصغر نے تو کمال کر دیا۔ رفعت سراج ہر روپ میں شاندار، ہماری نقشہ خواہش نہبت نے پوری کر دی۔ اللہ رفعت کو یونہی اوج کمال عطا کرے۔ آپ کے بیٹے عمرہ کے ویسے میں روپ گاؤں میں رفعت سے ملاقات ہوئی۔ بہت شاندار اور با اخلاق خاتون ہیں۔ مسکراہٹ مسلسل ان کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئی تھی اور ایک مزے کی بات ہم جس ٹیبل پر بیٹھے تھے رفعت کے شوہر نامدار ہماری ٹیبل پر تھے۔ پاکیزہ میں تصویر دیکھ کر ہمیں یاد آیا تو جناب وہ بے چارے اپنے بچے کو لے کر واش روم گئے اور ابی گا گر کے حلوے کی پلیٹ ٹیبل پر چھوڑ گئے۔ میں اور بیٹی یہ سمجھیں کہ شاید یہ چلے گئے ہیں ویسے میں رش زیادہ تھا میں نے کہا کون حلوے کے لیے اٹھے ان کی پلیٹ میں حلوہ جوں کا توں تھا ہم نے کہا یہ ضائع ہو جائے گا ہم نے وہ پلیٹ اپنی طرف سرکائی۔ جب ہم کھا چکے تو وہ بے چارے ٹیبل پر تشریف لائے اور اُدھر نظر دوڑا رہے تھے کہ پلیٹ کہاں گئی۔ بے چارے شریف آدمی تھے۔ خاموشی سے صبر کر کے بیٹھ گئے اور ہم لوگوں کا قبضہ کس کر رہا حال..... بعد میں ہم نے ان سے معذرت کر لی۔ اگر اس وقت چاہتا کہ رفعت سراج صاحبہ کے شوہر نامدار ہیں تو کبھی اس پلیٹ کو اپنی طرف سرکانے کی حماقت نہ کرتے۔“ (بہت خوب)

کچھ قمر شمس الحق، جھنگ سے۔ ”عمرہ احمد کی تحریر عکس انتہائی شاندار کامیابی سے ہمکنار ہو کر انجام پذیر ہوئی حسب توقع ایڈ بھی شاندار تھا۔ عکس کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جیسا کہ اس نے کیا اور شہر پا کو کمزورید ذلت و دوسوانی سے بچا کر شہر دل کی چھاؤں میں بٹھا دینا صرف عکس کا حوصلہ ہی ہو سکتا ہے۔ ساری اقساط میں وہ خاص بھی اور خاص رہی۔ چڑیا، فاطمہ اور عکس ہر کردار میں ہی بے مثال اور قربانی کی جھلک تھی۔ عمرہ احمد نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا عکس کے ذریعے اور یہ ایک بہت شاندار

میری بیزاری کو بے وجہ گوارا کر لیں
راہیں برباد، منزل بھی ہے بے نام و نشان
کچی زیست کا بے شک وہ نظارہ کر لیں
کون ظالم تھا یہاں اور کس نے ظلم سہا
آکے خود ہی وہ کبھی روز اشارہ کر لیں
گفتگو خواب میں تفصیل نہیں ہو پائی
وہ میری آنکھ کا یہ سفر دوبارہ کر لیں
شاعرہ: صائمہ قصیر ہاشمی، راول پنڈی

کاش

ایک ناپید شخص کی نئی شادی ہوئی تو ان کی بیگم
نے کہا: ”کاش کہ آپ دیکھ سکتے اور میرے شہن کے
گن گاتے۔“
ناپید شخص نے سرد آہ بھر کر کہا: ”اگر تم اتنی حسین ہوتیں
تو یہ آنکھوں والے تمہیں میرے لیے چھوڑ دیتے کیا؟“
مرسلہ: پروین انضل شاہین، بہاول نگر

غزل

بکھر جاتی ہیں جب ہر طرف گلوں کی رعنائیاں
خزاں میں بھی نظر آتی ہیں بہاروں کی پرچھائیاں
تشنہ میں ڈھل جاتی ہے جب انساں کی وحشت
کس طرح موت چھین کر لے جاتی ہے زندگائیاں
راحت دل مل نہ سکی اسی کی سوگوار ہے
مسکراہٹوں میں بھی چھپی ہوئی ہیں اداسیاں
جانے کس شے کی طلب میں لگتی ہے زندگی
مغلسی میں لپٹی ہوئی ملتی ہیں پریشائیاں
اشکوں کی روانی میں نظر آتی ہے کیفیت دل
زندگی کو درد ہی دے جاتی ہیں ویرائیاں
احساس غم تو بھی مٹ نہیں سکتا جمال
تمنائیں اچھ جاتی ہیں تو بن جاتی ہیں ناکامیاں
شاعرہ: عثمانہ اختر جمال، امریکا

جدید شیطان کی نشانیاں

ہاتھ میں موبائل ہوگا

”جان اب تم سو جاؤ۔“ شوہر گھبرا کر بولا۔ ”یہاں اور
میں؟ اگر میں ساری رات یہاں گزار کر گھر پہنچا تو
میری بیوی مجھے کچا چبائے گی۔“
از: فرحت احمد، بن قاسم، کراچی

انٹرویو کارنر

نند پور کا موگی سے شرکت کرنے والی شازیہ
رباب تو آپ کو یاد ہی ہوں گی۔ بہت عرصے کے بعد
حاضر ہوں۔ پیاری بہنو! میرے نام سے کچھ سہیلیاں
تو واقف ہوں گی اور بہت ساری نئی دوستوں کے لیے
میرا تعارف حاضر ہے۔ میں پاکیزہ کی بے حد پرانی
قاری ہوں، تقریباً بیس سال سے پاکیزہ مستقل
میرے ساتھ ہے اور تقریباً اپنے پورے گاؤں کی
لڑکیوں کو پاکیزہ کا فین بنا چکی ہوں۔ شادی کے بعد
پاکیزہ سے بہت رہنمائی ملی۔ مسلسل کئی سال پاکیزہ
ایورڈ ورنر رہی ہوں۔ میرے ماشاء اللہ سے تین بیٹے
اور ایک لاڈلی سی بیٹی ہے۔ فخر، فیضان اور جاوید کے
بعد زینب نے آکر ہماری فیملی مکمل کر دی۔ بہنوں جیسی
سہیلیاں، سمعیہ، سمیرا اور فاخرہ کو آج بھی مس کرتی
ہوں اور گزری باتوں پر اکیلے میں ہنسی لیتی ہوں۔ گھر
داری میں بے حد مصروف ہوں۔ پاکیزہ کے سارے
سلسلے اچھے بے حد اچھے ہیں۔ اب اگر میں نے قلم
اٹھایا ہے تو اپنے بڑے بیٹے فخر کے بار بار ہمت
دلانے پر لکھنے کا عزم کیا ہے۔ اللہ کرے کہ آپنی مایوس
نہ کریں اور میں وقتاً فوقتاً لکھتی رہوں۔ دعا ہے کہ اللہ
تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین، اور
پاکیزہ ہم سب کے ساتھ یونہی شاد و باد رہے۔

مرسلہ: شازیہ رباب، نند پور کا موگی

ان کے نام

ان سے کہہ دو کہ ذرا اب وہ گزارہ کر لیں
ہم ابھی ٹھیک نہیں ہم سے کنارہ کر لیں
زندگی طرزِ مروت سے ہے آگاہی ہوئی



اوگی

نئے سال میں
دل کے
روگیوں کے
دکھ
کیوں
پرانے نہیں ہوتے؟

مرسلہ: نصیر آصف، ملتان

دینار کا غلام

محفل میں ایک کنجوس آدمی کا ذکر چھڑا ہوا تھا۔
سچی برکی بھی محفل میں موجود تھے۔ کسی نے کنجوس پر
اعتراض کرتے ہوئے کہا: ”وہ لاکھوں دینار کا مالک
ہے لیکن اس میں سے ایک دینار بھی خرچ نہیں
کر سکتا۔“ سچی برکی نے ہنستے ہوئے کہا: ”اگر وہ اپنے
لاکھوں دیناروں میں سے ایک دینار بھی خرچ نہیں
کر سکتا تو وہ ان دیناروں کا مالک کہاں ہوا، اس کی
کنجوسی کی وجہ سے اب دینار اس کے مالک ہیں اور وہ
شخص دیناروں کا غلام ہے۔“

مرسلہ: سامعہ تبسم، ملتان

محبت کا حربہ

ایک عورت نے اپنے شرابی شوہر کو سدھارنے
کے لیے ڈانٹ پھکار اور لڑائی جھگڑے کا طریقہ چھوڑ
کر محبت کا حربہ آزمانے کی کٹھانی۔ رات گئے جب اس
کا شوہر نشتے میں دھت گھر آیا تو اس نے مسکرا کر اس کا
استقبال کیا۔ اس کے جوتے موزے اتارے۔ اسے
کھانا کھلایا۔ آرام سے بستر پر لٹایا۔ اس سے پیار
بھری باتیں کرنے لگی۔ پھر اس نے شوہر سے کہا۔

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ افق سعید

نعت رسول مقبول ﷺ

حضور آپ ﷺ سا پیدا ہوا نہ ہوگا کوئی
افق کے پار یہ نعمہ بنا رہا ہے کوئی
دھڑک دھڑک کے مراد لیے کہہ رہا ہے کہ سن
حضور پاک کا روضہ دکھا رہا ہے کوئی
فضا یہ کیسی معطر ہوئی مرے گھر کی
فلک یہ کہتا ہے نزدیک آ رہا ہے کوئی
در حبیب ﷺ پہ جانا میرا مقدر ہے
زہے نصیب یہ مژدہ بنا رہا ہے کوئی
در حبیب پہ جاؤں تو ایک نعت پڑھوں
جو دل میں سویا ہے جذبہ، جگا رہا ہے کوئی
عجب یہ شوق کا عالم عجب اسیری ہے
جنون عشق میں دنیا لٹا رہا ہے کوئی
پہنچ کے روضے پہ قدموں میں بیٹھ جاؤں گا
رموز عشق کی باتیں سکھا رہا ہے کوئی
یہ کون عاشق صادق چلا مدینے کو
وہ ہے رسول ﷺ کا پیارا، بتا رہا ہے کوئی
یہ کیا نور ہے پھیلا جہان عالم میں
نگاہ شوق سے پردے ہٹا رہا ہے کوئی
شاعرہ: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

مرسلہ: ناہیدہ بنت نور، واہ سینٹ ورکس

عادت طیبہ

حضور پاک ﷺ کی عادت تھی کہ آپ ﷺ
کھانے میں کبھی نہ عیب بتاتے تھے۔ اگر چاہا تو کھالیا
ورنہ چھوڑ دیا اور یہ بھی نہ فرمایا کہ یہ کھانا برا ہے، ترش
ہے، نمک زیادہ ہے یا کم ہے، شور باگاڑھا ہے یا پتلا
ہے۔ اتنا ہی نکالتے تھے جتنا کھانا ہوتا تھا۔

مدارج النبوه

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد



میں بیوی پارلر جا کر اپنی بھویں اور مونچھیں بھی نچو سکتی ہیں۔ ملبوسات کی خریداری کے لیے بھی آج کا دن اچھا ہے۔ آج آپ کا کلی نمبر 5 اور 11 ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شام پانچ بجے سے رات گیارہ بجے تک آپ سیر و تفریح اور ہونٹنگ وغیرہ سے لطف اندوز ہو سکتی ہیں۔

منگل..... آپ کی خواہش پوری ہوگی۔ مہاں منگیتر یا پسندیدہ ہستی آپ کے اشاروں پر چلیں گے..... بیاہتا عورتیں آج کے دن سرال والوں سے منہ ماری نہ کریں۔ جس دن گوشت کا نافع ہوتا ہے اس دن گھریلو عورتیں اپنا مزاج خاصا برہم رکھتی ہیں۔ جائداد پر توجہ دیں۔ کوشش کریں کہ میاں جی جائداد آپ کے نام سے لیں اور اگر کسی وجہ سے نہ لے سکیں تو ظاہر یہی کریں کہ فلاں فلاں جگہ مکان یا فلیٹ بک کروایا دیا ہے۔ اس سے عزیز واقارب پر خاصا رعب پڑتا ہے۔ میکے والوں سے فائدہ پہنچے گا..... یہ حقیقت میاں جی کے دماغ میں بٹھادیں کہ... وہاں سے کسی وجہ سے نقصان نہ سمجھیں بلکہ اس میں اپنے لیے نئی مصالحتیں دریافت کریں۔ آج کلی نمبر 11 اور 12 ہے۔ کوشش کریں کہ آپ کی صبح ان ہی اوقات میں ہو۔

بدھ..... آج کے دن گھر کے مرد بغیر ناشتے پانی کے اپنی ملازمتوں پر جائیں تو خوشی کی بات ہوگی۔ (یہی کہ آپ کو ناشتا بنانے سے فرصت مل گئی) جدی پشتی آپ کی تعریف کریں گے۔ سرطان سے بچ کر رہیں، اپنی سکیورٹی کا خاص خیال رکھیں۔ اپنی بچت اپنی خفیہ بچت..... اور میاں کے والٹ سے

نئے سال کا ہر ہفتہ کیسا رہے گا؟

ماہ جنوری ہو یا دسمبر..... ستمبر ہو یا اکتوبر..... غرض سال کا کوئی بھی مہینہ ہو آپ کا ہفتہ دنوں کے حساب گزر جائے گا..... جیسے اکثر خواتین ہفتے بھر کے پکانے کا مینو بنالیتی ہیں..... اتوار کو بریانی، پیر کو دال چاول، منگل کو مینزی، بدھ کو مچھلی، جمعرات کو مٹن، جمعے کو پلاؤ، ہفتے کو نہاری یا قورمہ وغیرہ..... اسی طرح ہم نے اپنے من موہنے قلم سے آپ کے ہفتے کی روداد مرتب کی ہے جس سے آپ کا متفق ہونا ضروری ہے..... ورنہ برجوں کا ظلم کدہ ٹائیں ٹائیں فٹس ہو جائے گا، اس ہفتے کی روداد پڑھتے پڑھتے یہ بات آپ کے لیے مزید دلچسپی کی حامل ہوگی کہ اس میں برج حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت سب کی شراکت داری برابر ہوتی ہے۔ یوں جیسے تمام جماعتیں متحد ہو کر جذبہ خیر سگالی کے بیانات دیا کرتی ہیں۔

پیر..... کھل کر اظہار کریں، کسی سے دینے کی ضرورت نہیں، اپنی موجودہ حالت بہتر بنانے کے لیے اماں، بہنوں کے خطابات کی فصل مزید پکا کر استعمال کریں۔ ان کے تجربات کو ہی زندگی کا اصل سبق سمجھا کریں..... ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت ہے نہ سننے کی..... اور نہ ہی کسی کی بات پر کان دھرنے کی۔

سب سے پہلے خود کھانا کھائیں..... پھر پانی ملا کر دیگر افراد کے لیے رکھ دیں۔ آج کے دن اپنی ظاہری شان و شوکت پر بھی زور دیں اس سلسلے

ننھا جذبہ

ایک چیونٹی بھاگی بھاگی بدحواسی کے عالم میں جا رہی تھی۔ کسی جانور نے روک کر پوچھا۔ ”کدھر جا رہی ہو؟“ چیونٹی جاتے ہوئے بولی۔ ”ہاتھی کا ایسی ڈنٹ ہو گیا ہے خون کی بوتل دینے جا رہی ہوں۔“

سردیوں کے آزمودہ ٹوٹکے

☆ گلابیٹھ جائے تو گرم دودھ میں دو چمکی ہلدی ڈال کر پیئیں۔ وزن بھی کم ہوگا طاقت بھی آئے گی اور گلابی صحت ہوگا اور خون بھی تیزی سے بنے گا۔

☆ پھٹی اریڑیوں کو درست کرنے کے لیے چار چمچ گلیسرین میں ایک لیٹوں کارس اور دو چمکی پسلی ہوئی پھٹکری ملا لیں، دن میں دو مرتبہ لگائیں پاؤں نرم ہو جائیں گے۔

☆ ہونٹوں پر اگر دودھ کی بالائی میں زعفران ملا کر لگای جائے تو ہونٹ نہ صرف گلابی ہوں گے بلکہ پھٹنے سے بھی بچ جائیں گے۔

☆ بال تیزی سے سفید ہو رہے ہوں تو رات سونے سے پہلے ایک پاؤ دودھ میں چند قطرے روغن بادام ملا کر تھوڑی چینی ڈال کر پی لیں روزانہ پینے سے قبض بھی ختم ہوگا اور سفید بال آہستہ آہستہ سیاہ ہو جائیں گے۔

☆ سردیوں میں نہانے سے قبل گرم پانی والی بائی میں تھوڑا سا سنسٹرڈ پاؤ ڈر ڈال لیں تو ٹھنڈک کا اثر نہیں ہوگا۔

☆ آنکھوں کے گرد حلقے دور کرنے کے لیے لیٹوں کے چھلکے کو گرائنڈر میں پیس لیں اب کسی کولڈ کریم میں ملا کر پیسٹ بنالیں۔ رات کو حلقوں پر لگانے سے نمایاں فرق محسوس ہوگا۔ اس کے علاوہ زیتون کے تیل کو سونے سے پہلے حلقوں کے گرد لگانے سے بھی حلقے ختم ہوتے ہیں۔

مرسلہ: عروج ذی آفتدی، کراچی

☆☆☆

انگوٹھا موبائل کے بٹن پر ہوگا
چہرے پر مسکراہٹ ہوگی
منج پڑھ کر سوچے گا کہ اب یہ مسیح کس شیطان کو چھوئے

خداشنہ

اب تو چینی لینے کے لیے بھی شاختی کارڈ کی ضرورت پڑتی ہے دوست۔ کہیں ایسا نہ ہو پتھر لینے کے لیے نکاح نامہ دکھانا پڑے۔

مرسلہ: جمننا شعل، گولارچی، ضلع بدین

غلطی

ایک صاحب ایک مودی دیکھ کر زور زور سے چلا رہے تھے۔ ”اوائے گدھے ہاں نہ کرنا، پھنس جاؤ گے اوائے پاگل سائن نہ کرنا ٹاٹ جاؤ گے، ان کی بیوی نے ان کے پاس آکر پوچھا۔ ”آپ کون سی فلم دیکھ کر گالیاں دے رہے ہیں۔“ وہ صاحب بولے۔ ”اپنی شادی کی فلم کو دیکھ کر۔“

از: مسز فرح امجد، ٹاؤن شپ لاہور

غزل

سائے پھسل رہے تھے درختوں کے درمیاں
ہم ساتھ چل رہے تھے درختوں کے درمیاں
سورج کی خود سپردگی، تاریکیوں کی گود
ارماں نکل رہے تھے درختوں کے درمیاں
مغموم سے کھڑے تھے وہاں ٹوٹے پھوٹے گھر
کچھ دیپ جل رہے تھے درختوں کے درمیاں
غربت کے چوڑوں سے وہ نکلتا ہوا دھواں
ہیولے اہل رہے تھے درختوں کے درمیاں
کچھ شام غم سا تھا سماں، کچھ الم بھی تھا
پہلو بھی جل رہے تھے درختوں کے درمیاں
بے نام سی اداسی، وہ بھیگتی خنک سی شام
کھوئے سے چل رہے تھے درختوں کے درمیاں
لب بستہ ہو کے رہ گئے ڈنکے لگی تھی شام
بس سانس چل رہے تھے درختوں کے درمیاں
شاعر: مشیر طالب۔ مرسلہ: ذہبی، شیر، نیویارک

”یہ اپنا کرا تو وہیں پر ہے ہاں پرانا سامان چلا گیا جسے استعمال کرتے ہوئے اب تھک گئے تھے اور بور ہو گئے تھے۔“

”چھوڑ عورتوں کے یہی کرتوت ہوا کرتے ہیں۔“ وہ غصے سے بولا۔

”احسن، یہ میں اپنے پاس سے لائی ہوں۔“

”کہیں سے بھی لائی ہو مگر پیسے کا زیاں کر دیا ناں۔۔۔۔۔“

”آج ہماری شادی کی سالگرہ ہے اگر یہ بیڈ روم سیٹ لے آئی تو کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“

”کیوں، پرانا فرنیچر تمہیں کاٹ یا مار رہا تھا یا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اس کی موجودگی میں سالگرہ نہیں منائی جاسکتی؟“

”میرا تو خیال تھا کہ آپ خوش ہوں گے۔“ وہ روہاسی سی ہو گئی۔

”بانو۔۔۔۔۔ اسی طرح کرتی رہیں نا تو میری ٹوپی بھی یک جائے گی۔ مجھے معلوم تھا تمہارے پاس تمہاری کیمنی رکھی ہوئی ہے، دس کام سوچ لیے تھے میں نے اپنے۔۔۔۔۔ مگر تم تو بغیر میاں سے پوچھے بغیر اجازت لیے اسے غارت کر آئیں۔۔۔۔۔ ٹیلی جلا کر آگ لگا دی پیسوں میں۔“

”ہاں بھئی، حیرت تو ہمیں بھی ہوئی کہ خود ہی تن تنہا پھٹ پھٹ کرتے رکشے پر کھیں اور پھٹ پھٹ کرتا رکشا سوزوکی کے پیچھے لگاتے ہوئے آئے بھئی نکلیں۔“ دیورانی بول رہی تھی جو بانو کا فرنیچر اپنے بچوں کے کمرے میں لے کر گئی تھی۔

”جب بیوی اپنے آپ کو شوہر سمجھنے لگے تو پھر گھر نہیں بنا کرتا۔“ احسن چلا رہا تھا گھر کے لوگ اس کی باتوں پر سر ہلا رہے تھے اور وہ چپ چاپ کھڑی اپنے سر پر ان کی دھجیاں بکھرتے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

چہرے جب اپنی بات بولتے ہیں تو انہیں پورا ہونے میں ٹائم نہیں لگتا۔۔۔۔۔ سر جھاڑ منہ پھاڑ رکھنے والی بیویوں کی بات شوہر بھی رغبت سے نہیں سنتے۔۔۔۔۔ طبیعت جب بھی خراب ہو تو آپ کہیں کہ آپ کو نظر لگی ہے۔ میاں جی سے ہزار کا نوٹ نظر اتارنے کے لیے فوراً لیں۔

سرپرائز

قلموں میں ڈراموں میں یہی دیکھا تھا کہ بیوی اپنے شوہر کو کسی نہ کسی خاص موقع پر سر پر انز دیتی تو شوہر ہلچل جایا کرتے۔ ان کا خوشی سے سرشار چہرہ دیکھ کر ہیر و تنز کے چہروں پر ایک عجیب سی سرشاری نظر آیا کرتی۔ یہی سب دیکھ کر بانو نے بھی یہی سوچا تھا کہ اپنی شادی کی سالگرہ مناتے ہوئے اپنے شوہر کو سر پر انز دے گی۔ اپنی کیمنی اس نے کب سے سنبھال رکھی تھی اور یہی وہ اس کی واحد جمع پونجی تھی جسے وہ اس وقت خرچ کرنا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح میاں جی کو شادی کی سالگرہ کا دن یاد نہیں رہے گا۔ اس لیے صبح ان کے جانے کے بعد اس نے اپنے بیڈ روم کا سامان نکال کر پھینکا اور قریبی فرنیچر مارکیٹ سے ایک درمیانے درجے کا بیڈ روم سیٹ لے آئی۔ نئی کوری مسہری پر خوب صورت بیڈ کور بچھایا، تین پٹ کی الماری میں میاں جی کے کپڑے ہینگ کر دیے۔ اس کا بیڈ روم واقعی بے حد خوب صورت لگ رہا تھا۔ دیورانی نے آکر دیکھا تو بے حد تعریف کی اور اس کے رنجش کیٹ کیے ہوئے بیڈ روم سیٹ کو اپنے بچوں کے کمرے میں لے گئی۔ شام کو احسن کمرے میں داخل ہوا تو ایک لخت یوں ٹھنک گیا جیسے غلطی سے کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہو گیا ہو۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔؟ وہ احسن کو دیکھ کر مسکرائی۔“

سکتے۔۔۔۔۔ ہاں آج آپ آٹھ سو یا ہزار روپے صدقہ کر دیں تو بہتر رہے گا۔۔۔۔۔ میاں سے یہ پیسے لے کر اپنی بھاد جوں کو دے دیں۔۔۔۔۔ ایک پتھوہ کو جانجی کو تو کہتے ہیں۔

ہفتہ۔۔۔۔۔ بچوں کو قابل اعتراض لوگوں سے بات نہ کرنے دیں۔۔۔۔۔ (سرالیوں کی طرف واضح اشارہ ہے) آج کے دن عزیز واقارب اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ آپ ان سے دور دور رہیں۔ کوئی اپنا قرض واپس مانگ سکتا ہے، آپ اپنے شوہر کو ہمیشہ یہی بتائیں کہ ان کے دیے ہوئے پیسے ہمیشہ کم پڑ جاتے ہیں۔ میاں کے پاس جو بچت ہو اسے کسی زمین، مکان یا زیور میں لگوا دیں کہ ہر مہمان آپ کی بات سن کر صرف تالی بجائے گا۔۔۔۔۔ اور یہ بات آپ کے لیے خاصی خوشی کی ہے۔

اتوار۔۔۔۔۔ اتفاقی ملاقات رومان پرور رہے گی۔ پرانی باتیں اور پرانی یادیں آپ کو خوشی دیں گی، آج کل کی نمبر آپ کی عمر کے حساب سے ہے۔ جتنی عمر آپ کی ہے۔۔۔۔۔ وہی آج کے دن آپ کا کلکی نمبر ہے۔ آج تیز دھاری چیز کو ہاتھ میں نہیں لیجیے گا۔ سبزی بنانے یا پیاز کاٹنے میں تھکن ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تمام تھکن آلود کاموں سے پرہیز کریں۔ سرخ ساڑی، گلابی سوٹ یا کسی بھی شوخ رنگ کے کپڑے آپ کو مزید دلفریب بنادیں گے۔ کوشش کریں کہ ہر اتوار کو آپ شوخ کپڑوں میں رہا کریں۔ کلرز کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔۔۔۔۔ آپ اپنے من پسند رنگ پہنا کریں۔ اتوار کو جیولری بھی زیادہ لا کر لیں۔۔۔۔۔ گھر میں اس طرح تیار ہوں جیسے کسی دعوت میں جارہی یا وہاں سے آئی ہیں۔۔۔۔۔ ایسے میں گھر کے دیگر لوگ آپ کے آگے صرف ٹرے ہی لگائیں گے۔۔۔۔۔ اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔

یوں بھی یہ اصول پلو سے باندھ لیں شگفتہ

چوری کی گئی رقوم کا تذکرہ کبھی میاں کے سامنے نہ کریں۔ آج آپ کے دائرہ اثر میں اضافہ ہوگا۔ آپ اپنے راستے کی رکاوٹیں خود دور کریں۔۔۔۔۔ جو شخص آپ کو ایک سنائے آپ اس کو گیارہ سنائیں کہ آج آپ کا کلکی نمبر بھی 11 ہے۔ ہاں آج آپ کی کسی بھی بات پر میاں روٹھ کر اپنے میکے جاسکتا ہے تو پروا نہ کریں وہ خود ہی واپس آجائے گا۔

جمعرات۔۔۔۔۔ دوستوں کو مرحوب کرنے کے لیے سماجی تقریبات میں شرکت کریں مگر تنک سک سے درست ہو کر آج کوئی خوشخبری ملے گی۔ دفتر سے واپسی پر میاں جی، منگیت یا پسندیدہ ہستی آپ کو کوئی گفت دے۔ کوئی گم شدہ چیز مل جائے گی۔ خیال یہی ہے کہ ناپسندیدہ خواتین کو جو ظاہر واری کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ تحائف دے دیے تھے آج شاید ان کی واپسی ہو جائے۔ آپ کو شک ہے کہ کوئی فرد ایسا ضرور ہے جو آپ کی فیملی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ آپ کا یہ شک سو فیصد درست ہے میاں کے اطراف گہری نظر رکھیں۔ آج حمل ضائع ہو سکتا ہے۔ جی ہاں برج حمل سے تعلق رکھنے والی کوئی خاتون آپ کے سامنے منہ کی کھائیں گی۔

جمعہ۔۔۔۔۔ شوہر کے ساتھ آرام کریں کسی ایسے فرد کو گھر کے اندر نہ آنے دیں جو آپ کی بوریٹ کو بوھانے کا سبب بنے۔۔۔۔۔ اس لیے گیٹ کے باہر تالا ڈال دیں۔ اسد اور ثور آپ کی تاک میں ہیں ان سے ہر صورت بچاؤ کریں، آج حالات ڈرامائی طور پر آپ کے حق میں ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے جب سارا دن میاں کے کانوں میں آپ من من کریں گی تو وہ آپ ہی کی زبان بولیں گے۔۔۔۔۔ آج کے تمام اوقات کلکی نمبر ہیں اور آپ ان سے خوب فائدہ اٹھا سکتی ہیں کہ میاں جی آپ کے آگے کچھ بول نہیں

☆ ماہِ زمیں..... صادق آباد
سوادِ فکری کو کس قدر سیراب کرتا تھا
اب اس آبِ رواں کی ہر عنایت یاد آتی ہے
☆ عروہِ بنار..... کوٹلی

میرے ہونے ہی سے تو مشروط ہے ہر نامترا
دیکھنے والا نہ ہو تو آئینہ کچھ بھی نہیں
☆ پروین..... سید آباد

ہزاروں شوق و ارمالے رہے ہیں چٹکیاں دل میں
حیا ان کی اجازت دے تو کچھ بے باکیاں کر لوں
☆ عزیزِ نوشین..... گوجرانوالہ

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیتِ امن کے سب مل کے گائیں اب کے برس
دلوں میں پھول اُگائیں نئی محبت کے
کہ نفرتوں کو دلوں سے منائیں اب کے برس
☆ نفیسہ حسین..... لاہور

نہیں آتی تو یاد ان کی مہینوں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں
☆ فاطمہ بلال..... کینڈا

تم تو کہتے تھے کہ سب قیدی رہائی پا گئے
پھر پسِ دیوارِ زنداں رات بھر روتا ہے کون
☆ صاحبزادہ..... دہلی

اگر ہم واقعی کم حوصلہ ہوتے محبت میں
مرضِ بڑھنے سے پہلے ہی دوا تبدیل کر لیتے
تمہارے ساتھ چلنے پر جو دل راضی نہیں ہوتا
بہت پہلے ہم اپنا فیصلہ تبدیل کر لیتے
☆ جویریہ شکیل..... کراچی

پسا نہ کر کسی مجھے شب بھر ہوائے دار
ایسے میں وہ چراغِ سحر بھی نہ دے سکا
روشن خیال حکمران آکھیں خرید کر
مفلس کو ایک لقمہ تر بھی نہ دے سکا
☆☆☆

عقل نے لاکھ کی عتلاں گیری
عشق آمادہ جنوں ہی رہا
☆ صبا کمال..... فیصل آباد

اک نامتو خواب مکمل نہ ہو سکا
آنے کو زندگی میں بہت انقلاب آئے
☆ یاسمین کنول..... پسرور

صرف اٹک و تبسم میں اٹکے رہے
ہم نے دیکھا نہیں زندگی کی طرف
رات ڈھلتے جب اُن کا خیال آگیا
تنگنکی بندھ گئی چاندنی کی طرف
☆ ممتاز خانم..... کراچی

نہیں ہے چشم کو اب فرصتِ نظارگی، ورنہ
کہیں رستہ بجاتے اور تجھے رہ گیر کرتے ہم
☆ شائستہ رضا..... سرگودھا

دل اک خون کے قطرے سے زائد نہ تھا مگر
آنسوؤں نے اس کو بھی طوفان بنا دیا
وہ قیس تھا کہ جس نے بیاباں کو گھر کیا
ہم نے تو اپنا گھر ہی بیاباں بنا دیا
☆ پروین افضل..... بہاول نگر

چراغِ حق پرستی کسی سے گل ہو نہیں سکتا
اندھیرا جیت جائے روشنی سے ایسا ہو نہیں سکتا
☆ نفیسہ آصف خان..... ملتان

ہمیں تو عمر کرنی ہے بسرِ رنجِ ملال میں
خدا کرے وہ خوش دآباد رہے نئے سال میں
☆ عزیزِ تبسم..... گوجرانوالہ

اب تو آنکھوں کے کنارے بھی سوکھ گئے
خزاں کا موسم بھی آیا اور پتے جھڑ گئے
پرانا سال نیا اور انوکھا نشان چھوڑ گیا
چھڑنے والے ایک اور کسک دے گئے
☆ نفیسہ آرا..... دہلی

جس تمنا نے مجھے ضبط کی خو بخشی تھی
وہ تمنا لبِ فریاد تک آپہنچی ہے

صبحِ عشرت پریشان ہوئی سو ہوئی
شامِ غم تو نہ دیریاں کرو دوستو
☆ سامعہ تبسم..... ملتان

میرے لیے حرفِ دعا ہو گیا وہ شخص
مارے دکھوں کے دور ہو گیا وہ شخص
پڑھتا تھا میں نماز سمجھ کر اسے قاتل
پھر یوں ہوا کہ مجھ سے قضا ہو گیا وہ شخص
☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

کیا خاک لڑیں گی، مرے دل سے تری آنکھیں
جو جھپکتی ہیں شرم سے، جو جھپکتی ہیں حیا سے
☆ غزالہ طارق..... سرگودھا

فلک گر پینا ہی تھا تو ہم کو
بناتا خاک اس کے رہ گزرتی
ازل سے اپنی قسمت میں لکھی تھی
جدا کی اور وہ بھی عمر بھر کی
☆ عرشہ جمیل..... کراچی

کبھی جو جھانکنا چاہا کسی گریباں میں
تو آپڑی ہے نظر اپنے ہی گریباں پر
گئے تھے کر کے تبسم وہ مجھ سے وعدہ صبح
نہ جانے کون سے لحوں میں کھو گئی وہ سحر!
☆ سدرہ کلثوم..... لکی مروت

بصارت کچھ نہیں کرتی بصیرت کام آتی ہے
نظر آتا نہیں خدا مگر محسوس ہوتا ہے
☆ جبین نیاز..... ملتان

وہ دور بھی دیکھا ہے تاریخ کی آنکھوں نے
لحوں نے خطا کی اور صدیوں نے سزا پائی
☆ سارہ عباس..... کراچی

آگے مرا نصیب کہ کام آئے یا نہ آئے
اک بار بختِ خفته کو آکر جگا تو دو
☆ ماریہ فراز..... لاہور

علم کے تھے بہت حجاب مگر
حسن کا سحر پُرسوں ہی رہا



میں اکثر گنگنائی ہوں

صغریٰ زیندی

☆ فریدہ فری یوسف زئی..... لاہور
اگر وہ خوش ہے مجھے بھول کر تو یوں ہی کبھی
خدا کرے نہ میری یاد اس کو آئے کبھی

☆ کائناتِ حلیم..... میرپور خاص
آنکھوں نے سیٹھے ہیں نظروں میں ترے جلوے
پھر بھی دلِ مضطر نے تسکین نہیں پائی
یہ بزمِ محبت ہے، اس بزمِ محبت میں
دیوانے بھی شیدائی، فرزانے بھی شیدائی

☆ ماہِ نور قیصر..... راولپنڈی
جو ہو سکے تو ہواؤں کا راستہ بدلو
چراغِ جلتے نہیں انجمنِ بدلنے سے
ظہر تو جائیں گے اک دوسرے کے سائے میں ہم
سفر تو کم نہیں ہو گا ٹھکن بدلنے سے

☆ فضہ بتول..... بہارہ کھو
سلیم حسن رخ یار ہی کا پرتو ہے
جو آسمان پہ ستارہ ہے دیکھنے کے لیے

☆ نگہت اعوان..... اسلام آباد
کیا ہوا جو ستارے جھپکتے نہیں
دراغِ دل کے فروزاں کرو دوستو

میرا انتخاب

محسوسات اور کیفیات جذبہ محبت کے تھے ہیں..... معاملات دل میں یادوں کا ایک خزانہ مخفی ہوتا ہے..... لمحہ وصل کا ایک لمحہ ہجر کے ہزاروں لمحوں پر فوقیت رکھتا ہے..... فیض احمد فیض بھی رنگِ فرقت اور قربت میں ڈوبے نظر آ رہے ہیں فیض کی اس غزل کو آصفہ برکت علی نے لاہور سے ارسال کیا ہے۔

غزل

کبھی کچھ ہے تیرا دیا ہوا بھی راحتیں کبھی کبھی صحبتیں کبھی فرقتیں کبھی دوریاں کبھی قربتیں یہ سن جو ہم نے دم کیے یہ ہیں سب حق تیری یاد کے کوئی لمحہ صبح وصال کا کئی شام ہجر کی مدتیں جو تیری مان لیں ناصحا تو رہے گا دہن دل میں کیا نہ کسی عدد کی عداوتیں نہ کسی صنم کی مروتیں چلو آؤ تم کو دکھائیں ہم جو بچا ہے مقل شہر میں یہ مزار اہل صفا کے ہیں یہ ہیں اہل دل کی تربتیں میری جان آج کا غم نہ کر کہ نہ جانے کا تیرہ وقت نے کسی لپٹے کل میں ہی بھیل کر کہیں لکھی ہیں مسرتیں

ۛۛۛۛ

محبوب کو ایک نظر دیکھ لینے میں جو احساس پوشیدہ ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا..... مگر شاعری میں اس لمحہ نظر کو بیان کرنے میں ہزاروں ورق سیاہ نظر آتے ہیں..... تشبیہات و استعارات کا ایک سمندر ہے جو صرف وسیع ہوتا ہے..... سمندر نہیں..... اس ایک ساعت..... ایک لمحے کو بحر علی نے قلمبند کر دیا ہے۔ اس نظم کو سمیرا عاطف نے کراچی سے ارسال کیا ہے۔

ضرورت نہیں رہتی

نہ جانے کیا ہے تم میں



تمہیں جو دیکھ لوں تو کسی تصویر میں پھر رنگ بھرنے کی مکمل اس کو کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی سنہری راستوں کے روح پرور فاصلوں پر پاؤں دھرنے کی

نگلوں سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی تمہیں جو سوچ لوں تو فلک پر چاند تنکے کی کسی منظر میں کھونے کی ضرورت ہی نہیں رہتی تمہیں جو روک لوں تو

کسی بچے ہوئے دھارے کو مڑنے کی کسی بارش کے قطرے کو بھرنے کی کسی بے تاب ساعت کو پہلنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی

ۛۛۛۛ

فراز کی شاعری کے اوصاف اور محاسن کی بنیادوں تک پہنچنے کی کوئی باضابطہ کوشش ابھی تک نہیں ہوئی۔ احمد فراز کو جیتے جی ایسی شہرت ملی ہے جو افسانہ نگار ہے۔ غیر معمولی شہرت اور بے تحاشا مقبولیت فراز کی شاعری کا حجاب بن کر رہ گئی ہے۔ احمد فراز کی ایک منفرد انداز کی غزل کا انتخاب سعدیہ رحمان نے پھالیہ سے کیا ہے۔

غزل

وہ جو آ جاتے تھے آنکھوں میں ستارے لے کر جانے کس دیں گئے خواب ہمارے لے کر

چھاؤں میں بیٹھنے والے ہی تو سب سے پہلے پیڑ گرتا ہے تو آ جاتے ہیں آ رہے لے کر وہ جو آسودہ ساحل ہیں انہیں کیا معلوم اب کے موج آئی تو پلٹنے کی کنارے لے کر ایسا لگتا ہے کہ ہر موسم ہجر اس میں بہار ہونٹ رکھ دیتی ہے شاخوں پہ تمہارے لے کر شہر والوں کو کہاں یاد ہے وہ خواب فروش پھرتا رہتا ہے جو گلیوں میں غبارے لے کر نقدِ جاں صرف ہوا کلفتِ ہستی میں فراز اب جو زندہ ہیں تو کچھ سانس ادھارے لے کر

ۛۛۛۛ

دبے پاؤں..... بنا کسی آہٹ کے وقت اس طرح ٹھہر ٹھہر کے گزر جاتا ہے کہ احساس تک نہیں ہوتا..... اور پھر اس کو پکارا پڑتا ہے..... آواز دینی پڑتی ہے..... جیسے ایک دروازہ حیرت ہے..... ایک خواب ہے..... ایک دیا ہے..... وقت کے پروں میں قید عمر رواں کے آن گت لمحوں میں سے ایک ایسا لمحہ کشید کرنا ہر حساس دل کی خواہش ہوتی ہے..... جس میں کچھ خوابوں کی تعبیر لازمی امر بن جاتی ہے..... اعتبار ساجدی اس پکار کو کشفِ فاطمہ نے راول پنڈی سے منتخب کیا ہے۔

کچھ خواب ہیں جن کو لکھتا ہے

تعبیر کی صورت دینی ہے

کچھ لوگ ہیں اجڑے دل والے

جنہیں اپنی محبت دینی ہے

کچھ پھول ہیں جن کو چننا ہے

اور ہار کی صورت دینی ہے

کچھ اپنی نیند پاتی ہے

جسے بانٹنا ہے کچھ لوگوں میں

ان کو بھی تو راحت دینی ہے

اے عمر رواں!

آہستہ چل

ابھی خاصا قرض چکنا ہے

ۛۛۛۛ

تخلیق کار کی جو پرواز پرندے کی طرح گمان کی منزلیں طے کر ڈالتا ہے..... بھیجی جگر کی بارشوں میں بھگ کر، کبھی تنہائی اڑھ کر، بھیجی اداسی کے ملبوس میں..... گمان کے یہ سارے روپ ہمیشہ تروتازہ رہتے ہیں..... رنگوں کے مانند کھلے ہوئے..... جن پر بھی اوس نہیں پڑتی..... حجاب عباسی، کی ان خواہشات کو نزہت رشید نے کراچی سے ارسال کیا ہے۔

غزل

آج مرے اعزاز میں اس نے کیا اچھا سامان کیا گھر میں برف کے پھول سجائے سورج کو مہمان کیا محفل میں دُشوار تھا ان سے بولنا بھی چپ رہنا بھی آنکھوں میں پہچانِ رمی اور لہجے کو انجان کیا اہل جنوں سے بات چلی تو قصہ دل کے بھید کھلے موسمِ جاناں چھوڑ فصولِ دار کو پھر عنوان کیا محفل میں ہر ایک سے ہنس کر باتیں کرنے والے نے ایک نظر ہم پر بھی ڈالی اتنا تو احسان کیا کتنی گھڑیاں گرں جن کا نئیں کتنے موسم بیت گئے دل کا درد نہ ٹھہرا پل بھر لاکھ کسی کا دھیان کیا

ۛۛۛۛ

وقت گزرنے کے ساتھ ہر رنگ اپنی کشش کھودیتا ہے اور پرانا ہو جاتا ہے..... محبت میں بہت سے مواقع آتے ہیں جو انسان کو توڑ دیتے ہیں۔ افتخار عارف کی غزل میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے اس کا انتخاب عطی نے لاہور سے کیا ہے۔

غزل

عشق کیسا کہ بھروسا بھی نہیں تھا شاید اس سے میرا کوئی رشتہ بھی نہیں، تھا شاید خلقتِ شہر میں جس ہار کے چرچے ہیں بہت میں وہ بازی کبھی کھیلنا بھی نہیں تھا شاید زیت کرنے کے سب آداب اسے ازبر تھے

جلدی آؤ

بھابی کے میکے سے
ڈھیر سارا میوہ آتا ہے
آپا، باجی، بے جی
سب آجاؤ.....
سر دیوں کا میوہ
فری میں کھا جاؤ

از: نور افشاں، شکار پور

صرف اتنا سن

میری آنکھوں میں بنے والے
صرف اتنا سن
میری آنکھوں میں اب
موتیا اتر آیا ہے
اس لیے اب میں
تمام خاروں کو
پھینک رہی ہوں
اس لیے تو بھی نہیں
چلا جا.....

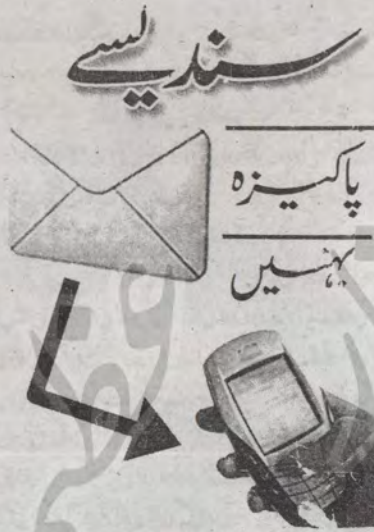
از: رفعت خادم حسنین، اورنگ آباد، بلوچستان

دشمن کھیں کا

اے دھونی
میں نے تجھے
اپنی ساس کے چار چیکٹ غرارے
اپنی نند کے دو غلیظ چمپر
دھونے کے لیے دیے تھے
تو سب کپڑے دھو کر لے آیا
اور مجھ دکھیا کا ایک رومال
جو دھلنے گیا تھا
اسے لے کر نہیں آیا
کیا تو بھی میرا سرسالی دشمن ہے

(انجم انصار کے جلتنگ سے)

از: ناہیدہ بنت نور، واہ سینٹ ورکس



وجہ خاص

سنو میرا رومال
میرا موبائل
اور بھابی کی بائیک
واپس کر دو
کہ اب تم مجھ سے
زیادہ میری ٹیلی
میں دلچسپی لے رہے ہو۔

شاعرہ: عظمیٰ آفاق سعید
از: منور، گوجرانوالہ

پہچان

دوستی کر کے دیکھی
کچھ نہ پایا
احسان کر کے دیکھا
یا گل بنایا
کیسے پہچانوں میں
مردوزن سب نقاب
اوڑھا کرتے ہیں

از: صبا نور، لہ

مجھ کو مرنے کا سلیقہ بھی نہیں تھا شاید
خاک اڑاتے ہوئے بازوؤں میں دیکھا سب نے
میں کبھی گھر سے نکلتا بھی نہیں تھا شاید
اس کی آنکھوں میں بشارت تھی نئے خوابوں کی
میں اسے دیکھ کے چونکا کبھی نہیں تھا شاید
ایک بادل کہ مرے نام سے منسوب ہوا
مرے صحرا میں تو برسا بھی نہیں تھا شاید

✽ ✽ ✽

جوشے آنکھوں سے اوجھل ہو..... جو منظر پس
منظر میں ہو..... عکس پس آئینہ ہو..... اس کی کشش کبھی
ختم نہیں ہوتی..... حقیقتیں منکشف سہی مگر اس کے
ابہام بھی خوب صورتی رکھتے ہیں..... ویرانے حسین
معلوم ہوتے ہیں۔ ان کیفیات کا اظہار نصرت مسعود
اپنی اس غزل میں نمایاں کر رہی ہیں۔ اس کا انتخاب
ماہین حنیف نے کراچی سے کیا ہے۔

غزل

چشم حیرت پہ کوئی در نہیں کھلنے دیتا
آنکھ کھل جائے تو منظر نہیں کھلنے دیتا
ایک خواہش مجھے پستی سے اٹھاتی ہے مگر
ایک ڈر ہے جو مرے پر نہیں کھلنے دیتا
ہاتھ کی ساری لکیریں ہیں جزیروں سے بھری
اور جزیروں کو سمندر نہیں کھلنے دیتا
تانہ کھل جائے کوئی نقص پس نقش گری
آئینہ عکس کے اندر نہیں کھلنے دیتا
کون جانے، کسے معلوم حقیقت کیا ہے
بھید اپنا وہ کسی پر نہیں کھلنے دیتا
گھیر لاتا ہے محیط غم لاحاصل میں
پھر کوئی راستہ باہر نہیں کھلنے دیتا
پھیر دیتا ہے کبھی موج بلا خیر کا رخ
اور کبھی آگ کے جوہر نہیں کھلنے دیتا
دیکھ پھر خاک نشینوں کے خدائی دعوے
تو اگر دفتر محشر نہیں کھلنے دیتا

✽ ✽ ✽

فریدہ خانم

مجھے تو آپ سب جانتے ہی ہیں فریدہ
خانم، پیارے پاکیزہ کی دلاری اور باجی انجم کی



اور آپ کی سب کی
پسندیدہ۔ پاکیزہ میرا
بارٹ فیورٹ ہے۔
میرا اور اس کا ساتھ
بہت پرانا ہے اور اللہ
تعالیٰ یہ ساتھ سدا

سلامت رکھے، آمین۔ میں لاہور میں پیدا
ہوئی اور تعلیم ایم اے (اردو) شوقیٹ ان
لائبریرین شپ اور آفس مینجمنٹ کے علاوہ کئی
کورسز کیے ہیں۔ ریڈیو میں بے تحاشا انعامی
مقابلے جیتے۔ شاعری نشر ہوئی اس کے علاوہ فی
وی کے بہت سے پروگرامز میں شرکت کی۔
پاکیزہ سے ایک عدد شیلڈ بھی مل چکی ہے اور
مزید کی تمنا ہے۔ بہت سے مشاعروں میں
شرکت کر چکی ہوں۔ کتابیں اور جانور آپ کے
بہترین اور وفادار دوست ثابت ہوتے
ہیں۔ میری زندگی کی ایک بہت بڑی خوشی اور
کامیابی میری کتاب ”مختلف“ ہے۔ جس میں
میرا اپنا آپ جھلکتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ
میں کوئی ایسا کام کروں کہ ایک مثال بن
جاؤں۔ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہوں،
اپنے مذہب ملک اور انسانیت کے لیے کوئی ایسا
کام کر جاؤں کہ میرا رب مجھ سے خوش
ہو جائے۔ اشرف المخلوقات ہونے کا حق ادا
کروں، اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی موت دے،
میرا نام شہیدوں میں شامل کرے، آمین آپ
سب بھی دعا کیجیے گا۔ لازمی... جزاک
اللہ۔ آمین۔

ترکیب ایک بڑی دیگھی میں بخنی اور کریم آف کارن ڈال کر کھلی آنچ پر پکے دیں۔ جب ابال آجائے تو میدہ، جینی، سفید مرچ اور چکن کے ٹکڑے ڈال دیں۔ چھ چلاتے رہیں جب ساری چیزیں یکجان ہو جائیں تو تیل ڈال دیں۔ انڈوں کو پھیٹ کر رکھ لیں۔ جب سوپ پینے

صائمہ امین، لاہور

ترکیب ۱ مولی کوکدوش کر لیں اور گھی کو کڑا کر
س میں نمک، مرچ ڈال دیں اور ساتھ ہی کدوش کی ہوئی
مولی شامل کر دیں۔ تھوڑا سا بھون کر دم پر لگا دیں۔ وہ



بڑے خواب سے بچنے کی تدابیر اور دعا
انسان پر لازم ہے کہ عالم بیداری کی فکر کرے
اور بیداری والی زندگی میں اللہ تبارک و تعالیٰ اور نبی
کریم ﷺ کے نورانی طریقوں پر عمل کرنے کی پوری
پوری کوشش کرے کہ آخرت میں سوال اسی زندگی
سے متعلق ہوگا اگر یہ زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کے
احکام اور رسول ﷺ کے طریقوں کے موافق ہو تو
چاہے انسان اپنے آپ کو خواب میں کسی بھی حالت
اور مقام پر دیکھے تو اسے پریشان ہونے کی بالکل
ضرورت نہیں ہے اور اگر اللہ نہ کرے اس کے اعمال
میں کوتاہیاں ہیں تو خواہ اپنے آپ کو خواب میں اچھے
سے اچھے مقام پر بھی دیکھ لے تو کوئی فائدہ نہیں اور نہ
ہی اس پر مطمئن ہونا چاہیے۔
حضرت محمد بن سیرین کا ارشاد ہے۔ خواب کسی
انسان کو دھوکے میں نہ ڈالے اور وہ یہ نہیں سمجھے کہ
میں بہت پہنچا ہوا ہوں اور اس کے نتیجے میں بیداری
کے اعمال سے غافل ہو جائے۔
خوابوں کے پیچھے بہت زیادہ پڑنا مطلوب اور
مقصود نہیں، البتہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے
لیکن اس پر نجات کا دار و مدار نہیں کیوں کہ غیر
اختیاری معاملہ ہے۔ ہمارے طبقے میں ایک بڑی
تعداد ہے جو خوابوں کے ہی پیچھے پڑی رہتی ہے۔
آج یہ دیکھا تھا، کل وہ دیکھ لیا..... دن رات یہی فکر
ہے کہ کوئی اچھا خواب آجائے۔ وہ اسی کو مفتاح و مقصود
سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے اس لیے
پھر ہوتا ہے کہ اگر کوئی اپنے بارے میں اچھا خواب

دیکھ لیتا ہے تو وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ میں اب کہیں
سے کہیں پہنچ گیا ہوں۔
یہ بات ہم سب کو خواب اچھی طرح سے سمجھ لینی
چاہیے کہ خواب اپنی ذات میں نہ تو کسی کا درجہ بلند
کرتا ہے اور نہ ہی اجر و ثواب کا موجب ہوتا ہے۔
بلکہ اصل دار و مدار..... ہم سب کے بیداری کے اعمال پر
ہے..... ہمیں ہر وقت یہ دیکھنا ہے کہ ہم بیداری میں
کیا عمل کر رہے ہیں؟
لہذا اگر کوئی اچھا خواب دیکھے مثلاً اپنے بارے
میں کوئی دینی یا دنیاوی ترقی دیکھیں تو اس صورت
میں صرف اپنے جاننے والے اور اپنے محبت کرنے
والوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کریں۔
دوسروں کو نہ بتائیں..... بعض اوقات کم علم لوگ
خواب سن کر اس کی الٹی سیدھی تعبیر بیان کرنے لگتے
ہیں جس کی وجہ سے اچھے خواب کی تعبیر اسی کے
مطابق ہو جاتی ہے۔ اس لیے اپنے خواب صرف
اپنے محبت کرنے والوں کو سنائیں اور اس پر اللہ کا
شکر ادا کریں۔
اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو کسی سے بیان
نہ کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔
”تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو کسی سے
بیان نہ کرے (بلکہ) چاہیے کہ وہ کھڑا ہو جائے اور
(نفل) نماز پڑھے۔“
بڑے خواب سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل
تدابیر پر عمل کرنا بہت مفید ہے۔
1۔ رات کا کھانا کھانے کے فوراً بعد نہ سوئے

بلکہ وقفہ رکھے کہ پیٹ بھر کر فوراً لیٹنے سے بخارات
ذہن پر جمع ہو کر برے خواب نظر آتے ہیں اس لیے
رات کو کھانے کے بعد ٹھنڈا آداب میں سے ہے۔
2۔ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ ذکر و اذکار کر کے
اور با وضو ٹھنڈا چاہیے اور جب تک نیند نہ آئے اللہ
تبارک و تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ جو سورتیں
یاد ہیں وہ پڑھتے رہیں۔ پہلا کلمہ، تیسرا کلمہ پڑھیں،
چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھتے رہیں۔
3۔ کوئی ذہنی دباؤ یا غم کی صورت ہو تو اسے
بھولنے کی کوشش کریں۔ بار بار اسے یاد نہ کریں اور
نقد پر پر راضی رہیں۔ ہر حال میں اللہ کا شکر کرنے کی
عادت ڈالیں یقیناً مصیبت بھی راحت میں تبدیل
ہو جائے گی۔
اور اگر پھر بھی کوئی برائی آنا سا خواب نظر
آئے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ طلب کریں شیطان
مردود سے اور بائیں جانب تھکریں اور کروٹ بدل
کر بے فکر ہو کر سو جائیں۔
☆ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے
ہیں جب برا خواب دیکھو تو اس دعا کو پڑھ لیا کرو۔
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَمَلِ
الشَّيْطَانِ وَسَيِّئَاتِ الْأَحْلَامِ فَإِنَّهَا
لَا تَكُونُ شَيْئًا
ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں
شیطان کے عمل سے اور برے خواب سے کیونکہ وہ
کچھ نہیں ہے۔“
اولاد کی اصلاح کے لیے
1۔ اگر اولاد میں کوئی برائی ہو تو یہ دعا ہر نماز
کے بعد اور جب بھی اولاد پر نظر پڑے تو پڑھیں۔
(رَبِّ) وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي
ترجمہ: (اے میرے رب) میری اولاد کو
نیک بنادیجئے۔“ (الاحقاف: 46: آیت 15)

خطا معاف کرنا

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ”قیامت
کے دن ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا۔ وہ
لوگ کہاں ہیں جو لوگوں کی خطائیں معاف
کر دیا کرتے تھے وہ اپنے پروردگار کے حضور
میں آئیں اور اپنا انعام لے جائیں کیونکہ ہر
مسلمان جس کی یہ عادت تھی بہشت میں داخل
ہونے کا حقدار ہے۔“

از: ارم کمال..... فیصل آباد

2۔ اگر اولاد بے نمازی ہو تو یہ قرآنی دعا
پڑھیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِي رِبًّا وَقَبْلُ دُعَاءِ

ترجمہ: (اے میرے رب) مجھے اور میری
اولاد کو نماز کا (خاص) اہتمام کرنے والا بنادے۔

اے ہمارے رب، میری دعا قبول فرما۔“ (ابراہیم
14: آیت 40)

نوٹ: اس کے ساتھ آیت (ابراہیم 14: آیت
41) بھی ملا لیں تو بہت بہتر ہے۔

ایک پیاری دعا

فجر کی سنتوں سے فارغ ہو کر وہیں بیٹھے بیٹھے
تین مرتبہ یہ پڑھیں۔

اللَّهُمَّ رَبِّ جَبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ
وَإِسْرَافِيلَ وَ مُحَمَّدٍ رَّبِّ النَّبِيِّ ﷺ أَعُوذُ
بِكَ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: اے اللہ! جبرائیل، میکائیل، اسرافیل
اور محمد نبی ﷺ کے پروردگار! میں جہنم سے تیری پناہ
لیتا ہوں (تو مجھے بچالے) بحوالہ حسن، حصین۔

☆☆☆



رہتی ہوں۔ میرا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے الرجی بہت زیادہ ہے۔ ذرا سی مٹی بھی اڑے تو بہت زیادہ نزلہ زکام کی شکایت ہو جاتی ہے۔ کئی کئی دن تک یہ مسئلہ میرے ساتھ رہتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ صبح سوکر اٹھتی ہوں تو میرے چہرے پر بہت زیادہ سوجن ہوتی ہے۔ میری عمر 20 سال ہے، میرا وزن بھی بہت زیادہ بڑھتا جا رہا ہے اور جسم بھی پھولتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے میں اپنی عمر سے زیادہ دکھائی دیتی ہوں۔ میں نے اس مسئلے کے حل کے لیے ایک ہومیوپیٹھک ڈاکٹر کا علاج شروع کیا تھا۔ وہ میں نے 3 ماہ کا کورس کیا تھا لیکن مجھے کچھ فائدہ نہ ہوا۔

تیسرا مسئلہ میرے پیٹ میں ناف کے اندر بھی بہت درد رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے پیٹ کے اندر ناڑیں اٹھتی ہو جاتی ہیں۔ میری ٹانگوں میں بھی ہر وقت درد رہتا ہے بلکہ پورے جسم ہی میں درد ہوتا ہے۔ پاؤں سوج جاتے ہیں کوئی بھی کام کرتی ہوں تو سانس بہت جلدی پڑھ جاتا ہے۔ چلنے میں بھی سانس پھولتا ہے اس لیے مجھ سے زیادہ دیر چلا نہیں جاتا اور نہ ہی کوئی کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ حالانکہ میں گھر کے سب ہی کام کرتی ہوں لیکن پھر بھی میرا وزن کم نہیں ہوتا۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ آج سے 3 سال پہلے میرے پاؤں میں جوتا لگا تھا چمڑے کا جس کی وجہ سے پاؤں پر ایک چھوٹا سا زخم ہوا اور اس زخم سے پورے ہاتھ پاؤں یعنی دونوں بازوؤں اور دونوں ٹانگوں میں بہت زیادہ زخم ہو گئے۔ ایلوپیٹھک اور

موجودہ صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔
(۱)۔ گلی کا سائز تقریباً 3 سے 4 سم ہے، درد ہوتا ہے۔ معمولی سا کام کرنے سے کندھے اور گردن میں کھنچاؤ اور درد بڑھ جاتا ہے۔

(۲)۔ سر کے بال بھی بالکل اتر گئے ہیں۔
(۳)۔ کبھی کبھی بخار بھی ہو جاتا ہے اور کمزوری بھی محسوس کرتی ہے۔

(۴)۔ ہڈی (بیلولس کی ہڈی) جس پر چوٹ آئی تھی بائیں طرف ٹانگ میں بھی درد ہو جاتا ہے۔

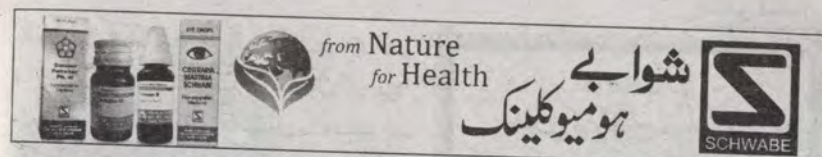
تمام ٹیسٹ کی نقول بھی ساتھ منسلک ہیں۔ آپ سے استدعا ہے کہ مہربانی فرما کر ان تمام علامات کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی نسخہ تجویز فرمائیں تاکہ آپریشن سے بچا جاسکے۔

جواب:- شروع میں بہت بڑی چوک ہو گئی اگر اسی وقت صحیح تشخیص اور علاج ہو جاتا تو معاملہ آگے نہ بڑھتا۔ اللہ خیر کا معاملہ فرمائے۔ آمین! Tuberculinum 1M کی ایک خوراک یعنی 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ایک مرتبہ دیں، اس کے ایک دن بعد 30 Conium کے 5 قطرے دن میں دو مرتبہ آدھا کپ پانی میں 30 Kali Phos 30 Calc Fluor 30 کے 5، 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ آدھا کپ پانی میں دیں۔ 2 ہفتے بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

چھوٹی عمر میں مسائل

عائشہ جاوید..... سیالکوٹ

سوال:- میں پاکیزہ میں آپ کا شواہ ہومیوپیٹھک کالم پڑھتی ہوں۔ میں بیمار بہت زیادہ



شواہے
ہومیوکلینک

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیوپیٹھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہر اندر رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہو گئی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹر ز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہانہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتہ اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

بریسٹ کینسر

محمد اختر جاوید..... لیہ
سوال:- جناب والا تقریباً ایک سال پہلے

ٹوکن

برائے شواہے ہومیوکلینک

فروری 2013ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____
پتہ: _____

دائیں چھاتی میں اوپر والے حصے میں ایک چھوٹی سی گلی (بیر کے برابر گول) بنی۔ اس وقت درد نہیں تھا۔ لیڈی ڈاکٹر کو چیک کروایا تو انہوں نے کچھ ادویات دیں اور فرمایا کہ یہ خود بخود ہی ٹھیک ہو جائے گی، وہم نہ کریں۔

ماہ فروری میں اس مریضہ کو گرنے کی وجہ سے بیلولس کی ہڈی پر چوٹ آئی اس کے علاج کے دوران جب ادویات استعمال ہوئیں تو اس کے بعد یہ گلی مزید بڑی ہوتا شروع ہوئی اور درد بھی شروع ہوا۔ جون میں نشتر ہسپتال ملتان سے رابطہ کیا، پیغم ہسپتال فیصل آباد سے رجوع کیا۔ 18 جولائی 2012 کو انہوں نے کینسر تشخیص کیا۔ پیغم ہسپتال فیصل آباد سے علاج جاری ہے۔ انجمنشتر کا پہلا کورس 30/7/12 دوسرا کورس 29/8/12 تیسرا کورس 24/9/12 کو لگا ہے۔ اب آپ کو



ایک آتا ہے۔ ان گولیوں سے مجھ کو آرام ہے کچھ۔ دو تین مہینے ہو گئے ہیں استعمال کرتے ہوئے۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ مجھ کو جوڑوں کے درد کے لیے شواہ کی دوا مل جائے۔

جواب:- گھٹنے کے درد کا جو ٹیسٹ ہوا وہ نہیں لکھا۔ Serum Calcium, RA Factor اور X-Ray Both Knee Joints A P & Lateral View رپورٹ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کے بعد صحیح علاج تجویز کیا جاسکے۔

پتے کی پتھری

نجمہ شاہین..... بہاولپور

سوال:- محترم میں اپنی بیماری کی تازہ رپورٹ بھیج رہی ہوں۔ اس کو پڑھ کر میرے لیے کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں مہربانی ہوگی۔ مجھے پتے کا درد جب شروع ہوتا ہے تو ساتھ کبھی کبھی تھمتے بھی ہوتی ہے۔ دو سال پہلے پتھری کا سائز چھوٹا تھا لیکن اب پہلے سے بڑھ رہی ہے۔ میری عمر چالیس سال ہے۔ شادی شدہ ہوں اور تین بچے بھی ہیں۔ دوسرا مسئلہ مجھے شدید نزلہ زکام بھی ہر وقت رہتا ہے۔ آٹا گوندھنے بیٹھتی ہوں تو دو درجن کے قریب پہلے جھینکیں آتی ہیں۔ آنکھوں سے پانی، ناک سے پانی بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی نزلہ حلق میں بھی گرتا ہے۔ سفید لیسار مادہ ہوتا ہے اور مجھے بار بار اٹھ کر

میں پس میکر لگا تھا۔ اُن کو دکھایا تو انہوں نے گردے کے ٹیسٹ کروائے جو نارمل تھے۔ ہومیوپیتھک کا علاج ایک سال تک کرتے رہے۔ پھر میں نے سرجن عباسی کو دکھایا اُن کا خیال تھا کہ کہیں Thrombosis نہ ہو۔ سو وہ ٹیسٹ بالکل ٹھیک تھا۔ کوئی Clot وغیرہ نہیں تھا۔ پھر انہوں نے کہا کہ پیٹ کی Scanning کروائیں۔ وہ کرانے کے بعد معلوم ہوا کہ پیٹ میں پانی ہے۔ انہوں نے پانی نکلوایا۔ پانی کا ٹیسٹ کلیئر تھا۔ یعنی کینسر وغیرہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے مجھ کو Spiromid دن میں دو دفعہ کھانے کو دی۔ اللہ کا شکر ہے اس دوا سے پانی سوکھنے لگا لیکن مجھ کو ہاتھ پاؤں میں Cramps پڑنے لگے۔ میں نے ڈاکٹر کو دکھایا انہوں نے بلڈ ٹیسٹ کروایا تو Potassium زیادہ تھی۔ انہوں نے Spiromid بند کر دی اور Lasix 20mg شروع کروائی۔ 20mg Lasix کھاتی رہی تو میرے Cramps ختم ہو گئے۔ پانی بالکل کم ہو گیا ہے۔ اب میں Laxis 10mg کھا رہی ہوں۔ چیک کرواتی رہتی ہوں۔ پھر جوڑوں اور گھٹنوں میں درد ہوا ڈاکٹر کو دکھایا تو انہوں نے مجھ کو جوڑوں کی دوائی دی وہ یہ ہے Tab Dal C دن میں ایک صبح اور ایک شام۔ Tab Dalflex Sgrlmutipihis دن میں دو دفعہ ایک گولی صبح اور ایک گولی شام کو۔ ایک انجکشن دیا جو تین مہینے کے بعد لگوانا ہے Dan Viva.lv. لگانا ہے جسے میں نے اب تک نہیں لگوایا۔ بہت مہنگا ہے 6000 روپے کا

اندازہ کر سکتے۔ اور نہ ہی ٹیسٹ رپورٹس بھیجیں جو ڈاکٹروں نے کرائی ہیں۔ وزن اور قد کے ساتھ مندرجہ ذیل ٹیسٹ کروائیں HbA1C, CBC, Urine D/R پریش چیک کروائیں۔ کھانے پینے اور اُٹھنے سے سونے تک کی روٹین لکھیں۔ ڈاکٹر ولما شواہ جرمی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Sulphur 200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ہفتہ میں ایک دفعہ صبح نہار منہ لیں۔ اس کے اگلے دن سے Teucrinum 30, Pulsatilla 30 کے 5.5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ جب یہ کورس مکمل کر لیں تو پھر مکمل حال لکھ بھیجیں۔ متوازن غذا استعمال کریں۔ تلی ہوئی، بھنی ہوئی اور مرغن اشیاء سے پرہیز کریں۔ چھل قدمی کیا کریں، 10 منٹ سے شروع کریں۔

گھٹنے کا درد

جیلہ بیگم..... گلشن اقبال کراچی
سوال:- میں پاکیزہ ڈائجسٹ کی مستقل خریدار ہوں۔ اس میں ڈاکٹر کے بورڈ کا پڑھا تو میں اپنے گھٹنے کے جوڑوں کے درد کے لیے شواہ کی دوا استعمال کرنا چاہتی ہوں کیونکہ ایلوپیتھک میں Side effects ہوتے ہیں۔

بیوہ ہوں 80 کے قریب عمر ہے۔ گھٹنوں کا درد مجھے پرانا ہے۔ بہت علاج کرائے ایلوپیتھک بھی اور ہومیوپیتھک بھی۔ 2008ء میں مجھ کو پس میکر لگا ہے۔ اس کے بعد میں بالکل ٹھیک تھی کہ اچانک میرے پاؤں میں سوجن ہو گئی۔ آغا خان

ہومیوپیتھک دونوں ڈاکٹروں کو چیک کروایا، دم بھی کروایا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ چنبل ہے۔ اتنی دوا میں کھا چکی ہوں اب میں نے ایلوپیتھک ڈاکٹر کی دوائی شروع کی ہوئی ہے۔ 3 ماہ ہو چکے ہیں دوا کھاتے ہوئے۔ دوا کھانے کے دوران کچھ آرام آیا تھا لیکن میں نے ایک ہفتہ دوا چھوڑ دی تھی جس کی وجہ سے تکلیف پھر ویسی کی ویسی ہی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے 6 ماہ کا کورس بتایا تھا۔ بہت زیادہ گرم دوا میں کھانے کی وجہ سے میرے چہرے پر دانے نکل آئے ہیں، کیل مہاسے بھی ہو گئے ہیں اور چہرے پر داغ بھی پڑ گئے ہیں۔ جسم کے اندر بہت زیادہ گرمی بھی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے چہرے پر لگانے کے لیے 3 عدد ٹیوب بھی دی تھیں جو میں روزانہ لگاتی تھی۔ لیکن کچھ دن ناعہ کی وجہ سے دوبارہ مسئلہ وہیں کا وہیں ہے۔ پانچواں مسئلہ میرا قد بھی بہت چھوٹا ہے۔ قد بھی نہیں بڑھتا۔ عام طور پر جتنا قد ایک لڑکی کا ہونا چاہیے اتنا نہیں ہے۔

چھٹا مسئلہ میرا یہ ہے کہ دوائیاں کھانے کی وجہ سے مجھے پیریڈ کا بہت زیادہ مسئلہ ہوا ہے۔ 1 ماہ میں 4 مرتبہ یہ مسئلہ ہو رہا ہے۔ خون بھی بہت زیادہ ہی آتا ہے۔ اندر سے بوٹیاں بھی نکلتی ہیں خون کی شکل میں۔ اس چیز کی بھی میں نے لیڈی ڈاکٹر کی دوا کھائی ہے لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

پلیز مجھے ایسی دواؤں کا مشورہ دیں جس سے میرے یہ تمام مسائل (بیماریاں) حل ہوں اور مجھے آرام آجائے۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔
جواب:- بی بی آپ نے وزن اور قد نہیں لکھا کہ کتنا ہے جس سے ہم آپ کی جسامت کا

انچ بڑھ جائے۔ میری عمومی صحت بہت اچھی ہے اور میری خوراک بھی مناسب ہے۔ برائے مہربانی کوئی اثر انگیز دوا تجویز کر دیجئے۔

میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا رنگ وقت کے ساتھ ساتھ سانولا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پہلے میرا رنگ صاف ہوتا تھا اور چہرے پر چمک بھی ہوتی تھی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کوئی اثر انگیز دوا تجویز کر دیں جس سے میرا رنگ گورا ہو جائے اور مجھے کسی کے سامنے شرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ برائے مہربانی یہ بھی واضح کر دیجیے کہ ان دواؤں کے استعمال سے کوئی گائنتی کے مسائل تو پیدا نہیں ہو جائیں گے۔ آپ سے گزارش ہے کہ میرے مسائل کا حل بتا دیجئے میں آپ کی بہت ممنون و مشکور ہوں گی۔

جواب:- تازہ پھل اور سبزیوں کا استعمال بڑھائیں۔ ورزش کیا کریں، متوازن غذا کھائیں۔ 19 سال میں قد بڑھتا تو نہیں لیکن کوشش کی جاسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔

Thyroidinum 30 کے 5 قطرے
چوتھائی کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ
Sarsaparilla 3x کے 5 قطرے آدھا
کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ
Calc Phos 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3
مرتبہ 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر حالت
بتائیں۔

تھوکتا پڑتا ہے۔ نزلہ بہت پرانا ہے اور اس کا علاج بھی بہت کرایا ہے لیکن افادہ نہیں ہوتا۔ تقریباً دس سال سے ہے۔ یہی حال میرے بچوں کا ہے۔ بیٹی کی عمر 18 سال، بڑا بیٹا 15 سال کا اور چھوٹا بیٹا 12 سال کا ہے۔ سب کو ہر وقت نزلہ رہتا ہے اور چھینکس بہت زیادہ آتی ہیں۔ ناک اور آنکھوں سے پانی بہتا ہے۔ پیلز ہم سب کے لیے کوئی اچھی سی دوا لکھ دیں۔ ہم ہمیشہ آپ کو اپنی دواؤں میں یاد رکھیں گے۔

جواب:- نزلہ کے لیے Kaloba کے 10 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ 30 Marum Varum اور Nat.mur30 کے 5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ پتھری کے لیے Chelidonium-30 کے 10 قطرے دن میں تین مرتبہ آدھا کپ پانی میں استعمال کریں۔ 3 ماہ بعد الٹراساؤنڈ کرا کر حال بتائیں۔ چکنائی اور کھٹی، ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کریں۔

لمبا قد گورا رنگ

علیہ گیلانی..... بہاولپور

سوال:- مجھے آپ سے اپنے دو مسائل بیان کرنے ہیں۔ میری عمر 19 سال ہے۔ میرا قد 5 فٹ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا قد تین سے چار



Dr. Willmar Schwabe , Germany.

Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores